قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ؁

مواعظِ حسنہ

یعنی

مجموعہ مواعظِ فصیحہ و بلیغہ حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین زین المتکلمین فخر المتالہین عالمِ علوم ربانی، کاشفِ اسرارِ فرقانی، شیخ الاسلام محی الدین سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی

رفع اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین

مُرتّبہ و مؤلّفہ

سلالہ دودمان رسول الثقلین عالی جناب علامہ السید محمد سبطین صاحب سروی اعلی اللہ مقامہ

جس کو

حسب فرمائش ادارہ معارفِ اسلام رجسٹرڈ لاہور

سید نسیم حیدر جعفری منیجر البرہان بکڈپو لاہور نے

شائع کیا

تعداد ۱۰۰۰ بار چہارم قیمت ؏ علاوہ محصول ڈاک

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ
رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا

یعنی

مجموعہ مواعظِ فصیحہ و بلیغہ حضرت زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین زین المتکلمین
فخر المتالہین عالم علوم ربّانی۔ کاشفِ اسرار فرقانی شیخ الاسلام
محی الدین سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی
الطہرانی رفع اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین

مُرتّبہ و مؤلفہ
سلالہ دودمان رسول الثقلین عالیجناب علاّمہ السیّد
محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ

جس کو
سید نسیم حیدر جعفری منیجر البرہان بک ڈپو لاہور
نے شائع کیا

تعداد ۱۰۰۰ | بار چہارم | قیمت حصہ ۵ر علاوہ محصولڈاک

(نذیر پرنٹنگ پریس لاہور)

باہتمام سید مسلم حسن زیدیؔ پرنٹر چھپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

جزو اول

موعظہ اول

موعظۂ ہفتم

موعظۂ ہشتم

موعظۂ نہم

موعظۂ دہم

موعظۂ یازدہم

حصّہ دوم

موعظۂ اوّل

موعظۂ دوم

موعظہ سوم

موعظۂ چہارم

موعظۂ پنجم

مجلس دوم
متعلق آیۂ نور

مجلس سوم
متعلق آیۂ نور

حصۂ چہارم

دیباچہ

برادرانِ ایمانی پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاریکی و جہالت کے زمانہ میں جبکہ اسلام کی محض رسم اور قرآن کا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ضلالت کا ابرِ سیاہ ایک عالم پر چھایا ہوا ہے۔ زبدۃ المحققین، عمدۃ المدققین قدوۃ المتکلمین راس المتالہین۔ سید المتفقہین۔ مجدد العلوم الربانیۃ مفسر الرموز القرآنیہ۔ مبین الاسرار الفرقانیہ الحکیم الماہر۔ الحبر الباہر۔ وحید العصر فرید الدہر العالم الربانی والواصل الصمدانی العلامۃ الشیخ عبد العلی ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ واسبغ علیہ انعامہ ورفع درجاتہ فی دار کرامۃ۔ جیسے عالم، عامل، عارف کامل کا بوجہ حوادثِ زمان و فتنِ دوران ہندوستان میں تشریف لانا اور پنجاب میں اقامت فرمانا خداوند عالم کے تفضلاتِ خاصہ و نعماتِ مخصوصہ سے ہے اور اس نعمتِ غیر مترقبہ کی ناشکرگذاری کفرانِ نعمت و عطائے الٰہی ہے، خوشا حال ان افرادِ مومنین کا جنہوں نے اس نعمت کا شکر ادا اور اس فیض سے استفادہ کیا اور دونوں جہان میں سرخرو ہوئے۔

یہ امر بھی معلوم ہے کہ اگرچہ حوادثِ زمان و حسد حاسدین و عداوتِ مخالفین و عدم استعداد سامعین و آخذین سیلان و جریان بحارِ علوم سرکار علامہ بحر العلوم کو مانع رہے۔ لیکن پھر بھی اس تھوڑے سے عرصے میں بہت سے اہلِ ذوق و شوق و علم دوست حضرات اہلِ پنجاب آپ کے سامنے زیرِ منبر زانوئے ادب طے کرنے اور مواعظ بلیغہ فصیحہ سننے سے عالم و واعظ بن گئے۔ معارف دینیہ میں دلائل و براہین قرآنیہ کی ایک لہر پھیل گئی۔ جو باتیں آج تک بظاہر محض اعتقادی و تقلیدی طور پر مانتے چلے آتے تھے۔ وہ ایسی مبرہن ہو گئیں کہ محسوس نظر آنے لگیں۔ بہت سے محو شدہ آثارِ دین و معارفِ علم و یقین تازہ ہو گئے۔ عام طور پر قرآن فہمی کا شوق پیدا ہو گیا۔ قرآن کریم کی عظمت دلوں میں جاگزیں ہوئی اور یہ حقیقت کہ قرآن تبیان کل شے ہے۔ اور اس میں ہر خشک و تر کا ذکر ہے مثل روزِ روشن آشکار ہو گئی۔ بہت سے ملحد دہریے محض سرکار علامہ کے براہین قاطعہ عقلیہ و دلائل

یقینیہ قرآنیہ سُنکر معتقد اسلام ہو گئے۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔
مگر افسوس ہے کہ عام لوگ یا تو بوجہ بغض وحسد یا بسبب شقاوت ذاتی اور یا بجہت عوائق و موانع دہریہ اس نعمت سے مستفید و اس فیض سے مستفیض نہ ہوئے اور خواص ہی نے معتد بہ فائدہ اٹھایا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشآء۔"

یہ ظاہر ہے کہ تقریر کا اثر اگرچہ زیادہ ہوتا ہے مگر سامعین ہی تک محدود رہتا ہے اور صرف وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو ایسے جلسہ ہائے وعظ میں شریک ہوتے رہیں اور وہ بھی صرف چند گھنٹے کے واسطے اور تحریر ایسی چیز ہے جو باوجود مرور ایام ودہور باقی رہتی ہے۔ اور اس کا فیض جاری وساری

یلوح الخط فی القرطاس دھرا
وکاتبہ رمیم فی التراب

بنابریں بعض مومنین کو خیال ہوا کہ مواعظ سرکار علامہ مرتب ہو کر کتاب کی صورت میں شائع ہوں تاکہ فائدہ عام ہو اور بقاء دوام، اور حاضرین وغائبین خاص و عام سب مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ جب انکا اصرار بہت بڑھ گیا تو حقیر ناچیز نے اس کام کو انجام دینے کا عزم کیا مگر اس عزم کو تقویت صرف جناب مکرم محترم مولوی حاجی سید شریف حسین صاحب بھریلوی سابق مدرس سنٹرل ماڈل سکول لاہور کی ہمت افزائی اور کوشش سے ہوئی جنہوں نے اثناء وعظ میں یادداشت لکھنے کا ذمہ لیا مجھے خود اثناء وعظ میں نہ لکھنے پڑے۔ اس لئے کہ بعد اختتام وعظ مکان پر جا کر فرصت پائی اور وعظ کو ضبط کر کر لکھنا مجھ جیسے کم فرصت کے لئے بہت دشوار تھا۔ خصوصاً ایام عشرہ محرم الحرام میں ایک گھنٹہ فرصت کا ملنا بھی ناممکن تھا۔ اں فرصت کے زمانہ میں جبکہ میں ملازم نہ تھا یہ امر مشکل نہ تھا اور بعض مواقع پر ایسا کرتا بھی رہا۔ بلکہ منقول بعد بعض مواعظ لکھے ہیں ولا فخر اور اس واسطے جناب مولوی صاحب موصوف اس امداد میں سب سے پہلے قومی شکریہ کے مستحق ہیں اور بعد ازاں جناب مولوی معنوی شیخ نبی بخش صاحب پٹیاوی وارد حال مشہد مقدس زید فضلہ جنہوں نے تمام مسودات کو صاف کرنے اور خوشخط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی اور ان کے بعد وہ مومنین بالتمکین جنہوں نے ان کی اشاعت میں مالی امداد میں حصہ لیا۔ فجزاھم اللہ خیراً

اس طرح سے عشرہ محرم الحرام ۱۳۲۱ و ۲۲ و ۲۳ھ کے مواعظ لکھے گئے بعد ازاں احقر مؤلف نے انہیں ترتیب دیا اور چونکہ اثنائے وعظ میں تمام وعظ کا بجنسہ لکھا جانا سوائے شارٹ ہینڈ رائٹر مختصر نویس کے اور کسی کو ممکن نہیں خصوصاً وہ مواعظ جو غیر زبان مادری یعنی فارسی میں ہوں اور وہ وعظ جو اصطلاحات علمیہ و دلائل و براہین فلسفیہ و منطقیہ سے پُر اور جن میں بلا مبالغہ سینکڑوں آیات قرآنی پڑھی جائیں اور استدلال میں لائی جائیں اس لئے

ان مواعظ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ مضامین و عنادین سلسلہ وار مت میں
ارتقا کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اوّل آسان ترین عنادین و بیانات ہیں اور رفتہ رفتہ دقیق ہوتے جاتے
ہیں اور اگر اس سلسلہ کے بعد کے مواعظ موجود اور شائع ہوتے تو یقیناً ان کی بجز اور ہی شان
نظر آتی۔ وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن۔

نیز یہ کہ بعض بیانات ایک جگہ مجمل ہیں۔ دوسری جگہ یا دوسرے وعظ میں مفصل۔ لہذا
ناظرین کرام کتاب کو آخیر تک بغور پڑھے و سمجھے بغیر نکتہ چینی سے کام نہ لیں۔ اور جو بعض مضامین
مکرر معلوم ہوں گے۔ وہ در اصل مکرر نہیں ہیں۔ بلکہ کسی نہ کسی جدید مطلب کو مفید یا مؤید یا اس
کے مفسر یا مذکر ہیں۔ ممکن ہے کہ ناظرین ان مواعظ میں بعض استدلالات و استنباطات یا بعض
مضامین ایسے بھی پائیں گے۔ جو پہلے نہ سنے ہوں یا جن کے سننے کے عادی نہ ہوں یا اس کے خلاف
ہوں اور اس لیے ان کی طبیعت ان کو قبول نہ کرے تو بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ
کے خلاف انکار یا تکذیب یا اعتراض و ایراد سے پہلے اس مثل پر غور فرمائیں۔ کم ترک
الاول للآخرین۔ ان شاء اللہ بعد غور و خوض اطمینان حاصل ہوگا۔

گو اندھے مقلد یا غیر معمول متعصب یا خاص چٹ پٹے مضامین کے عادی یہ کہدیتے
گئے یا اب بھی کہدیتے ہوں کہ یہ مضامین کوئی غیر معمولی نہیں۔ لیکن جن کو خداوند عالم نے حق شناسی
اور حق گوئی کے زیور سے آراستہ کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

وانی وان کنت الاخیر زمانہ
لآت بما لم تستطعہ الاوائل

اس کی سیدھی باتوں میں وہ عمق ہے جہاں عقول کی رسائی نہیں۔ نہ معمولی استعدادیں ہیں وہ نکات
ہیں جہاں دوسرے کی عقل مشکل سے پہنچ سکتی ہے جیسا کہ قبل تو نہیں لیکن ہاں آج لونڈے
کی زبان پر بھی ایسے مضامین ہیں اور شیخ ابھی زندہ ہوتے تو تعجب نہ تھا کہ لونڈیوں کی زبان پر بھی چڑھ جاتے۔

اسی کی یہ معجز بیانی ہے جس نے ہر ایک نکتہ کو خوش بیان کر دیا

اور لطف یہ ہے کہ جن باتوں میں مرحوم کی سخت ترین مخالفت کی گئی اور ان پر طرح طرح کے بہتان
باندھے گئے۔ وہی باتیں آج عقائد بن رہی ہیں۔ اور ہر ایک ملک میں اکثر منبروں پہ شیخ بولتا ہوا
دکھائی دیتا ہے ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے۔

زندہ است نام فرخ عبدالحی لعلم — گرچہ لیست گذشت کہ بغداد نماند

جن بابصیرت اصحاب کے سامنے پنجاب خصوصاً مومنین پنجاب کی تیس سالہ تاریخ یعنی تاریخ
دیانت ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ احساس دینداری۔ معلومات مذہبی اور نشوونمائے ذہنی
کے اعتبار سے ان تیس سال میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا ہے اور وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے
ہیں۔ بلکہ یہاں تک ترقی کی ہے کہ اب دوسرے صوبے پنجاب کو رشک آمیز نگاہوں سے دیکھتے
ہیں اور اتنا حسن ظن اس معاملہ میں رکھتے ہیں جس کے دراصل اہل پنجاب مستحق نہیں ہیں۔ لیکن فی الحقیقت
دیگر صوبوں کا یہ حسن ظن کوئی معنی رکھتا ہے اور وہ یہی اہل پنجاب کی امور دینی اور تبلیغ و اشاعت
دین میں غیر معمولی ترقی ہے کہ آج معمولی زمیندار تک بھی معقول معلومات مذہبی کا ایک معتدبہ ذخیرہ اپنے
سینوں میں رکھتے ہیں۔ سطحی قابلیت کے اشخاص اچھے اچھے باسواد مخالفین کو نیچا دکھا دیتے ہیں
باسواد مومنین علماء کاملین کی شان دکھاتے ہیں۔ اور وہ تقریریں کرتے ہیں کہ سننے والے دنگ رہ جاتے
ہیں، اہل علم کا رنگ بدل گیا ہے اور ان کی تقریرات اور تحریرات کو چار چاند لگ گئے ہیں، ادھر
شیعوں کا دینی مرکز ہے اور سینکڑوں ذی علم اور باکمال وہاں موجود ہیں۔ مگر پنجاب جو جہالت میں
ضرب المثل تھا اس کے فرزند صوبجات متحدہ، اودھ، بہار تک جا کر کامیاب تقریریں کرتے ہیں۔
اور زاد اور امی مجتہد علامہ بن گئے ہیں۔ بدایت النحو تک کے تعلیم یافتہ با ہمت طالب العلم فلسفیانہ
مضامین کے مصنف کہلاتے ہیں اور ان کی تقریروں میں میر داماد اور ملا صدرا کا رنگ جھلکتا ہے
گو اکثر جگہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ کی مثال صادق آتی ہے۔ اور صاف معلوم ہو
جاتا ہے کہ بھونڈے پن سے کسی کی نقل کی جا رہی ہے۔ تاہم ان کی ہمت اور جرأت مستحق
آفرین ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اہل بٹالہ، جگراؤں، پٹیالہ، لاہور اور ملتان جیسے خاص خاص مقامات
کے سوا اہل پنجاب عالم کی صورت تو کیا عالم کے نام سے واقف نہ تھے۔ اب معمولی اہل قریہ
علماء کاملین کے مواعظ سے مستفید ہوتے ہیں۔ تیس سال قبل شاید شیعیان پنجاب میں کسی مذہبی
انجمن کا نام بھی نہ تھا۔ آج سینکڑوں کی تعداد میں مذہبی انجمنیں بلکہ کانفرنسیں کام کر رہی ہیں اور
ان کے عظیم الشان سالانہ جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ جہاں اہل علم کی کثیر جماعت اکٹھی ہوتی ہے۔
صرف یہی نہیں کہ یہاں علماء کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے بلکہ عام پبلک کی یہ حالت تھی کہ علماء
کے وعظ سے نفرت کرتے تھے۔ اگر کبھی کسی عالم کی زبان سے "اعوذ باللہ السمیع العلیم
من الشیطان الرجیم" سن پاتے تھے تو اعوذ باللہ کہتے ہوئے کوسوں بھاگتے تھے اور
کہتے تھے کہ کیا کوئی ذاکر ہی نہیں رہا" یہ قل اعوذیہ کہاں سے بٹھا دیا؟ آج وہی لوگ اہل علم کا وعظ

سُننے کے فریفتہ نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کو اب سوائے وعظ کے اور کسی چیز میں لطف ہی نہیں آتا۔

اشاعت مذہب میں سینکڑوں رسائل اور کتب پنجاب سے شائع ہوتی ہیں جو ملک کے اہل علم کی نظر میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

کئی اخبار اور رسالے جاری ہوئے اور ہو رہے ہیں جو خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ دیگر اہل پنجاب مومنین پر ہمیشہ اعتراض اور طعن کیا کرتے تھے کہ تم میں نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی قرآن کو جانتا ہے نہ تمہارے یہاں علمی کتب ہیں تم سوائے پیٹنے اور گالیاں دینے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ اب یہ اعتراضات خود بخود رفع ہو گئے بلکہ بعض منصف مزاج برادران اسلام تو بعض اوقات کہہ اُٹھتے ہیں۔ کہ "اگر علم ہے تو انہیں میں ہے" اور اس کا ہمیں ذاتی تجربہ ہے۔

غرض اس تیس بتیس سال میں (یعنی ۱۹۰۵ء سے ۱۹۳۷ء تک کے عرصے میں) پنجاب کی زمین و آسمان بدلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس انقلاب کا کوئی سبب اور کوئی موجب ضرور ہے۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ زمانے کا اقتضاء ہے اور چونکہ تمام ممالک اور کل اقوام میں علمی اور مذہبی ترقی ہو رہی ہے۔ اور ہر طرف یہی چہل پہل نظر آتی ہے اس لئے پنجاب میں بھی ہونا تھا جہاں نئی نئی انجمنیں قائم ہو کر نئی تحریک مذہبی کا موجب ہو رہی ہیں۔ یہ صرف اس زمانہ کا اثر ہے۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ضرور ایسا ہی ہے۔ یا ہو سکتا ہے۔ لیکن "ابی اللہ ان یجری الاشیاء الا بالاسباب" دنیا عالم اسباب ہے اور کوئی شے بغیر سبب یہاں ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا ضروری ہے کہ زمانے کا یہ اثر کسی خاص مبارک ہاتھ پر ظاہر ہوا ہو اور قدرت نے اس ترقی اور اس کی تحریک کیلئے کسی خاص ہستی کو چنا ہو یہ سعادت اس کے حصے میں آئی ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

اس لئے جملہ اہل پنجاب خصوصاً بابصیرت اور انصاف پسند مومنین بالیقین اس کا یہی جواب دینگے کہ شیعیان پنجاب میں اس چہل پہل، اس ترقی دینی، اس تحریک، اس اشاعت و تبلیغ کا مبداء اور منتہا اور مرکز و معدن رئیس المحققین، تاج المفسرین، فخر المتاخرین، سرکار شریعت مدار علامہ شیخ الاسلام شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ کی ذات بابرکات ہی تھی۔ جس کو حوادث زمانہ نے طہران قصر سے نکال کر پنجاب کے جنگلوں میں لا بٹھایا۔ اس کی معجز بیانی اور دفتر البرہان کی شائع کردہ جدید محققانہ تالیفات اور تصنیفات خصوصاً مواعظ حسنہ، کشف الاسرار، خلافت الہیہ،

ہیں خریدنے کو تیار ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ اس کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتے ان جواہر قرآنی کا دس دس دفعہ مطالعہ کر چکے ہیں اور پھر سیر نہیں ہوتے۔

ورنہ ہمارا یہ سلسلہ لیٹ ہو چکا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس کے اور حصص شائع کرنے کی جرأت نہیں کی ورنہ ایک دو حصے اسی سلسلہ مواعظ میں اور تیار ہو سکتے تھے۔

خصوصاً اس لئے بھی جرأت نہیں ہوتی اور اب بھی اکثر طبیعت متردد ہو جاتی ہے۔ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ان مواعظ سے دین اسلام و مذہب حق کو غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے وہاں ایک حد تک نقصان بھی پہنچا ہے اور وہ یہ کہ مست کے ہاتھ میں تلوار آگئی ہے یعنی وہ لوگ جو اس کے اہل نہیں ہیں اور اتنی استعداد نہیں رکھتے ہیں کہ ان مطالب علمیہ و فلسفیہ اور معارف الٰہیہ کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر اپنی تقریروں میں اُن کا حق ادا کر سکیں۔ مگر وہ ایسا کرتے ہیں اور ما افسدہ اکثر مما اصلحہ کا مصداق ہیں کہ نہ صرف ان مضامین کو خراب کرتے بلکہ دین اور اہل دین پر بھی ظلم کرتے ہیں۔ کیونکہ الفاظ بدلنے اور آسان ہو جانے سے علم نہیں بدل جاتا۔ مضامین علمیہ کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے یقیناً علم کی ضرورت ہے۔ جاہل اگر کسی مسئلہ شرعیہ کو بیان کرے تو شریعت کو تباہ اور اہل دیانت کو ہلاک کرے گا۔ اور اسی وجہ سے نیم ملا خطرۂ ایمان سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جیسا ان مطالب کلامیہ کو جو صدر، میرداماد اور محقق طوسی کی زبان پر سجتے ہیں۔ پنجاب کا ایک تین جماعتوں تک اردو پڑھا ہوا ذاکر بیان کرے تو کیا ہوگا۔

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

کا مصداق ہوگا۔

ایسا ہوتا ہے اور ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور ہمیں ایک مکرم دوست پنجابی ذاکر کا یہ مقولہ نہیں بھولتا کہ ”آپ یا تو رسالہ بند کر دیں یا عربی میں چھپا کریں ورنہ ہمارے علاقہ کے کل پنجابی ذاکر مجتہد بن جائیں گے“ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ اگر ہم ان معارف الٰہیہ اور ان مطالب علمیہ کو ذرا اور وضاحت سے بیان کر دیں اور جو نہیں بیان کیا ہے وہ بھی بیان کر دیں تو بقول خود سرکار مرحوم اکثر لوگ ان مضامین کو لے کر دعوئے نبوت کریں بلکہ نبوت تو پنجاب میں اب ختم ہو چکی ہے اور اس دعوے کی اب کوئی زیادہ وقعت نہیں رہی ہے۔ شاید بعض لوگ دعوائے الوہیت کر بیٹھیں اور اہل پنجاب کی زندہ دلی، ہمت، جرأت اور جفاکشی سے

یہ کچھ بعید نہیں ہے۔

جو کتاب طبع کی جاتی ہے وہ اسی لئے ہے کہ لوگ اس سے مستفید ہوں اور اگر وہ ایسا کریں تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی حیثیت سے آگے قدم نہ رکھے اور اپنی بساط سے نہ بڑھے۔ وہی مضمون بیان کرے۔ جس کو وہ خوب سمجھتا ہو اور جس پر وہ ہر طرح سے حاوی ہو۔ جس کے ہر پہلو پر بحث کر سکتا ہو۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ بجائے حق ناحق کی اشاعت کا مرتکب ہو۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

اہل پنجاب اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں بہت جری ہوتے ہیں اور تحصیل علم کے طریقہ سے اکثر ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو اس کی محنت کو گوارا نہیں کرتے۔

اخی لا تنال العلم الا بستۃ	سانبیک عن تفصیلہا ببیان
ذکاء وحرص واجتہاد وبلغۃ	وارشاد استاذ وطول زمان

یعنی تحصیل علم کے لئے چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ ذکاوت ذہنی، حرص تحصیل علم۔ اجتہاد اور کوشش۔ قوت لایموت، اُستاد کی ہدایت اور زمانہ دراز۔

یا وہ جانتے ہیں مگر وہ خیال کرتے ہیں کہ جب بلا محنت و مشقت بلا پڑھے لکھے آدمی علامہ حجۃ الاسلام، آیۃ اللہ بن سکتا ہے اور جہاں عالم تشیع میں بارہ سو سال میں ایک شخص علامہ کے لقب سے ملقب ہوا وہاں آج گھر گھر علامہ نظر آتے ہیں۔ مدرسوں میں پڑھنے والے دفتروں میں کلرکی کرنے والے شہروں میں اچھل کود کرنے والے سب علامہ ہیں تو پھر محنت و مشقت تحصیل علم میں برداشت کرنا خلاف عقل اور اصول اقتصاد کے بالکل منافی ہے اگر ایک سال میں آدمی بغیر لکھے پڑھے صرف مضامین غیر حفظ کر کے عالم ہو سکے۔ تو پھر اپنی عمر کے بیس پچیس سال کیوں ضائع کرے اور اپنی صحت اور روپیہ کیوں برباد کرے۔

اس واسطے ہم نے دیکھا ہے کہ صرف میزان و منشعب تک پڑھے ہوئے لڑکے اچھے خاصے ملا بنے ہوئے ہیں۔ دو کتابیں اُردو فارسی کی پڑھ لیتے ہیں۔ اور گاؤں میں نکل جاتے ہیں اور "علما" بن جاتے ہیں اور اگر کوئی ان کی تعظیم نہ کرے تو لڑتے ہیں۔ اور یہ سب واقعات ہمارے تجربہ میں ہیں۔

خدمت دین سے بہتر کیا چیز ہے۔ اگر یہ حضرات کچھ وقت تحصیل علم میں بھی صرف

کریں تو کیا اچھا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم سے کم جو بات خود بخود یا کتاب سے سمجھ میں نہ آئے اس کو ضرور کسی جاننے والے سے پوچھ لیا کریں۔ ایسا کرنے سے ان کے علم میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور غلط بیانی کے خطرے سے بھی محفوظ رہیں گے اور صحیح معنی میں خدمت دین بجا لاسکیں گے۔

واقعی تحصیل علم لوہے کے چنے چبانا اور آنکھوں کا تیل نکالنا ہے۔ جنہوں نے تحصیل کی مصیبتیں اٹھائی ہیں وہی اس کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

تحصیل اردو فارسی و عربی میں پورے بیس سال اساتذہ کی خدمت میں گذرے اور سولہ سال سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی خدمت کی اور استفادہ و استفاضہ کیا۔ اس عرصہ میں صحرا نوردی و کوہ پیمائی اور کوچہ گردی سب ہی کچھ کی۔ ۳۶ سال تحصیل علمی میں زندگی کے گذارے۔ پھر بھی "من آنم کہ من دانم"۔ "وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۔ زِدْنَا فَضْلَ اللّٰہِ فِی کُتُبِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ ذٰلِکَ ..."

خوش حال ان طلبہ کا جو تحصیل علم میں اپنے اوقات عزیز صرف کرتے ہیں اور محض خوشنودی خدا کے لئے علم دین کو حاصل کرتے ہیں۔ "إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"

اگرچہ ان کتب کی ایک خصوصیت خاص ہے جو شاید دوسری کتب میں نہ ہو یا بہت کم ہو وہ یہ کہ ان کو پڑھ کر معمولی قابلیت کا انسان جس میں پڑھنے کی استعداد ہو اچھا واعظ بن جاتا ہے۔ خواہ کوئی اور کتاب دیکھے یا نہ دیکھے۔ چنانچہ یہ بالکل مشاہد اور محسوس ہے۔ اور بہت سی زندہ ہستیاں اس کی گواہ ہیں۔ اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جو ہم نے اوپر عرض کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتب کا مقصد ہی تفہیم دینا اور سکھانا ہے اور ہر ممکن طریقے اور طرز و اسلوب سے مطالب کو عام فہم بنانے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ہر ایک مضمون اور ہر ایک استدلال میں ترتیب اور ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اکثر مضامین ایسے بھی ہیں کہ جن کو بلا کم و کاست بجنسہ لفظ بلفظ پڑھا اور بیان کیا جا سکتا ہے اور ایسا کیا جاتا ہے۔ تاہم ہر مضمون کو ہر ایک شخص اپنے فہم و فکر کے موافق و مطابق ہی سمجھے گا۔ سب یکساں اور مساوی طور پر اس کو اخذ نہیں کر سکتے جس طرح ایک عالم

فارغ التحصیل ان کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ثانی یا دو چار جماعتیں پڑھا ہوا کیونکر
سمجھ سکتا ہے۔

لہٰذا یہ کتب اہل ایمان کے لئے درس کا کام دیں گی۔ بشرطیکہ کچھ محنت تحصیل برداشت
کی جائے اور اصول استفادہ کو ملحوظ رکھا جائے اور ایسا کرنے سے یہ حضرات حقیقی معنی
میں واعظ و مبلغ بن جائیں گے۔ خدا توفیق عنایت فرمائے کہ تحصیل کی طرف متوجہ ہوں
اور محض تیر تکے پر کام نہ چلائیں۔ علم دین کو نجات آخرت کا ذریعہ بنائیں نہ کہ تحصیل حطام
دنیویہ کا۔ شہرت اور نام و نمود کے لئے خدا کو نہ چھوڑیں۔ شہرت سے صرف مال دنیا میں
اضافہ ہو سکتا ہے۔ ثواب آخرت میں زیادتی ناممکن ہے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ قَوْمٌ
لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اکثر لوگ خوف خدا اور لوگوں سے حیا نہیں رکھتے۔ یہ مواعظ یا ہماری
دیگر کتب علمیہ کے مضامین کو بیان کرتے ہیں تو آیات اور احادیث اور اقتباسات
عربی کو بھی ضرور پڑھتے ہیں۔ بلکہ ان میں عربی سے جاہل بلکہ حقیقتہً اردو سے بھی جاہل منبر
یا کرسی پر بیٹھ کر عربی خطبہ بھی ضرور پڑھتے ہیں۔ جس میں ہر سطر میں غلطیاں کرتے ہیں اور ان کو
اسے ذرا نہیں شرماتے ایسے حضرات کو اس کام سے اجتناب لازم ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے
میں بہ نسبت ثواب عذاب زیادہ ہوتا ہے اور خدا اور رسول اور ائمہ ہدیٰ کی توہین
و تذلیل۔ کیا اچھا ہو کہ وہ اپنی لیاقت سے باہر قدم نہ رکھیں۔ اور چادر سے زیادہ پیر
نہ پھیلائیں۔ اگر عربی خوانی ہی کا شوق ہے تو اسے علماء سے حاصل کریں۔ اس طبع چہارم
میں ہم نے جملہ مطالب کتاب پر مثل طبع ثالث ایک نظر ڈالی ہے۔ بعض الفاظ اور
اور فقرات جو مبہم تھے انہیں واضح کر دیا ہے جو مشتبہ تھے ان کو ان سے بہتر الفاظ
میں بدل دیا ہے۔ بعض مقامات پر تائیدی آیات، احادیث روایات اور اقوال
و تحقیقات علماء و حکماء کا اضافہ کر دیا۔ بعض جگہ کسی حدیث یا روایت کا صرف ترجمہ
تھا۔ اس کی اصل عبارت نقل کر دی ہے اور بعض مقامات میں آیت کا ترجمہ نہ تھا وہ بڑھا
دیا گیا ہے۔ جو طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں وہ حتی الامکان درست کر دی گئیں بشرطیکہ کاتب
و مصحح نے بھی ان کو درست رکھا۔ آخر میں چند خاص مواعظ کا جو اضافہ طبع ثانی میں کیا گیا
تھا اور ایک مضمون تقریری سرکار علامہ مرحوم اعلی اللہ مقامہ کا عربی میں بقیہ خاص اہل علم
کی خاطر اضافہ کر دیا گیا تھا اور وہ اس طرح مواعظ و مضامین کا مجموعہ بن گیا تھا بدستور

رکھا ہے اور ان پر بعض باتوں کا مزید اضافہ اور اس لئے اب یہ کتاب ان حیثیات سے پھر بالکل نئی ہو گئی ہے اور ساتھ ہی سرکار علامہ مرحوم کی سوانح عمری میں بھی بعض واقعات متاخرہ کو شامل کر دیا گیا ۔ خصوصاً حالات دفن و روانگی تابوت نجف اشرف ۔ شامل کر دی گئی ہے ۔ اور اسی طرح مرحوم کی شبیہہ بھی سرورق کے ساتھ چسپاں ہے ۔ وما التوفیق الا باللہ ۔

اب ہم اس دیباچہ طبع چہارم کو ختم کرتے ہیں اور ناظرین کرام سے یہ امید کہ بوقت مطالعہ و استفادہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں اور ان کے ساتھ اس ناچیز کو بھی یاد رکھیں ۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندۂ گنہگارم

از حقر المذنب المسمیٰ السید محمد سبطین
السرسوی عفی عنہ ۔

سند المجتہدین رئیس العلماء البارعین حضرت سرکار
مولانا سید محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

حالاتِ زندگی

عمدة المحققین جناب علامہ مولانا و مولوی سید محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

مومنین کے اصرار پیہم پر یہ مناسب خیال کیا گیا کہ جناب شیخ علامہ ہردی اعلی اللہ مقامہ کے سوانح حیات کے ہمراہ ان کے شاگرد رشید جناب علامہ محمد سبطین صاحب قبلہ کے حالات زندگی بھی شامل کتاب ہذا کئے جائیں۔ اور یہ مرحوم کے بقائے نام کی بہترین صورت ہوگی۔ علامہ مرحوم کی زندگی کے حالات اگرچہ مفصل معلوم نہ ہو سکے۔ تاہم جو کچھ بھی حالات معلوم ہیں وہ پیش کئے جاتے ہیں۔

اسم گرامی سید محمد سبطین۔ وطن مالوف و جائے پیدائش قصبہ سرسی ضلع مرادآباد یو۔پی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن اصلی قصبہ سرسی میں پائی۔ وہاں سے فارغ ہوکر منصبیہ عربی کالج میرٹھ سے فارغ التحصیل ہوئے ۱۹۰۸ء میں اورینٹل کالج لاہور سے اعلیٰ سند حاصل کی۔ دوران تعلیم میں مولویت سے کسب معاش کو چونکہ ناپسند فرماتے تھے اس لئے اکثر طلباء سے اختلاف رہتا تھا۔ آپ کے ہم جماعت جناب حکیم سید محمد عباس صاحب اور جناب مولوی سید سبط حسن صاحب آپکے خیالات کے سختی سے مؤید تھے۔

عمامہ کے لباس خصوصی سے آپ اجتناب فرماتے تھے۔ لاہور پہنچنے پر جناب سید ناظر حسین صاحب ناظم زیدی سے ملاقات ہوئی جو ان دنوں ناظم الہند جریدہ کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اور ایک اچھے خطیب ادیب و شاعر تھے۔ ناظم صاحب موصوف کی صحبت و شفقت بزرگانہ سے جناب قبلہ کے جوہر نمایاں ہوتے چلے گئے۔ اسی اثنا میں جناب سرکار علامہ شیخ عبد العلی ہردی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ لاہور تشریف لائے اور تھوڑے ہی عرصہ میں علماء ہند سے تعارف ہو گیا۔ سرکار شیخ نے پہلی مجلس مولوی سید ابوالقاسم صاحب اعلی اللہ مقامہ کے دولتکدہ پر پڑھی اور حاضرین مجلس میں سے ان کا ترجمہ کرنے کے لئے جناب قبلہ کو منتخب فرمایا کیونکہ اس سے قبل سرکار شیخ نے خواب میں دیکھا تھا کہ جناب قبلہ جیسی شکل و صورت کا آدمی ان کا مترجم ہوگا۔ بنا بریں سرکار شیخ [illegible] ساتھ ہو گیا کہ دوران میں سرکار علامہ مجتہد اعظم [illegible] پہنچتی مرکز شیخ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

واقعات و سوانح

حضرت سرکار شریعتمدار رئیس العلماء الاعلام حجۃ الاسلام الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی قدس سرہ العزیز

مصنف کی معرفت اور اس کی علمی تصنیف کی عظمت و وقعت کو عام و خاص کی نظروں میں دو بالا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب اور ترقی یافتہ اقوام میں کسی مصنف کی تصنیف کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی مجملاً یا مفصلاً ضرور طبع کیا جاتا ہے اور اس طرح سے مصنف کی مساعی جمیلہ کا قوم کی طرف سے عملاً شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

بنابریں یہ مناسب اور موزوں خیال کیا گیا ہے کہ ہم بھی سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کے ان "مواعظ حسنہ" کے ساتھ ان کی مختصر سوانح عمری درج کریں۔ اور یہ مرحوم کے بقائے نام کی ایک بہترین صورت ہوگی مخلصین ان حالات کو پڑھ کر خوش ہونگے اور مرحوم کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ اور دشمن آتش حسد سے جلتے رہیں گے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہات سے مرحوم کی گراں بہا زندگی کے مفصل حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔

اوّل تو اس لئے کہ سرکار علامہ کے مخلصین پر کچھ ایسا غفلت کا پردہ پڑا رہا۔ خصوصاً اس ناچیز پر کہ گویا اس حقیقت ہی کو بھولے ہوئے تھے کہ علامہ کو ایک دن ہم سے جدا ہونا ہے۔ کچھ ایسا تصور بندھا ہوا تھا کہ علامہ ہمیشہ ہی ہمارے ساتھ اور ہمارے پاس رہیں گے۔ اس لئے بہت سی باتیں جو پوچھنی تھیں نہ پوچھ سکے۔ بلکہ بہت سی خاص چیزیں جو لیتی تھیں اور جواب کسی دوسری جگہ سے نہیں مل سکتیں نہیں لے سکے۔

دوسرے چونکہ سرکار علامہ قدس سرہ کی مقدس زندگی کا وہ دور جس میں ان کے کمال کی شہرت کا آفتاب طلوع ہوا تھا۔ چند سال ہی کے بعد سیر و سفر سے بدل گیا اور اس واسطے ان کے خاص ایرانی احباب بھی مرحوم کے تفصیلی حالات سے مطلع نہ ہو سکے۔ چہ جائے کہ دیگر اہل ملک۔

تقریباً چونتیس پینتیس سال کے ہوں گے طہران پہنچے۔ ناصر الدین شاہ قاچار کی نظر چڑھے اور غالباً اپنی عمر کے چالیسویں سال میں طہران بلکہ ایران کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑا اور باقی تمام عمر پردیس میں گذر گئی۔ اور اسی وجہ سے خود اُن کی اولاد بھی ان کے پورے حالات سے واقف نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ ابھی بچے ہی تھے۔ کہ باپ کے سایۂ تربیت سے جدا ہو گئے۔ چنانچہ شیخ نصر اللہ مرحوم فرزند ارجمند سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ سے دریافت کیا تو یہی جواب ملا کہ ہمیں وہ دن ہی نصیب نہ ہوا کہ مرحوم کے حالات سے آشنا ہوں۔ بناءً علی ہذا یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہے جو کبھی کبھی کسی واقعہ کے ذکر میں ضمناً خود سرکار علامہ کی زبان سے نکل گیا ہے اور ہمارے ذہنوں میں محفوظ رہا ہے یا جو کچھ جستہ جستہ کسی ایرانی واقف سے معلوم ہو گیا ہے۔ اسی قدر اشارات کافی ہیں اور انہی سے ناظرین سوانح عمری کے نتائج پر پہنچ سکتے ہیں

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہمکو
آئے ہے جزو میں نظر کل کا تماشا ہمکو

ولادت باسعادت وابتدائی تربیت

سرکار علامہ شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی بن حاجی شیخ احمد مرحوم بن شیخ ابراہیم خاص شہر ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد نے علاقہ مشہد مقدس میں کچھ زمین حاصل کر لی تھی اور اکثر وہاں رہائش رکھتے تھے۔ شیخ احمد مرحوم کا ایک بیٹا تھا جو بابت درجہ شیخ کو محبوب تھا۔ قضائے الٰہی اس کا انتقال ہو گیا اور شیخ مرحوم کو سخت صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ حج سے مشرف ہوئے اور عند میزاب دعا کی کہ خداوندا مجھے ایک فرزند عطا فرما۔ جو میرا خلف صالح ہو اور اس سے میرا یہ غم غلط ہو اور اس صدمہ کی تلافی ہو۔ حج سے واپس آ کر ایک عقد کیا اور اس معظمہ سے شیخ عبد العلی ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ

متولد ہوئے اور وہ اس سے کہیں بڑھکر نکلے جیسا کہ شیخ احمد مرحوم کی خواہش تھی۔

صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں لیکن شیخ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں ۱۳۲۱ھ میں انتقال فرمایا اور اس لئے بہ تخمین یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۲۶۷ھ ہجری میں ولادت ہوئی ہوگی ؂

ابتدائی تعلیم علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنے والد مرحوم سے ہی پائی تھی۔ کمال ذہانت کے ساتھ طبیعت میں ظرافت و خوش طبعی بھی تھی۔ چھوٹی سی ہی عمر میں والد مرحوم کے وعظ میں شریک ہوتے اور کہیں کہیں ٹوک دیتے اور بحث کرنے لگتے۔ ملا مرحوم آپ کو دھمکاتے تو فرماتے کہ دھمکانے سے مسئلہ تو حل نہیں ہوا وہ تو اپنی جگہ رہا۔ غالباً دس سال کی عمر ہوئی کہ ماہ مبارک رمضان میں ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ملا احمد مرحوم گھر نہ تھے اور اُن کی عادت یہ تھی کہ دعائے ابو حمزہ ثمالی ہر شب وقت سحر پڑھتے تھے۔ اور علامہ کی والدہ کو بھی پڑھایا کرتے تھے اس شب وہ دعا نہ پڑھ سکیں یہ جاگ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں پڑھوائے دیتا ہوں۔ کہا تو کیسے پڑھا سکتا ہے۔ کہا مجھے یاد ہوگئی ہے والد سے سُنتے سنتے حفظ ہوگئی ہے اور حفظ دعائے ابو حمزہ ثمالی پڑھا دی۔ جب شیخ مرحوم واپس آئے تو یہ حال معلوم ہوا۔ سجدۂ شکر ادا کیا کہ الحمد للہ کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے لئے میں نے تحت المیزاب کعبہ میں دعا کی تھی۔

جہاں تک ہمیں یاد ہے۔ امیر عبد الرحمان خاں والی افغانستان مرحوم کے سن زمانہ تک جس میں بہت سے شیعہ شہید اور جلا وطن ہوئے تھے۔ جس کا باعث صرف جندا اللہ (طلبہ) اور دنیا طلب ملا تھے جو رفض کا الزام لگا کر ان کے قتل کے فتوے دیتے تھے اور تو وجندان اللہ حملہ آور ہوتے تھے اور یہ طوفان ہرات میں حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ بے گناہ شیعوں سے مقبرے پُر ہوگئے تھے اور اسی سلسلہ میں مرحوم کے مکان پر بھی حملہ کیا گیا تھا۔ اور اسی حملہ میں ان کی لڑکی جس کا سن تقریباً چھ سات سال کا تھا شہید ہوگئی تھی۔ جس کا علامہ کو سخت صدمہ تھا۔

اور گورنر ہرات (سعد اللہ خاں جہاں تک ہمیں یاد ہے) شیخ اور ان کے خاندان سے واقف تھے اس لئے ان کو زیادہ تکلیف نہ پہنچ سکی۔ اور اسی پر فتنہ خاتمہ ہوگیا اور اسی گورنر نے ملاؤں کی زیادتی کی امیر موصوف سے شکایت کی اور اس کا انتظام کیا گیا۔

ان کی سکونت ہرات ہی میں تھی مگر اسی طوفان کے بعد ان کو ہرات کو بالکل چھوڑنا پڑا اور اس کے بعد ہرات کی جائداد بھی ضبط ہو گئی جس کی استخلاص کے لئے مرحوم نے اب حال میں کوشش بھی کی تھی۔ مگر امیر امان اللہ خاں نے منظور نہ کیا اور اپنی مجبوری ظاہر فرمائی۔

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

اس کے بعد علاقہ مشہد مقدس میں بمقام ترشیز موضع فداقن جہاں ملا مرحوم کی زمین تھی اصلی مسکن قرار پایا اور اب بھی مرحوم کے متعلقین وہیں سکونت پذیر ہیں۔

استعدادِ فطری اور ذہانتِ طبعی

توارثِ اموال کی طرح توارث صفات مسلم ہے۔ اکثر کاملین میں یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ ایک عرصہ تک چلا آیا ہے اور چلا آتا ہے اور شرفا کی نسل اکثر شریف ہی ہوتی ہے۔ نیک انسانوں کی اولاد اکثر نیک ہوا کرتی ہے۔ علماء کے گھرانے میں علم مدتوں رہا ہے " گندم از گندم بروید جو ز جو " دادا عالم، باپ کامل پھر باپ کی خاص دعا اور وہ بھی کعبہ میں تحت المیزاب۔ ایسوں کا بچہ کامل ہو تو کیا تعجب ہے۔ علامہ میں بچپن ہی سے آثار کمال نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی میتافت ستارۂ بلندی

مشہد مقدس کے قیام میں بعض مدارس مشہد (غالباً مدرسہ شیخ جعفر مرحوم) میں بھی داخل ہے۔ سن رشد کو نہ پہنچے تھے لیکن بعض اساتذہ جو منبر پر کبھی کوئی علمی تقریر کرتے تھے تو وہ ان کو یاد ہو جاتی تھی اور لڑکوں میں اس کو دہرایا کرتے تھے۔

ایک دن استاد کو بھی یہ خبر پہنچی بلایا اور تقریر سنی۔ تعجب کیا کہا اس کا مطلب کیا ہوا عرض کیا مجھے کیا معلوم کہ مطلب کیا ہوا مطلب آپ جانیں میں نے تقریر سنی تھی۔ مجھے یاد ہو گئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوت حافظہ بھی خاص عطیۂ خداوندی و عنایت الٰہی تھی اور اس استعداد فطری کمال ذہانت اور انتہائے کمال قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ اپنے بعد بزرگوار کی تعلیم کامل و اساتذہ کاملین کا فیض اور ارشاد و ہدایت سے چودہ سال کی عمر میں اتنا کچھ پڑھ گئے تھے کہ عام لوگ تیس سال کی عمر میں بھی اس درجہ کو نہیں پہنچے۔ یعنی چودہ سال کی عمر میں مدہ استنباط موجود تھا چنانچہ ماہ مبارک رمضان تھا اور شیخ ملا احمد مرحوم مع اہل و عیال مشہد ہی میں تھے۔ علامہ کی عمر کا یہ چودھواں

سال تھا۔ والدین کے ساتھ بچوں کی طرح روزے رکھنے شروع کیے۔ چند دن کے بعد گرمی بڑھ گئی۔ تو والدین نے کہا۔ روزے چھوڑ دو۔ کہ گرمی بہت ہو گئی ہے۔ تکلیف ہوگی۔ پھر آئندہ سال رکھنا باز نہ آئے۔ والدین بچپن کی ہٹ سمجھے۔ ایک دو دن کے بعد پاکیدا منع کیا نہ ملنے والا نے سختی کی اور سست و درشت کہا۔ جواب دیا کہ میں بالغ ہوں روزے مجھ پر فرض ہیں کیسے ترک کردوں۔ شیخ احمد حیران ہوئے اور ساتھ ہی غصہ بھی آیا۔ دھمکایا۔ گھر کا۔ اور بلوغ کے علائم ثلثہ کا ذکر کرکے کہا کہ کون سی علامت پائی جاتی ہے جو تو بالغ ہو گیا ہے۔ عرض کیا۔ ان میں سے تو کوئی نہیں۔ کہا پھر۔ عرض کیا۔ از روئے حدیث و حکم معصوم۔ بہت متعجب ہوئے اور سمجھے کہ یہ لڑکپن کی ضد نہیں۔ کوئی گہری بات ہے۔ کہا کونسی حدیث ہے اور کہاں ہے۔ عرض کیا کافی ہیں۔ اور کتاب لا کر حدیث نکال دی۔ جس میں بلوغ کی علتِ مستقلہ مذکور ہے۔ ملا مرحوم دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ سن اور یہ جرأت اور یہ نظر اور واقفیت! اس سن میں عام مسلمان بچوں کو تو طہارت کرنی بھی درست نہیں آتی۔ قوت استدلال تو طلبہ علم میں بھی مدت کے ریاض اور خدمت اساتذہ کے بعد بڑی عمر میں جا کر پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی خاص خاص میں۔ یہ علامہ جیسے ہی خاص نفوس کا حصہ ہے۔

فان العلم نور من اله — و نور اللہ لا یعطے لعاص

و فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ "

اس کمال قوت استنباط کی حقیقت کو وہی لوگ خوب سمجھتے ہیں جنہیں علامہ مرحوم کے فیض صحبت سے کافی حصہ ملا ہے اور مرحوم کے استدلالات۔ اور استنباطات ہر علم و فن میں سُنے اور دیکھے ہیں۔ البتہ یہاں سے یہ پتہ چل سکتا ہے۔ کہ جب چودہ سال کی عمر میں یہ حال تھا۔ تو اب چونسٹھ سال کی عمر میں کہاں سے کہاں پہنچے ہوں گے اور ان کی نظر کس قدر عمیق ہوگی جس وقت ایسے بزرگوار اس زمانہ قحط الرجال میں موجود ہوں۔ تو کچھ تعجب نہیں کہ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ و نور ضریحہ و قدس سرہ و طاب مرقدہ جیسے بزرگ بارہ سال کی عمر میں مجتہد ہو گئے ہوں اور ان نفوس کے لئے ایسے امور کیونکر تعجب خیز ہو سکتے ہیں۔ جن پر ان نفوسِ قدسیہ مقدسہ طاہرہ طاہرہ کی خاص نظر عنایت ہو جو شکم مادر سے معادن علوم و فنون و خزائن تنزیل و تاویل اور مخزن اسرار الٰہی پیدا ہوتے ہیں صلوات اللہ و سلامہ علیہم

اجمعین مرحوم کے مفصل تعلیمی حالات اور جملہ اساتذہ کا حال افسوس ہے کہ معلوم نہیں ورنہ بہت کچھ دلچسپ ہوتا۔

سطح درس و تدریس سے فراغت حاصل کرکے کچھ عرصہ درس خارجی میں شریک ہوئے۔ یہ حجۃ الاسلام آخوند ملا محمد کاظم الخراسانی مرحوم کی تعلیم کا آخری زمانہ تھا اس وجہ سے علامہ مرحوم اور آخوند مرحوم ہم درس کہلاتے تھے۔ اور آخوند ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ چند سال ہی گذرے تھے کہ بعض مطالب اصولیہ علمیہ پر ایسی مدلل اور زبردست تقریریں کیں کہ اساتذہ نے کہا تمہیں ان کتب کے درس خارجی میں شریک ہونے کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اب خود ایسی تمام کتب پر نظر ڈال جاؤ بس کافی ہے۔

اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا۔ اوّل کتب فقہ جہاں تک بھی دستیاب ہوئیں اور مل سکیں دیکھیں۔ بعد ازاں کتب احادیث اور پھر تفاسیر۔ مگر تفاسیر کے اختلافات نے انہیں ثابت کر دیا کہ کل شیی فی التفسیر الا التفسیر۔ کتب تفاسیر علماء میں سوائے تفسیر واقعی سب کچھ موجود ہے۔ عام کتب تفاسیر سے قطع نظر کرکے قرآن پاک میں تدبر و تامل و تفقہ شروع کیا۔ اور اس میں صرف ان تفاسیر سے مدد لی۔ جن میں محض احادیث معاون علوم و معالم تنزیل ہیں اور اس تدبر و تفکر و تامل سے وہاں پہنچے۔ جہاں دوسروں کا ہاتھ بہت کم پہنچا ہے وہ نکات جو علامہ فرقان حمید و قرآن مجید سے بیان کرتے تھے۔ ہمارے متقدمین کی کتب میں ملتے ہیں مگر عام طور پر نہیں مخصوصین میں اور خاص خاص مقام پر "وکم ترک الاولون للآخرین"

بلاشک و شبہ یہ بزرگوار انہیں نفوس میں سے تھے۔ جن کے متعلق حضرات صادقین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا ہے "علماء وارثان علوم انبیاء ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ بلکہ وہ اپنے علوم و احادیث چھوڑ گئے ہیں بس جس نے اس میں سے حاصل کر لیا۔ اس نے بہت کچھ پا لیا۔ پس تم دیکھو علم کس شخص سے لیتے ہو اور مسائل کس سے پوچھتے ہو ہر کس و ناکس سے علم دین نہ سیکھو" "ان فینا (لنا) اہل البیت فی کل خلف عدولاً ینفون عن دینہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین کیونکہ ہمیشہ ہمارے

سلسلہ میں کچھ ایسے عادل علماء رہتے ہیں جو دین سے غالیوں کی تحریفات اور علماء نماؤں کی مدخولات اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کرتے رہتے ہیں۔ اور یہی دین کے سچے حامی ہوتے ہیں اور انہیں کو حصن اسلام کہا گیا ہے۔ انہی کی موت سے اسلام میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔

فجزاہ اللہ عن الاسلام واھل الاسلام خیر الجزاء وحشرہ مع ائمۃ الھدیٰ۔ آمین رب العالمین۔

علوم باطنی وریاضات نفسانی

علامہ اعلی اللہ مقامہ کے علوم و فنون کا یہ عمرہ صرف ۔۔۔ ظاہریہ و تعلیمات سطحیہ و خارجیہ ہی سے نہ تھا۔ بلکہ اس لئے کہ علم حقیقی نور ہے اور جس قلب میں جتنی صفائی ہوتی ہے اُسی قدر نور اُس میں چمکتا ہے اور منعکس ہوتا ہے۔ محل مطابق حال اور ظرف موافق مظروف کا ہونا ضروری ہے

علوم باطنیہ

و ریاضات نفسانیہ میں علامہ مرحوم کے استاد رئیس العارفین قدوۃ الزاہدین محمد اکبر ترشیزی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ کمال صفائی باطن و صفائی نفس سے آراستہ تھے۔ بلاناغہ نماز تہجد باغسل ادا فرماتے تھے۔ اور یہ علامۂ مرحوم کا بیان ہے کہ آخر میں وہ صاحب کرامت تھے۔ غسلخانہ میں پانی کا کوئی انتظام نہ کرتے تھے۔ مگر نصف شب کے بعد جب تہجد اور اذکار و اوراد کے لئے اُٹھتے تھے تو گھڑوں میں پانی بھرا ہوا پاتے تھے۔ اور ان کی اور بہت سی ایسی باتیں مشہور ہیں جن کے سمجھنے اور سننے کی ہر ایک میں استعداد نہیں ہے لہٰذا ہم ترک کرتے ہیں غالباً ان علوم میں اخوند ملا محمد کاظم الخراسانی اعلی اللہ مقامہ و نور ضریحہ بھی انہیں بزرگوار موصوف کے شاگرد تھے آخوند مرحوم نے نو سال برابر ریاضت کی تھی۔ اور علامہ مرحوم نے چند سال ریاضات نفس۔ تزکیۂ نفس۔ خاص اذکار و اوراد میں گذارے۔ بڑے بڑے خوفناک اور ہولناک مقامات میں آیات و سور کے ختم کئے۔ مدتوں اس کی خاطر اور کمال طہارت و نظافت کی غرض سے اپنے ہاتھوں سے روٹیاں پکائیں اور اس میں بہت کچھ کمال حاصل کیا اور کیوں نہ ہو حالانکہ پروردگار عالمین فرماتا ہے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ" وَقَدْ اَفْلَحَ

من زکیها وقد خاب من دسّٰها۔

کثرتِ مطالعہ

باوجود ان حالات کے بھی مطالعہ میں کمی نہیں کی۔ بلکہ نفس میں خاص استعداد و صفائی پیدا ہونے کے بعد مطالعہ کتب احادیث و کتاب اللہ کی طرف خاص توجہ کی۔ اپنے کتب خانے میں آٹھ ہزار کتابیں تھیں کل دیکھیں پھر ملکِ ایران میں کتابوں اور کتب خانوں کی کیا کمی ہے۔ جہاں بھی کوئی کتاب ملی یا سُنی۔ وہیں سے حاصل کی اور اس کو دیکھا۔ خصوصاً کتب کلام و فلسفہ۔ اصفہان میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ بھی دیکھا اور طہران میں شاہی کتب خانہ بھی اور اب تک بھی یہ حال تھا کہ گو آپ بہت کم کتاب دیکھتے تھے۔ ہر شب اور اکثر دن میں بھی صرف کلام پاک ہی میں غور فرماتے تھے مگر پھر بھی جو کتاب سامنے آجاتی تھی تو اس کو بغیر دیکھے اور ختم کئے نہ چھوڑتے تھے۔ کمال استعداد، تہیۂ اسباب تعلیم و تعلم، قیام دار الاسلام صفائی قلب، تزکیۂ نفس پر جب مطالعہ کی یہ شان ہو تو علامہ کے تبحر علمی کی کیا حد ہو سکتی ہے ایسے ہی بزرگ و آزاد کے لئے لفظ علّامہ زیب دیتا ہے اور ایسے ہی نفوس اسلام کے لئے حجت ہو سکتے ہیں گو وہ اپنے لئے ایسے الفاظ کو پسند نہ کرتے ہوں۔ کمال علمی اسی طرح حاصل ہوتا ہے نہ اخباروں اور اشتہاروں میں ان الفاظ کی بوچھاڑ سے اور نہ ان کی خوشہ چینی اور دیگر علماء کی کتب و رسائل اور تقاریر سے چند مضامین رٹ کر و رقص منبری دکھا کر۔

زبانیں

فارسی تو ان کی مادری زبان تھی اور قیام زیادہ تر مشہد مقدس میں تھا اس لئے ان کی فارسی دانی کی نسبت تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔

عربی تحریر و تقریر میں جو کمال حاصل تھا وہ دیگر علماء میں کم پایا جاتا ہے۔ ان کی عربی تحریر کے متعلق کلکتہ سے جو ایک زبردست مصری (سنی المذہب) عالم نے لکھا تھا اس کی میں اردو میں تشریح کرنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ان کی تحریر عربی دیکھ کر یہ لکھا تھا کہ آپ ہندوستان کے متعلم نہیں معلوم ہوتے۔ جل علماء الہند یجہلون عن العربیۃ وعربیتہم اشبہ شیئ بصوت الرعد الخ غالباً وہ خطوط جناب محترم خاں بہادر شیخ عزیز الدین خانصاحب مرحوم کے پاس محفوظ تھے ومن شاء فلیرجع الیہ

عربی فارسی میں کمال و مہارت کے علاوہ علامہ مرحوم ترکی زبان بھی جانتے تھے اور فرنچ

بھی۔ ترکی زبان کی بعض ضخیم کتب بھی علامہ کی کتب میں موجود تھیں روسی زبان سے بھی واقف تھے اور کسی قدر انگریزی بھی جو یہاں حاصل کی تھی اور اپنے تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے پشتو پنجابی اسندھی کچھ سمجھتے تھے۔ اردو میں اب کچھ تقریر بھی کرتے تھے ۱۳۴۲ھ میں آگرہ میں منبر پر دیر تک اردو میں وعظ بھی کیا تھا۔ جیسا کہ بعض احباب کی زبانی ہم نے سُنا ہے۔ اس جامعیت کا انسان اس زمانہ میں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ مادر گیتی ہمیشہ کہاں ایسے نفوس جنتی ہے۔ بڑی گردشوں اور اہم انقلاب کے بعد ایسی ہستیاں عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ خدا رحمت کرے اس وجود مقدس پر عجب انسان تھے۔

قیام طہران و نیابت وزارت بعض حکام مشہد اور بعض شہزادگان اور اہل علم کے ذریعہ آپ کے تبحر علمی کی خبر تخت ایران تک بھی پہنچی۔ جب کہ آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ مرحوم ناصر الدین شاہ قاچار خود فاضل و علم دوست اور ایک ممتاز دماغ کا انسان تھا۔ فوراً طلب کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیگر مقامات ایران سے ہوتے ہوئے اور سیر کرتے وعظ کرتے طہران پہنچے۔ شاہ مرحوم نے کافی احترام کیا۔ امین الدولہ وزیر خارجیہ ایران ان سے خاص تعارف رکھتا تھا۔ اور خود صاحب فہم و فراست اور ذی علم انسان تھا۔ اس نے اپنے پاس ہی رکھا۔ سلطنت کی طرف سے جاگیر ملی اور تھوڑے ہی عرصہ میں نائب وزیر خارجیہ یا دوسرے لفظوں میں افسر محاکمات خارجیہ کے منصب پر ممتاز ہوئے۔ جس سال ایران میں سرکار میرزا اعلی اللہ مقامہ کی طرف سے تمباکو کے متعلق ایک فتوے شائع کیا گیا تھا۔ سرکار علامہ اس وقت طہران ہی میں تھے۔ بابیوں کا طوفان بھی اسی زمانہ میں اُٹھا اور جب ناصر الدین شاہ مرحوم نے ان کے قتل عام کا حکم دیا تھا اور ایک ہفتہ امن ان پر سے مرتفع تھا۔ تب بھی سرکار علامہ وہیں تھے۔ آپ کے فتوے اور حکم سے بھی آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے اور اس دن سے امین السلطان وزیر اعظم میرزا محمد تقی خاں (غالباً) جو در پردہ بابی تھا آپ کا سخت مخالف اور دشمن ہو گیا۔ اگرچہ مع اہل و عیال علامہ طہران ہی رہنے لگے تھے اور طہرانی کہلانے لگے۔ لیکن اس وقت بھی چونکہ آپ کا اصلی وطن ہرات تھا۔ نہ کہ افغانستان ہی شمار ہوتے تھے اور ممالک خارجیہ میں رعایائے افغانستان برٹش سفیر ہی کے زیر حفاظت سمجھی جاتی تھی البتہ اب افغانستان کے سفرا دوسرے ممالک میں پہنچ گئے ہیں۔

ناصر الدین شاہ مرحوم نے ایک ادارۃ المعارف قائم کیا اور وہ بھی تا حیات شاہ مرحوم آپ ہی کے زیر نگرانی رہا۔ آپ نے مدارس کی غرض سے اصلاح کی اور ایک مکتب خاص قائم کیا اور اس کا نصاب اور اسلوب تعلیم ایسا عجیب و غریب اور مکمل رکھا کہ چند سال میں طالب علم عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی پانچ زبانوں سے آگاہ ہو جاتا تھا اور معمولی تقریر و تحریر کر سکتا تھا اور یہ سب ایک ساتھ پڑھائی جاتی تھیں اگر یہ نصاب تعلیم ایران میں عام طور سے شائع ہو جاتا تو دینوی اور تمدنی حیثیت سے ایران تمام دوسرے ممالک سے بڑھ جاتا۔ مگر افسوس کہ شاہ ناصر الدین شاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی قتل کر دیا گیا۔ وما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن

وھو الفعال لما یرید

ادارۂ تالیف و تصنیف تفسیر

ایران میں ایک شخص نے ایک قرآن شریف اس خاص اہتمام سے طبع کرایا کہ اس کے حاشیہ پر کل احادیث و روایات جمع کر دیں۔ جو تفاسیر قرآن کے متعلق وارد ہوئی ہیں شاہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا بہت ہی پسند کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اگر کوئی عالم ان تمام احادیث و روایات مختلفہ کی تصحیح و تنقید کر دے تو ایسی مکمل تفسیر قرآن تیار ہو جائے کہ جس کے بعد کسی اور تفسیر کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ امین الدولہ نے عرض کیا۔ علم قرآن میں میرے نزدیک فلاں شخص سے بہتر کوئی نہیں ہے اگر وہ اس کام کا ذمہ لے تو بہترین تفسیر قرآن مرتب ہو جائے۔ بلائے گئے اور یہ مسئلہ پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ تفسیر قرآن جیسا کہ اس کا حق ہے میری طاقت سے باہر ہے اور میں اس کو بہت ہی اہم اور مشکل کام سمجھتا ہوں میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا مگر شاہ کے اشارہ سے امین الدولہ نے اصرار کیا۔ بلکہ مجبور کیا تب آپ نے کہا کہ اس شرط پر کہ اول اس کے لئے ایک خاص دفتر اور محکمہ قائم کیا جائے اور مصارف شاہ برداشت کرے اور بارہ زبردست علما اس تفصیل کے ساتھ مجھے دیئے جائیں اور ان کے مخارج و مصارف کا انتظام سلطنت کی طرف سے مکمل ہو۔ دو فلسفی، دو متکلم، دو فقیہہ، دو ادیب، دو مفسر، دو محدث۔ شاہ نے منظور کیا اور تمام مصارف و مخارج بھی منظور ہو گئے اور یہ مبارک کام شروع ہوا اور غالباً وہی سال تھا جب کہ سرکار [illegible] ایک [illegible]

یا پہنچایا گیا تھا کہ ملک کا انتظام اہل ملک کی امداد و مشورہ سے کیا جائے پہلے تو شاہ بہت
ناراض ہوا اور جب حقیقت معلوم ہوئی کہ علما اور وزراء دونوں چاہتے ہیں اور مصلحت
سمجھ میں آئی اور امین الدولہ نے تجویز سمجھائی تو شاہ نے منظور کیا اور کہا کہ جشن پنجاہ سالہ جو
دو سال کے بعد ہوگا۔ اس میں خود پارلیمنٹ اور مجلس شوریٰ کا اعلان کروں گا۔ مگر
شرط یہ ہے کہ کم سے کم بارہ وزرا اور اہلکار ایسے تیار کر دیجیے کہ تم ہو۔ عرض کیا کہ مجھے
ایسا آپ ہی کی نظر توجہ نے بنایا ہے لوگ قابل موجود ہیں اگر ان کو کام میں لگایا جائے گا
اور نظر توجہ رہے گی ایسے ہی کامل نکلیں گے۔ غرض یہ کام شروع ہوا۔ ہر علم کے عالم اپنے اپنے
علم کی رو سے ایک آیت پر بحث کر کے لکھ کر لاتے تھے اور پھر سرکار علامہ منبر پر تشریف
لے جا کر ان کے متعلق تقریر فرماتے اور پھر ایک خلاصہ تحریر فرماتے اور پھر یہ جزو فوراً
طبع کے لئے دے دیا جاتا اس طرح چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر کی گئی اور ڈیڑھ سال
میں اھدنا الصراط المستقیم تک پہنچے اور اس کے صرف چار سو نسخے اس غرض سے
طبع کرائے گئے کہ دیگر علماء کی خدمت میں بھیجے جائیں تاکہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں سب پسند
کی اور سو اشرفیاں اسی وقت علامہ کو بطور انعام شاہی دی گئیں بعض وزراء نے کہا کہ
اس طرح تمام عمر میں بھی یہ تفسیر ختم نہ ہوگی۔ شاہ نے فرمایا کہ نہیں اگر اس طرح صرف ایک پارہ
کی بھی مکمل تفسیر ہو جائے تو سارا قرآن آ جائے گا۔ کیونکہ باقی خود بخود حل ہو جائے گا۔ شاہ
کا یہ خیال بالکل درست تھا۔ کیونکہ ایک استعاذہ ہی کی تفسیر میں وہ کل آیات حل ہو گئی تھیں اور
اس کی تفسیر کے ضمن میں آ گئی تھیں جو اس لفظ کے متعلق قرآن میں ہیں اور عوذ کے مادے سے تعلق رکھتی
ہیں یعنی چالیس آیات قرآنی اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم کی تفسیر کے
ساتھ حل ہو گئی تھیں اور علیٰ ہذا القیاس اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں اور سینکڑوں
آیات قرآنی آ گئی تھیں واقعی اگر اس طرح سے ایک پارہ کی بھی تفسیر ہو جاتی تو قرآن کی بہترین
تفسیر ہو جاتی اور یہ تفسیر بہت سی تفاسیر سے بے پرواہ کر دیتی مگر افسوس کہ قدرت کو منظور نہ تھا۔
اسی سال شاہ مرزا محمد رضا بابی کے ہاتھ سے قتل کیا گیا جبکہ وہ امین السلطان کے ساتھ شاہزادہ عبدالعظیم
کی زیارت کو گیا تھا۔ وہاں لاش ہی آئی اور یہ سب کچھ امین السلطان ہی کی شرارت تھی۔ وقضی الامر۔
اور شاہ کے انتقال کے بعد یہ محکمہ دارالادارہ ہی ٹوٹ گیا مظفر الدین شاہ اس دماغ کا بادشاہ نہ تھا
اور نہ امین السلطان نے خزانہ میں کچھ باقی چھوڑا تھا اور اس وجہ سے مظفر الدین شاہ ایران میں امین السلطان

کا یا بو مشہور تھا۔

مظفر الدین شاہ جب سفر یورپ سے واپس آیا اور روس نے امین السلطان کے مشورے سے روس سے ساٹھ لاکھ منات روس کا ایک طلائی سکہ (شش پونڈ) قرضہ کا معاہدہ کیا تو ملک کے خیر خواہ وزراء میں کھلبلی مچی۔ کیونکہ چالیس لاکھ منات پہلا قرض تھا اب ایک کروڑ منات ہو جاتا تھا اور ملک ایران کا ریونیو اس وقت اسی قدر تھا اور اس صورت سے گویا ایران ان دو قرضوں کے عوض مفت میں روس کے ہاتھ فروخت ہو رہا تھا۔ امین الدولہ اور اس کے ہمخیال وزراء اس کو سمجھتے تھے، علامہ نے اس امر میں خاص مدد کی اور اکثر علماء کو اس حقیقت اور ملک کی آنے والی تباہی اور بربادی سے آگاہ کیا اور اسی خاطر خاص عراق کا سفر کیا اور وہاں بھی اکثر علماء اعلام مثل اخوند مرحوم و ملا عبد اللہ المازندرانی مرحوم و شیخ الشریعۃ اصفہانی مرحوم وغیرہم کو متفق الرائے کیا۔ سرکار صدر نیوٹرل رہے اور جناب سید طبا طبائی مرحوم مخالفت اور آخر وقت علماء کی طرف سے یہ اعلان شائع کر دیا گیا "یہ قرضہ ملی نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ شخصی اور ملک و ملت ادائیگی کی ذمہ دار نہوگی"

اس وقت مجلس شورےٰ کی تحریک پھر تازہ ہوئی اور بعد اللتیا والتی ملت کو اس میں کامیابی ہوئی جس وقت مظفر الدین شاہ نے اس کی منظوری دی ہے۔ سرکار علامہ ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ کراچی میں مقیم تھے۔ حبل المتین نے اس اعلان کا حال لکھتے ہوئے یہ فقرہ لکھا تھا۔ دست شاہ مے لرزید فدل کس رابد میگفت د امضاء میفرمود"۔ یہی تحریک اور اس کی تکمیل کا خیال آپ کے ایران سے باہر نکلنے کا باعث ہوا۔

ایران سے روانگی

جب یہ تحریک شدت پکڑتی اور مظفر الدین شاہ نے دربدر سختی شروع کی اور ایک دو عالم قتل کرا دیئے تو ان کو بعض مدبروں نے یہ رائے دی کہ آپ یہاں سے باہر رہ کر بہت کچھ کام ملک و ملت کے کر سکتے ہیں۔ یہاں اب آپ کو موقع کم ملے گا یہ رائے انکو بہت پسند آئی۔ اور ملک و ملت اور دین اسلام کی خاطر ترک وطن اختیار کیا آخر شب میں اذا قرأت القرآن جعلنا بینک وبینھم حجاباً مستورا پڑھتے ہوئے نکلے گھوڑا باہر شہر کے تیار تھا آیہ مبارکہ کی برکت سے باوجود پہرے کے کسی نے نہ دیکھا۔ فخرج منھا خائفاً یترقب اور یہاں سے ماسکو کے قصد سے سرحد روس کی طرف چلے اور اس غرض کے لئے یورپ کے ان اہم مقامات پر پہنچے جہاں ایران کے دو سفراء اور زبردست

تجار تھے جن کے ہم خیال بنانے کی اور اس کام میں مدد لینے کی ضرورت تھی۔ ماسکو گئے
برلن گئے۔ پیرس گئے اسکندریہ گئے۔ مصر گئے اور آخر میں سلطان عبدالحمید خاں مرحوم
سلطان روم کی خدمت میں قسطنطنیہ پہنچے اور اس وقت پانچ اور علماء عراق کی راہ سے
آکر ان کے شریک ہوئے اور چھ زبردست علماء ایران کا وفد سلطان کی خدمت میں پیش
ہوا۔ سلطان نے واجب احترام کیا ان کی تقریروں سے بہت خوش ہوا۔ اور یہ لفظ
کہے کہ کاش میرے ملک میں بھی ایسے علماء اور ایسے پاک اور مفید خیالات کے لوگ ہوتے
اور وعدہ کیا کہ میں آپ کو اس مقصد میں ضرور مدد دوں گا وہاں سے عراق واپس آئے
یہاں پر علماء سے ملاقاتیں ہوئیں ایک روز اخوند مرحوم کے درس میں جا بیٹھے اجتہاد
اور تقلید پر کئی ماہ سے اخوند مرحوم تقریر فرما رہے تھے مگر کوئی آیت ایسی اُن کے پیش
نظر نہ تھی جو وجوب تقلید میں بلاشبہ سند ہوتی۔ آپ نے اپنے ایک ہم پہلو سے کہا
کہ "اگر اخوند یک نسخہ کتاب کفایہ خود بدہد من حالا یک آیت نشان میدہم" وہ ہنسا
آخوند نے سنا۔ پوچھا کیا ہے۔ عرض کیا۔ یہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر اخوند ایک نسخہ کتاب
کفایہ دیں۔ تو میں آیت ابھی بتلاتا ہوں۔ اخوند مسکرائے اور کہا۔ ایک کیا ساری ہی کتابیں
فلاں شخص کا مال ہیں اور اس دوران میں حرم جناب امیر اور جناب سیدالشہداء علیہم
السلام میں بہت سی علمی تقریریں علامہ مرحوم نے کیں وہیں بعض مدبرین نے ان
کو ہندوستان میں آنے کی رائے دی اور علامہ ہندوستان میں آئے، کراچی میں
اُترے اور اس طرح لطف خداوندی اور رحمت واسعۂ کاملہ الٰہیہ ہماری خاطر
اس وجودِ مقدس کو ایران سے ہندوستان کھینچ لائی" وذالک فضل اللہ"

دوران سیر یورپ اور ٹرکی میں بھی اکثر جگہ علمی تقریریں کرنے کا اتفاق ہوا۔ برلن
میں علوم شرقیہ کے کالج میں پہنچے وہاں ایک پروفیسر عربی زبان میں کتاب نہج البلاغہ
پر لیکچر دے رہا تھا۔ اور وہی اُس کے ہاتھ میں تھی اور اس کا یہ بیان تھا کہ یہ کتاب نبوت
نبیؐ عربی کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور کوئی اور دوسری
دلیل نہ بھی ہو تو یہی کافی ہے۔ اس پروفیسر سے اور علامہ سے علمی گفتگو ہوئی پروفیسر
اچھا ذی علم تھا محظوظ ہوا۔

مصر میں زیادہ قیام کیا اور دو مقام پر بضرورت دینی تقاریر کرنی پڑیں انجمن

تحقیق مذاہب۔ جس میں کل یوروپین ممبر و متفرد تھے۔ جو کئی کئی زبانیں جانتے تھے۔ اور
اکثر عربی کے فاضل تھے اور یہ انجمن جملہ مذاہب عالم پر جرح اور تعدیل کرتی تھی۔ مگر دو پردہ مقصد
اس کا مذہب عیسوی کو ترجیح دینا تھا۔ علامہ اس میں پہنچے اور حقیقت اسلام پر وہ جامع و مانع عربی
تقریر کی اور آیات مشکلہ کی توجیہ کو اس طرح حل کیا کہ سامعین غش غش کرنے لگے اور حیران رہ گئے
اور متعجب ہو کر کہتے تھے کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی۔ اور یہ معانی آیات کے آپ بیان کرتے ہیں۔
یہ ہماری عام تفاسیر میں نہیں ہیں۔ ایک تقریر میں فلسفۂ طبعیہ سے معاد جسمانی کا ثبوت دیا کہ سامعین
مبہوت رہ گئے۔ تیسری تقریر حقوق انسانی پر کی۔ ان کا ایک لیکچرار یہ تقریر کر رہا تھا۔
کہ ایک انسان پر دوسرے انسان کے بحیثیت انسانیت دس حقوق ہیں۔ آپ نے ثابت
کیا کہ نہیں چودہ حق ہیں۔ لیکچرار نے اس تقریر کی داد دی وہ سوسائٹی ان کی فریفتہ ہو گئی۔
بعض ممبروں نے بے تکلفی ہو جانے کے بعد کہا کہ اگر آپ ہمارے ممبر بن جائیں تو ہم ہزار
اشرفی ماہوار آپ کو دیں گے۔ آپ نے مزاحاً فرمایا کہ ہزار اشرفی لے کر بھی آپ کے مذہب
کو باطل ہی ثابت کروں گا کیونکہ وہ فی نفسہ باطل ہے۔ اس لئے آپ کو مجھ سے کچھ
فائدہ نہ ہوگا۔

شیخ محمد عبدہٗ مفتی مصری سے ملاقات اور اکثر علمی صحبتیں رہیں اسی زمانہ میں ایک
زبردست پادری روزانہ جامع ازہر میں آتا تھا اور طلباء کے ساتھ بحث کیا کرتا تھا علامہ
[illegible] فوراً پہنچے۔ اور اس پادری کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ اس نے پھر جامع ازہر کا رخ نہ کیا۔ طلبہ جامع
ازہر نہایت درجہ خوش ہوئے اور مفتی مرحوم نے کہا کہ اس کم بخت نے تنگ کر رکھا تھا۔ آپ
نے اسلام پر بڑا احسان کیا۔

شیخ محمد عبدہٗ ہی کے کتب خانہ میں علامہ جلال الدین سیوطی کا وہ رسالہ دیکھا جو مؤطا
کے حاشیہ پر ہے اور اس کے نادر مقامات بھی جامع ازہر کے کتب خانہ میں مسعودی
کی مشہور تاریخ اخبار الزمان ملاحظہ فرمائی جس کی فہرست ہی متعدد جلدوں میں ہے۔ نہایت
گرانقدر کتاب جو طبع نہیں ہوئی۔ قسطنطنیہ میں بھی اکثر جگہ تقاریر کیں ایک جگہ مجلس عزا
بھی پڑھی اور ہر جگہ اپنے علم کے آثار چھوڑے۔

ورود ہندوستان

علامہ مرحوم نے چونسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور ہندوستان
میں ورود کا یہ بیسواں یا اکیسواں سال تھا اور تین چار سال

یورپ، مصر، ٹرکی، عراق کے سفر میں گذرے۔ گویا چالیس سال کی عمر میں کامل ہو کر
ملک ایران سے نکلے تھے اور دراصل چالیس سال کے بعد پختگی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی دراصل
ہدایت و تبلیغ کا وقت تھا۔ مگر افسوس ہے کہ قدرت نے اس وقت علامہ کو اس ملک میں
پھینکا جہاں نہ ان کی زبان سمجھنے والا اور نہ اہل ذوق و شوق اور نہ عوام ایسے ذی فہم جن
پر علامہ اپنے جواہر علمی نثار کر سکیں۔ تقریباً دو سال تو بالکل خاموشی کے عالم میں کراچی ہی میں
گذر گئے۔ سوائے اپنی عبادت اور اذکار کے اور کچھ مشغلہ نہ تھا۔ ایک مسافر کی شان سے
رہتے تھے۔ ملازمین بھی ہمراہ اس وقت ایرانی ہی تھے مومنین کراچی کو یہ علم بھی نہ تھا کہ
جنس ایرانی علم و معرفت کا مجسمہ ہے جو ہمارے شہر میں پھر رہا ہے اور جب اس کے جوہر
کھلیں گے تو یہ آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکے گا۔ کراچی سے سندھ میں آئے۔
شکارپور وغیرہ میں رہے اور پھر وہاں سے پنجاب میں پہنچے اور اکثر مالیر کوٹلہ۔ پٹیالہ
لاہور میں قیام رہا۔ مگر اس خزانہ جواہر علمی کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔ طبیعت میں ملائیت نہ تھی
اور نہ پرستش کی خواہش۔ اس لئے ایسے رؤسا کے مکان پر نہ گئے جن کے ذریعہ سے
فوراً شہرت ہوتی۔ مدت تک ایک عالم و عابد و زاہد کی صورت میں زندگی بسر کرتے رہے
نہ کبھی وعظ تھا اور نہ تقریر۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو خصوصاً بعض اہل علم کے ملنے جلنے سے معلوم
ہوا کہ یہ خاموش ایرانی اور مقدس صورت یکتائے روزگار عالم دین ہے۔ غالباً سب سے
پہلی مجلس میں پہلا وعظ پٹیالہ میں فرمایا اور یہاں جناب مولانا خلیفہ سید محمد کاظم مغفور
و مرحوم اور جناب سید العلماء مولانا سید عنایت علی صاحب ساماتوی مرحوم نے ان
کے کمالات علمی کو محسوس و معلوم کر کے مومنین اور اہل علم سے تعارف کرانا شروع کیا۔
یہاں سے مالیر کوٹلہ پہنچے اور نواب احسن علی خاں مرحوم و مغفور نے شیخ میں وہ جوہر پایا جس
کے وہ طالب تھے اور پھر مرحوم نواب شیخ کے اور شیخ مرحوم نواب کے ہو رہے اور
تقریباً ایک سال یا زائد کوٹلہ میں رہے۔

اس کے بعد اہل لاہور متنبہ ہوئے اور اہل لاہور نے بلاشبہ ان کے علم کی قدر کی
اور وہیں سے علامہ کے علم کے جوہر کھلے۔ مگر مخفی طبیعت بھی اپنی مخصوصین نے خواہش
کی کہ پبلک وعظ ہوں۔ سخت مشکل تھی۔ ایک جید ایرانی عالم اور ہندوستانی صورت اور سلسلہ وزارت
اور مومنین طلب [illegible] علم کلام، فلسفہ، دقائق قرآن و اسرار فرقانی سے دل و دماغ

پر ایسے عالم کا کلام فارسی سمجھے تو کون؟ ترجمہ کیا جاتا تھا۔ مگر علامہ سخت پریشان تھے۔ اور ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ خداوندا کوئی صورت نکال تاکہ میں اپنے فرض کو ادا کردوں اپنی تکلیف سے سبکدوش ہوں اور اپنے بار کو منزل تک پہنچادوں۔ ان کے بعض خاص ہمنشین بیان کرتے ہیں کہ علامہ اس مقصد کے لئے روزانہ دعا مانگتے تھے اور حضرات امام زمان عجل اللہ فرجہ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوتے تھے۔ آخر کار دعا مقبول ہوئی۔ علامہ نے خواب دیکھا کہ سمندر ہے اور وہ اس کو عبور کرنا چاہتے ہیں۔ مگر خائف ہیں کہ اس سمندر کو کس طرح عبور کروں۔ دیکھا ایک نوجوان آیا آپ نے اُسے بُلایا اور وہ بھی سمندر میں داخل ہوا۔ علامہ نے اس کے اوپر ہاتھ رکھ لیا اور تیرنا شروع کیا اور اس کے سہارے سمندر عبور کر گئے۔ پنجاب میں ۱۹۰۶ء سے وعظ شروع ہوگئے تھے جس کو اکیس[۲۱] برس ہوئے۔ مگر یہ خواب ۱۹۰۱ء کا ہے۔

غرض کامل سولہ برس مرحوم نے پنجاب و سندھ میں دین اسلام و مذہب حق کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں اور پنجاب کے عالم تشیع میں ایک عجیب انقلاب آیا۔ مُردے چونکے۔ سوتے بیدار ہوئے۔ روحانیت چمکی، اور وہ لوگ جنھوں نے کبھی سوائے سندھی مصنوعی روایات مصائب کے اور کچھ سنا ہی نہ تھا، جواہر نکاتِ علمی و معارف حقہ اسلامیہ سے مالا مال ہوئے۔

شیخ کا وجود بلاشبہ شیعیت کے مُردہ جسم میں تازہ روح تھا، اس وجود سے شیعوں کو بڑی ڈھارس تھی، بڑا حوصلہ تھا، بڑی امید تھی، بڑا فخر تھا۔ اور اس وجود پر اہل بصیرت ناز کرتے تھے افسوس ہے کہ سیر ہونے سے پہلے اس کے فیض سے محروم ہوگئے۔ شیخ کے فیوض علمی سے اپنے اُوپرائے سب مستفیض ہوئے اور اکثر نے حق کو قبول کیا۔

علامہ کی خصوصیات

یوں تو بحمد اللہ ہندوستان میں شیعوں میں اب بھی بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن پر قوم کو ناز ہے عالم بھی ہیں، واعظ بھی ہیں، مقرر بھی ہیں، مدبر بھی ہیں، اور مبصر بھی۔ مگر جس وقت علامہ اعلی اللہ مقامہ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ تو کہنا پڑتا ہے۔ "لیکن تو چیزے دیگری"

اوّل علامہ کی زبان فارسی تھی، اور وہ بھی عالمانہ و فلسفیانہ اور ڈیمور کے سوا دیگر مقامات پر مجمع اور مجلس میں حضرت چند نفوس ہی ایسے ہوتے تھے کہ جو زبان فارسی

سمجھتے ہوں۔ چہ جائیکہ طالب علم ان کی رسائی ہو۔ مگر جس وقت بحر علم و معرفت و فصاحت و بلاغت موجزن ہوتا تھا۔ تو مجمع بہوت و مست نظر آتا تھا۔ کمال شوق سے علامہ کے کلام کو سنتے تھے۔ اور محظوظ ہوتے تھے۔ اور یہ کمال فصاحت و بلاغت، درد حانیت خاصہ کا اثر تھا وان من البیان لسحرا۔ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ یہ سحر بیانی ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتی ہے ایسے ایسے دیہات پنجاب جہاں کے لوگ فارسی کیا اردو بھی نہیں سمجھتے۔ وہاں بھی علامہ کی فصاحت و بلاغت و روحانیت وہی اثر دکھاتی تھی ساتھ ہی علامہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم میں کمال رکھتے تھے اور الیسوں کیلئے علمی مطالب ایسی احتیاط کے ساتھ بیان فرماتے تھے کہ جاہل ان سے مستفید ہوتے تھے۔ یہ علامہ کی خصوصیت تھی اور خاص تائید الٰہی۔

دُوم۔ علامہ کی خدمت میں عالم بھی آتے تھے اور جاہل بھی، مسلمان بھی اور غیر مسلمان بھی، آریہ بھی، عیسائی بھی، سُنّی بھی، مرزائی بھی، قدیم تعلیم یافتہ بھی اور جدید بھی فلسفی بھی، اور سائنس دان بھی، اکونومکس دان بھی، مورخ بھی، ریاضی دان بھی اور ہیئت دان بھی، مگر ہم نے کبھی نہ دیکھا کہ شیخ کسی سوال کے جواب میں عاجز ہو اور جواب نہ دے اور سائل کو مغلوب و محجوب نہ کر دے اور سائل و سامع اثر لے کر نہ جائے ہر سفر میں حضر میں رات دن میں ریل میں پلیٹ فارم پر تنہائی میں مجمع عام میں جہاں اور جس نے سوال کیا، اسی وقت اس جگہ جواب دیا اور تقریر کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ سلسلہ بر سوال محل بحث رہے اور اس پر پہلے سے تیار ہوئے بیٹھے تھے۔ ایسا حاضر جواب متبحر یہاں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نیچری اور فلسفی، بلکہ یورپ کے تعلیم یافتہ انہیں سے تسلی پاتے تھے ان مطلق اللسان تعلیم یافتہ حضرات نے علامہ کے علم کا دبدبہ اور علامہ کی عظمت کا اقرار کیا جو معاذ اللہ علماء کرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کسی کو نہ مانتے تھے۔

سر علی امام، حکیم اجمل خاں صاحب مسیح الملک مرحوم مسیح الملک الثانی حکیم محمد احمد خاں مرحوم، ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال مرحوم۔ سر نواب ذوالفقار علی خاں صاحب مرحوم آنریبل خواجہ غلام الثقلین مرحوم، شیخ اعجاز علی کمشنر جیسے عالی دماغ، آزاد خیال، تعلیم یافتہ پختہ مغز اور باخبر و بالبصیرت حضرات نے بھی علامہ سے فیض پایا ہے۔ اور

استناد کیا، اور ان کے تبحر علمی کو تسلیم کیا ہے۔

سوم۔ کمال معرفت اور وسعت بیان اور کمال ذہانت و روحانیت کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ وعظ میں بیان کر دی دوبارہ نہ آتی۔ اور ہم نے چودہ پندرہ سال میں کوئی وعظ بعینہٖ علاوہ سے دوبارہ نہیں سنا۔ اگرچہ بعض بعض مواقع کی تکرار کی خواہش بھی ہوئی۔

بغیر تہیہ بیان فرماتے اور منبر ہی پر سوچتے تھے۔ اور ہر دفعہ مزید معلومات و معارف و حقائق بیان فرماتے تھے۔ یعنی آپ کے مواعظ نہ بیلنٹ تھے اور نہ لکھے ہوئے اور رٹے ہوئے۔ قرآنی استنباطات ہی ہوتے تھے۔ جن کی تائید معصومین کے کلام میں موجود ہے۔ شیخ کی مجلس میں جملہ ذی علم بزرگ کی مثال ہوتے تھے اور شیخ مثل شیر ببر۔

۱۹۰۸ء کے آخر کی اور اوائل جون میں خاص شہر جھنگ میں تین دن جلسہ وعظ ایک بڑا جلسہ تھا جو خصوصیات خاصہ اور کثرت سامعین و حاضرین کے لحاظ سے ایک عجیب شان رکھتا تھا۔ ہندو مسلم، سُنی، شیعہ، آریہ، عیسائی، ہر مذہب و ملت کے شائقین موجود تھے۔ اور اکثر اڈیٹران اخبار بھی تھے۔

حقانیت اور صداقت اور حقیقت اسلام پر وعظ تھا اور میں نے خود تین مرتبہ یہ اعلان کیا تھا کہ جس کو حقانیت اسلام پر کوئی اعتراض ہو اس کو اجازت ہے کہ اپنا اعتراض پیش کرے خواہ کسی مذہب و ملت سے ہو۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ ہوں بھی کرے۔

تیسرے دن جناب فاضل علام حافظ احمد صاحب مرحوم ساکن جھنگ نے یہ فرمایا کہ آپ سے پہلے میں اپنے سے بہتر کسی کو عالم نہ جانتا تھا۔ مگر آج معلوم ہوا کہ علم کیا چیز ہے اور عالم کسے کہتے ہیں۔ اور چالیس سالہ شبہات رفع ہوئے۔ خدا بخشے حافظ موصوف خود اہل سنت میں ایک بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مگر یہاں ان کو "فوق کل ذی علم علیم" کی حقیقت آشکارا ہوئی۔ صاحب کمال ہی کمال کی قدر کر سکتا ہے۔ آپ صوفی خیالات کے تھے اور خاندان رسالت سے خاص اُنس رکھتے تھے اور طبیعت میں انصاف تھا۔ بلکہ آپ کا خاندان ہی اس خصوصیت سے ممتاز ہے چنانچہ مرحوم کے بھائی مولوی عبدالرحمان صاحب مرحوم بھی بہت کچھ اس خصوصیت کو لئے ہوئے ہیں اور اہل بیت طاہرین سے دلی محبت رکھتے تھے اور اُن کی موجودہ

اولاد بھی۔ خدا توفیقات زیادہ کرے۔

ان مواعظ میں جو حقائق اسلام بیان کیے گئے تھے اور جس خوبی سے حقانیت اسلام بمقابل جمیع مذاہب عالم دلائل و براہین سے بیان کی گئی تھی۔ آج تک پھر اس کے سننے کے کان مشتاق ہیں۔ مگر اس عرصہ دراز میں پھر کبھی وہ تمام مضامین و مطالب و دلائل بعینہا سننے میں نہ آئے۔ اگرچہ آیۂ شریفہ " ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین " پر جو جھنگ میں عنوان کی گئی تھی۔ متعدد مرتبہ وعظ فرمائے۔ مگر ہر دفعہ رنگ نیا تھا۔ اسی واسطے بعض اہل بصیرت کا یہ اعتقاد تھا کہ موصوف کو حضرت عجل اللہ فرجہ سے خاص تعلق ہے اور ان کی تائید غیبی شامل حال۔ واللہ عالم بحقیقۃ الحال۔

مگر حضرات پنجاب بھی عجیب چیز ہیں۔ مجھے سخت تعجب ہوا جبکہ چند سال قبل بعض مومنین اہل جھنگ سے ان مواعظ اور ان مضامین و مطالب کا ذکر کیا تو انہوں نے نہ صرف یہ بتلا دیا۔ کہ فلاں آیت پر وعظ ہوا تھا۔ بلکہ بعض مطالب و مضامین وعظ بھی بتلائے یہ ان کے شوق دینی و احساس اور کمال قوت حافظہ کی دلیل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اہل جھنگ ان خواص مومنین سے ہیں جنہیں مرحوم سے ایک خاص روحانی تعلق اور انس ہے اور آج تک وہی خصوصیت رکھتے ہیں۔

علامہ مرحوم کی تجویز بانی اور دفتر البرہان کی محققانہ تصانیف کا یہ اثر ہے جس نے اسی ضلع جھنگ میں دو زبردست فاضلوں فخر العلماء الاعلام، عدیم الامثال والا قرآن حافظ مولوی علی محمد خاں سلمہ اللہ الرحمن۔ اور جناب حذاقت مآب فضیلت انتساب امیر کبیر حاجی مولوی حکیم امیر الدین صاحب مصنفین کتب مستطاب فلک النجاۃ جیسی ہستیوں کو اس طرح کھینچ لیا " ومن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام " اور ان کے دائرہ ایمانی میں داخل و شامل ہونے سے ان کے علاقہ میں گویا ایک تبلیغی مشن قائم ہو گیا ہے۔ اور سینکڑوں نفوس دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ خدا ان کی توفیقات زیادہ کرے۔

" دو دل یک شود بشکند کوہ را "

اور یہ سب کچھ شیخ و دفتر البرہان کے آثار وجود سے ہے و نکتب ما قدموا و آثارھم و کل شیٔ احصیناہ فی امام مبین۔ یہ خبر اور بھی مومنین کے لئے مسرت خیز ہے کہ فخر الحکما زین الفضلا تاج العلماء العالم الربانی حکیم مولوی السید بدر الاسلام المدنی مد ظلہ العالی نے بھی حقانیت مذہب حق کا اعلان کر دیا ہے۔ آپ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ رسالہ "حسینا کتاب اللہ" حصہ اول پر فریفتہ ہو کر حق کے شیدا بن گئے ہیں اور آپ تبلیغ حق اور اشاعت عزائے حسینؑ پر مٹے ہوئے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صحیح ہو کیونکہ ہمیں خود ان صاحب سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ یہ تمام آثار ہیں تبلیغ حق کی اس مستحکم عمارت کے جس کا سنگ بنیاد قدرت نے صوبہ پنجاب میں سرکار علامہ مرحوم کے دست مبارک سے اب سے اکتیس سال قبل رکھا تھا۔ واللہ یفعل ما یشاء و هو فعال لما یرید۔

اللھم اجعلنی ممن تنتصر لدینک من الاخیار ولا تستبدل بی غیری۔ تبلیغ دین الٰہی کا نام بہت سے اخباری پراپیگنڈا کا۔ وان فی ذالک لذکریٰ لاولی الالباب۔

چہارم - علامہ انتہا درجہ کے نفاست پسند اور طہارت کے پابند و عامل تھے۔ مگر آپ کی طہارت و نظافت کچھ ایسے اعلیٰ اصول پر تھی۔ کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتی تھی اور کسی کو آپ کی یہ انتہائی پابندی طہارت گراں نہ گذرتی تھی۔ آپ کا لباس ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی تازہ تیار ہو کر آیا ہے۔ اکثر پہنے ہوئے کپڑے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ابھی جسم ہی پر تنے گئے ہیں۔ ایسی ہی نظافت اکل و شرب میں بھی تھی نہایت خوش خوراک، خوش لباس تھے۔ اور عام لوگوں میں پھول کی طرح سے بستے تھے۔ اُن کی طہارت کٹ ملاؤں کی طرح رسمی اور خود ساختہ نہ تھی۔ بلکہ تحقیقی اصول مسلمہ شریعت غرائے محمدی پر مبنی تھی۔

پنجم - اوراد و اذکار کے نہایت درجہ عامل تھے اور ان میں کچھ ایسا اثر ہوتا تھا کہ اگر کبھی کسی کو اُن کے سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ تو سُن کر ہی دل میں نورانیت بڑھ جاتی تھی اور روحانیت کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ خصوصاً آخر روز جمعہ کی دعائیں اور تہجد کے وقت کی مناجاتیں سامعین کو دل ہلا دیتی تھیں۔ مرحوم علامہ شب کو ہمیشہ تقریباً تین بجے

معصومین ہی سے ماخوذ تھیں۔ بلکہ اکثر و بیشتر کتاب اللہ سے مستنبط تھیں۔

آخر الذکر کے بعض عربی رسائل پر علامہ نے حواشی بھی لکھے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ علامہ کی کتب و مسودات میں وہ نہیں نکلے۔

نہم۔ علامہ کی شہامت نفس۔ علوِ ہمت اور بلند ہمتی و بلند نظری کا یہ حال تھا کہ چوبیس سال گویا جلاوطنی اور غربت میں گذارے مگر کبھی ہمارے سامنے اُن تکالیف کا ذکر نہیں کیا۔ اپنی مصائب کا تذکرہ مخلوق کے سامنے زبان پر نہیں لائے۔ دوستوں عزیزوں اہل و عیال اور اپنی جاگیرات سے جدا ہوئے۔ چوبیس ۲۴ سال تنہا گذارے۔ مگر کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ میرے بچے مجھے یاد آتے ہیں، کبھی کسی دوست سے یہ نہ کہا کہ مجھے خرچ کی تکلیف ہے۔ جب آپ کا تینتیس ۳۳ ہزار روپیہ جو ارباب جمشید کے بنک میں طہران میں جمع تھا خرچ ہو گیا اور ایران کے دوست و احباب سے بھی منگانا چھوڑ دیا۔ یہاں کے بعض مخلص دوستوں نے ان کی مدد کی۔ مگر شیخ نے مثل عام لوگوں کے اپنی ضروریات کا اظہار نہ کیا اور یہ شیخ ہی کا نفس تھا۔

دہم۔ ہندوستان میں آکر شیخ کی ذات کو روحانی آلام بھی پہنچے جس سے کل باخبر واقف ہیں اور اخبار شاہد۔ ایک عالم دین جس نے تمام عمر خاص خدمت دین میں صرف کی ہو جو اسلام و مذہب حق کا سچا خیر خواہ و حامی ہو۔ اس کو ان امور سے سابقہ پڑے اور وہ باتیں سننی پڑیں جو کسی شریف کے لئے زیبا نہیں ہو سکتی اور کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر ان کو بھی بہت کم محسوس کرتے تھے۔ بڑا صدمہ تھا۔ مگر ہم سے کبھی اس طرح اظہار نہ کیا کہ مجھے اُن کا صدمہ ہے اور یہ لوگ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ اور خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گئے اور صبر کیا۔ ہاں دینی رخنہ اندازی میں بہت غصہ آتا تھا۔ اور اس معاملہ میں سخت تھے۔ لا تاخذہ لومۃ لائم فی دین اللہ اس حالت میں بھی جبکہ قوم کی طرف سے ان کے ساتھ یہ سلوک ہوتا۔ ہا حتی الامکان خدمت دین سے غافل نہ رہتے ہائے ہائے یہی وہ باتیں ہیں جن کو اہل دل اور اہل درد ہمیشہ یاد کریں گے۔ شیخ انہیں نہ بھولے گا۔ دنیا بہت کچھ رنگ بدلے گی۔ بہت پلٹے کھائے گی۔ بہت تشویش پیدا کرے گی مگر شیخ کی یاد مومنین منصفین سے فراموش نہ ہو سکے گی ؎

"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

حیف صد حیف کہ وہ اعلم و درافشاں نہ رہا | منبع علم و منبر معدن عرفاں نہ رہا

اس کی ہر بات میں صد نکتۂ علمی تھے نہاں
کاشفِ سرِّ خفی عارفِ سبحان نہ رہا

اس سے پاتے تھے شرف علم و فنون اخلاق
مصدرِ علم و عمل عالمِ قرآں نہ رہا

جو چہکتا تھا صدا گلشنِ توحید میں آہ
آج وہ بلبلِ خوش لہجہ و الحانی نہ رہا

متبحر، متکلم، متفقہ، عارف
عابد و زندہ دل و قاری قرآن نہ رہا

فیض سے اس کے ہوئیں علم کی نہریں جاری
آہ پنجاب میں وہ شیخ خوش ایماں نہ رہا

شیخ سے عالمِ دیں نے کیا قصدِ جنت
اب کوئی ہند میں علامہ طہراں نہ رہا

ڈوبا پنجاب میں طہران کا وہ "اختر علم"
افقِ دیں پہ اب نیّرِ تاباں نہ رہا

نوٹ:۔ چھٹے اور ساتویں شعر کا مصرع اوّل مادۂ تاریخ بھی ہے اور آٹھویں میں "اختر علم"۔

تالیف و تصنیف

اس عنوان کو ذکر کرتے ہوئے ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس باب میں اتنی کمی ہے کہ کچھ لکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ دوسرے مرحوم و مغفور کا اس باب میں جو کچھ خیال تھا۔ افسوس ہے کہ وہ پورا نہ ہوا۔ اور اجل نے مہلت نہ دی کہ وہ مہدوت ان میں کوئی خاص ایسی تصنیف چھوڑ جائیں جو یادگار رہے وما کل ما یتمنی المرء یدرکہ۔

علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تصانیف کا کم ہونا چند وجوہ سے ہے۔

اوّل تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ لکھنے میں زیادہ جری نہ تھے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں وہ بہت ہی کم لکھ سکتے تھے۔ کیونکہ بفضلہ تعالیٰ علم اتنا وسیع تھا کہ جس وقت کچھ لکھنے کا قصد فرماتے تھے تو مضامین اس طرح چاروں طرف سے فوج فوج آتے تھے۔ کہ علامہ اُن کا انتظام نہ کر سکتے تھے۔ یعنی چاہتے یہ تھے کہ ہر مضمون نہایت اعلیٰ درجہ کا ہو اور بالکلیہ ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ کوئی مالہ وما علیہ باقی نہ رہ جائے کوئی شبہ ایسا نہ ہو جس کا جواب نہ آجائے۔ کوئی اعتراض ایسا نہ ہو جس کا رد نہ ہو جائے۔ میرا تجربہ بھی ہے۔ اور عقیدہ بھی یہی ہے کہ ایسا شخص اور ایسے خیال کا مصنف بہت کم لکھ سکتا ہے اور اگرچہ لکھے بھی تو اس کی طبع کی نوبت نہ آسکے گی اگر چھاپنے کا قصد کرے گا۔ تو اس پہ نظر ثانی نہ کر سکے گا۔ کیونکہ نظر ثانی میں ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ

کچھ حاصل کرنے اور ان کے علوم و معلومات کے محفوظ رکھنے کی تھی مگر افسوس ہے کہ اہل علم کو یہ موقع بہت کم ملا۔ کوئی شخص جس کو شوق ہوا ایسا فارغ البال نہ تھا جو ہمیشہ علامہ کی خدمت میں رہتا اگرچہ بعض اہل علم نے اس امر کو علامہ کے ابتداء زمانۂ ورود پنجاب ہی میں سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ سنا ہے کہ شروع ہی ملاقات میں جناب مولینا عنایت علی صاحب سانوی اعلی اللہ مقامہ نے جناب مولوی سید حسن علی شاہ صاحب مرحوم سے فرمایا تھا کہ یہ وہ شخص ہے کہ سب اس کے پاس بیٹھو کاغذ قلم، دوات لے کر بیٹھو اور جو یہ کہے لکھتے جاؤ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ خذ والعلم من افواہ العلماء علماء کی زبان سے علوم حاصل کرو۔

تفسیر مذکور کے علاوہ ایک رسالہ مسئلہ قضاوقدر پر ایک تجسم اعمال پر اور ایک ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفۂ طبیعیہ پر علامہ نے لکھا تھا۔ اور یہ سب رسالے مطبوعہ ہیں۔ مگر ان کا کوئی نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ ایک آدھ دفعہ ایران لکھا بھی مگر کوئی جواب نہیں آیا اب ہم اس کی نسبت مزید سعی سے کام لیں گے۔ شاید کامیاب ہو جائیں۔

مسودۂ امامت | علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تصنیفات میں سے ایک مسودہ تھا۔ اور جس کے اکثر مباحث و مطالب امامت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کچھ نوٹ اور اشارات تھے جو وقتاً فوقتاً مرحوم لکھتے رہتے تھے۔ اور چند سال سے برابر مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اس سال کوئٹہ جا کر ان مسودات کو ضرور مرتب کر دوں گا۔ مگر قدرت نے ان کی ترتیب کا موقع نہ دیا۔ اور علامہ اس کی حسرت دل ہی میں لے گئے اور نہایت افسوس ہے کہ مسودات وکتب کی تلاش کی وہ مسودہ بھی اب نہ نکلا جس کو خود میں نے قبل ازیں دیکھا تھا۔ اور ساتھ ہی آپ کے خاص اوراد و وظائف و اعمال کا مجموعہ بھی مفقود ہوگیا۔ ان دونوں چیزوں کے گم ہونے کا مجھے سخت صدمہ ہے۔ اکثر احباب سے دریافت کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا اور بعض حضرات نے کچھ جواب بھی نہ دیا۔" وقد جف القلم بما ھو کائن"۔

علامہ کے دست قلم کا لکھا ہوا ایک مضمون جو عربی میں ہے۔ اور آیہ مجید: انا کل شیٔ خلقناہ بقدر کی تفسیر پر ایک سنی المذہب افغانی عالم کے سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے اب سے چند سال پیشتر "البرہان" میں بجنسہ وبلفظہ شائع ہو چکا ہے

مضمون مختصر ہے مگر اہل علم کے دیکھنے کے قابل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اسکو کہتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں یہ چند صفحے اہل البصیرت کے نزدیک فی الحقیقۃ ابواب علم ہیں اسی طرح اور بھی چند مضمون علمی بعض مومنین کو لکھکر دیئے ہیں۔ جو قابل دید ہیں۔ اور نہایت مفید رسائل مثلاً سورۂ کہف کی ان آیتوں کی تفسیر لکھکر بعض احباب کو عنایت فرمائی ہے۔ جس میں حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ہے اور ان آیات سے مسائل قضا وقدر اور بندے کے فاعل مختار ہونے کے اہم مباحث کو ایک عجیب وغریب اسلوب سے حل کیا ہے اور اعلیٰ ترین نکات بیان فرمائے ہیں۔ کشمیر میں ایک تحصیلدار صاحب کو ہدایت وہادی اور اقسام ہدایات کے بیان میں ایک نہایت مفید مضمون لکھکر عنایت فرمایا تھا۔ اور ان دونوں کا خود مجھ سے ذکر کیا تھا وعلی ھذا القیاس بعض دیگر مومنین کو وقتاً فوقتاً مفید مضامین دیئے ہیں۔ اگر یہ حضرات یہ مضامین عنایت کر دیتے تو یہ علیحدہ صورت میں بھی شائع ہو سکتے تھے۔ نیز اس موجودہ مسودہ میں البتہ وہ عربی مضمون ناظرین اس کتاب کے حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اہل علم اور اہل البصیرت کے نزدیک علامہ کی وقعت اور عظمت

یہ سب کچھ ہے مگر علامہ سے جس کی امید ہم لوگ رکھتے تھے اور جو کچھ ہمارے نفوس چاہتے تھے اور جو علامہ کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ علم ومعرفت کی ایک بجلی پنجاب پر چمکی اور غائب ہو گئی۔ ایک پھول تھا جو کھلا مہکا اور فوراً مرجھا گیا۔ بیس سال کا عرصہ اس اعتبار سے ایسا گذر گیا کہ گویا بیس دن۔

علامہ نے یہاں علمی بوٹے لگائے مگر اُن کو پروان نہ چڑھا سکے۔ علامہ نے ہندوستان میں اور بالخصوص سندھ وپنجاب میں شجرۂ اسلام کو زندہ کیا مگر اس کو کامل شاداب نہ دیکھ سکے

حیف۔ درچشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ان کو خود اس کا افسوس رہا اور مرتے وقت اگر علامہ کے دل میں کوئی حسرت تھی تو یہی کہ اسلام پھر مضمحل ہو جائے گا بلکہ حبیب زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ تو فرماتے تھے۔ کہ افسوس ہے کہ میں نے بڑی محنت سے اسلام کو زندہ اور تازہ کیا تھا وہ پھر اسی حالت پر

آجائے گا اور پھر مضمحل ہو جائے گا۔ اور جو روح اسلامی میں نے پھونکی ہے وہ باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ اپنی اور وصایا کے بعد میرا سینہ کھلوا کر دیر تک سینہ پہ ہاتھ رکھے ہوئے دعائیں پڑھتے رہے اور بعد ازاں فرمایا کہ " ملازمت را ترک کنید و خدمت دین را پیش گیرید تا محنت بندہ برباد نرود و ضائع نہ شود " اور یہ بالکل سچ ہے اور یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ برابر۔ سے اہل علم کا سایہ مومنین کے سر سے اُٹھتا جاتا ہے۔ یہ نعمتیں پھر کہاں حاصل ہوں گی۔ اگر ہماری ناشکر گذاری نہ ہوتی تو ہرگز ابھی یہ نعماتِ الٰہی ہم سے سب نہ ہوتیں۔ بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمھا علیٰ قوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم الآیۃ۔ برسوں کے بعد یہ دولت ہاتھ آئی تھی۔ جو بہت جلد ہم نے ضائع کر دی۔ جناب مولینا حالی مرحوم کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ دو سو سال کے عرصہ میں ہندوستان میں ایسا جید عالم نہیں آیا۔ عالی جناب حذاقت مآب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب زید مجدہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا۔ پہلا ہی وعظ دہلی میں علامہ کا سُن کر حکیم صاحب نے فرمایا تھا جس کو ہم نے خود سُنا تھا۔ " ما سمعت قط " میں نے ایسا وعظ کبھی نہیں سُنا اور اب بھی زمانہ مرض میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام بھی، مصر بھی اور یورپ بھی اور ہندوستان میں اکثر علماء کو دیکھا اور سُنا ہے خصوصاً ان چند سال کے عرصہ میں میں نے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا۔ جناب مولینا مولوی سید محسن علی شاہ صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جناب مولینا سید عنایت علی صاحب اعلی اللہ مقامہ جیسے متکلم لاثانی و فاضل اجل فرماتے تھے کہ تیس تیس سال کے بعض شبہات شیخ ہی نے حل کیے ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ گو شیخ کی تصانیف بہت کم ہیں۔ مگر شیخ کے آثار علمیہ مفقود نہ ہوں گے۔ دیر تک رہیں گے۔ کتنی ہی روحیں ہیں جو زندہ ہوئی ہیں جن میں شیخ کے علم کی شعاعیں چمکی ہیں اور وہ بہت مدت تک روشن رہیں گی۔ اگر ہم اس کی تفصیل لکھیں کہ کن کن باسواد حضرات نے شیخ سے فیض پایا جن سے شیخ کا نام روشن رہے گا۔ تو بہت طول ہوگا۔ اور ایک مستقل مضمون بن جائے گا۔ مثال کے طور پر ہم بعض عالموں کا ذکر کر چکے ہیں اور بعض سے خود ناظرین ہیں۔

بہرحال گو ایسے اہل علم بھی ہیں اور بہت ہیں جنہوں نے علامہ کے خرمن علم سے بہت خوشہ چینی کی ہے مگر علامہ کے اس احسان والغام کو کبھی اظہار نہیں فرماتے ہیں۔

تاکہ وہ نکاتِ علمی جوان کی زبان سے ادا ہوں اُنکی اپنی طبیعت کا نتیجہ سمجھے جائیں۔ جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن ہم ایسے نفوس بھی ہیں جو علامہ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے اور وہ اس کے نام کو انشاءاللہ دیر تک زندہ رکھیں گے۔ اور ان کی روحیں ہمیشہ شیخ کی شکرگذار رہیں گی۔ وہ شیخ اور شیخ کے کمالات کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ اور اُن کی آنکھیں ہمیشہ شیخ کی مفارقت میں آنسو بہائیں گی۔ مخلصین ہمیشہ علامہ کا مرثیہ پڑھتے رہیں گے۔ عارفین ہمیشہ شیخ کی روحانیت کو یاد کریں گے۔

علامہ کی اولاد شاید ہمارے اس بیان سے بعض حضرات کو یہ شبہ گذرا ہو کہ علامہ کے نام لیوا اور اس کے آثار موجود نہیں ہیں اہل ہند میں یا اہل پنجاب۔ علامہ کے دو صاحبزادے تھے جن میں سے بڑے نے شیخ کے دس ماہ بعد انتقال فرمایا۔ چھوٹے صاحبزادے طہران میں ہیں۔ اور عالم و فاضل فائز بدرجہ اجتہاد ہیں گو ہمیں یہ علم نہیں کہ وہ علامہ کی خصوصیات کے زیور سے کہاں تک آراستہ ہیں لیکن الولد سر لابیہ کی حقیقت کچھ نہ کچھ ضرور ایسے نفوس میں صادق آتی ہوگی۔ خدا کرے کہ ان سے ملاقات ہو اور ان میں شیخ کے آثار دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ان کی طرف ایک تحریر حکومتِ ہند کی وساطت سے درباب دریافت حال مرحوم و وصیت نامہ ۱۹۲۲ء میں وصول ہوئی تھی۔ پھر کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔

دوسرے صاحبزادے مشہد مقدس تھے اور وہاں کی جائداد موقوفہ اور غیر موقوفہ کا انتظام انہی سے متعلق تھا یعنی شیخ نصر اللہ مرحوم مغفور ۱۳۲۰ھ ہجری میں وہ یہاں تشریف لائے تھے اور چند ماہ باپ کے سایہ عاطفت میں بسر کر کے مشہد کو واپس چلے گئے تھے۔ بعد وفاتِ شیخ انہی کو تار دیئے گئے وہ تشریف لائے اور علامہ کا جملہ سامان و اسباب حسب وصیت مرحوم انہی کو سپرد کیا گیا۔ یہ صاحبزادے صورت اور شکل میں بعینہ علامہ تھے۔ گر علم و فضل میں جدا لیعنی فاضل نہیں تھے۔ معمولی اہل علم تھے۔

علامہ اعلی اللہ مقامہ کی وصیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرحوم کی ایک ہمشیرہ بھی بقید حیات ہیں مگر اس خبر سے اس لئے افسوس ہوا کہ خدا جانے اس بیچاری پر کیا گذری ہوگی جبکہ اس نے سنا ہوگا کہ بھائی نے غربت میں وفات پائی۔ گو میرے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ نے اپنا سامان اور اسباب اپنے فرزند ارجمند کو دیئے جانے کی وصیت کی اور کتب خانہ میں جو تقریباً ایک سو کتب تھیں وہ کل احقر کو دیئے

جانے کی لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ تو سوتی ہیں میں - شیخ کے سینے میں جو کچھ تھا۔ اور جو فیض ہمیں وہاں سے پہنچتا تھا اس کی تلافی دس ہزار کتب کا ذخیرہ بھی نہیں کر سکتا۔" لیس العلم فی السماء فینزل علیکم ولا فی تخوم الارض فیخرج لکم بل هو مجبول فی قلوب العارفین – تادبوا بآداب الروحانیین یظهر علیکم شیخ وہ وجود تھا جس نے اپنی ریاضات نفسانیہ کے ذریعہ حقیقی عارفین کے فیض باطنی سے بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ نہ صرف الفاظ کے قالب سے پیر کتابیں اس کی کیا تلافی کر سکتی ہیں۔ جبکہ بہت سی مفید اور نادر کتب جو مرحوم کے پاس تھیں ضائع ہو چکی تھیں اور ان کا کوئی پتہ نہیں۔ کہاں گئیں، اور کس کے پاس ہیں۔ مگر جب شیخ ہی ہم سے چھن گئے۔ تو کتب کہیں جائیں۔ ان کا مجھے افسوس نہیں۔ کتابیں بہت ہیں اور بہت ملیں گی۔ مگر شیخ جیسا روحانی مربی اب میسر نہ آئے گا۔

شیخ نصر اللہ مرحوم ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۱ ہجری میں مشہد سے لاہور تشریف لائے سامان مرحوم ان کے سپرد کیا گیا اور وہ از راہ کوئٹہ بلوچستان ماہ عزا ۱۳۴۲ھ میں واپس وطن مالوف کی طرف عازم ہوئے مگر افسوس صد افسوس نہ معلوم کس بری گھڑی گھر سے چلے تھے کہ زندہ وطن واپس نہ پہنچے۔ سیستان میں زہر سے شہید کئے گئے۔ اور شیخ مرحوم کی زندہ تصویر خاک میں مل گئی مگر تفصیل اس حادثہ جانکاہ کی صحیح طور پر معلوم نہ کر سکے کس طرح اور کیوں واقع ہوا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ اسد اللہ پسر نصر اللہ مرحوم نبیرہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ سامان ملازم نے گھر پہنچا دیا اور اب یہی بچہ مرحوم کی یادگار ہے

صبح کو طائرانِ خوش الحان   پڑھتے ہیں کل من علیها فان

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

سرکارِ شریعتمدار شیخ الاسلام شیخ عبد العلی اعلی اللہ مقامہٗ فی اعلی علیین نے

۹ر دسمبر ۱۹۲۲ء مطابق ۱۷ر ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ ہجری رشب شنبہ) اس عالم فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

یہ دن عجب قیامت خیز تھا۔ دنیا تیرہ و تار اور عالم مومنین کی آنکھوں میں سیاہ تھا۔ چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔ دل خود بخود بیٹھے جاتے تھے طبیعتیں بے چین تھیں۔ غم و الم کا ہجوم تھا۔ اور شہر لاہور میں ہر طرف پریشانی کے آثار ہویدا تھے۔ اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ ماہ عزا نہ تھا۔ مگر مومنین کے گھر عزا خانے بنے ہوئے تھے ہر طرف سیلاب غم و الم اُمڈ رہا تھا۔ کیوں؟ کس لئے؟ اس لئے کہ "**آفتاب معارف غروب ہو گیا**"۔ "**اختر علم**" ڈوب گیا۔ نیر روحانیت نظروں سے غائب ہو گیا۔ چشمہ ہدایت خشک ہو گیا۔ علم و عمل کا بحر مواج پایاب۔ وہ بلبل ہزار داستان و خوش الحان خاموش ہو گیا۔ جو ہمیشہ گلشن توحید میں چہکتا تھا۔ وہ قمری خوش لہجہ چپ ہے۔ جو ہمیشہ عرفان کا نغمہ سناتی تھی۔ وہ حکیم اسلامی جو اپنے دلائل و براہین سے قلوب مومنین کو روشن کرتا تھا۔ ایک تاریک کوٹھڑی میں سو رہا ہے۔ جہاں صرف اس کے نور ایمان کی شمع روشن ہے۔ اس فلسفی متکلم کا ماتم بپا ہے۔ جو ہزاروں کے مجمع میں بڑے بڑے ملحدوں اور دہریوں کے سر اپنے دلائل قاطعہ کے آگے خم کرا دیتا تھا۔ جو ہر ایک سوال کے جواب کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جس کی ذہانت اور ذکاوت اس کو سوچنے کی تکلیف نہ دیتی تھی۔ جس کی روحانیت اس کو الفاظ کے خول میں مقید رہنے سے باز رکھتی تھی جس کی عمیق نظر ہمیشہ کلام کے مغز تک پہنچتی تھی۔ جس کی زبان سے فصاحت اور بلاغت کے دریا بہتے تھے اور جس کی مناجات رات کے وقت سُننے والوں کے دل ہلا دیتی تھی اور ہر ایک دل میں معرفت اور روحانیت کی ایک لہر دوڑا دیتی تھی جس کے فضل و کمال کا ہر طرف شہرہ تھا۔ جس کے تبحر علمی کے اپنے پرائے یگانے بیگانے موافق و مخالف سب قائل تھے۔ جس کو نہ صرف شیعہ بلکہ عام مسلمان ایک عالم عدیم المثال جانتے تھے۔ جس کے کمال علمی کا لوہا غیر مسلم بھی مانتے تھے۔ جس کی ذات ستودہ صفات کے لئے لفظ علامہ زینت نہ تھا بلکہ اس کی ذات سے اس لفظ کی عزت تھی جو مادرزاد مجتہد اور امی علامہ تھا۔ اس نے مدتوں ریاض کیا تھا۔ صحراؤں کی خاک چھانی تھی۔ ہولناک خرابات کے مناظر دیکھے تھے۔ جس نے ہزارہا کتب کا مطالعہ اور ہزارہا مناظر قدرت کا مشاہدہ کیا تھا۔

جس نے ریاضت سے نفس کو مزکّیٰ بنایا تھا۔ اور اس کا عمل علم سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی نے اس کو کامل بنایا تھا اور وہی اس کی سچی اور حقیقی شہرت کا باعث تھا۔ وہی لوگوں کے دلوں کو کھینچتا تھا۔ اور سچے عالم کے معنی بتلاتا تھا۔ "وانما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" اس کے علمی تبحر کا ثبوت قومی اشتہارات و اخبارات اور ملک کی انجمنوں کے ریزولیوشنوں اور حاشیہ نشین چائے خوروں کے افسانوں پر موقوف نہ تھا۔ بلکہ اس کی زبان اور اس کا دل اس کا ثبوت تھے۔ والمرء باصغریہ قلبہ و لسانہ۔ وہ محقق تھا مدقق تھا۔ حکیم تھا۔ فلسفی تھا۔ مجاہد تھا۔ مرتاض تھا فقیہہ تھا۔ اعلم تھا۔ وہ فصیح البیان مفسر قرآن صاحب الرائے اور صائب الرائے تھا۔ شاہ مزاج تھا۔ شاہ دماغ تھا۔ مگر شاہ پسند نہ تھا۔ آہ وہ وجود دنیا سے اُٹھ گیا۔ جو قوم کا سرپرست اور مذہب و ملت کا سچا محافظ اور حامی تھا۔

لی راہ خلد شیخ نے دنیا کو چھوڑ کر
ہم بدنصیب رہ گئے رونے کیواسطے

وہ بلبل علم و عرفان جو چند روز قبل عرشۂ منبر پر باغ توحید میں چہکتا تھا اب اس کا تابوت مومنین کے کندھوں کی زینت تھا۔ عجب شان کا تابوت تھا۔ ہزارہا مومنین روساء عظام بعض والیان ریاست اور بعض دیگر اقوام کے معززین احاطہ کئے ہوئے تھے۔ تمام مجمع پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ اکثر کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مومنین کے چہروں سے اخلاص ٹپک رہا تھا۔ اکثر مومنین خصوصاً نوجوانان قوم تابوت کو لئے ہوئے تھے۔ کندھا دینا نہایت دشوار تھا۔ ہر گلی کوچہ سے مجمع میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سیاہ علم آگے آگے رواں تھے۔ اور مومنین تصویر غم بنے ہوئے پیچھے پیچھے۔ جابجا مشہور فوٹو لیتے جاتے تھے۔ مومنین کے محلوں سے مستورات پھول برسا رہی تھیں اور اپنے قیمتی آنسو اس فدائے ملت پر نثار کر رہی تھیں۔ یہ بھی اسی کی خصوصیت تھی کہ سینکڑوں چھوٹے بچے ساتھ تھے۔ اور ایک برات کے تمام براتی مع دولہا۔ تشییع جنازہ میں شریک تھے۔ حسب وصیت مرحوم آخری خدمت کے جملہ فرائض اس حقیر کے ذمہ تھے۔ جو ادا کئے گئے۔

عالیجناب معلی القاب نواب ابن نواب خاں بہادر کرنل نواب محمد علیخاں

صاحب قزلباش سی۔ آئی۔ ای۔ آئی بالقابہ مرحوم کی کوٹھی سے تابوت اُٹھا اور شہر میں سے گذرتا ہوا تقریباً تین چار گھنٹہ میں گامے شاہ کی کربلا میں پہنچا۔ وہیں مسجد میں نماز ہوئی جس کا شرف محسن قوم مخلص نمبر جناب مولوی محسن علی شاہ صاحب سبزواری مرحوم و مغفور کو حاصل ہوا اور آہ و بکا کے ازدحام میں تابوت نجف اشرف پہنچانے کی غرض سے کربلائے مذکور میں امانت رکھا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی ہمیشہ یہی خواہش تھی کہ اُن کا عازم آخرت کا سفر ہندوستان سے نہ ہو بلکہ دارالاسلام" ایران سے ہو مگر" ما تدری نفس ماذا تکسب غداً و ما تدری نفس بای ارض تموت۔ ارادۃ اللہ غالبۃ علی کل ارادۃ غربت میں شاید ہی کسی غریب کا جنازہ اس دھوم سے اُٹھا ہوگا۔ اور اس شان سے ماتم پرسی ہوئی ہوگی۔ اگر ان کے اقربا موجود ہوتے تو خیال بھی نہ کرتے کہ وہ پردیس میں ہیں اور یہ سب کچھ مرحوم کی روحانیت اور جناب کربلائی صاحب موصوف کی شخصیت کا اثر تھا جنہوں نے مرحوم کی تیمارداری اور بیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا وہی صاحب عزا تھے۔ اور حق عزا بھی ویسا ہی ادا کیا جو ان کی شان کے شایان تھا۔ غفراللہ لہ۔

کل پنجاب و سندھ اور اکثر مقامات ہندوستان میں مرحوم کا سوگ منایا گیا۔ تعزیت کی گئی۔ تعزیت نامے لکھے گئے۔ تعزیتی جلسے ہوئے۔ تاریخیں لکھی گئیں۔ اور مومنین نے اپنے اخلاص ایمانی کا آخری ثبوت پیش کیا۔ لیکن

پس از آنکہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

آج بابصیرت اہل پنجاب خود کہہ رہے ہیں اور افسوس کر رہے ہیں کہ شیخ کے علم و فضل کی جیسی کہ چاہیئے تھی قدر نہ کی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی ناقدری میں اور تشہیر و تذلیل میں بعض دوکاندار اہل علم اور ان کے حواریین نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جس کا ذکر کرتے شرم آتی ہے اور دل دکھتا ہے اور اس کا وقت بھی نہیں رہا۔ مثل مشہور ہے کہ آدمی کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن یہاں یہ مثل حقیقت کے لباس میں جلوہ نما ہے۔ اپنے پرائے سب شیخ کو یاد کر رہے ہیں الا من فی قلوبھم زیغ۔ اور آج عالم کی موت کے متعلق فرمان معصومین کی تصدیق مشاہدے میں آ رہی ہے۔ حضرت صادق آل محمد ارشاد فرماتے ہیں" اذا مات المومن الفقیہ ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا شئ" جب کوئی مومن فقیہ مرجاتا ہے تو دیوار اسلام

ہیں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جس کو کوئی شے بھر نہیں سکتی اور حضرت کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں۔
اذا مات مومن الفقیہ بکت علیہ الملائکۃ و بقاع الارض التی کان یعبد اللہ علیہا و ابواب السماء التی کان یصعد فیہا عملہ و ثلم فی الاسلام ثلمۃ لا لا یسدھا شیئی لان المومنین الفقہا حصون الاسلام کحصن اسوار المدینۃ لہا۔ یعنے جب کوئی مومن عالم مرجاتا ہے تو فرشتے اس پر روتے ہیں اور وہ بقعات زمین روتے ہیں جن پر وہ عبادت خدا کرتا تھا۔ اور ابواب آسمان روتے ہیں جن سے اس کا عمل کاتبان اعمال لے کر جاتے ہیں اور اس کے مرنے سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ جاتا ہے جس کو قیامت تک کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ کیونکہ علماء اسلام اسلام کی پناہ اور اس کا حصار ہوتے ہیں جس طرح فصیل شہر شہرپناہ ہوتی ہے۔

آہ! ہمارا شیخ انہی حصونِ اسرارِ معارف دینیہ سے تھا۔ جس میں احادیث معصومین اور اُن کے اسرار مخزون و مکنون اور محفوظ ہوتے ہیں۔ کما قال علیہ السلام احادیثنا صعب مستصعب لا یتحملہا الا صدور حصینۃ او حلوم رزینۃ او صدور امینۃ رحم اللہ الشیخ اس کے مرنے سے جو رخنہ پڑا ہے اُس کو اہل بصیرت کی آنکھیں صاف دیکھ رہی ہیں اور اُسے یاد کر کے اشک حسرت بہا رہی ہیں مخلصین خاص کو اس لئے بھی زیادہ صدمہ ہے کہ ایسے فاضل متبحر کی کوئی یادگار قائم نہ کی جو اس کے نام کو خصوصیت سے زندہ رکھتی اور ساتھ ہی احساس مذہبی اور حیات قومی کا ثبوت دیتی کیونکہ زندہ قوموں کے ذی کمال مُردے ایسی ایسی یادگاروں سے ہمیشہ زندہ رکھے جاتے ہیں مگر یہاں شیخ کا لگایا ہوا تبلیغ و ہدایت کا سرسبز بوٹا "البرہان" بھی شیخ کے ساتھ قوم کی غفلت اور ناقدردانی اور ناحق شناسی کی اندھیری قبر میں زندہ درگور کر دیا گیا تھا۔ جو بعض مخلصین کی مسیحائی سے دوبارہ زندہ ہوا ہے اور ابھی ابتدائی نشوونما کے سانس لے رہا ہے خدا ہماری قومیت کے سکون وجمود میں حرکت پیدا کرے آمین۔ واللہ علےٰ کل شیئی قدیر و بیدہ ازمۃ التقدیر و کل عسیر علیہ سہل یسیر۔

تاریخہائے وفات

مرحوم علی اللہ مقامہ کی تعزیت کے سلسلے میں ان کے مخلص احباب نے بہت سی اردو عربی، فارسی تاریخہائے وفات نکالیں اور نظمیں کیں جن میں سے مومنین مخلصین کی خاطر ہم پانچ تاریخیں یہاں درج کرتے ہیں۔ یعنی از جناب سید محمد عسکری صاحب اغلب اکبرآبادی برادر عزیز ملک الشعرا سید ناظر حسین ناظم مرحوم و مغفور، جناب سید حسین علی صاحب ماہر لدھیانوی مرحوم، جناب ابوالمجاہد شیخ فتح محمد صاحب بیوستانی دانائی، جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب درانی سلطان لاہوری مرحوم و جناب سید علمدار حسین صاحب علمدار واسطی بنوڑی مرحوم یہ تمام حضرات شیخ مرحوم سے تقریباً اسی وقت سے تعارف رکھتے رہے ہیں جس وقت سے کہ پنجاب و سندھ میں سرکار [illegible] مرحوم کے مواعظ کی شہرت ہوئی اور اس لئے ان حضرات نے قطعات و رباعیات تاریخ میں محض شاعری ہی نہیں کی ہے بلکہ ہر ایک نے شیخ کی شخصیت اور [illegible] حقیقت کے الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور یہ قطعات [illegible] زبان یعنی شہزادہ صاحب اور واسطی صاحب۔ شہزادہ صاحب خود [illegible] کے مصنف ہیں۔ اور اسی طرح واسطی صاحب جن کے اکثر مضامین نظم و نثر ناظرین البرہان مطالعہ فرماتے رہے ہیں اور اکثر ملک کے ادبی رسائل میں آپ کے گرانقدر مضامین طبع ہوتے رہے ہیں اور ہلال محرم و تعمیر عشق و بیان وفا وغیرہا ان کے کمال کی ناقابل انکار دلائل ہیں۔

جہاں تک مجھے یاد ہے۔ لاہور میں اہل لاہور سے اس عالم عدیم المثال اور اعجوبہ زمان کا تعارف کرانے والے شاہزادہ صاحب ہی ہیں اور یہ غالباً محرم [illegible]ء کا ذکر ہے جبکہ جناب شیخ پٹیالہ میں تھے۔ اس وقت سے آخری ساعات وفات تک شاہزادہ صاحب نے شیخ کے حالات واقعات، علم و عمل، فضل و کمال کا مطالعہ اور مشاہدہ بغور [illegible] کیا ہے اور اس طولانی عرصے میں شیخ کی فضیلت کا جو نقش ان کے دل پر بیٹھا ہے اس کو اپنی نظم میں ظاہر کیا ہے

واسطی صاحب بھی خوش قسمتی سے شیخ سے اکثر [illegible] تعارف رکھتے ہیں جبکہ ہم خود شیخ کے نام سے ناواقف تھا اور اس لئے انہوں نے بھی شیخ کی ذات و شخصیت کے متعلق [illegible]

حقیقی معلومات اور معتقدات کا اظہار فرمایا ہے یعنی وحیا موصوف نے اپنے مرثیہ میں پوری پوری حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ اور مرثیہ شیخ کی سوانحعمری اور اس کے فضل و کمال و اس کے کارناموں کا آئینہ ہے فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

قطعۂ تاریخ وفات حضرت آیات سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین از جناب شرافت مآب سید محمد عسکری صاحب اغلب باہروی

از چشم اشک خوں بجرامی بارد آسمان
حالا یہ ماتم است کہ میگرید انس و جاں
از حشر خلق ست زبان فنون دفتہ
عالی ہمم، خجستہ شیم والا دودماں
بگذشتہ از جہان غلام شہ نجیف
تاید، فقیہ اعظم و عامل بلند شاں
در ہند فرد جیف ز ایران آمدہ
بگریست میزبان کہ شد راہی میہماں
روز نہم ز ماہ دسمبر بود کہ شد
آں نیر علوم و معارف زما نہاں

اغلب بگو کہ نزد جناب امیر رفت
سرکار شیخ عبد العلی نادر جہاں
۱۹۲۷ء

از کلک گہر بار جناب ذت مآب میر حسین علی صاحب باہر لدھیانوی مرحوم

پیوند تا ددار جو رچپ رخ بر آدم گذشت
کے گراں بود ندزیں بکدم کہ بر عالم گذشت
فارغ البال از ستمہائے فلک بودم کہ دی
ایں ندائے از سرش ہوش در گوشم گذشت
سایۂ سرکار شیخ از فرق ما مفقود شد
جعفری باشی اگر خواں ازیں ماتم گذشت
ماخذ علم وادب علامۂ شیریں بیاں
روز آدینہ بوقت شب ازیں عالم گذشت
ماہر از سال مسیحی ہاتفم داد ایں ندا
آہ ازیں دنیائے دوں آں فاضل اعظم گذشت

از نتیجۂ افکار جناب مجلت نصاب فضیلت انتساب ابو المحامد فتح محمد البلوستانی ایرانی

کرد ما اغرق بحسید رنج داندوہ فراق
شد بجنت شاداں علامۂ عبد العلی

ہمچو ل پیر سدم سن وسال رحلتش از سرش
گفت گو فخر زماں علامۂ عبد العلی
۱۳۴۶ھ

الف

در زمانِ محیطِ مرداں خدا گشتہ جدا
کرد ما را مضمحل علامۂ عبد العلی

گفت ہاتف سال فوتِ آں خدا آگاہ مرد
فاضل و آگاہ دل علامۂ عبد العلی

از رشحاتِ قلم حقائق رقم جناب فضیلت نصاب فضیلت انتساب جناب شاہزادہ سلطان علی صاحب درانی مرحوم المتخلص بہ سلطان

شیخ عالی جناب و والا جاہ
کہ نہ بودش مثیل در امکاں

صاحبِ علم و فضل و زہد و ورع
بوذرِ عہد و ثانی سلماں

در معانی بیان و علم ادب
بود شاگردِ مکتبش حساں

واقف نکتہ ہائے قرآنی
ماہرِ قولِ سرورِ ذی شاں

عارفِ دودمانِ پیغمبر
خادم و عاشقِ امامِ زماں

ہر چہ می گفت جملہ حق میگفت
زانکہ بودہ است صاحبِ عرفاں

جدِ وے بود شیخ ابراہیم
باب ہم بود سرورِ ذی شاں

مسکن و جد و باب بود ہرات
لیک خود شد مقیم در طہراں

صیتِ فضلش بگوشِ ناصرِ دیں
چوں رسید از زبانِ عالمیاں

نزد خود خواست باد و صد اعزاز
حاکم شرع ساخت در ایراں

گردشِ دہر چوں بلدر آمد
شیخ از وی رسید ہندوستاں

بست و یک سال بود در پنجاب
آخرش شد بسوئے خلد رواں

غیر حق بہر کس بقا نہ بود
گفتہ خود کل من علیہا فان

داغ بر قلب مومنین بنہاد
آہ از دستِ گردشِ دوراں

دیں فروشاں و طالب دنیا
کہ نہ دارند بہرہ از ایماں

روز و شب در تلاش سیم و زر اند
در پئے جیفہ مثل خوک و سگاں

طالب جاہ و بے خبر از حق
جاہل مطلق اند ابجد خواں

دعوے علم و لیک جاہل محض
از کلام نبی و از قرآں

بوجود مبارک مرحوم — ہمہ پامال بودہ اند خزاں

لیک افسوس طالع منحوس — گردش شمس علوم را پنہاں

در گلستان علم بود بہار — لیک تاراج شد ز بادِ خزاں

رحمت حق بہ روح انور او — کہ ز فیضش بماست صد احساں

خود سوئے خلد رفت و داد بما — درد چہ درد دردِ بے درماں

اے خدائے کریم صبر جمیل — کن بہ سلطان عطا دریں حرماں

سال فوتش بجستم از ہاتف — آہ از دل کشید مویہ کناں

از سر کرب و حزن گفت کہ شد — شیخ عبدالعلی بسوئے جناں

از رشحاتِ قلم جواہر رقم جناب نجابت مآب شرافت نصاب سید علمدار حسین صاحب واسطی بتوڑی مرحوم

لُٹ گیا آہ! باغِ علم — مٹ گیا دہر سے سراغِ علم

چل بسا ساقیٔ مے عرفاں — بزم اُجڑی، لُٹا ایاغِ علم

تیرہ و تار ہو گیا عالم — مہر ڈوبا، بجھا چراغِ علم

درد دل میں ہے لب پہ دودِ آہ — جل رہا ہے جگر میں داغِ علم

اُٹھ گیا وہ وجود دنیا سے — عرش پر جس سے تھا دماغِ علم

خُلد میں پہنچے شیخ عبدالعلی — سر گیا گل ہوا "چراغِ علم"

ایضاً

آہ از دستِ جفا کیشِ فلک صد آہ آہ — آتشے اندر جگر بر قلب زد تیر بلا

سوختہ از برقِ عالم سوز طومارِ حیات — نقش ہستی محو شد از صفحۂ دار فنا

مرکزِ ما بود در پنجاب وا ویلا نماند — عارف و علامہ شیخ عبدالعلی پارسا

علمِ قرآن و ائمہ را معلم بود و ہم — شیخ ما بود و رئیس عابد و غمخوار ما

بود آوازش صدائے قم [illegible] — پیکرِ ملت بلغزش ماند بے روح و صدا

سیزدہم بود از ربیع ثانی و ہنگام شب — شد بہ فردوس آں وحید عصر زیں جہاں سرا

آہ از سر شد علمدار از دلم صبرم ربود — انتقالِ شیخ از دنیا سوئے دار البقا

نوٹ:۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ شیخ کی سوانحعمری میں میر صاحب دصونت کا تعارفی مقالہ جو "قومی ماتم کے عنوان" سے البرہان جلد ۱۲ ۱۳۶۱ھ میں طبع ہو چکا ہے اس ایڈیشن میں بڑھا دیں۔ جس سے شیخ کے کمال روحانیت اور اس کی غیر معمولی شخصیت پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے اور ہمارے بیانات کی تصدیق۔ ناظرین اس کو پڑھکر ضرور خوش ہوں گے۔ وھو ھذا۔

قومی ماتم

بہ ضبط گریہ مشغولم اگر بینی دردنم را　　　　نہ دل تا پردۂ چشمم سر شاخ ارغوان بینی

تمہید۔ اگر حالات وواقعات کا اعتبار کیا جائے تو شیعیت مترادف ماتم ثابت ہوگی۔ تاریخ اسلام کے صفحات الٹ کر پیچھے ہٹتی ہٹتی دیباچہ تک پہنچ جائے۔ شیعہ مخلوق روتی کلپتی نظر آئیگی ہم خدانخواستہ شیعوں کو برا نہیں کہہ رہے۔ لفظ شیعہ کی ہمارے دل میں زحد وقعت و احترام ہے نہ اسلئے کہ ہم خود شیعہ ہیں بلکہ اس واسطے کہ یہ کلام اللہ کی مقدس الہامی زبان کا باعظمت لفظ ہے۔

مگر عرف عام میں اس محترم لفظ کا اطلاق آجکل مسلمانوں کے اس خاص گروہ پر ہوتا ہے جو حضرت آدم سے لے کر جناب ختم المرسلین صلعم تک انبیاء و مرسلین کو معصوم و محفوظ عن الخطا سمجھتا ہے اور بعد ازاں حضرت ائمہ اثنا عشر کو آپ کا جانشین و معصوم یقین کرتا ہے۔ جو علم تمدن میں۔ عمل میں یا پالیٹکس میں۔ اخلاق میں دنیا کی کل متمدن و مہذب قوموں سے پیچھے ہٹا اور گرا ہوا ہے۔

سنا ہے کہ مسٹر محمود مرحوم اپنے حلقۂ احباب میں صاحب کمالان اسلام کا جب کبھی ذکر کیا کرتے تو کہا کرتے کہ کوئی صیغہ لے لیجئے۔ اس میں جو بھی چوٹی کا آدمی ہوگا۔ شیعہ ہوگا۔ اور اپنے اس دعوے کی تائید میں ہر لائن میں بیسیوں شیعہ نام گنوا دیا کرتے۔ مثلاً سپاہی۔ صناع۔ مدبر۔ مدیر حکیم۔ فلاسفر۔ ریاضی دان۔ عالم۔ شاعر۔ موجد۔ فاتح وغیرہ وغیرہ ہر عنوان کے تحت میں بیسیوں بچاسوں سیدوں کے نام ان کو یاد تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس فن کی جیتی جاگتی۔ بولتی چالتی انسائیکلو پیڈیا ہیں۔

ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کیونکہ ان کا علم ٹھوس معلومات وسیع۔ نظر غائر۔ اور قوت حافظہ بے مثال تھی۔ مگر ہمارے نزدیک یہ صرف ایک کہانی ہے۔ کیونکہ ہمارا آج کا مشاہدہ اور تجربہ اس کے برعکس ہے۔ اگرچہ عقل یہی چاہتی ہے۔ کیونکہ یہ گروہ جن برگزیدہ ہستیوں کی رہنمائی سے ان کے نقش قدم پہ چلنے کا مدعی ہے وہ ایسی ہی تعلیم کے معلم تھے ان کے اسکول

سے جو بھی فارغ التحصیل ہو کر نکلا ہوگا۔ یقیناً ناموران عالم و مشاہیر اسلام سے ہوا ہوگا۔ لیکن اس پر فخر کرنا اور خود کچھ نہ ہونا محض استخوان فروشی ہے۔ کیونکہ

آدمی را بچشمِ حال نگر   از خیال پدر و جدی بگذر

ہمیں تو اس خیال سے شرم آتی ہے۔ کہ ان کے اسلاف کے خلف ہم مغل بادشاہوں کی اولاد۔ آج کل دلی میں موجود ہے۔ مگر یہ ذلیل محتاج! کیا ان کو "پدرم سلطان بود" کہنا زیبا ہے

شمس الدین التمش کے زمانہ سے ہندوستان میں آکر آباد ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بنے۔ فتوحات میں دربار دہلی میں زور رہا۔ اودھ میں ان کا خوب طوطی بولا۔ بادشاہ گر کہلائے۔ اور ایسے صاحب علم و عمل ہوئے کہ امجد علی شاہ وغیرہ بغیر حکم قبلہ و کعبہ زبان نہ ہلا سکتے تھے۔ مذہبی تصانیف کا بھی معتدبہ ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ مختصر یہ کہ شیعیت یا کم از کم سیادت پیکر محسوس کی طرح نظر آگئی۔ ہنوز اس میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش تھی۔ کہ سیاسی انقلاب آیا تخت دہلی الٹ گیا۔ سلطنت اودھ خاک میں مل گئی۔ اور لکھنؤ لٹ گیا۔

یہ زمانہ ہمارے ہند کے لئے ویسا ہی نازک اور خطرناک تھا جیسا کہ عہد بنی امیہ اور خلافت عباسیہ میں علمائے عراق و عرب کو پیش آیا تھا۔ جب کہ ہندوستان و یونان کا الہیات و فلسفہ بذریعہ تراجم اسلامی لٹریچر اور مذہبیات میں نفوذ و حلول کر رہا تھا۔

سیلاب مغرب بڑے زور شور سے سرزمین ہندوستان پر چڑھتا چلا آتا تھا۔ پرانے درخت اور قدیم سر بفلک عمارتیں جڑ بنیاد سے اکھڑ رہی تھیں اور ہم میں سے کچھ بالو کی دیوار سے اس کو روکنا چاہتے تھے۔ اور کچھ سراب بحکم لوگوں کو اس دھوکہ سے بچنے کی ہدایت کر رہے تھے۔ کہ دور اندیش سرسید احمد خاں نے زمانہ کی نبض پہچانی اور دین سے پہلے مسلمانوں کی دنیا درست کرنے کی فکر میں اٹھے۔ بہت سے زمانہ شناس ان کے ساتھ ہوئے۔ اور وہ اہم ترین و عظیم الشان کام کر دکھایا جو آج مسلم یونیورسٹی کی صورت میں پبلک کے سامنے ہے۔

علی گڑھ پارٹی کی تحریریں اور تقریریں فضائے ہندوستان میں گونج رہی تھیں اور ہر شخص پرانے بندھنوں کو توڑ کر اور قدیم قیود سے آزاد ہو کر اس کثرت میں جا ملنے کو آمادہ تھا۔ دنیا بن رہی تھی گو روح دینی مر رہی تھی۔

ہمارا خیال تھا۔ کہ اگر ہم نے اپنے مرکز پر قائم رہ کر ترقی کی۔ تب تو ترقی ہے۔ ورنہ کسی سوال کے جواب میں ؎

میر کے دین و مذہب کے کیا پوچھتے ہو تم اے ہمدم
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

کہنے سے تو موجودہ حالت ہی بہتر ہے۔

ان لوگوں کی زمانہ شناسی کا تو یہ حال تھا۔ کہ اگر کسی نااہل کا ذکر بھی کیا ہے تو اس حسن و دل آویزی سے کہ اس میں شان معصومیت پیغمبری نظر آگئی ہے۔

اور ہمارے ہاں یہ حال تھا۔ کہ مجالس میں اگر کسی معصوم و برگزیدہ ہستی کا ذکر بھی ہوا ہے تو بجائے خلقیانہ اور سائنسی ہونے کے اس کی شخصیت کے منصوص من اللہ ہونے کا ثبوت اس طرح دیا گیا کہ انسان کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں جن کے منجملہ تین تین لکیریں تو چار انگلیوں میں ہیں۔ چنانچہ تین کو چار میں ضرب دینے سے بارہ ہو جاتے ہیں۔ اور انگوٹھے میں دو خط ہیں جو بارہ میں جمع کرنے سے چودہ ہو جاتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ بارہ امام اور چودہ معصوم منصوص من اللہ ہیں ممکن ہے کہ یہ شاعرانہ حسن تعلیل صحیح ہو لیکن کیا اس کو ایک عیسائی یا آریہ یا ہندو یا فلسفی شیعہ تسلیم کرے گا۔

یا یہ بات ذہن نشین کرنے کے لئے کہ جو شخص رسول اللہ کے بعد علی کو بزرگ کائنات عالم اور اپنا امام و پیشوا یقین کرے۔ خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی تھی کہ چونکہ محمدؐ اور علیؑ کے حروف کے اعداد کا حاصل جمع لفظ رب کے عدد دونوں کے برابر ہے۔ لہذا اس منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

لیکن اگر معترض کہے کہ یہ ہم عددی صداقت اور روحانیت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کوفہ اور لکھنؤ ہم عدد ہیں اور چلکانہ کے عدد مدینہ سے ملتے ہیں تو ہم اس کا کیا جواب دیں گے

غرض ہمارا سکول ہمکو اس قسم کی تعلیم دے رہا تھا کہ مصلحت الہی سے ملک ایران میں انقلاب آیا۔ اور آفتاب علم و معرفت آج سے بیس تیس سال قبل افق پنجاب پر طلوع ہوا۔

یعنی سرکار شریعتمدار علامہ لاثانی شیخ حیدر علی صاحب ہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ کے قدوم میمنت لزوم سے زمین ہند کا سر آسمان سے جا لگا۔

آپ کے مفصل حالات زندگی لکھنا تو مرحوم کے سوانح نگار کا کام ہے۔ ہمارا

مقصد اس وقت آپ کی اس عظیم الشان شخصیت کا مختصر ذکر کرنا ہے جس کی نظیر ہندوستان جہان تشان تو کیا۔ یقین نہیں کہ کسی دوسری جگہ بھی موجود ہو۔

اگر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا۔ کہ حیات انسانی یا دوسرے لفظوں میں انسان کے کارنامے طول و عرض بھی۔ رکھتے ہیں اور عمق بھی۔ چنانچہ جناب شیخ علیہ الرحمہ کی مدت حیات میں بھی یہ صفات نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔ مگر ہم یہاں طول و عرض سے تو بحث نہیں کریں گے کیونکہ وہ ہمارے مبحث و مقصد سے علیحدہ ہے۔ البتہ عمق سے ہمیں بہت کچھ تعلق رہا ہے۔ لہذا اس کا بطور نمونہ ذکر کریں گے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں بہ حیثیت عالم تشریف لائے۔ اس وقت یہاں عجب طوفان بے تمیزی بپا ہوا تھا۔ ہندو، آریہ، سکھ۔ عیسائی بھی اسلام پر طرح طرح سے حملے نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ خود مسلمانوں میں مذہبی تصادم ہو رہا تھا۔ کہیں قادیاں سے نئے پیغمبر کے الہام شائع ہوتے تھے۔ کہیں امرت سر سے اہل حدیث شیعوں پر طعن کر رہا تھا۔ کہیں لاہور سے اہل قرآن کی صدائے بے ہنگام بلند تھی۔ کہیں دلی سے مرزا کرزان گوٹ زہر اُگل رہے تھے۔ کہیں لکھنؤ میں النجم اور اصلاح کا دنگل قائم تھا۔ غرض ہندوستان اچھا خاصہ چڑیا گھر بنا ہوا تھا۔ جہاں طرح طرح کے جانور اپنی اپنی بولیاں بول رہے اور کلیلیں کر رہے تھے ان سب پر مستزاد یہ کہ گورنمنٹ شیخ مرحوم کی ذات سے مطمئن نہ تھی۔ پولیٹیکل شبہات میں مبتلا تھی۔

شیخ تازہ وارد ولایت، اجنبی حالات ملک و زبان ملک سے ناواقف عجب مشکل میں تھے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ زمانہ حضرت مرحوم نے کیونکر اور کس طرح بسر کیا ہمیں تو جب آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ملک و قوم کے حالات و ضروریات پر پورا عبور و علم حاصل کئے ہوئے ہیں۔

تقریباً اٹھارہ سال ہوئے کہ پٹیالہ کے مجلسی خلیفہ سید محمد ناظم صاحب مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہ کی بزم عزا میں اول اول ہم نے اس مرکز علم کی زیارت سے دیدۂ دل روشن کیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا فرشتہ رحمت آسمان سے منبر پر اتر آیا ہے۔

بیان کی روانی اور زور کا یہ عالم تھا۔ کہ جیسے کوئی دریا پہاڑ سے نشیب میں گر رہا ہو۔ گو کہ غیر زبان میں تقریر فرماتے تھے۔ مگر سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا مسحور ہو گئے ہیں۔ اور

چلتے ہیں کہ یہ شریعت ان کو قانون کی راہ سے برابر پایا جاتا ہے۔

اس وقت مولوی محمد تقی صاحب مرحوم (مالیر کوٹلہ) آپ کے ترجمان تھے جو بذریعہ ترجمہ ان نکات و اسرار قرآنی کو اردو میں بطور تذکر سامعین کے ذہن نشین کرتے جاتے تھے۔

اربعین کی مجالس تھیں یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ شہرت ہوگئی سنی، شیعہ، آریہ، ہندو۔ غرض ہر فرقہ کے اہل ذوق مجلس میں آنے لگے تھے یہ بھی یاد ہے کہ ایک یا دو دفعہ سامعین میں سے بعض اشخاص نے کسی مسئلہ پر یا طریق استدلال پر بر سر مجلس اعتراض بھی کیا۔ مگر شیخ نے اصل سلسلہ کو چھوڑ کر تاوقتیکہ مشکک یا معترض کی تشفی نہیں فرما دی۔ آگے نہیں بڑھے۔

اس کے بعد آپ دوبارہ رونق افروز ہیٹیانہ ہوئے۔ تو مجلس میں زیر منبر کرسی پر ایک نوجوان مترجمی کے لئے تشریف فرما تھے۔ جن کے ظاہر حال اور جثہ سے بعضوں کا خیال تھا۔ کہ کوئی طالب علم ہوں گے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ علامہ مرحوم نے تقریر شروع فرمائی۔ اور اس قدر مضمون کو یقیناً دو ورق پر لکھا جائے گا۔ بیان فرما کر خاموش ہو گئے۔ اب مترجم صاحب کا کمال دیکھئے انہی الفاظ سے اور جہاں سے سرکار شیخ نے تقریر کی ابتدا کی تھی وہیں سے آپ نے ترجمہ کرنا شروع کیا۔ اور اسی ترتیب سے جہاں جہاں آیات قرآنی آئی تھیں۔ اسی طرح آئیں اور جن الفاظ پر اصل بیان کا پیراگراف ختم ہوا تھا۔ انہی الفاظ پر ترجمہ ختم ہوا۔ اب تو تمام مجلس محو حیرت تھی۔ کہ الہٰی! یہ شیخ صاحب کی کرامت ہے۔ یا ذہانت کا معجزہ۔ غرض مجلس ترجمہ کی اسی شان سے ختم ہوئی۔ اب لوگوں کو سب سے زیادہ اس کی فکر تھی۔ کہ کسی طرح یہ راز معلوم ہو جائے کہ یہ مترجم صاحب کون بزرگ ہیں؟ اس کمال ذہانت اور اس علم و معرفت کا آدمی ہندوستانی تو ہو نہیں سکتا۔ اب جس سے پوچھتے ہیں وہ خود اس معمہ کے حل کرنے کی فکر میں ہے۔ آخر ایک صاحب رہ سکے اور میر مجلس سے جا ہی پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ آپ مولانا سید محمد سبطین صاحب ہیں۔ سرسی ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں۔ نہایت ذہین، فطین و باطلاع انسان ہیں۔ حال ہی میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ سرکار شیخ نے جوہر قابل دیکھ کر اپنی زبانی [illegible] فرمایا ہے۔

بس اب کیا تھا ہیٹیانہ بھر میں بچہ بچہ کی زبان پر مولوی سید محمد سبطین صاحب کا نام تھا اور جو تھا آپ کی ذہانت اور لیاقت کا معترف

جس زمانہ میں نواب غلام الثقلین صاحب مرحوم ریاست مالیر کوٹلہ میں چیف جج تھے

راقم کو اکثر مالیر کوٹلہ جانے اور خواجہ صاحب کے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ غالباً اس وقت تک جناب شیخ پٹیالہ میں تشریف نہیں لائے تھے کہ آج کل یہاں ایک ایسا متبحر اور عارف کامل موجود ہے کہ عمر بھر میں اس جامعیت کا انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔ اگر آپ ان سے کوئی دقیق سے دقیق اور باریک سے باریک مسئلہ دریافت کریں اور یہ کہہ دیں کہ میں اس کا جواب محض قرآن سے چاہتا ہوں۔ حدیث کا ذکر نہ آئے۔ تو تاوقتیکہ وہ قرآن ہی سے آپ کا اطمینان نہیں کر دیں گے۔ خاموش نہیں ہوں گے۔ یا مثلاً آپ کہیں کہ میں حدیث سے اس کا جواب چاہتا ہوں۔ قرآن سے استدلال نہ کیا جائے۔ تو وہ حدیث کے احاطہ سے ایک انچ بھی باہر قدم نہ رکھیں گے۔ اور حدیث ہی سے آپ کا اطمینان فرمائیں گے۔ یا محض فلسفہ سے یا سائنس سے یا عقل سے۔ غرض جس پہلو سے بھی آپ جواب چاہیں گے۔ وہ اُسی سے اطمینان قلب فرمائیں گے۔ اور یہ بھی کہا کہ ایک آدھ بار ایسا بھی اتفاق ہوا کہ کسی مسئلہ میں سائل نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہُوا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ اچھا کل صبح اس کا جواب دوں گا۔ اور صبح کو جو جواب دیا تو ایسا تھا کہ گویا اس سے پہلے جو کچھ فرمایا تھا۔ کچھ بھی نہ تھا۔ اور سائل کا بالکل اطمینان ہو گیا۔

خواجہ صاحب مرحوم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جہاں تک میرا علم و یقین ہے اس بزرگوار کو ضرور حضرت حجتؑ کی زیارت ہوئی ہے۔ اور ہر اہم امر میں یہ حضرت کی تائید اور ارشاد سے جواب دیتے ہیں۔

یہ فرما کر مجھ سے پوچھا۔ سید صاحب آپ سمجھے کہ وہ کون بزرگ ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا۔ سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی ہیں اپنا تمام خالی وقت آپ کی خدمت میں صرف کرتا ہوں۔ آپ بھی ضرور چلیئے۔ چنانچہ رات کے وقت خواجہ صاحب خود میری آرامگاہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ چلیئے آپ کو سرکار شیخ کی زیارت کرائیں۔ مگر چونکہ ایک دوسرے دوست کے یہاں اس وقت میں مدعو تھا۔ اس سعادت سے محروم رہا۔

حضرت شیخ صاحب مرحوم فرقہ اثنا عشری کیلئے خدا کی رحمت تھے۔ آپ کے وعظ نے اہل ملک کے خیالات منجمد و سکوت میں ایک ہیجان و حرکت پیدا کر دی اور وہ لوگ جو محض سطحی اور پیش پا اُفتادہ باتیں اپنی مجالس میں بیان کیا کرتے تھے۔ اکثر قرآن سے استنباط اور استدلال کرنے لگے۔

سچ تو یہ ہے کہ علامہ شیخ عبدالعلی صاحب مرحوم کے ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے ہمارے مواعظ کا یہ رنگ ہرگز نہ تھا۔ شیخ صاحب کے بیان میں سب سے بڑی اور ممتاز خصوصیت یہ بھی تھی۔ کہ ہر مذہب اور ہر اعتقاد کا آدمی بے دغدغہ سن سکتا تھا۔ باوجودیکہ وہ اس جامعیت کو لیے ہوئے تھے۔ کہ اگر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا قصر دندا ڈھیتا تھا تو دوسری جانب اہل حدیث کے عامیانہ معنویانہ اعتراضات جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتے تھے۔ اور اگر ایک پہلو سے آریوں کے زہر نازبق ہوتے تھے۔ تو دوسرے پہلو سے مرزا حیرت کی دروغگوئی کی قلعی کھولتے تھے۔ اور اسی سے اہل قرآن کے دعاوی کی تردید ہو جاتی تھی۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حقیقت اسلام حقیقت نبوت اور شان امام مبین جس معقولیت اور عمق علم کا ساتھ حضرت شیخ صاحب مغفور نے بیان کی ہے اور جس دلآویزی سے وہ اپنے مذہب اور عقیدہ کی تبلیغ و تعلیم کر گئے ہیں۔ اس کی نظیر ہمارا ملک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مذہب اثنا عشریت کا بیان تو سبھی وہی کرتے تھے جو اور علماء کرتے ہیں۔ لیکن یہاں محض منقولات معقولیت ہوتی تھی۔ اور عمق سائنس اور فلسفہ۔

علامہ شیخ کا بیان سن کر سمجھ میں آتا تھا کہ قرآن کا دعوےٰ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کتنا کس قدر برحق و صداقت ہے۔ شیخ صاحب نے حقیقی اسلام کی تعلیم کی اور شیخ صاحب نے علم قرآن کے دریا بہا دیئے۔ مختصر یہ کہ شیخ صاحب نے ہمارے لٹریچر کی کایا پلٹ کر دی شیخ صاحب کی سنجیدگی۔ متانت بیان وزن علم اور مقصد کے عمق کا اندازہ صرف اس واقعہ کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ کہ جس زمانہ میں خلافت الٰہیہ مصنفہ مولانا سید محمد سبطین صاحب زید فضلہ شائع ہوئی ہے اور قادیانی گروہ کے ایک سنجیدہ شخص نے اپنے احباب سے بیان کیا ہے۔ کہ شیعہ اہل قلم نے پہلا پتھر خلافت و امامت پر تصانیف کا انبار لگا دیا ہے۔ لیکن اس سے ہمارا بال بیکا نہیں ہوا۔ اس سے ان کا لہجہ اور انداز بیان ایسا ناگوار و تلخ تھا کہ کوئی مہذب آدمی اس کو پڑھ نہیں سکتا تھا۔ نیز ان کی بنیاد بیشتر روایات پر ہوتی تھی آیات سے استنباط و استدلال نہ ہوتا تھا۔ دو چار سطریں پڑھکر کتاب پھینک دی جایا کرتی تھی۔ لہذا مصنف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جو بات سنی پڑھی ہی نہیں جائے گی۔ اس کا اثر کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن شیخ عبدالعلی نے ہندوستان میں آکر اپنے مقصد کی تفہیم و تبلیغ کا وہ انداز اختیار کیا ہے۔ کہ جس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ملتی اور انھی کی پیروی اب سے مبلغین کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کتاب (خلافت الٰہیہ) اسی سنجیدگی و متانت

سے ممکن کب ہے کہ بغیر پڑھے ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی آدمی ایک دفعہ اسکو سمجھکر پڑھ لے اور اس پہ اثر نہ ہو۔ اس لئے ہم نے قادیاں لکھدیا ہے کہ خلافت الٰہیہ کی صورت میں ایک سخت غنیم نے آپ کے مذہب پر حملہ کیا ہے یہ وہ مدبّر بہادر اور سنجیدہ جرنیل ہے جو آپ کے حلقہ کی دیوار کو سرمہ کی طرح پیسکر خاک میں ملا دیگا۔ لہٰذا جلد اس کے حملہ سے بچنے کے لئے کوئی تارپیڈو سب میرین جہاز یا ایروپلین تیار کیجئے۔ یعنی اس کا جواب لکھئے ورنہ بچنا محال ہے۔

اگر کسی آرگنائزیشن کو کسی خاص شخص کے علم و کمال اور خیالات نادرہ کا مبلغ کہہ سکتے ہیں۔ تو ہمیں یہ کہنے کی جرأت ہوگی کہ رسالہ البرہان شیعی دنیا کا پہلا پرچہ ہے جس نے حقیقت اسلام معیار نبوت شخصیت امام۔ اور اسرار شہادت پر وہ گراں قدر اور بے نظیر لٹریچر مہیا کر دیا ہے کہ جس کو ہر شخص نہایت ٹھنڈے دل سے پڑھکر مستفید ہو سکتا ہے۔ اور جس کے مضامین عالی آج واعظوں کی زبان پر اضطراراً آجاتے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ البرہان وہ پرچہ ہے کہ جس نے معمولی لکھے پڑھے آدمیوں کو عمدۃ الذاکرین اور صدر الواعظین و المتقین کے اعلےٰ خطاب دلوا دیئے یہ البرہان ہی کا فیض ہے کہ جس نے مناظرہ کا رنگ بدل دیا۔ مختصر یہ کہ البرہان کل ہندوستان کا پہلا اور صرف ایک پرچہ ہے جس نے مندرجہ بالا عنوانات پر ایسا جدید، اور محققانہ اور گہرا مواد فراہم کر دیا ہے۔ جس کی مثال اردو میں نہیں مل سکتی۔

باایں علو مرتبت و عظیم الشان تبحر علم سرکار شیخ قبلہ و کعبہ کہنے کو بہت برا تصور فرماتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بانیٔ اسلام ایک قبلہ معین و مشخص موجود در ہندوستان لباد قبلہ و کعبہ بامستند ایسا ہی حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی العلمین نائب امام وغیرہ الفاظ کا کسی قابل سہو و خطا اور غیر معصوم شخص کے نام کے ساتھ لکھنے کو معصیت فرمایا کرتے تھے اور کبھی ایسے جلیل المعنی الفاظ اپنے نام کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ بلکہ منع فرمایا کرتے تھا۔

مختصر یہ کہ علامہ شیخ ان مستجمع صفات جامع کمالات انسانوں میں تھے جن کا ممتاز اور عدیم المثال وجود پورے ایک قوم کا وجود تصور ہوتا ہو اور جن کی زندگی قوم کی زندگی اور جن کی موت قوم کی موت اپنے اصل معنوں میں کہی جا سکتی ہو۔ ایسی مستثنیٰ و مخصوص ہستیاں صدیوں بعد قوم اور ملک کی خوش نصیبی سے عدم سے وجود میں آیا کرتی ہیں۔ نہایت بدقسمت ہے وہ قوم جس کا ایسا فرد فرید دنیا سے اٹھ جائے۔

سرکار شیخ کے تدبر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مخالفین نے جھوٹی رپورٹیں دے کر

اور سازشیں کر کے گورنمنٹ کو آپ سے بدظن کر دیا تھا۔ لیکن جب حکام کو آپ کی شخصیت کا اندازہ ہوا تو علامہ کی ذاتی قابلیت سے بالکل ان سے صاف ہو گئی اور بعض پولیٹیکل امور میں مشورہ بھی لینے لگی۔

عرصہ ہوا آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم نے اپنے مشہور رسالہ عصر جدید میں مولانا حالی مرحوم کی جو رائے درج کی تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جناب شیخ صاحب مغفور کیسی شخصیت کے بزرگ تھے۔ لکھا تھا کہ مولانا حالی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے سر بنارس ناتھ بینرجی نواب محسن الملک اور سر سید کی پرزور اسپیچیں اور لیکچر سنے۔ لارڈ کرزن کی دھواں دھار تقریریں سنیں لیکن یہ سب لوگ شیخ عبد العلی صاحب کے مقابلہ میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتے۔ یہ علم۔ یہ مغز اور یہ عمق کسی میں نہیں پایا گیا۔ ایک اور موقع پر مولانا حالی نے فرمایا تھا۔ کہ اس علم و معرفت کا انسان دو سو برس کے عرصہ میں ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔

آہ! آہ! آج وہ مرکز علم و عرفان ہم میں نہیں رہا۔ وہ بحر بیکراں فیوض باطنی دنیا سے اٹھ گیا وہ آفتاب فضل و کمال غروب ہو گیا۔ وہ بدر کامل آسمان ہدایت گہنا گیا۔ وہ عالم بے مثال وہ عارف خجستہ خصال دنیا سے اٹھ گیا۔

بلبل علم مر گیا ہیہات	جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس	پاک دل پاک ذات پاک صفات
اعلم و عارف اور بذلہ سنج	بے وطن مرجع کرام و ثقات
اس کے مرنے سے مر گئے مومن	زندگی اس کی قوم کی تھی حیات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم	یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا!
قوم میں ایک چراغ تھا نہ رہا!

زمانہ حسب معمول ڈھنگ بدلیگا۔ سورج نکلے گا اور غروب ہوگا۔ چاند چڑھیگا اور چھپیگا صبحیں شام ہونگی اور راتیں دن۔ دریاؤں میں مد و جزر آئیگا۔ خزاں کے بعد بہار آ جائیگی۔ مادر گیتی لاکھوں کروڑوں فرزند جنیگی۔ مگر آہ ہمیں نہ ایسا مرکز علم و عرفان میسر آئیگا نہ اس حادثہ جانکاہ و اس انتہائی الم کی تلافی ہو سکیگی ؎

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

(علی ارد واسطی)

مرثیہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ فی اعلیٰ علیین

(از جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی بنوڑی)

موصوف الصدر مرحوم نے شیخ اعلی اللہ مقامہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اندکے از بسیارے کا مصداق ہے۔ ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ اور شیخ کا مرثیہ وہ قومی مرثیہ ہے جو مدتوں پڑھا جائیگا لیکن ہم اس سلسلہ کو یہاں بالفعل اپنے مکرم دوست جناب میر علمدار حسین صاحب واسطی کے مرثیے پر ختم کرتے ہیں جس کا تاریخی نام "یاد مغفور" ہے۔ جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے۔ وہ سب اس آئینہ میں منعکس ہے اگرچہ قوم کے بہت اچھے مرثیے لکھے گئے ہیں لیکن "یاد مغفور" کو پڑھکر اہل بصیرت صاحبان دل بیساختہ کہہ اُٹھیں گے کہ "ایں زمیں را آسمانے دیگر است"

شیخ کی شخصیت کی طرح یہ مرثیہ بھی سب سے ممتاز ہے۔ زبان لطیف۔ الفاظ چست اسلوب پسندیدہ شاعریت اعلیٰ درجہ کی۔ مگر پھر شاعرانہ مبالغہ سے خالی۔ اور شیخ کی شخصیت کا مع جملہ خصوصیات مکمل نقشہ لفظ لفظ اور بیت بیت میں درد، مرثیت۔ روحانیت یہ بھی شیخ کی روحانیت کا ادنیٰ کرشمہ ہے امید ہے۔ ناظرین بہت محظوظ ہوں گے۔ اور یہ مرثیہ شیخ کی یادگار رہیگا۔ میر صاحب موصوف نے درد دین اور احساس قومی کا پورا ثبوت دے دیا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

یادِ مغفور
۱۳۴۱

اے خوشا خاکِ خطۂ پنجاب — ہیں نہاں جس میں گوہر نایاب
جو جھکا سن کے نعرۂ تکبیر — جو بڑھا اُٹھ کے سوئے راہ صواب

تازیوں کے لئے ہیں جس نے قدم — جس نے چومی ہے غازیوں کی رکاب
ہے جو منت کشِ نگاہِ علیؑ — جو ہے مرہون حیدری آداب
دے رہے ہیں شہادت سبقت — آج تک جس کے منبر و محراب

جس نے دیکھے بہت نشیب و فراز — جس پہ گذرے بہت عتاب و خطاب
علماء، صوفیہ، مجدد، شاہ — جس کے آغوش میں ہیں محو خواب

ایک مدت سے اس کی بزم عمل — تھی پڑی بے چراغ و بے مشعل

علم و عرفان کا نشان نہ تھا — عمق در روحانیت پہ دھیان نہ تھا
اور بری اور بڑی سی باتیں تھیں — مغز ہو جس میں وہ بیان نہ تھا
یوں تو ہر گھر بنا تھا بقعۂ نور — دل کا روشن مگر مکان نہ تھا
جو ہوا ہو نہ بندۂ مغرب — قوم میں ایسا اک جوان نہ تھا
تھی نہ کس کی زبان طعن دراز — معترض کون بدگمان نہ تھا
سب یہ حالت ہو کہئے پھر مذہب — اور کیا تھا؟ جو نیم جان نہ تھا

ہم تھے اور یاس و حسرت و حرماں
ہم اور اغیار کی تھی تیغ زباں

پیدا آخر ہوئے نئے ساماں — درد کا اپنے مل گیا درماں
یعنی علم مجسم و عرفاں — ہند میں آیا چھوڑ کر ایراں
کی ہویدا حقیقت اسلام — اس نے سمجھائے معنی ایماں
ناطقے بند کر دئے سب کے — کٹ گئی گویا معترض کی زباں
ہو گئے جب مذاہب عالم — سن کے اس کے دلائل و برہاں
خود پکار اٹھے فلسفہ سائنس — واقعی ہے کتاب حق قرآں
فخر کرتے تھے اس پہ فقہ و حدیث — اس پہ تفسیر و ترجمہ نازاں

کون تھا وہ وحید لاثانی
شیخ عبد العلی ٹہرانی

آہ! وہ شیخ ذی علوم تھی جس کی — ملتزم علم عقلی و نقلی
آہ! وہ ذات جو تھی جان ملل — ناز کرتی تھی جس پہ شرع نبی
وہ سمندر کہ عمق تھا بے تھاہ — وہ ساحل نہ اوج و رفعت کی
علم یہ جس کو استاد پڑھیں — معرفت وہ کہ نور کی تجلی
حکمت ایسی کہ بو علی بھی پڑھے — فلسفہ وہ کہ سیکھے فارابی
قوم کو تھا وجود شیخ مفید — گویا زندہ تھے مرتضیٰ و رضی
ہم کہاں وہ ملک نفوس کہاں — دیکھ پائے تھے "مجلسی" "حلی"

آفتاب الہیات تھا شیخ — قوم و ملت کی کائنات تھا شیخ

واعظوں کا بدل گیا انداز — منشیوں کو سکھا گیا پرواز
بزم میں کر گیا کشش پیدا — نطقِ حق کو دکھا گیا اعجاز
یوں بیاں کی حقیقتِ اسلام — گویا چھیڑا نہ تھا کسی نے یہ ساز
جو کہا جب کہا وہ قرآں سے — منکشف کر گیا نکاتِ دراز
مولوی لے اڑے وہ طرزِ بیاں — ذاکروں کو ملے پرِ پرواز
گو روایت سے کم تھا استدلال — دل میں تھا یہ حدیث کا اعزاز
کر گیا ایک طرزِ نو قائم — حسبِ حالِ زمانہ و ممتاز

بزمِ مذہب میں شمعِ نور جلی
وہ بیاں تھا بیانِ عبد العلی

ملکِ مذہب کا بادشاہ تھا شیخ — قوم و ملت کا خیر خواہ تھا شیخ
اس سے چھپتے نہ تھے حقیقت و مغز — یم شگاف اور کوہ کاہ تھا شیخ
قوم کے حق میں تھا وہ زرہ و سپر — غیر کو تیغِ بے پناہ تھا شیخ
تھا علومِ ائمہ کا عارف — واقفِ رمزِ لا الٰہ تھا شیخ
اس سے ملتی تھی منزلِ مقصود — رہنما و چراغِ راہ تھا شیخ
حیف صد حیف! کہہ رہے ہیں آج — کہنے والے کہ آہ! آہ تھا شیخ

شیخ منہ ہم سے آہ موڑ گیا
اور ہمیں بے پناہ چھوڑ گیا

لٹ گیا آہ! آہ! باغِ علم — مٹ گیا دہر سے سراغِ علم!
چل بسا ساقیِ مئے عرفاں — بزم اجڑی لٹا ایاغِ علم!
تیرہ و تار ہو گیا عالم! — مہر ڈوبا! بجھا چراغِ علم!
اٹھ گیا وہ وجود دنیا سے! — عرش پر جس سے تھا دماغِ علم!
دل میں سوزش ہے لب پہ دودِ آہ — جل رہا ہے جگر میں داغِ علم!
چھپ گیا آفتابِ فضل و کمال — حیف گل ہو گیا چراغِ علم!

شیخ عبد العلی سحر بیاں!
مر گئے بزمِ دیں ہوئی سنساں!

عارف بے مثال تھا نہ رہا
ایک صاحب کمال تھا نہ رہا

صاحب باطن اور روشن دل
ہم میں اک اہل حال تھا نہ رہا

ہو گئی شمع معرفت خاموش
جلوۂ نور آل تھا نہ رہا

اب وہ ذوق الہیات کہاں
شیخ حکمت مقال تھا نہ رہا

ہو لئے جادو بیان اور مگر
وہ جو سحر حلال تھا نہ رہا

کھو گئی لذت محبت مرت!
عشق و شوق وصال تھا نہ رہا

ہو گیا ختم درس روحانی
ہو چکے حل نکات قرآنی

دو غنچۂ علمی بنے گا اب کون
دل کو مومن بنائے گا اب کون

ہو گئے ہوں جو نوجوان گمراہ
راہ پر ان کو لائے گا اب کون

ذکر سے مدد جسد ملت کے
ہم کو پھر دل رلائے گا اب کون

مان لے جو فضیلت اسلام
سحر فن کو بتائے گا اب کون

دور ہوتے جو حملۂ اغیار
اس سے دین کو بچائے گا اب کون

خانۂ دل ہوا ہے تیرہ و تار
شمع عرفان جلائے گا اب کون

وہ معما ادا ملتجی کس سے؟
اس کے شبہے مٹائے گا اب کون

یہ نہیں چند روز کا رونا!
عمر بھر کا ہے قوم کا رونا!

سرکار علامہ شیخ اعلی اللہ مقامہ
کا
تابوت

مرحوم قدس سرہ نے بوقت انتقال جناب نواب کربلائی محمد علی خانصاحب اعلی اللہ مقامہ کو باستدعائے نواب صاحب وصیت فرمائی تھی کہ ان کا تابوت جنت فردوس بنایا جائے

لہذا تابوت مرحوم اس غرض کیلئے کربلائے گامے شاہ لاہور میں امانت رکھا گیا۔ نوابصاحب اپنے حالات کی ناموافقت سے اس کے متعلق کوئی فوری اقدام نہ فرما سکے۔ امیر علی محمد خانصاحب مرحوم اوت خیرپور سندھ نے قصد کیا کہ وہ اس خدمت کو انجام دیں۔ وہ اس کار خیر کے عازم ہوئے۔ مگر موت نے مہلت نہ دی۔ اور وہ مرحوم بھی موفق نہ ہو سکے۔ پھر سادات بھابیاں شاہ نے بھی قصد کیا۔ مگر ناسازگاری زمانہ سے اس خدمت کو انجام نہ دے سکے۔ اور قاصر ہی رہے۔ بعض مومنین نے چند مرتبہ ارادہ کیا کہ یہ فرض ادا کیا جائے۔ کہ وہ بھی ناکام رہے۔ کیونکہ نوابصاحب مرحوم بھی نہ چاہتے تھے کہ کوئی اور اس مقدس خدمت کا شرف حاصل کرے اور وہ محروم رہ جائیں۔ تا اینکہ ڈیڑھ سال قبل ازیں وہ بھی راہی ملک بقا ہوئے اور جوار رحمت ایزدی میں اپنے رفقا سے ملحق۔ موافق وصیت مرحوم نوابصاحب کے بعد ان کے صاحبزادگان اور دوستاں کثرہم اللہ وادام اعزازہم کا فرض تھا کہ وہ اس فرض کو ادا فرمائیں۔ اور مرحوم نوابصاحب کے بار سے سبکدوش۔ مگر زمانہ نے انہیں بھی یہ توفیق نہ ہونے دی۔ اور وہ بھی نواب صاحب کی طرح قاصر و معذور رہے۔ اور نومبر ۲۲ء سے لیکر ۵ جون ۳۶ء تک تقریباً ساڑھے چودہ سال تابوت مرحوم اس عالم غربت میں کربلائے گامے شاہ کی زینت رہا کہ اس کار خیر کی توفیق جناب مکرم میجر سردار محمد مظفر خان صاحب او۔بی۔ای سپرنٹنڈنٹ جیل ملتان کے شامل حال ہوئی جو سرکار مرحوم کے مخلصین اور سچے ارادت معتقدین اور فدائیوں میں سے مع اپنے خاندان کے ایک معروف و ممتاز فرد ہیں۔ ہر طرف سے مایوسی دیکھ کر میجر صاحب نے عزم بالجزم کر لیا کہ مرحوم کا تابوت وہ منزل مقصود تک پہنچائیں گے۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آخر اپنی ہمت اور محض اپنے اقربا و ارکان خانوادہ کی رفاقت اور سادات کرام بھابیاں شاہ کی شراکت سے اس مقدس کام کو سرانجام دیا۔

چنانچہ ۵ جون ۳۶ء کی صبح کو میجر صاحب اور بندہ ناچیز لاہور پہنچے۔ تابوت کھولا گیا اور کفن تبدیل کیا گیا۔ اور آخری سامان سفر سے آراستہ اور شام کو مسجد کربلائے گامے شاہ میں ایک شاندار مجلس عزا بغرض ایصال ثواب روح پر فتوح مرحوم منعقد ہوئی جس نے مومنین کے قلوب میں مرحوم کی یاد کو تازہ کیا۔ ۶ جون ۳۶ء کو تابوت ایک مجمع مومنین میں لاہور کے ریلوے سٹیشن پر پہنچایا گیا۔ اسٹیشن پر اکثر مومنین مخلصین جمع تھے۔ ایک مختصر مجلس عزا پلیٹ فارم پر بھی منعقد ہوئی۔ اور تابوت

کراچی میل سے بسپردگی جناب سید حسن صاحب کربلائی و جناب شیخ طاہر حسین صاحب دلیل الزائرین روانہ ہوا اور اسی دن اس ٹرین سے خود جناب نواب صاحب اعلی اللہ مقامہ و جناب سردار ہدایت علی خانصاحب مرحوم و مغفور و جناب شیخ مولا بخش صاحب مرحوم پدر بزرگوار جناب دلیل الزائرین کے تابوت بھی روانہ کربلائے معلی ہوئے۔ اکثر مومنین کا خیال ہے کہ سرکار علامہ قدس سرہٗ نواب صاحب مرحوم سے اخلاص خاص رکھتے تھے۔ اس لئے اس وقت تک ان کے تابوت کے روانہ کرنے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی۔ جس وقت تک نوابصاحب مرحوم کا تابوت ہمراہ نہ ہو جائے۔ اور ساتھ ہی اور مومنین بھی رفیق سفر نہ ہوں۔ اور یہ بزرگ ہستی جس کی محفل علم مخلصین مومنین سے پر رہتی تھی۔ اس سفر آخرت میں تنہا نہ ہے۔ دکل امروھن باوقاتھا ہم میجر صاحب کو اس خدمت کی انجام دہی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور پسماندگان مرحوم اور مومنین کی طرف سے شکریہ ادا۔ زاد اللہ توفیقاتہ۔ ع

دیں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

و کل الیہ راجعون

سرکار علامہ ہروی اعلی اللہ مقامہ کی تدفین

سرکار موصوف کے تابوت کی روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اکثر مقامات کے مومنین اسٹیشن پر پہنچکر زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ اکاڑہ کے عام مسلمانوں نے بہت اہتمام سے استقبال کیا۔ کراچی میں ۱۰ جون کو تابوت پہنچا۔ وہاں کے مومنین کرام نے بھی مرحوم کے جنازہ کی عزت افزائی میں دلی جذبات کے ساتھ حصہ لیا۔ خصوصاً انجمن حیدریہ کراچی نے اس باب میں خاص اخلاص کا ثبوت دیا۔ خطوط آمدہ عراق اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ اول ضریح اقدس کاظمین شریفین اور سامرہ کا طواف کرایا گیا۔ اور پھر ۲۲ جون ۱۹۳۶ء کو جنازہ کربلائے معلی پہنچا وہاں بھی پہلے سے اعلان ہو چکا تھا۔ ہر طبقہ کے مومنین و علماء و مجتہدین و شرفاء و رؤسا اور طلبہ نے تشییع میں شرکت فرمائی۔ کافی جمعیت صحن اقدس میں جمع تھی اور قابل دید منظر تھا۔ یہاں سے بعد طواف جنازہ ہاتھوں ہاتھ حضرت عباس علیہ السلام کے حرم کی طرف روانہ ہوا۔ اور بعد طواف صحن اقدس میں ہی فوٹو لیا گیا۔ اور یہاں سے بذریعہ موٹر کار

نجف اشرف روانہ ہوا اکثر علماء کرام ورؤساء و شرفا بغرض تحصیل ثواب موٹروں پر ہمراہ گئے۔ شہر نجف اشرف سے بھی حضرات علماء و رؤسا و شرفاء و طلبہ نے پرا خلاص استقبال کیا اور ہاتھوں ہاتھ جنازہ صحن اقدس علوی میں لایا گیا اور بعد طواف ضریح اقدس و اداء وی السلام کو روانہ ہوا۔ اور قریب ضریح حضرت ہود و حضرت صالح دفن کیا گیا۔ سردار محمد سرور خان صاحب کے نام آمدہ خطوط عراق سے معلوم ہوتا ہے کہ نجف اشرف میں آج تک ایسی تشییع کبھی نہ ہوئی تھی اور اس بزرگ نفس قدسی کے لئے اسی اعزاز کی امید تھی۔ بعد دفن حسب قاعدہ عراق میں شب کے وقت مجلس فاتحہ خوانی منعقد ہوئی۔ جس میں اکثر مومنین و اہل علم نے شرکت فرما کر مرحوم مغفور کی روح پر فتوح کو قرآن خوانی و فاتحہ خوانی سے شاد کیا۔ اور مرحوم اب اپنے مرکز اصلی پر پہنچکر محو خواب ہیں۔ اور مرحوم کا گنبد مزار مومنین کی زیارتگاہ۔

"پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا"

اعلی اللہ مقامہ و قدس سرہٗ فی اعلیٰ علیین۔ خداوند عالم جناب سردار محمد سرور خانصاحب اور جناب شیخ محمد طاہر صاحب کو اجر خیر عطا فرمائے کہ ان حضرات نے مرحوم کی آخری خدمات و فرائض کو نہایت حسن عقیدت کے ساتھ ادا فرمایا (جزاھم اللہ عنا و عنہ خیر الجزاء)

جزو اوّل

موعظۂ اوّل

۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْہُمْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَہُوَ اَعْلَمُ بِالْمُہْتَدِیْنَ (نحل ۱۴ ع ۱۶)

نئی روشنی اور زمانہ موجودہ کی حالت

اس وقت اسلام دو صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ صورت قدیم، صورت جدید۔ صورت جدید۔ یعنی نئی روشنی۔ نئی روشنی کے معنی ہیں۔ ہر ایک چیز کو چھوڑ دینا آثار و شعائر اسلام و نظام اسلامی کو ترک کر دینا احادیث و اخبار سے کنارہ کش ہو جانا اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ یہانتک ترقی کر لی ہے کہ کہتے ہیں قرآن کی بھی ترمیم ہونی چاہیے یہ کتاب جہال عرب ہی کے واسطے تھی اب اس ترقی کے زمانہ میں اس کے قوانین و

احکام قابلِ عمل نہیں ہے۔ ترمیم ہونی ضروری ہے۔ اس روشنی کے زمانہ میں نئے نئے
فرقے اور مجددین پیدا ہوئے ہیں!! منجملہ ان کے اہل القرآن کو لے لیجئے ۔ وہ
احادیثؐ اخبارِ نبوی کے بالکل منکر ہیں!! متابعتِ پیغمبر کو منع کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ
کو خالص پیرو قرآن کہتے ہیں!!! ورنہ اصل قرآن کے منکر ہیں۔ قرآن کو اپنی رائے کے
مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ نہ کہ قرآن کے احکام کی پیروی۔ اس قسم کے فرقے ہر روز پیدا
ہوتے رہتے ہیں۔ اور روز بروز بڑھتے ہیں۔ اور پیرو اور معتقدین پیدا کرلیتے ہیں کہ علم صحیح
مفقود ہے اور تحقیق کا مادہ معدوم ہے۔ دیکھئے کہ باوجودیکہ ان مجددین کے بیانات و کلمات
صراحتہً کتاب خدا کے مخالف ہیں۔ نہ حضرت کے ہدی کی مخالفت۔ بلکہ نصوص ظاہریہ قرآن کے
مخالف ہیں۔ مگر لوگ ہیں کہ ان کے پیرو ہوتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ وہ ہمیں کہاں لئے جاتے
ہیں اور کس قعرِ ضلالت میں گراتے جاتے ہیں۔

قرآن اور تبیان

قرآن شریف وہ کتاب ہے جس کی شان میں خداوند تعالیٰ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ فرماتا ہے۔ بیان بھی نہیں تبیان۔ تبیان اور بیان
میں فرق ہے۔ بیان صرف اظہار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور تبیان ایسے بیان روشن اور
مشرح کو کہتے ہیں۔ جو قابلِ قبول ہو۔ سوائے اس منکر اور جاحد کے جو دیدہ و دانستہ انکار
کرتا ہے کوئی اس کا انکار نہ کرسکے۔ پس قرآن مجید ایسا روشن و آشکار ہے کہ قابلِ انکار
ہی نہیں کیا ہے لاریب فیہ ہے۔ لیکن یہ کتاب نہایت مختصر اور مختلف اجزاء قصص
حکایات امثال مواعظ احکام وغیرہا کو شامل ہے پانچسو تیرہ (۵۱۳) آیات احکام کے
متعلق ہیں جن میں سے [illegible] صریح اور باقی غیر صریح ہیں۔ جن سے احکام
مستنبط نہیں ہوسکتے۔ مثلاً إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ
الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ
شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ یعنی کوہ صفا و مروہ شعائر الٰہیہ اور اس کی یاد دہندہ نشانیاں ہیں اور وہاں
اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجالائے اس پر کوئی گناہ نہیں
ہے کہ ان دونوں پہاڑوں کا طواف کرے اور سعی بجالائے۔ اور جو شخص خیر کو بجالائے خدا اس
کا شکر گذار اور اس کو جاننے والا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں لفظ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اور سعی بین صفا و مروہ
احکام و مناسک حج سے واجب ہے حالانکہ ظاہر لفظ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح

آیۂ مجید: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (النسآء ۱۵ ع) میں فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ حکم کے واسطے ہے اور مقام خوف اور سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے۔ مگر آیۂ مجیدہ سے صریح معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض احکام بطور اخبار کے وارد ہوئے ہیں جیسا کہ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (الخ) میں حکم رضاعت کہ بچہ کو دو سال دودھ پلایا جائے۔ بطور اخبار بیان ہوا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں گی۔ حکم یا امر بطور انشا نہیں ہے۔ بعض امور لفظاً ماضی سے بیان ہوئے ہیں اور مراد مستقبل ہے جیسا کہ "اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ" امر خدا آگیا (یعنی آئے گا) غرضیکہ ایک سورۂ بقر سے پانچ سو (۵۰۰) حکم مستنبط ہوتے ہیں۔ اور ایک ایک آیت سے پندرہ، پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ حکم نکلتے ہیں بلکہ آیہ شریفہ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ سے آٹھ سو (۸۰۰) حکم اخذ ہوتے ہیں۔ حالانکہ نہایت ہی مختصر آیت ہے صرف دو لفظ ہیں فلاشک ولاریب کلام حمید مجید تبیان کل شے ہے۔ ہر ایک شے اور ہر ایک امر کا بیان اس میں موجود ہے۔ لیکن جب تک علم قرآن حاصل نہ ہو اس مختصر کتاب سے اس قدر احکام نکالنا محال ہے۔ اور محال در محال ہے کہ ہر کس و ناکس ماہر عربی داں تمام احکام معلوم کر سکے۔ ہزار کتب منطق و فلسفہ جمع کرلو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ علم قرآن اور چیز ہے منطق اور فلسفہ اور شے سہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب پاک میں قیامت تک کے جملہ احکام و ضروریات دنیا یحتاج عالم موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ذکر معادن و معدنیات اور ان سے متمتع ہونے کا طریق حرفت و صناعات اور ان کو کام میں لانے کا طریقہ اور کمال اعجاز یہ ہے کہ تمام احکام معادن اور معدنیات وغیرہ کو ایک مختصر سی آیت میں ظاہر فرما دیا ہے۔ فرمایا ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا، یعنی جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے انتفاع کے لیے خدا نے پیدا کیا ہے۔ بعض قسم کے انتفاعات نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور بعض حیوانات سے، اور بعض جمادات و معدنیات سے اور جب ہر ایک شے ہمارے

انتفاع کیلئے خلق فرمائی ہے تو ضروری لازمی ہے کہ ان سے منتفع ہونے کا علم اور طریقہ بھی عطا ہوا ہو کہ ہم نباتات سے کس طرح متمتع ہوں۔ حیوانات سے کیونکر مستفید ہوں اور معدنیات سے کس طرح نفع اُٹھائیں۔ دریاؤں کو کیسے کام میں لائیں وغیرہ وغیرہ اور اگر اُن سے منتفع ہونے کا علم نہیں دیا۔ تو یہ دعوٰے غلط ہوگا۔ اور احسان جتانا عبث پس ضرور ان سے متمتع اور منتفع ہونے کا علم عطا کیا ہے بلکہ ان کی خلقت سے پہلے علم عطا کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا اللہ نے حضرت آدم کو تمام اسماء کا علم سکھایا۔ اور اُن اسماء کو ان کی ذریت کی پشتوں میں ودلیت فرمایا اور اُن کے نطفوں میں بالفطرۃ پیدا کیا۔ اس لئے اب جو کوئی شے ایجاد ہوتی ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ وہ تمام پہلے سے نطفہ انسانی میں موجود تھا۔ اور حضرت آدم کو سکھلایا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ خلقت انسانی کے ساتھ ہی اس کو بیان اور تعبیر ما فی الضمیر عطا ہوئی ہے لیکن یہ بیان ناقص انسانوں میں ناقص ہے۔ اور کامل میں کامل اور اکمل میں اکمل پس بیان کامل واکمل وجود اقدس آنحضرت منتہی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہے۔ جو افضل الموجودات واکمل المکنونات واول مصادر انہ مصدر ہیں۔ پس ضرور ہے کہ جمیع علم موجودات وحرف وصنائع واسماء ومسمیات واسباب و ذرائع انتفاع اور ان کا بیان وجود پیغمبر میں تھا اور حدیث شریف انا مدینۃ العلم سے یہ مطلب خوب واضح ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مدینہ اور شہر اسی کو کہتے ہیں۔ جس میں جملہ ضروریات اہل شہر و بنی نوع انسان موجود ہوں اور آسانی سے مہیا ہو سکتی ہوں اور عَلِيٌّ بَابُهَا سے ظاہر ہے کہ اظہار اور بیان تفصیلی اس شہر علم الٰہی کے علی ابن ابی طالب وصی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ کیونکہ آپ بھی آنحضرتؐ کی طرح انسان کامل واکمل ہیں۔ "والانسان الکامل ھو المظھر الجامع لجمیع الصفات الکمالیۃ"۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اس حدیث کا مدرک ہے۔ تفصیل اس کی دوسرے مقام پر آئے گی۔

قصص وحکایات کلام مجید میں اس کثرت سے ہیں کہ کوئی سورہ اُن سے خالی نہیں ہے صراحتہً۔ اشارۃً۔ کنایتہً ہر ایک سورہ میں کوئی قصہ موجود ہے۔ اور سورۂ یوسف تو تمام کی تمام قصہ ہی ہے۔ حتٰی کہ سورہ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ جیسی مختصر سورت میں بھی ایک قصے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ان قصص میں بہت بڑی حکمت ومصلحت ہے اور بعض احکام

قصص ہی سے ماخوذ ہیں۔ اور ان قصص کے واسطے اس قدر تاکید ہے کہ پیغمبر کو حکم ہے۔ اور مامور تھے منجانب اللہ کہ ان کو بیان کریں۔ فقال عزمن قائلہ۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ "آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ انہیں سنا دو" وقال وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (اعراف ع۲۰)

ترجمہ:۔ اے رسول تو ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا جس کو ہم نے آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ ان سے نکل گیا اور پیدا ہو لیا تو شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور آخر کار وہ گمراہ ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیات کی بدولت اس کو بلند مرتبہ بنا دیتے مگر وہ تو خود ہی پستی کی طرف مائل ہو گیا اور حب دنیا اس پر غالب آگئی اور اپنی خواہش نفسانی کا تابع ہو گیا تو اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اگر دھتکارو تو بھی بھونکے اور اگر چھوڑ دو تو بھی بھونکے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

اے رسول یہ قصے ان لوگوں سے بیان کر دے تا کہ یہ ان میں غور کریں اور عبرت حاصل کریں۔ "وقال وَاتْلُ عَلَيْهِمْ مَا أُوحِيَ عَلَيْكَ" (الخ) یعنی جو کچھ تجھکو وحی کی گئی ہے سب کو تلاوت کرے۔ ان قصص کی تلاوت کو پیغمبر پر واجب کیا ہے۔ کہ پڑھے۔ اور لوگوں کو سنائے ان قصص سے احکام کا نکالنا بہت دشوار ہے۔

قصص قرآنی اور اُنکی علت مصلحت

یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن جو معجزہ باقیہ اور حجت دائمہ ہے بطور قصص کیوں نازل ہوا ہے؟ اور اس قدر قصص کیوں وارد ہوئے ہیں؟ کہ قریب دو تہائی قرآن قصص سے پُر ہے۔ علت یہ ہے کہ طریق دعوت و ہدایت یہ ہے جس کی بابت خدا فرماتا ہے "اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" (الخ) حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں کو دین کی دعوت دیجائے اور حکمت دو قسم پر ہے۔ حکمت علمی و نظری۔ اور حکمت عملی و فعلی۔ اور یہ امر بدیہیات سے ہے کہ ہر ایک جنس اپنی جنس سے مانوس اور مالوف ہوتی ہے اور اپنی جنس کے حالات و حکایات سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح

انسان اپنے ہم شکل اور اپنی نوع سے مانوس اور ان کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اس کے حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ قصص و حکایات و امثال سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصوں کو موجبِ تذکر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیات مذکورہ میں "فاقصص القصص لعلھم یتفکرون" سے ظاہر ہے اور نیز فرمایا ہے۔ وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ یعنی ایام خدا انہیں یاد دلاؤ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ۔ یہ ایام ہیں کہ ہم انہیں لوگوں میں گردش دیتے ہیں۔ اور ایام خدا سے وہ ایام خاص مراد ہیں جن میں آثار الٰہی خاص طور پر ظاہر ہوئے۔ پس اول شے ہدایت کے لئے عبرت ہے اور وہ قصص سے حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں احکام و تکالیف مثل روزہ و نماز وغیرہما کا قبول کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسی واسطے ان تمام امور میں سے جن کے بیان کرنے پر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور تھے اعظم ترقصص کا بیان ہے۔ تاکہ تاریخی حوادث و واقعات کی حسی مثالیں لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوں۔ اسی سبب سے مذاہب و اُمم گذشتہ کے قصص کو بیان کیا گیا ہے کہ دین عبرت سے ثابت و مستحکم ہوتا ہے۔ لہذا تجربیات تاریخی کا بیان کرنا تمام باتوں سے ضروری ہے۔ اس زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ گذشتہ اُمتوں کے تاریخی واقعات سے احکام و علوم استنباط کرتے ہیں۔ اور جس طرح سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمم گذشتہ کے قصے بیان کرنے پر مامور تھے۔ اسی طرح ہم بھی مامور ہیں کہ اُمم آخرین کے قصص اور واقعات کو بیان کریں۔ اور ان سے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ قرآن میں وہ قصے بھی موجود ہیں۔ اور اس امتِ محمدی میں بھی مثل اُمم سابقہ قصص وارد ہوئے ہیں اور اُن قصص میں کوئی قصہ قصہ روز عاشورہ اور کوئی واقعہ واقعۂ کرب و بلا سے بالاتر نہیں ہے جو لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا باعث ہو جس کی مثال و نظیر نہ گذشتہ واقعات میں ملتی ہے۔ اور نہ آئندہ میں۔ واقعہ جس قدر عظیم ہوگا۔ اسی قدر زیادہ باعثِ عبرت ہوگا۔

سب سے اوّل قصہ حضرت آدم اور شیطان ہے اور یہ قصہ خارجی ہے کہ ایک غیر جنس سے حضرت آدم کے ساتھ واقع ہوا۔ اور شیطان کے تکبر کا یہ نتیجہ ہوا۔ اور غرض اُس کے بیان سے یہی ہے کہ بنی آدم متنبہ ہوں۔ اور عبرت حاصل کریں۔

آدم کے بیٹوں کی قربانیاں

بعد ازاں قصہ داخلی ہے۔ یعنی خود حضرت آدم کے دو بیٹوں کا ہے۔ فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۔ سنا دو ان کو آدم کے دونوں بیٹوں کی سچی خبر کہ جب دونوں اپنی اپنی قربانی لے کر گئے۔ تو ایک کی قبول کی اور دوسرے کی اللہ نے قبول نہ کی تو اُس نے حسد سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اور اُس نے جواب دیا کہ خدا تو صرف متقی پرہیزگاروں سے قبول کرتا ہے قربانی سے گوسفند وغیرہ حیوان کی قربانی ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ ما یتقرب الی اللہ یعنی وہ چیز جو موجب تقرب خدا ہو مراد اور مقصود ہے اور قابیل از قسم زراعت کچھ لے کر گیا تھا اور ہابیل گوسفند لے گئے تھے۔ پس ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی نہ ہوئی۔ اور اس سے قابیل کو حسد پیدا ہوا اور اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا الخ

اسی طرح **بلعم باعورہ** کا قصہ ہے جس کی طرف حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیۂ مذکورہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا الخ میں اشارہ کیا ہے یہ شخص بنی اسرائیل میں نہایت عابد اور زاہد تھا اور اس کے زہد و تقوے کی یہ حالت تھی کہ [illegible] مگر حرص وطمع مال دنیوی نے اُسے بھی گمراہ کیا کہ تاشین جناب موسیٰ سے اشرفیاں لے کر ان کے اصحاب کے لیے بد دعا کی۔ بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں بھٹکتے پھرے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بلا اشرفی دو زر دیئے کے ہی بہت سے لوگ دین کو ہاتھ سے دے دیتے ہیں

سب سے زیادہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کے قصص مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ ولادت باسعادت سے لے کر آخر عمر تک کے قصص موجود ہیں۔ قصہ حضرت ابراہیم بھی نہایت عبرت خیز ہے۔ کہ راہ خدا میں قربان کرنے کے لیے کس طرح سے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیل کو پیش کر دیا۔

مسلمان اور واقعۂ کربلا
حسینی دعوت اور اصحاب حسین

اگر روز عاشورہ کے واقعۂ ہائلہ میں تمام واقعات سابقہ کی مثالیں اور نظیریں موجود ہیں۔ بلکہ ایک امر زیادہ ہے وہ یہ ہے کہ انبیائے سابقین کے ابتلاآت وتکالیف کفار و مشرکین کے مقابلے میں تھیں۔ اور یہاں کربلا کی ابتلا داخلی ہے یعنی ان مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے جو در باطن مشرک تھے وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون اور اسی فساد باطنی نے امت محمد کو پریشان و متفرق کیا ہے۔ اور آج جو مسلمانوں میں یہ اختلاف نظر آرہا ہے جس نے اسلام برباد کر دیا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ اور خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں

کی ذوقت ہے منافقین اسلام نے اسلام کی بیخکنی کی۔ کیونکہ لوگ انہیں مسلمان سمجھکر انپر اعتقاد اور بھروسہ کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ کرتے اس میں ان کی پیروی کرنے لگتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ فساد داخلی فساد خارجی سے بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ روز عاشورا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حکمت عملی و علمی دونوں سے دعوت ایمانی دی ہے۔ نہ دعوت اسلامی پیغمبر دعوت اسلام دیتے تھے۔ اور جو شخص صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا داخل اسلام ہوجاتا اور جان و مال اس کا مصئون اور محفوظ۔ خواہ ابھی دل میں ایمان مستحکم نہ ہوا ہو کیونکہ ابتدائی دعوت تھی۔ اور ابتدائی تعلیم تھا حضرت صرف یہی فرماتے تھے قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا اور یہی وجہ تھی کہ اکثر اصحاب پیغمبر باوجود وعدۂ نصرت و فتح لڑائیوں سے بھاگ جاتے تھے لیکن امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو بلاتے تھے اور دعوت دیتے تھے۔ موت، اور فنا ہونے کی دعوت دیتے تھے کہ جس کو قتل ہونا ہے۔ وہ میرے ساتھ آئے یہ مسلمانوں کو دعوت ایمانی تھی۔ کیونکہ ایمان کی یہی نشانی ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون (الخ) اور حضرت کے ساتھ وہی لوگ ہوئے جن کے دلوں میں نور ایمان نہایت درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اور خوشی سے راہ خدا میں حسین فرزند رسول الثقلین کے قدموں پر ہزار بار سرنثار کرنے کو تیار تھے۔ ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ اور یہ چند نفوس ہزاروں کے مقابلہ میں ایسے لڑے کہ بھاگنا تو درکنار کسی نے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹایا۔ یہ دعوت دعوت پیغمبر کا عکس تھی۔ اور اس سے اثر میں اعظم تر پس اس واقعہ کا ذکر و تذکرہ تمام قصص سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے بحکم خدا حضرت ابراہیم راہ خدا میں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کے لئے صدق دل سے تیار ہوگئے تھے اور انہیں خبر نہیں تھی کہ عوض میں فدیہ آجائے گا۔ اور اسمٰعیل بچ جائیگا۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے اپنے خلیل خاص کا اس عظمت سے ذکر کیا ہے لیکن ابراہیم کربلا تے ایک اسمٰعیل نہیں قربان کیا بلکہ علاوہ اصحاب و انصار و احباب کے ہارہ نبی فاطمہؑ کی جن کا روئے زمین پر کوئی مثل و نظیر نہ تھا راہ خدا میں لڑنے کو خوشی سے بھیجدیا۔ اور امام حسین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ سب کے سب بھوکے پیاسے نہایت سختی اور بیرحمی سے ذبح کئے جائینگے

فلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظۂ دوم

۳ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال عزمن قائلہ - یوم ندعوا کل اناس بامامھم (بنی اسرائیل ع۸)

ضرورت امام

بدیہی و ضروری ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر گھر میں ایک شخص بڑا ہوتا ہے جو اس گھر کا منتظم کہلاتا ہے۔ وہ گھر کا انتظام درست رکھتا ہے ہر شخص اس کی بات کو مانتا ہے - اور وہ ہر ایک کے حق کا خیال رکھتا ہے۔ ہر آدمی اُس کی اطاعت کرتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی بڑا نہ ہو اس کا انتظام درست نہیں ہوتا ہر ایک فرد اس گھر کا خودرائے ہوتا ہے اور فتنہ و فساد برپا رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ منتظم موجود ہو - مگر افراد خانہ اس کی اطاعت نہ کریں۔ اور بات نہ مانیں، یا وہ سب کے حقوق کی مساوی رعایت نہ رکھے تب بھی انتظام خانہ داری درست نہیں رہتا۔ اس سے اوپر ترقی کر کے ہر ایک محلہ میں ایک میر محلہ ہوتا ہے۔ جو اپنے محلہ کی تمام جزوی ضروریات کا لحاظ رکھتا ہے اور محلہ کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت کرتا ہے۔ جزوی معاملات و نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ اُن کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس صورت سے اُن کے بہت سے معاملات مشترکہ بلا کسی فساد عظیم و ہرج و مرج و نقصان جان و مال کے طے ہو جاتے ہیں - بخلاف اُس کے جہاں ایسا شخص موجود نہ ہو۔ وہاں تمام امور درہم و برہم ہو جاتے ہیں۔ پھر اوپر چل کر اسی طرح ہر گاؤں میں ایک مقدم کی ضرورت ہے۔ جو اسی طرح گاؤں والوں کے مشترکہ حقوق کی نگہداشت رکھے اور ان کے جزوی معاملات و نزاعات کا فیصلہ کرے وعلی ہذا القیاس ہر شہر میں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو شہر کا انتظام کرے اور اپنے معاملات و نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور وہ ان کو رفع کرے اسی اصول پر بوجہ احتیاج اجتماع نوعی ضرورت ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا شخص ہو۔ جو سارے ملک کا نظم و نسق درست رکھے اور تمام نوعی و

شخصی و ملکی نزاعات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ اور باقی تمام منتظمین اس کے تحت حکم ہوں۔ وہ ہر شخص کے حق کی رعایت کرے۔ مظلوم کا ظالم سے بدلہ لے۔ ہر ایک حقدار کو اس کا حق دلائے۔ جس قوم یا ملک میں ایسا شخص موجود نہ ہو وہ کبھی تہذیب یافتہ نہیں ہوسکتی اور متمدن اقوام میں شمار ہونے کی ہرگز مستحق نہیں بلکہ روزمرہ کے فسادات اور خانہ جنگیوں سے برباد ہو جائے گی۔ بے سری قوم جب تک کہ اس پر کوئی حاکم منتظم نہ ہو کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔ لیکن یہ بھی بدیہی ہے کہ ہر شخص صاحب حاجت اور محتاج ہے اور ہر ایک اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کی طبیعت میں حرص و طمع داخل ہے۔ اور منشاء اُن کا اپنی ضروریات واقعیہ سے زیادہ لینا ہے۔ جب یہ حرص و طمع انسان پر غالب آجاتے ہیں تو وہ اپنی خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق غصب کرتا ہے۔ اور اُن کے ظلم و جور پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ دوسرے انسان میں بھی یہی احتیاج موجود ہے۔ پس وہ اپنی ضرورت پوری کرنی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اس کا حق دوسرا لے۔ لہٰذا دفاع پر آمادہ ہوتا ہے اور فساد و نزاع قائم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بے انتہا کشت و خون تک منتہی ہوتا ہے۔ انہیں فسادات و نزاعات کے رفع کرنے کے لئے اُس منتظم و مدبر کی ضرورت ہے کہ وہ ان کے واسطے ایک قانون مرتب کرے جس کی رو سے کوئی شخص کسی پر زیادتی نہ کرسکے۔ اور حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے۔ اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرے اس کو وہ مدبر و منتظم سزا دے۔

لیکن چونکہ تمام نوع انسان احتیاج و حرص و ہوا میں مشترک ہے۔ اس واسطے اگر وہ منتظم و مدبر بھی عام لوگوں کی طرح ان ہی میں سے ایک شخص انہی جیسا محتاج و نذر حرص و ہوس کا پتلا ہو تو یہ نظام درست نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہ قانون انہی لوگوں کا بنایا ہوا ہو یا ایسے ہی منتظم و مدبر کا مرتب کیا ہوا ہو تو وہ کامل قانون نہ ہوگا۔ جس میں ہر شخص کے حق کی پوری رعایت رکھی گئی ہو۔ اور جمیع ضروریات شخصی و نوعی کو ملحوظ رکھا گیا۔ پس ایسا قانون نہیں بنا سکتا۔ مگر وہ جو اُن کا خالق و صانع ہے اور ہر ایک کی ضروریات کا بالذات عالم۔ یعنی اگر یہ قانون قانون الٰہی نہ ہوگا۔ تو کبھی کامل قانون مبنی برعدل و انصاف نہ ہوگا۔ اسی طرح اس قانون کا جاری کرنے والا اور اس کو نافذ کرنے والا اور اس کے ذریعہ سے متخاصمین

سے نزاع کو رفع کرنے والا ہو ایسا ہی شخص ہونا چاہیئے۔ جو عام لوگوں سے خارج ہو مثل اُن کے محتاج و حریص نہ ہو ورنہ نزاعات و فسادات قائم و ثابت رہیں گے۔

لہٰذا اس سلسلہ انتظام عالم میں ضرور ہے کہ ایک شخص ایسا موجود ہو جو حقوق افراد انسانی کی حفاظت کرے اور ہر ایک حقدار کو اس کا حق پہنچائے۔ اور مثل دیگر افراد نہ ہو ورنہ اغنیا کی رعایت کرے گا۔ خالق عالم واجب الوجود سے دوسرے درجہ پر غنی ہو سوائے واجب الوجود کے اور کسی کی احتیاج نہ رکھتا ہو۔

محافظ و حاکم دو طرح کے ہیں ایک ظاہری محض اور وہ بادشاہ ہے۔ بادشاہ اگر اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے حکم کرے۔ تو وہ حکم مبنی پر عدل نہ ہوگا۔ کیونکہ خواہش نفسانی و احتیاج سے وہ خالی نہیں ہے اور اگر از روئے عدالت حکم کرے تو بھی من حیث المجموع جامع جمیع مزیات شخصی و نوعی نہ ہوگا۔ اور عدل واقعی مطلق پر مبنی اور حق و باطل میں فارق نہ ہوگا۔ دوسرے ظاہری و باطنی اور وہ نبی و امام ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جزئی و کلی قسم اول کی طرف خداوند عالم آیۂ مجیدہ میں ارشاد فرماتا ہے وَاٰتَیْنٰاہُ الْحُکْمَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ یعنی ہم نے داؤد کو حکم اور وہ کلام عطا کیا۔ جو حق و باطل میں فارق و فاصل ہے پس حکم صحیح وہ ہی ہے جو حکم الٰہی کے مطابق ہو۔ نہ غلط و باطل اور جو اس حکم کے ادا کرنے میں تساہل اور کوتاہی کرے وہ عند اللہ مسئول و ماخوذ ہے چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ ولنسئلن الذین ارسل الیھم و لنسئلن المرسلین یعنی جن کو ہم نے اپنے احکام و اوامر و نواہی کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم ان سے دریافت کریں گے۔ کہ انہوں نے ہمارا حکم پہنچایا یا نہیں۔ اور نیز جنکی طرف وہ بھیجے گئے۔ ان سے بھی دریافت کریں گے۔ کہ انہوں نے ہمارے احکام پر عمل کیا یا نہیں۔

امامت دراصل دو طرح کی ہے ایک امامت صغرٰے اور دوسری امامت کبرٰے اور صاحب امامت صغرٰے دو ہیں۔ امام جمعہ و جماعت و امام فتوٰے۔ حشر و حساب کا تعلق زیادہ تر امام فتوٰے سے ہے نہ امام جماعت سے۔ اگر فتوٰے امام فتوٰے (مفتی و مجتہد) موافق و مطابق حکم امام صاحب امامت کبریٰ ہے تو یہ فتوٰے دراصل فتوٰے امام مفترض الطاعت ہے اور مفتی مستحق ثواب اور عمل کرنے والے ناجی اور رستگار۔ اور اگر فتوٰی خلاف حکم امام اصل ہے تو مفتی اور اس کے پیرو ایک علیحدہ جماعت

ہے۔ وہ اُن کا حشر اسی نفس کے ساتھ ہوگا ولیوم ندعو کل اُناس بامامھم اور
امامت کبریٰ مطلق پیشوائی دین ہے اور امام صاحب امامت کبریٰ خلیفۂ خدا، وجہ اللہ ید اللہ
و مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اور یہی امام اکمل و امام عدل ہے اور یہی اکمل صاحب حکم ہے۔
اور ضرورت وجود امام پر وہ دلائل عقلی و نقلی قائم ہیں۔ جو ضرورت نبوت پر دال ہیں اور امامت
و نبوت ایک ہی سلسلہ ہے جیسا کہ ثابت ہوگا۔ اور یہی امامت کبریٰ منقسم ہوتی ہے۔ امامت
جزئی و کلی کی طرف۔ جس کی قسم اول یعنی امامت جزئی کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے
صاحب دُرّ مختار مطلق امامت کے متعلق لکھتے ہیں کہ امامت دو قسم پر ہے۔ امامت صغریٰ
و امامت کبریٰ اور امامت کبریٰ رکن اعظم دین ہے اسی واسطے اس امام کے تقرر کو ملاؤں
نے دفن و کفن پیغمبر صاحب معجزات و صاحب شریعت پر مقدم رکھا۔ قسم دوم امامت کبریٰ
یعنی امامت مطلقہ کا سلسلہ حضرت ابراہیم سے شروع ہوا" فقال عَزَّ وَجَلَّ اِنِّی
جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" اور حضرت مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ پر ختم ہوتا ہے۔

اختیار مذہب و جملہ معتقدات نجات کے واسطے ہیں۔ اور نجات موقوف ہے معرفت
امام وقت پر۔ اگر کوئی شخص روزے نماز کا پابند ہو اور اعمال خیر بجا لاتا ہو۔ مگر اپنے امام مفترض
الطاعۃ کو نہیں پہچانتا کہ وہ کون ہے تو وہ جہنمی ہے۔ ہر ایک نفل مثل روزہ اور نماز اس کے
لئے ایک درجہ جہنم کا کھولتا ہے۔ چنانچہ آیات ذیل اس پر شاہد ہیں۔ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ
عَامِلَۃٌ نَاصِبَۃٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً یعنی بعض نفوس ایسے ہیں جو نہایت محنت و مشقت
سے اعمال بجا لاتے ہیں مگر وہی اعمال ان کے لئے آتش جہنم بنتے جاتے ہیں۔ و قَالَ عَزَّ وَجَلَّ
قُلْ ہَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا۔ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ
الدُّنْیَا وَہُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّہُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ
رَبِّہِمْ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا" یعنی
کہدو اے پیغمبر کہ کیا ہم تم کو خبر دیں ان لوگوں کی جو برے اعمال نہایت ہی خسارے میں
ہیں ان کی تمام کوششیں زندگی دنیا میں ضائع ہو گئیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نیک کام
کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آیات الٰہی اور حشر و نشر اور حساب کتاب کا انکار کیا پس ان
کے سب اعمال حبط و ضائع ہو گئے اور روز قیامت ہم ان کے لئے کوئی وزن قرار نہ دیں گے
اور وہ کسی شمار میں نہ ہوں گے۔

امامت نفسِ نبوّت ہے۔ بلکہ غایتِ مقصودِ نبوت اور معرفت امام معرفتِ خدا ہے۔
قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً۔ جس نے امام زمانہ کو نہ پہچانا اور مرگیا۔ وہ جاہلیت کی موت۔ مشرک کافر یا منافق مرا۔ بلا معرفت امام نہ توحید صحیح ہے۔ نہ اعتقاد نبوت۔ اور اسی وجہ سے ہر ایک شخص اپنا کوئی پیشوا (امام) رکھتا ہے۔ اور پیشوا دو قسم ہے۔ پیشوائے حق اور پیشوائے باطل۔

امام حق و امام باطل

چنانچہ قرآن شریف میں خداوند عالم نے دو قسم کے اماموں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو وہ امام ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ وہی لوگ ہیں جو بحکم خدا دعوت نہیں دیتے۔ بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں۔ اور بندگان خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ۔ یعنی یہ امام بنائے گئے ہیں جو لوگوں کو جہنم کی دعوت دیتے ہیں۔ دوسرے وہ امام ہیں جو بامر خداوند عالم لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ ہر وقت تابع مشیت الٰہی رہتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں اور وہی راہ مستقیم دکھلانے والے اور اصل مقصد تک پہنچانے والے اور خدا سے ملانے والے ہیں جن کی بابت ارشاد فرماتا ہے۔ "وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا" یعنی ہم نے ان کو امام بنایا ہے۔ بوجہ صبر ان سے ثابت ہوا۔ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ "وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عَابِدِیْنَ" اور ہم نے اُن میں سے امام بنائے ہیں جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے اُن کو نیک

نوٹ:۔ اگرچہ لفظ جعل دونوں مقاموں پر آیا ہے یعنی ائمہ باطل و ائمہ حق دونوں کے ساتھ لیکن اول میں جعل بجعل ثانوی ہے اور ان کو آئمہ ضلال بنایا جانا ان کے افعال باطلہ اور ہدایت سے پلٹنے اور آیات میں تدبر نہ کرنے اور خواہشات نفسانی میں منہمک ہو جانے اور لوگوں کو بہکانے اور اپنی طرف بلانے کا نتیجہ ہے کہ وہ پیشوائے باطل و داعیان نار قرار پائے۔ اور دوسرے روز ازل سے ائمہ ہدایت بنائے گئے ہیں یعنی امامت حقہ کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ بجعل اولی یعنی خلق اور نہ بجعل ثانوی بمعنی صیرنا تہ بعد (مؤلف)

خیرات اور اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔
اس آیت کی رو سے وحی شرط امامت ہے اور ہر فعل امام و قول امام حسب وحی الٰہی ہوتا ہے
لیکن ان دونوں قسم کے اماموں میں فرق و امتیاز ضروری ہے۔ کہ بہشت میں پہنچانے
والا امام کون ہے اور دوزخ میں ڈالنے والا کون؟

ظاہر ہے کہ اس لفظ امام سے امام جمعہ و جماعت یا امام فتویٰ مراد نہیں ہے۔ بلکہ
امام کامل مفترض الطاعت مراد ہے۔ جو حکم خدا لوگوں تک پہنچائے اور موافق امر الٰہی بندگان
خدا کو ہدایت کرنے کے لئے مالک امامت کہ ہے۔

امام کی شناخت کیونکر ہو سکتی ہے

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیا امام کی شناخت کتب احادیث وغیرہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں
ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنی کتب سے اپنے امام کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ اور ہر ایک
دوسرے کے برخلاف ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر کتب احادیث کذب و جعل
سے خالی نہیں ہیں۔ اور یہ امر آیت قرآنی سے ثابت ہے کہ محافظ توریت اور اس سے حکم
کرنے والے انبیاء تھے۔ جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ
فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ
الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ
شُهَدَآءَ (الخ) (پ ۶ ع ۱۰) یعنی ہم نے توریت کو نازل کیا ہے، اور اس میں ہدایت اور
نور ہے۔ حکم کرتے ہیں اس سے یہود کو انبیاء جو اسلام لائے ہیں۔ اور مطیع و منقاد مطلق خداوند
عالم ہیں۔ اور نیز خدا پرست اور صاحبان علوم کیونکہ وہ کتاب اللہ کے مستحفظ اور اس پر شہید
تھے (الخ)۔ باوجود اس کے بھی یہود نے توریت میں وہ چیزیں داخل کر دی ہیں کہ پناہ بخدا ذکر
کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ موجودہ توریت میں لکھا ہے کہ معاذ اللہ، حضرت لوطؑ کی دونوں
بیٹیوں نے چاہا کہ باپ سے مباشرت کریں تاکہ اولاد پیدا ہو۔ پس ان کو شراب پلائی اور شب
کو ایک ان سے ہمراہ سوئی۔ دوسری شب دیگر اور ان سے حاملہ ہوئیں۔ اور انہیں سے ان
کی نسل چلی۔ اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ (معاذ اللہ) ماں کی طرف سے انہیں کی نسل سے
ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ پس جب ان کتابوں میں جن کے محافظ
انبیاء تھے۔ منافقین نے ایسے ایسے بہتان اور لغو باتیں داخل کر دیں تو کیا حال

ہو گا۔ ان کتب احادیث کا جن کو ہر قسم کے فرقہ منافق نے جمع و مرتب کیا ہے۔ جو اگر محض ایک شخص کی سبزی فروخت کرانے کے لیے حدیث وضع کرلیں۔ ان کی احادیث اور ان کی کتب پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے ہر شخص نے اپنے مطلب و مقصد ثابت کرنے کے لیے ایک حدیث اختراع کرلی ہے۔ لہذا محض ان کتب سے امامت کا فیصلہ ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں اگر شیعہ اپنی کتب سے احادیث پیش کریں تو سنی انکار کرتے ہیں۔ اور اگر سنی پیش کریں۔ تو شیعوں کے نزدیک وہ مردود ہے۔ پس ایسی صورت میں اس کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جو متفق علیہ امت ہے۔ یعنی کلام حمید مجید جس کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے۔ هٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ۔ (انعام ع ۲۰) یہی کتاب مبارک ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس کی تم پیروی کرو۔ لیکن جب قرآن شریف کے ترجموں اور تفاسیر کو دیکھا جاتا ہے تو ایک آیت کی تفسیر میں بائیس بائیس قول اور رائیں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر ایک دوسرے کے خلاف۔ حالانکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ کلام کرنے والا صرف ایک مطلب کو مدنظر رکھکر گفتگو کرتا ہے۔ اور الفاظ میں اس کو ظاہر کرتا ہے۔ تاکہ سننے والے اس سے آگاہ ہوں۔ پس لابد خلاق عالم نے اپنے کلام میں ہر ایک آیت میں ایک مطلب خاص کو محفوظ رکھا ہے۔ جو اپنے بندوں کو پہنچانا چاہتا ہے۔ لہذا حقیقت واقعیہ ایک ہے۔ نہ کہ بائیس بائیس مختلف مناسب اسی وجہ سے ہر ایک امر میں اختلاف ہے۔ مثلاً وضو شرط نماز ہے۔ اور آیہ وضو نہایت واضح ہے۔ مگر اس میں بھی اختلافات موجود ہے اور علماء کی تحقیق یہ ہے۔ کہ آیہ وضو میں ایک سو متشابہ ہیں۔ حالانکہ ظاہر آیت حقیقت وضو پر بالصراحت دال ہے۔ جب کلام حمید مجید کے ترجموں اور تفاسیر کا یہ حال ہے۔ تو اس سے از خود کوئی مطلب کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔

مسلم ہے کہ کلام مجید کمال درجہ مختصر ہے اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ ہر ایک خشک و تر کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے۔ حالانکہ لحاظ بر قرآن کا بہت بڑا حصہ قصص و حکایات سے پر ہے کوئی سورۃ تشبیہ سے خالی نہیں۔ سوائے سورۂ اخلاص کے مگر تمثیل اس میں بھی موجود ہے۔ جو تفہیم اذہان کے لیے نہایت مفید ہے اور مطلب خوب سمجھاتی ہے۔

توراۃ بصورت معجزہ نازل نہیں ہوئی۔ ورنہ اس سے تحدی کی گئی ہے مگر اس سے

حکم کرنے اور احکام بیان کرنے کے لیئے انبیاء مقرر کئے گئے تھے۔ پس وہ کتاب جو معجزہ ہو۔ اور بطور تحدّی نازل کی گئی ہو اُس سے عوام یا خواص کیونکر احکام نکال سکتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے حکم کر سکتے ہیں۔ حقیقت معجزہ کو سوائے معجزہ نما اور کوئی نہیں جان سکتا پس لازم ہے کہ جس پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ وہ خود احکام کو بیان کرے یا وہ شخص جو نفس پیغمبر ہو اور درجہ نبوت کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور صاحب علم لدنی ہو۔ جو پہلی دو ن باموں نا سے ظاہر ہے۔

زمانۂ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ کیونکہ حضرت ختمی مرتبت ہر ایک اختلاف کو قرآن مجید فرقانِ حمید سے رفع فرمادیتے تھے۔ اور قرآن مجید رفع اختلاف ہی کے لیئے آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔ (نحل ع ۸) یعنی نہیں نازل کیا ہم نے کتاب کو تجھ پر مگر اس لیئے کہ تو بیان کرے ان سے وہ باتیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ اور یہ رفع اختلاف و ہدایت رحمت ہے اہل ایمان کے لئے پس پیغمبر اسی قرآن سے اختلاف کو رفع فرماتے تھے۔ لیکن اب اگرچہ وہی قرآن موجود ہے مگر اختلاف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے مدعیان قرآن فہمی واہل الذکر اور اہل اعتران موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ علماء اختلاف کو رفع نہیں کر سکتے۔ اور اگر کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔ ذکر کیا گیا۔ کہ حقیقت واقعیہ ایک ہے۔ اور مقصود خداوند عالم واحد۔ پس اگر لوگ حقیقت قرآن کو سمجھ سکتے اور اصل مقصود معلوم کر سکتے تو یہ اختلاف نہ ہوتا۔ اور ایک ایک آیت سے بیس بیس مختلف و متضاد مطالب بیان نہ کئے جاتے۔ علماء حقیقت قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ پس ضروری ہوا کہ بعد پیغمبر بھی مثل پیغمبر مبیّن قرآن موجود ہو جو اختلافات کو رفع کرے اور اصل حکم خدا بندگان خدا کو پہنچائے اور وہ شخص سوائے خصائص خاصہ نبوت (مثل ازواج بیبیاں وغیرہ رکھنا جو قرآن شریف میں خاص ذات قدسی صفات حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہیں۔ اور خاص احکام شریعت کی اس کو وحی ہونا۔ وغیرہ) باقی تمام صفات وکمالات میں مثل پیغمبر ہو۔ قرآن فہمی کے لیئے مبیّن قرآن کی ضرورت ہے۔ بلا اس کے بیان کے صحیح حکم قرآن سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور نفس پیغمبر مبیّن قرآن ہی عہدۂ امامت کی صلاحیت رکھتا ہے

فرق درمیان کتاب و قرآن

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ ۔ اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ پر (پیغمبر) یہ کتاب کو نازل کیا ہے جس میں سے آیات محکمات ہیں۔ اور وہی ام الکتاب ہیں۔ اس آیہ مبارکہ میں خداوند عالم نے قرآن نہیں فرمایا بلکہ کتاب فرمایا ہے کہ خدا نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ اور قرآن وکتاب میں فرق ہے۔ مگر اس فرق کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی ہوا بھی ہے تو اس کا حق واضح نہ کیا۔ لوگ چار کتابوں کے قائل ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم نے ہر ایک نبی کے ساتھ اس کی کتاب نازل کی ہے جیسا کہ فرماتا ہے كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (البقرہ ع ۲۶) یعنی سب لوگ ایک امت واحدہ تھے۔ پس اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا۔ جو جنت کی بشارت دینے والے اور دوزخ سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کریں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ یہ آیہ صاف دلالت کرتی ہے کہ ہر نبی کے ساتھ کتاب ہوتی ہے۔ اور وجود نبی اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور اسی طرح میزان بھی ہر ایک نبی کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ قوله تعالى لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ع ۳) پس اس کتاب سے کتاب تنزیلی اور میزان سے میزان ظاہری مراد نہیں۔ بلکہ یہ کتاب کتاب وجودی ہے اور موازین اس کتاب کی موازین علمیہ ہیں۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ بِالْقِسْطِ (تحقیق حقیقت میزان[1] کی دوسرے موقعہ پر بیان ہوگی) اس بیان سے معلوم ہوا کہ کتاب اور قرآن دو چیزیں ہیں۔ قرآن قرأت سے ہے۔ یعنی قرآن جو کچھ کہ زبان مبارک نبی سے بیان ہوا اور اذن سے قرأت فرمایا اور کتاب خود وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل اس کی تشریح کرتی ہے۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ مقصود یہ ہے کہ اے پیغمبر یہ قرآن جو تم قرأت کرتے ہو کتاب مکنون میں ہے۔ اس کتاب وجود کے

[1] فی جملہ تحقیق کیلئے ہمارا رسالہ میزان حق ملاحظہ ہو۔ (مولف)

مطہر و معصوم اور کوئی مس نہیں کر سکتا۔ پس معلوم ہوا توضیح اس آیت میں ہے کہ قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ غیر خدا سے افترا کیا گیا ہو لیکن یہ مصدق ہے کتب سابقہ کا اور تفصیل ہے اس کتاب وجودی پیغمبر کی جو مظہر علم الٰہی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس یہ کتاب نہیں ہے مگر وجود پیغمبر اور کتاب سے مراد کتاب وجودی ہے نہ مکتوب یا مقروء۔ صورت مقروء قرآن ہے۔ اور جب تک کوئی خانۂ طہارت میں داخل نہ ہو اس کتاب کو مس نہیں کر سکتا۔ اس کتاب سے مس کرنے والوں کی شان میں فرمایا ہے۔ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ پس سوائے ان نفوس طاہرہ مطہرہ کے اور کوئی اس کتاب وجودی پیغمبر کو مس نہیں کر سکتا۔ جن کی شان میں یہ آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے یعنی اہل بیت نبوت و رسالت۔

تقسیم آیات قرآن

آیات متشابہ و محکم ہیں۔ ایک جگہ خداوند عالم بیان فرماتا ہے کہ تمام آیات مفصل و محکم ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ۔ یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات محکم اور مفصل ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ تمام متشابہ ہیں۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ۔ خدا نے بہترین کلام کتاب متشابہ مثانی کی صورت میں نازل کیا ہے یعنی تمام آیات متشابہ ہیں۔ حالانکہ ایک ہی قرآن ایسا ہے کہ اس میں تناقض تو ممکن ہی نہیں۔ پھر کیونکہ سب متشابہ ہو گیا۔ تیسری جگہ فرماتا ہے کہ بعض آیات کتاب محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ هُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ۔ یعنی خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جس نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیات محکم ہیں۔ اور وہی ام الکتاب ہیں اور بعض متشابہ۔ تفسیر صافی میں ہے آیات کی طرف اور ام الکتاب محکمات ام سے ماخوذ ہے یعنی اصل مقصود یہ نزد مرجع اصل اور بظاہر یہ تینوں آیات ایک دوسرے کی مناقض معلوم ہوتی ہیں اور پھر متشابہات کی بابت فرماتا ہے کہ ان کی تاویل سوائے خدا اور کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام قرآن فہمی کا دعویٰ سوائے اس کے کہ جس کا علم الٰہی ہو کسی کے لئے جائز نہیں۔ تمام

قرآن کو وہ جانتا ہے جس کے لئے تمام قرآن آیات محکمات ہے۔ ورنہ عام علماء تو اکثر آیات کو بھی
متشابہ کر دیتے ہیں۔ اگر انسان محکم اور متشابہ کے معانی جانتا ہو تو البتہ غور و تامل سمجھ سکتا ہے۔ کہ مطلب
ان آیات کا کیا ہے۔ نیز انہیں سے حقیقت کتاب بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ دیکھئے منجملہ آیات محکمات
آیہ اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ہے۔ یعنے اطاعت کرو اللہ
کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی۔ مگر مفسرین میں اولی الامر کے مصداق کے متعلق
بھی اختلاف کثیر ہے حالانکہ نفس مفہوم اولی الامر صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اولی الامر وہ صاحب
حکم و امر ہیں۔ جن کو حکم اور امر خدا پہنچا ہے۔ یعنی وہ ن بامرنا کا مصداق ہیں اور جن کا امر
ہر شئے میں جاری و ساری ہے اور ان کے امر سے کسی کو کسی حالت میں تخلف جائز نہیں۔
جو ان کے حکم سے پھرا وہ خدا و رسول کے حکم اور امر سے پھرا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ
ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پکارا۔ اس نے جواب
نہ دیا۔ بعد فراغ نماز جب وہ حاضر خدمت نبوی ہوا تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ تو نے
جواب کیوں نہیں دیا؟ تب اس نے عرض کیا۔ چونکہ میں نماز میں تھا۔ جواب نہ دیا۔
حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ
یعنے جواب دو اللہ اور اس کے رسول کو خواہ کسی حالت میں ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امر
پیغمبری سے کسی وقت میں بھی عدول جائز نہیں ہے۔ نماز میں بھی ہو تو اس کو جواب دو
وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ مَا کَانَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَنْ حَوْلَھُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا
عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ (الخ) اہل مدینہ اور جو ان کے
گرد و نواح میں اعراب ہیں۔ انہیں سزاوار نہیں کہ وہ رسول خدا سے تخلف کریں اور پیچھے ہٹ
رہیں اور نہ یہ کہ نفس رسول سے اعراض کریں۔ اس آیت میں تخلف سے جہاد سے ہٹ رہنا اور
جہاد پر نہ جانا ہی مراد نہیں۔ بلکہ تخلف سے تخلف امری مراد ہے یعنی خدا فرماتا ہے کہ اہل مدینہ وغیرہم کو یہ
جائز نہیں کہ وہ کسی حکم پیغمبری سے تخلف کریں۔ بلکہ اسے فوراً بجا لائیں خواہ کہیں نزول اور کسی ذات میں
ہو۔ اور کسی قسم کا امر ہو۔ پس بعد پیغمبر اولی الامر وہ ہے جس کا حکم مثل پیغمبر ہر حالت میں واجب العمل ہو اور
ہر شئے میں جاری و ساری۔ اور اسی امام کے ساتھ ان کا حشر ہوگا۔ جو اس کے ساتھ ہے وہ ناجی ہے۔ آیہ
یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ۔ صاف دلالت کرتی ہے کہ اولی الامر بعد رسول امام ہے۔ وھو داعی
الی اللہ۔ قرآن شریف میں پیغمبر کے دس نام ہیں۔ اور امام کے بھی دس۔ رسول پیغمبر کے ساتھ

مخصوص ہے اور اولی الامر امام کے لئے اور باقی دونوں میں مشترک ہیں ایک پیغمبر ہے اور ایک نفس پیغمبر جیسا کہ آیۂ مباہلہ سے بھی ظاہر ہے اس آیۂ مذکورہ لَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ میں نفس سے مراد نفس پیغمبر ہوتا تو عنہ ہونا چاہئے تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جس طرح امر پیغمبر سے تخلف و اعراض جائز نہیں اسی طرح نفس رسول یعنی امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امر سے بھی تخلف و اعراض جائز نہیں۔ اسی غزوہ تبوک کے بعد جس کا اس آیت میں اشارہ ہے حضرت رسولؐ نے جناب امیر المومنینؑ کو اپنا جانشین بنایا اور فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی (الخ) اور بعد رسولؐ وہی اولی الامر ہے جس کی اطاعت مثل رسولؐ فرض کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ حشر ہوگا۔ پس مفہوم و منطوق قرآن سے ثابت ہے۔ کہ امام اصل ذریت رسول ہی سے ہوتا ہے جس کا آئندہ اور مفصل ذکر آئے گا۔ اگر نفسانیت و تعصبات اور خود رائے کو قرآن میں دخل نہ دیا جائے تو اصل امامت نصوص محکمات قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے۔ گو کیفیات جزئیہ امامت مفصلاً ظاہر قرآن سے نہ معلوم ہوں۔ اور ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے۔ اور اس کا تعرف تعرف پیغمبری ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پیغمبر صاحب شریعت و صاحب دین ہے وہ دین لاتا ہے اور یہ (امام) محافظ دین و مکمل دین ہے۔ نفس رسول اُس وقت بحکم آیۂ مباہلہ چار شخص تھے۔ اور مع پیغمبر پانچ تن ہوتے ہیں۔ اور بلا ان کی معرفت کے نجات ممکن نہیں۔ اول معرفت امام موجب بہشت ہے اور عمل کرنا دوسری چیز اور دوسرا درجہ ہے۔ زمانہ کا امام اور نفس رسول ان ایام (ایام عاشورۂ محرم الحرام) میں متزلزل ہے۔ اس لئے کہ وہ شہید علی الناس ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے کہ ذریت رسولؐ و اولاد رسولؐ وطن سے دُور اور روضۂ رسولؐ سے مہجور۔ ایک میدان کربلا میں بے یار و مددگار مضطرب و منتظر نظر آ رہے ہیں۔ ایک نفس رسول و جگر گوشۂ بتولؑ سرتاپا خون میں ڈوبا ہوا پکار رہا ہے۔ هَلْ مِنْ نَّاصِرٍ یَّنْصُرُنَا هَلْ مِنْ مُّغِیْثٍ یُّغِیْثُنَا (الخ)۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ◦

موعظۂ سوم

۴ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۱ ہجری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ ہ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ

امام ۔ اُمّ الکتاب اُمّ القریٰ پیغمبر امی لقب

اجمالاً بیان کیا جاچکا ہے کہ انتظام عام کے لئے ایک منتظم و مدبّر کی ضرورت ہے جو فسادات عالم اور طوائف الملوکی کو دور کرے اور وہ قوت منتظمہ امام ہے لفظاً امام مشترک ہے ۔ حتیٰ کہ امام جمعہ و جماعت کو بھی شامل ہے اور معنی اس کے مَنْ یُقتدیٰ بہٖ ہیں یعنی وہ شخص جس کی اقتدا کی جائے اور چونکہ لوگ نماز میں اس کی اقتدا کرتے ہیں ۔ اس واسطے اس کو امام کہتے ہیں ۔ ہمارے پیغمبر کو بھی امام کہا جاتا ہے ۔ اور معنی اس کے مَا یَاُمُّ الْخَلْقُ اِلَیْہِ ہیں یعنی جس کی طرف لوگ رجوع کریں ۔ اور مقصود خلائق و مرجع انام ہو پس اس اعتبار سے کہ وہ صاحب درجۂ رفیعہ ہے ۔ نبی کہلاتا ہے ۔ اور اس لحاظ سے کہ تبلیغ احکام الٰہی پر مامور کیا گیا ہے ۔ پیغمبر ہے ۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مطلق مقتدائے امت ہے ۔ امام کہلاتا ہے ام الکتاب وام القریٰ بھی اسی معنی میں مستعمل ہیں ام الکتاب وہ کتاب ہے کہ تمام عناوین و مضامین کتب الٰہیہ اس کی طرف منتہی ہوں اور اس سے جدا نہیں لہٰذا تمام خلق کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ۔ وعلیٰ ہذا القیاس اُم القریٰ وہ ہے کہ تمام قریے اس سے جدا ہوئے ہوں اور وہ سب کا مرکز ہو اس واسطے مکہ کی طرف تمام لوگ رجوع کرتے ہیں اور وہی قبلۃ الانام ہے ۔ اُمّی کے بھی یہی معنی ہیں ۔ کہ رجوع خلائق اسی کی طرف ہے اور وہ مقصد کائنات و مرجع ممکنات ہے ۔ کسی خاص امر میں نہیں ۔ بلکہ ہر ایک چیز میں علم میں ، معرفت میں ، تحصیل فضل و کمال میں ، غرض محتاج الیہ کل ہے ۔ اس کی طرف ہر شے محتاج ہے اور وہ سوائے خدا کسی کا محتاج نہیں ، ہر شے اس کی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ خدا کی طرف ۔ وہ کوئی چیز کسی سے حاصل نہیں کرتا ۔ وہ کسی سے تعلیم نہیں پاتا ۔ اگر وہ دوسرے

سے تعلیم حاصل کرے تو وہ پیغمبر و امام نہیں ہے۔ جو ایسا خیال کرتے ہیں۔ وہ اس کے معنی نہیں سمجھتے

افضلیتِ خاتم الانبیاء برجمیع انبیاء علیہم السلام

مرجعِ تمام پیغمبران پیغمبر اُمّی لقب نبی مطلق ہے۔ اور بعد از ان انبیاء فرداً فرداً مرجع امت ہیں۔ آیت ذیل اسی پر دال ہے۔ اور یہی اس کا مطلب ہے کَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا "یعنی خداوند عالم فرماتا ہے۔ اس دن گنہگاروں کا کیا حال ہو گا۔ جبکہ ہم ہر ایک امت میں سے ایک شہید کو لائیں گے۔ اور تجھکو اے پیغمبر اُن تمام شہداء پر شہید قرار دیں گے۔ ہر ایک اُمت کا شہید اس کا پیغمبر ہے جیسا کہ قول حضرت عیسٰی سے صاف ظاہر ہے وَ کُنْتُ شَہِیْدًا عَلَیْہِمْ مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ "میں ان پر شہید تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔ اس آیت سے دو باتیں صاف ثابت ہیں۔ اوّل یہ کہ جناب عیسٰی اپنی امت پر شہید تھے۔ دوم یہ کہ وہ جناب شہید مطلق نہیں ہیں۔ بلکہ صرف اپنی امت کے لئے اور وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ انمیں تھے اور پیغمبرِ انبیٰ صلے اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم تمام انبیاء پر شہید ہے اور خداوند عالم تمام مخلوقات و کونات پر شہید ہے۔ جس میں پیغمبر اُمّی بھی داخل ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔ تحقیق کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شے پر شہید ہے۔

شہید اور شاہد کے معنوں میں فرق ہے۔ شہید خواہ حاضر ہو۔ یا غائب وہ اُن لوگوں پر شہید ہے۔ جن پر اس کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ ان پر ہمیشہ حاضر و ناظر ہے۔

اور شاہد وہ ہے جو بذریعہ علم شہادت دے سکے۔ خواہ اس کا یہ علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار وغیرہ (اس کی مزید تشریح عنقریب آتی ہے) پس آیہ شریفہ وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ (اے پیغمبر تو جانب غربی پر موجود نہ تھا) مخالف و منافیٔ شان شہید نہیں۔ کیونکہ یہاں حضور جسمانی کی نفی ہے اور یہ منافیٔ شہیدیت نہیں ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ شہید کے لئے حضور و غیاب مساوی ہے اور نبوتِ نبی روحِ قدسِ نبوتی سے ہے نہ کہ جسم سے۔ بلکہ حقیقۃً نبی وہ روح ہی ہے۔ وہ ہمیشہ شہید ہے۔ خواہ اس کا ظہور بصورت جسمانی میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اور یہ خیال و شبہ کہ نبوتِ نبی جسم نبوتی پر موقوف ہے۔ وسوسۂ شیطانی ہے۔ و خلی

بذاتہا من آیہ مجیدہ۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ یعنی اے پیغمبر ہم تجھ سے بہترین قصص کو بیان کرتے ہیں۔ اسی ذریعہ سے جس سے کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے۔ اگرچہ تو اس سے پہلے غافلین میں سے تھا، یہ منافی شانِ شہیدیت نہیں ہے۔ کیونکہ غافلین فرمایا ہے۔ نہ جاہلین۔ اور غفلت و جہالت دو چیزیں ہیں اور یہ غفلت بھی خاص غفلت ہے جس کے معنے بما اوحینا و من قبلہ کے سمجھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ بہرحال یہ منافی شہادت نہیں۔ کہ یہ غفلت قبل وحی الٰہی و قبل ظہور نور نبوّت ہے اور نبوت حجاب الٰہی ہے اور اتنا ہی پردہ اُٹھتا ہے جتنا قدرت اُٹھائے یہی وہ مقام ہے جس کے لحاظ سے فرمایا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (فافہم و تدبر) مولف

شہید ثالث یا امام خلق

بعد خدا و پیغمبر خدا ایک اور شہید بھی ہے اور وہ امام ہے اور بلا اس کے وجود کے قیامت قائم نہیں ہو سکتی۔ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ”روز قیامت ہر نفس بارگاہ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا۔ کہ اس کے ساتھ اس کا ایک سائق (ہانکنے والا) اور ایک شہید ہوگا یہ شہید شہیدِ باطنی ہے۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ پس یہ شہید غیر پیغمبر و خدا ہے اور يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ“ سے صاف ظاہر ہے کہ شہید امام ہی ہے۔ کیونکہ حشر امام ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور یہ شہید ظاہری و خارجی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ میں من عندہ علم الکتاب (وہ شخص جس کو علم الکتاب حاصل ہے) سے مراد عبداللہ سلام یہودی ہے جو توراۃ کا عالم تھا اور بعد میں اسلام لایا اور پیغمبر کی تصدیق کی لیکن یہ محض غلط ہے اور قصہ حضرت سلیمانؑ میں تخت بلقیس کا واقعہ اس کی نفی کرتا ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ۔ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔

یعنی حضرت سلیمان نے فرمایا اے گروہ حاضرین تم میں سے کون تخت بلقیس کو میرے پاس لا سکتا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیں۔ عفریت جنی نے کہا کہ یا نبی اللہ میں اس کو لاتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس کو برخاست کریں یعنی صبح سے ظہر تک اور میں اس کی قوت رکھتا ہوں اور اس کا ذمہ دار ہوں۔ پھر اس شخص نے دوزیر جناب سلیمان آصف برخیا کہا جس کو کتاب کا تھوڑا سا علم حاصل تھا۔ کہ یا نبی اللہ میں اس کو چشم زدن سے پیشتر لا سکتا ہوں۔ اور جب حضرت سلیمان نے فوراً اس کو وہاں مع تخت کھڑا دیکھا تو فرمایا یہ میرے پروردگار کا فضل و احسان ہے (الخ)۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس کو تھوڑا سا علم کتاب حاصل تھا۔ وہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو ایک ماہ کی مسافت سے لے آیا۔ پس جس کو علم الکتاب حاصل ہے۔ اس کے کمالات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عبداللہ سلام یہودی کو یہ قدرت کہاں حاصل؟ نیز عبداللہ سلام مدینہ میں ایمان لایا ہے اور یہ سورۂ مکیہ ہے۔ جو اس کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہذا مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ کا مصداق وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تمام کتاب کا علم سوائے نبی کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر کس طرح سے عبداللہ سلام مثل حضرت موسیٰ ہو گیا اور اس کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ اس کو تمام تورات کا علم حاصل تھا اور مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ سے وہی مراد ہے یہ غلط محض ہے۔ علم الکتاب میں الکتاب پر جو الف لام ہے یا تو عہد کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک کتاب مخصوص معہود مراد ہے یعنی قرآن یا جنسی ہے اور جنس کتب مراد ہے۔ اور مقصود پیغمبر کا یہ ہے کہ جس کو کل قرآن یا تمام کتب کا علم نہیں وہ مجھکو نہیں پہچان سکتا سا وہ جس کو کل کتب کا علم ہے۔ وہی میری نبوت کی سچی شہادت دینے والا اور تصدیق کرنے والا ہے۔

پس بعد پیغمبر تمام کتب کا علم سوائے نفس پیغمبر اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اور وہ علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں پس علی ہی دلیل نبوت ہے اگر وہ تصدیق نہ کرتے تو کوئی تصدیق نہ کرتا۔ کیونکہ وہ جناب حضرت ابراہیم کی اس ذریت میں سے ہیں جس کے لئے اُنہوں نے اس طرح دعا کی تھی۔

اُمت مسلمہ

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ یعنی جس وقت حضرت

ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ تیار کر رہے تھے تو انہوں نے اس طرح دعا کی - اے ہمارے پروردگار ہماری خدمت کو قبول فرما۔ تحقیق کہ تو ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ہر شے کا عالم ہے - رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ - یعنی اے ہمارے پروردگار تو ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا - اور منقاد و مطیع مطلق قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو ہماری طرح کا مسلمان بنا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی تھی ۔آپ مسلمان تھے۔ پیغمبر تھے خلیل تھے - امام تھے۔ لہذا حضرت ابراہیم جس اسلام کی اپنے اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کے لئے التماس کر رہے ہیں وہ فعلیت اسلام ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ پروردگار جس طرح سے تو نے ہم کو کامل الایمان و کامل الیقین پیدا کیا ہے ۔اسی طرح ہم کو یہ بھی توفیق دے کہ ہم سے اعمال بھی ویسے ہی صادر ہوں ۔ اعتقاد کے موافق ہمیں عامل بھی بنا اور توفیق دے کہ ہر حال میں تیرے مطیع و منقاد مطلق رہیں ۔ پھر اسی اسلام کی خواہش اپنی اولاد میں سے ایک خاص امت کے لئے کی ہے کیونکہ لفظ جعل مکرر نہیں لایا گیا ہے جو تکرار معانی کرے بلکہ وَاجْعَلْنَا بصیغہ متکلم مع الغیر فرمایا ہے اور جو لام اختصاص اپنے لئے استعمال کیا ہے وہی اپنی اس ذریت کے لئے استعمال کیا ہے غرض جو اپنے لئے مانگا ہے وہی اپنی اولاد میں سے ایک گروہ خاص کے لئے مانگا ہے اور یہ ثابت ہے کہ اسلام پیغمبر اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے خدا اور اس کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا حتٰی کہ جبرئیل بھی - جیسا کہ خدا حضرت ابراہیم کی بابت خبر دیتا ہے إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی جب اس کے پروردگار نے اس سے فرمایا کہ اسلام لا تو اس نے کہا میں اسلام لایا اور میں پروردگار عالمین کا مطیع و منقاد ہوں - بخلاف دیگر مسلمانوں کے کہ ان کا اسلام اسلام بالواسطہ ہوتا ہے ۔یعنی پیغمبر یا امام یا کسی عالم کے ہاتھ پر اسلام لاتے ہیں - لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اس ذریت خاص کے لئے اسلام نبوتی و اسلام بلا واسطہ کی خواہش کی ہے - بلکہ اس پر عامل ہونے کی اور اس کو فعلیت میں لانے کی - پھر اس ذریت کے بارے میں فرماتے ہیں - رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ پروردگار ان میں سے ایک شخص کو مبعوث برسالت فرما کہ وہ ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے-

یہ ثابت و محقق ہے کہ ذریت حضرت ابراہیم اولادِ حضرت اسمٰعیل میں صرف پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی مبعوث برسالت ہوئے ہیں۔ پس یہ امت مسلمہ جس کے لئے دعا کی گئی ہے وہ ہے جس میں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور خود پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کا ایک فرد ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قبل از بعثت پیغمبر خدا چاہیے کہ یہ امت موجود ہو جس میں پیغمبر مبعوث ہو اور یہ بھی معلوم ہے کہ پیغمبر قبیلۂ بنی ہاشم سے مبعوث ہوا ہے لہذا امت مسلمہ اسلام بلا واسطہ بنی ہاشم میں موجود تھی اور یہ سوائے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اسلام فطری پر باقی تھے اور صغر سنی ہی میں پیغمبر پر ایمان لائے اور نبوت کی تصدیق کی اور کوئی نہیں ہو سکتا یعنی جس وقت پیغمبر خدا مبعوث برسالت ہوئے حضرت علی موجود تھے۔ پس امت مسلمہ رسول و نفس رسول ہوئے اور انہیں میں سے جناب رسول خدا مبعوث ہوئے اور نفس رسول نے ان کی تصدیق کی اور شہادت دی اور وہ ہی شہید اور امام امت ہوئے۔ اور امت کا لفظ ایک شخص پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے۔ كَانَ اِبْرَاهِيْمَ اُمَّةً قَانِتًا یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم سولہ سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور اس وقت بتوں کو توڑا جیسا کہ خداوند عالم خبر دیتا ہے۔ وَاٰتَيْنَاهُ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عَالِمِيْنَ یعنی ہم نے اس کو پہلے ہی سے رشد و ہدایت عطا کی۔ اور اس کو ہم جانتے ہیں۔ پس یہ بھی عہدِ طفولیت ہی سے امتِ مسلمہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا ہے اَنَا اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ یعنی میں ہی پہلا شخص ہوں جو پیغمبر پر ایمان لایا یعنی اسلام تو پہلے ہی سے حاصل تھا پیغمبر پر ایمان سب سے پہلے لائے۔ اور اس کی تصدیق فرمائی اور حضرت کا پیغمبر پر ایمان لانا وہی معنی رکھتا ہے جو حضرت لوط کے حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کے ہیں فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ یعنی لوط نے ان کی تصدیق کی اور شہادت دی اسی طرح جناب امیر مصدّقِ حضرت ختمی مرتبت ہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے مومن نہ تھے اس وقت ایمان لائے تھے۔ اور اسلام نبوّتی منزّہ ہوتا ہے۔ شرک ذاتی، شرک صفاتی، شرک افعالی اور شرک عبادتی سے چنانچہ قول جناب یوسف سے ظاہر ہے۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآئِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ یعنی میں اپنے آباؤ اجداد ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں اور ہم اللہ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے کسی بات میں اس کا شریک

قرار نہیں دیتے اور کسی جزوی شرک کے بھی قائل و عامل نہیں ہوتے۔

پس جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مسلم باسلام نبوتی و بلا واسطہ ہیں ہر ایک قسم کے شرک سے مبرا اور منزہ ہیں۔ انہی کی شان ہے لَمْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ طَرْفَةَ عَیْنٍ اَبَدًا پس وہی بعد پیغمبر شہید اُمت ہیں۔

(نکتہ) حضرت ابراہیم مسلمین میں سے ہیں۔ اور مسلمان باسلام نبوتی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول المسلمین۔ پس ان بزرگوں سے جو ذریت ہوگی وہ کیسی ہوگی بلاشک وشبہ مصداق آیۂ مجیدہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہوگی۔ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" ان کا نور خود بخود روشن و درخشاں ہے اُن کے فضائل و کمالات علوم و معارف بلا تحصیل و اکتساب تعلیم ان سے ظاہر ہوتے ہیں اگر چاہتے ہو کہ اس کا امتحان کرو تو تھوڑی دیر کے واسطے میدان کربلا کا تصور کرو ظہور روز بروز نورانیت فرزند پیغمبر خدا ذریت ابراہیم کا تماشا دیکھو۔ یہ ہے مسلمان باسلام نبوتی و مطیع و منقاد مطلق پروردگار عالم کہ جس قدر مصائب و شدائد زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ نورانیت زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے اور رنگت چہرۂ اقدس سُرخ۔ رہ خدا میں گھر کو لٹا رہا ہے۔ دوست احباب اعزہ و اقربا، شیرخوار بچے تک ظلم و ستم سے بھوکے، پیاسے نہایت بیکسی کے عالم میں سامنے ذبح کئے جاتے ہیں۔ مگر نہ چہرے پر حزن و ملال اور نہ لب پر حرفِ شکایت۔ بکمال طیب خاطر اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اسلام کی خاطر قربان کرتا ہے۔ مگر سوائے رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِهٖ زبان مبارک سے کچھ نہیں فرماتا۔ اس کی راہ میں صابر و شاکر ہے۔ وہ صبر دکھا رہا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ اور امام زمان عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں۔ لَقَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِكَ مَلٰٓئِكَةُ السَّمَآءِ یعنے اے جدِ بزرگوار آج آپ نے ایسا صبر دکھایا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان آپ کا صبر دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

موعظۂ چہارم

۵ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

"یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" سابقاً بیان کیا گیا ہے کہ نظام و سلسلہ عالم میں ایک منتظم کا وجود ضروری ہے۔ اور طبیعیین و اہل حکمت کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ نظام عالم کے لئے ایک بادشاہ با اختیار کا وجود ضروری ہے جو نزاعات و مشاجرات کو رفع کرے اگرچہ لوگوں کے دل اس سے متنفر ہی کیوں نہ ہوں۔

جسم و رزق جسمانی

جسم انسان روح کے لئے بمنزلہ مقدمہ ہے اور مقدمہ ذو المقدمہ سے اخس و ادنی ہوتا ہے۔ لیکن وجود ترکیب فعلی میں مقدم ہوتا ہے۔ اگرچہ ذی المقدمہ من حیث الایجاد مقدم ہے اور وہی علت غائیہ۔ مثلاً مکان دراصل کسی انسان کی رہائش کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اس کا وجود بالذات مقصود نہیں۔ مگر اس کے واسطے اینٹ، گارا، چونا، لکڑی، تختے وغیرہ پہلے تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مکمل ہو کر رہائش انسان کے قابل ہو جائے۔ اور مسلم ہے کہ جزو اخیر شے علت تامہ ہوتا ہے اور وہ رہائش و سکونت مکان ہے اور وہی مقصود بالذات ہے نہ ترتیب و ترکیب اسباب مکانیہ۔ اسی طرح سے ترکیب و ترتیب اجزاء مادیۂ انسانیہ، نطفہ، علقہ، و مضغہ و عظام، لحم نسبت بہ نفس انسان مقصود از خلق نہیں ہیں۔ بلکہ مقصود و علت تامہ جزو اخیر ہے۔ جو مقام "ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ" ہے اور اس خلقت سے بھی نیز اصل مقصود تربیت و تکمیل نفس انسانی ہے۔ لیکن اس کے کمال پر پہنچنے کے لئے حفاظت جسم بھی ضروری ہے۔ اور مقدم۔ حفاظت و بقائے جسم کے سارے اسباب خدا ہی کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں۔ وہ وہی انجام دیتا ہے اور یہ اس کا فضل و انعام اور احسان ہے اور اول اسی انعام و احسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ "فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ" یعنی چاہیے کہ انسان اول اپنے کھانے کی طرف نظر کرے اور اس کی پیدائش پر بدقت تمام غور و فکر کرے تاکہ اپنے خالق کو پہچانے کہ کس طرح اس نے اس کو ہمارے لئے بہم پہنچایا ہے۔ "اَنَّا صَبَبْنَا

الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَائِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (عبس) یعنے ہم نے اول پانی برسایا اور پھر زمین کو شق کیا۔ اور اُس سے غلے، انگور، تر، اور سایہ دار درخت۔ زیتون۔ کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے۔ چراگاہیں، اور سبزہ زار اُگائے۔ اور پیدا کئے جو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا رزق ہیں واقعاً یہ تمام پروردگار عالم و عالمیان کے انعامات و تفضلات ہیں اگر وہ ایسا نہ کرے تو ہم ایک دانہ اور ایک تنکا گھاس کا پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے اور منکرین موثر حقیقی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو خود انسان کرتا ہے۔ کیونکہ اول وہی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ پھر بیج بوتا ہے۔ پھر پانی دیتا ہے۔ لیکن انصاف سے دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ اگر انسان تمام کام کرے اور خداوند عالم نہ چاہے تو ایک دانہ بھی نہ اُگے۔ گو انسان زمین میں ہل چلاتا ہے اور بیج بکھیرتا ہے۔ لیکن اس دانے کو زمین سے اُگاتا کون ہے؟ پھر اس کو سرسبز کون کرتا ہے؟ پھر خوشہ کون لگاتا ہے؟ اور پختہ کون کرتا ہے؟ اور ہر قسم کی آفات ارضی و سماوی سے حفاظت کون کرتا ہے؟ کیا انسان ان میں سے کسی چیز پر قادر ہے؟ ہرگز نہیں ہے؟ ہرگز نہیں یہ سب اسی کی قدرت کاملہ کا اثر ہے اسی واسطے دوسرے مقام پر بتصریح اس زراعت کے متعلق فرماتا ہے:۔ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ :۔ تم اس کی بابت کیا خیال کرتے ہو۔ کہ تم جو یہ کھیتی کرتے ہو در اصل تم اس کی زراعت کرتے ہو۔ یا ہم زراعت کرنے والے ہیں لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو خشک و ریزہ ریزہ کر دیں اور ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو پس تم متعجب و حیران کھڑے رہ جاؤ۔ اَفَرَاَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ۔ تم دیکھتے ہو کہ یہ پانی جو تم پیتے ہو۔ تم نے اس کو مزن سے نازل کیا ہے یا ہم اُس کے نازل کرنے والے ہیں۔

(نکتہ) یہاں خداوند عالم نے لفظ سحاب (بادل) نہیں فرمایا۔ بلکہ لفظ (مزن) استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مزن اور سحاب دو چیزیں ہیں۔ پانی کا تجزیہ و تحلیل کرنے سے ثابت ہے کہ پانی دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جن کو فلاسفہ جدید اپنی اصطلاح میں آکسیجن ہیڈروجن کہتے ہیں اور یہ دونوں ہمیشہ مدارج معلومہ پر راستہ میں بحالت گیس یعنی حالت ہوائی میں موجود رہتے ہیں۔ اور یہ دونوں جزو ایسے ذرات ... پر مشتمل ہیں۔ کہ کسی طرح سے اُن کا

تجزیہ و تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور صورت ترکیبی میں اجزائے آب خالص میں ایک حصہ ہیڈروجن اور
آٹھ حصے آکسیجن ہوتی ہے ۱/۹ و ۸/۹ کی نسبت ہے۔ پس ایک جزو مفروض آب یعنی جزو لا تجزی
بھی چاہیے کہ اجزائے لا تجزائے آکسیجن و ہیڈروجن سے مرکب ہو۔ اور اُن کے اوزان کی
یہی نسبت موجودہ آب خالص میں بصورت ترکیبی پائی جائے اور علمائے محققین دلائل و براہین
سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک (ہر مولیقول آب) یعنی ہر ذرۂ آب میں ایک اتوم آکسیجن
اور دو اتوم ہیڈروجن ہے اور اتوم جزو لا تجزیٰ ہے۔ بہرحال ان اجزائے بخارات کی صورت
مرکبہ بہ ہیئت مذکورہ مزن کہلاتی ہے جو ہمیشہ دارائے آب ہے۔ اور کبھی نفذ و خلاء اس
سے خالی نہیں ہمیشہ اس سے پُر ہے اور صورت مرکبہ اجزائے آب سحاب کہلاتی ہے کبھی تو اس
طرح پر اور کبھی بہ طریق دیگر اور صورت اخیرہ دارائے آب نہیں ہے صرف کشش ہوائی ہوتی
ہے اور کبھی لسان شرع میں اس کو ظل سے تعبیر کیا جاتا ہے "ومن فوقہ سحاب ظلمات
بعضها فوق بعض" غرض سحاب صورت انجمادی کو جبکہ ایک دوسرے کو کھینچا ہوا ہوا میں
چلتا ہے کہتے ہیں۔ اس لئے مزن ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے بخلاف سحاب کے۔

نزول و ہبوط بھی دو چیزیں ہیں۔ بطور قہر و غلبہ پستی کی طرف آنے کو ہبوط کہتے ہیں۔
جیسے کہ خدا فرماتا ہے "وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ" یعنی اور بعض پتھر وہ ہیں
جو خوف خدا سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور جس وقت انسان کی طرف منسوب ہو۔ تو بطور تخفیف
ہوتا ہے۔ جیسے اِهْبِطُوا مِصْرًا شہر میں اُتر جاؤ اور نزول و انزال مطلق انحطاط از علو کے
معنے میں استعمال ہوتا ہے۔

لیکن یہ امر کہ مورد استعمال دونوں (ہبوط و نزول کا) حقیقۃً اجسام ہیں یا حقائق ملکی
دوسرے موقع پر بیان ہوگا۔ نیز انزال اور تنزیل کا فرق فلینتظر ہا۔

نزول آہن

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور ہم نے
نازل کیا ہے لوہے کو اس میں خوف ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہاں
خداوند عالم نے لوہے کی بابت یہ فرمایا ہے کہ وہ نازل کیا گیا ہے۔ حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ لوہا
زمینی کانوں سے نکلتا ہے۔ پھر یہاں نزول کس طرح صادق آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نزول مواد اصلیہ و آہن دراصل ہوا سے ہے۔ اور اسی فرن
سے نازل ہوتا ہے۔ اور قوت برقیہ بھی اسی سے ملحق ہے جس سے مواد معدنیہ زمین میں بذریعہ

سے مات داخل ہوا کرتی ہیں۔ رفتہ رفتہ بخود بخود زمین بصورت بخاری پیدا کرتی ہے۔ اور
جب حرارت پہنچتی رہتی ہے پھر پہنچ جاتی ہے۔ تو لوہا بن جاتا ہے۔ غرض تمام اجسام میں تناقل و تدافع
دباؤ اور تجاذب اور کشش موجود ہے۔ کوئی جسم اس سے خالی نہیں چونکہ ہوائی جسم ہے۔ وہ
بھی اس کے زیر اثر ہے۔ دوسرے اجزائے مادیہ کے دباؤ اور قوت جاذبہ زمین کے سبب سے
زمین میں داخل ہوتی ہے اور زمین کے مختلف مسامات اور تجاویف میں پہنچ جاتی ہے اور چونکہ تمام کونیات
ارضیہ مثل معدنیات کے اجزائے مادیہ ہوا میں موجود ہیں۔ وہ بعض اجزائے ارضیہ
سے مختلط ہوتے ہیں۔ اور زمین کی قوت انجذاب سے اس میں انجماد پیدا ہو جاتا
ہے۔ کیونکہ زمین میں بہ نسبت دوسرے اجسام لطیفہ کے قوت انجذاب زیادہ ہے
لہذا اس طرح اجزائے مادہ ہوائیہ و ارضیہ سے لوہا وغیرہ معدنیات پیدا ہوتی
ہیں اور اکثر مادہ ان کا ہوا میں ہوتا ہے۔ اسی واسطے اللہ نے آہن کو نزول سے
نسبت دی ہے اور کہتے آہن کو نازل کیا ہے۔ زمین و عمارت و کھونٹا کو دیکھنے
سے ایک قاعدہ کلیہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اجسام میں مرکز کی طرف منجذب
ہونے کا میلان پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جو چیز بھی زمین سے جدا ہوتی ہے وہ
خلاء اور فضا میں واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ زمین کی طرف منجذب ہوتی ہے اور زمین
پر آ جاتی ہے۔ جو اجسام زمین سے دور پھینکے جاتے ہیں وہ جلد اس کی طرف لوٹ آتے ہیں
اسی میل کو ثقل و جذب ارضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس زمین کی خاصیت یہ ہے کہ تمام
اجزائے مادیہ کو جن سے وہ مرکب ہے اپنے مرکز کی طرف کھینچ لیتی ہے اور نیز ان تمام اجسام کو جو
سطح زمین پر ہیں یا اس سے دور ہیں۔ اور تجربے سے ثابت ہے کہ یہ قوت جذب بمذاق عکس
مربع مسافت ہوتی ہے اس صورت میں کرۂ ارض ان تمام جزئیات کا نام ہے۔ جو بقوت جذب
مرکزی ایک دوسری سے منضم ہو کر رہتیا اپنے مقام پر متحقق ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ جو پانی آسمان سے زمین پر گرتا ہے۔ دو قسم پر منقسم ہے ایک تو وہ ہے
جو سطح زمین پر بہتا ہے یا چشموں اور چھوٹی چھوٹی ندی نالوں کی صورت میں اطراف زمین سے
جاری ہوتا ہے اور چونکہ وہ عمق طبقات ارض پر زیادہ گہرائی تک نہیں پہنچتا ہے۔ اس لئے
اس میں اور کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور وہ آب شیریں ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جو بعض
مقامات میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور اعماق زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے گرم

و نیز چشموں کی صورت میں اُبلتا ہے۔ جو جواہر معدنیہ سے پُر ہوتے ہیں اور جو یہ بھی معلوم ہے
کہ طبقات ارضی جن پر پانی کا گذر ہوتا ہے مختلف الطبیعۃ ہوتے ہیں۔ اور نیز اعماق زمین
جہاں تک پانی جذب ہو کر پہنچتا ہے۔ مختلف ہوتے ہیں پس اسی واسطے ان کی ترکیب مختلف
ہوتی ہے اور درجات حرارت بھی مختلف ہوتے ہیں اور وہ اعماق ارض میں بانواع مختلفہ
متفاوتہ منقسم ہوتا ہے پس کبھی اس سے چشمے، نہریں اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ کنوئیں
اُبلتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کا درجہ حرارت اس طبقہ زمین کے درجہ حرارت کے موافق
ہوتا ہے۔ جہاں یہ چشمے پائے جاتے ہیں اور بعض اور بھی چشمے ہوتے ہیں۔ جن کا پانی
ان مواد سے بھرا ہوتا ہے۔ جو اس زمین میں نہیں پائے جاتے جہاں وہ چشمے نکلتے
ہیں اور ان کا درجہ حرارت مختلف الارتفاع ہوتا ہے اور وہ ہی ینابیع معدنیہ و ینابیع
حارہ ہیں جو مختلف اعماق زمین و اغوار ارضی سے پیدا ہوتے ہیں اور ان مواد معدنیہ کے
اجزائے اصلیہ سب ہوائے مرئی سے بذریعہ بارش نازل ہوتے ہیں۔ اور نسبت انزال الحدید
آہن و دیگر معدنیات بالکل صحیح ہے۔ (والتفصیل فی مقامہ)

خلقت آتش پھر آگ کی پیدائش کی نسبت خداوند عالم نے اپنے انعام و اکرام
کا ذکر فرمایا ہے۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ءَاَنْتُمْ
اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ آگ جو تم روشن کرتے ہو
اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اُس کے پیدا کرنے والے ہیں۔ وہ درخت خدا نے ایسے
پیدا کئے ہیں جن سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان کی سبز شاخوں کو لیکر رگڑا جائے تو آگ روشن ہو جاتی
ہے بخلاف اور درختوں یا جسموں کے کہ اُن سے آگ بالکل نہیں نکلتی۔ البتہ حرارت ہر دو جسموں
کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے ان درختوں کو عربی میں مرخ و عفار کہتے ہیں پتھر کا
کوئلہ بھی درختوں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی اشجار حوادث و طوفانات سے زمین میں دب گئے ہیں۔ اور
زمین کی حرارت اور اس کی قوت نافذہ سے بصورت موجودہ اختیار کی جیسا کہ اب کانوں سے
کھودا جاتا ہے۔ کیفیت اس کی یہ ہے۔ کہ بعض وادیوں اور پست زمینوں میں جہاں پانی گھیرا رہتا
ہے۔ اور جمع ہو جاتا ہے رسوبات اور دیگر نباتات مختلفہ پیدا ہو جاتی ہے جن کے تحلل
سے ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قابل احتراق ہو اور یہ رسوبات حالات مخصوصہ میں ہی پیدا
ہوتی ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ وہ رسوبات جن سے کوئلہ بنتا ہے۔ تراکم و تزاحم

نباتات سے پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ علم جیالوجی کے جاننے والے اس پر اتفاق رکھتے ہیں (والتفصیل فی مقامہ) اور خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ" یعنی ہم نے ان درختوں کو مقوین کے لئے موجب عبرت و سرمایہ دولت بنایا ہے۔ مقوین آہن نکالنے، کوئلہ کھودنے والے اور قوت بہم پہنچانے والوں کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مشین بنانے والوں اور آہن گروں کی تمام قوتیں زیادہ اسی کوئلہ پر موقوف ہیں۔ اور یہی مشین والوں کے لئے دولت و ثروت ہے۔

له قَالَ مُصَنِّفُ كَشْفِ الْاَسْرَارِ النُّورَانِيَّةِ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى اَلَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَا اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ اِعْلَمْ اِنَّهُ يَتَكَوَّنُ عَلَى سَطْحِ الْاَرْضِ الْخِصْبَةِ الْغَاذِيَةِ يَوْمِيًّا فِي تَجَاوِيْفِ مِنْهَا وَفِي الْاَوْدِيَةِ ذَاتِ الْاَوْحَالِ الرَّقِيْقِ وَالْاَمَاكِنِ الْمُنْخَفِضَةِ ذَاتِ الْمُسْتَنْقَعَاتِ رُسُوْبَاتٌ مِّنْ نَبَاتَاتٍ مَتَى تَحَلَّلَتْ تَخَلَّصَ مِنْهَا جِسْمٌ قَابِلٌ لِلْاِحْتِرَاقِ وَلَا تَتَكَوَّنُ هٰذِهِ الرُّسُوْبَاتُ اِلَّا فِي اَحْوَالٍ مَخْصُوْصَةٍ فَلَا تَتَكَوَّنُ فِي الْمِيَاهِ الْجَارِيَةِ وَلَا فِي الْبِرَكِ الْعَمِيْقَةِ وَلَا فِي الْبِرَكِ الَّتِي يَجِفُّ مَاءُهَا فِي بَعْضِ الْاَحْيَانِ وَاِنَّمَا تَتَكَوَّنُ فِي الْمَحَالِّ الَّتِي تَبْقَى فِيْهَا الْمِيَاهُ الرَّاكِدَةُ عَلَى الدَّوَامِ وَفِي عُمْقٍ قَلِيْلِ الْغَوْرِ وَهٰذَا الْجِسْمُ يُسَمَّى عِنْدَهُمْ بِالتُّوْرَبِ وَتَكَوُّنُهُ يَنْشَاءُ خُصُوْصًا عَنْ تَرَاكُمِ النَّبَاتَاتِ الْخَشَبِيَّةِ الْمَغْمُوْرَةِ فِي الْمَاءِ عَلَى الدَّوَامِ وَهِيَ تَكَاثَرُ بِسُرْعَةٍ كَاَنْوَاعِ النَّبَاتَاتِ الْمَائِيَّةِ وَهِيَ الَّتِي تَتَكَوَّنُ مِنْهَا الْعَجِيْنَةُ الْاَصْلِيَّةُ لِلتَّرَسُّوْبَاتِ اَيِ الْمَادَّةِ الَّتِي تُخَمِّرُ جَمِيْعَ النَّبَاتَاتِ الْمَائِيَّةِ (الخ) یعنی اس زمین کی سطح پر جو زرخیز اور روز کی غذا حاصل کرتی رہتی ہے اور قلیل الغور وادیوں اور ان پست زمینوں میں جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں کچھ نباتاتی رسوبات پیدا ہو جاتی ہیں کہ جب وہ تحلیل ہو جاتی ہیں تو ان سے ایک جسم بن جاتا ہے جو جلنے کے قابل ہوتا ہے اور رسوبات خاص خاص حالات میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے آب جاری اور گہری جھیلوں اور تالابوں اور مقاموں میں جہاں کا پانی کبھی کبھی خشک ہو جایا کرتا ہے نہیں پیدا ہوتیں۔ بلکہ صرف ان ایسے مقاموں میں یہ رسوبات بنتی ہیں۔ جہاں پانی ہمیشہ ٹھہرا رہتا ہے اور اس کی گہرائی زیادہ نہیں ہوتی۔ اور اس جسم کو اصطلاح حکماء میں تورب کہتے ہیں اور یہ خصوصیت سے خود رو غذائی ان نباتات کی تہ بتہ جمع ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے جو ہمیشہ پانی میں ڈوبی رہتی ہیں اور وہ نباتات مائیہ کی طرح بسرعت بڑھتی ہیں یہی نباتات ہیں جن سے ان رسوبات کا اصل خمیر یعنی وہ مادہ تیار ہوتا ہے جو تمام نباتات آبی کو محیط ہے دریا میں پایا جاتا ہے۔

رزقِ روحانی

غرض رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رزقِ جسمانی جس کا مختصر ذکر ہوا۔ دوسرا رزق روحانی جو رزقِ دین ہے اور دنیا نہیں ہے۔ مگر قرآن میں رزقِ روحانی ثابت ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بعد رزقِ جسمانی فرماتا ہے: "اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ" کیا تم اس حدیث (قرآن) کے ساتھ منافقت کرتے ہو۔ اور اپنے اس رزقِ روحانی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو۔ کہ اس کی تکذیب کرتے ہو یعنی بظاہر اس کے قائل ہو اور عمل اس پر کرتے نہیں۔ یہ رزقِ روحانی کس سے حاصل کرنا چاہیئے؟ ہر کس و ناکس سے یا اُن لوگوں سے جن کے پاس یہ خزانہ ہے؟ طعام یعنے رزقِ جسمانی کی نسبت تو خدا یہ حکم دیتا ہے۔ کہ اہلِ کتاب سے لینا چاہیئے نہ کہ مشرکین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) کبھی کبھی ان ہی مواد نباتیہ کے اوپر کی نباتات بھی زمین میں زائل کر شامل ہو جاتی ہیں۔ اور اس مادہ کے تکون میں مساعد ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی انقلابِ زمانہ سے جنگل کے جنگل اس طرح زمین میں دفن ہو جاتے ہیں اور اُن سے ایسے مواد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مواد ہمارے زمانہ کی نباتات سے منسوب ہیں اور ان کو "راتنجی" درخت کہتے ہیں۔ اور انہیں میں شاہ بلوط کی قسم کے بہت سے درخت شامل ہیں۔ اور اسی طرح لسان العصافیر (جو مشہور معروف نباتاتی دوا ہے) اور ایسی پست زمینوں اور وادیوں میں جہاں یہ ترسب پیدا ہوتے ہیں دودھ والے جانوروں کے اجسام بھی پائے جاتے ہیں۔ جیسے ہاتھی کی ہڈیاں دریائی گھوڑے کے سینگ وغیرہ۔ اور یہ سب ارضی انکشافات اور رسوبات کا نتیجہ ہیں۔ "وَلَاشَكَّ اَنَّ الرُّسُوْبَاتِ الْفَحْمِيَّةَ الَّتِيْ تُوْجَدُ فِيْ بَاطِنِ الْاَرْضِ تَكَوَّنَتْ مِنْ نَبَاتَاتٍ تَرَاكَمَتْ عَلٰى بَعْضِهَا كَالتَّوْرِيْبِ وَدَلِيْلُ ذَالِكَ الْبَقَايَا الَّتِيْ تَنْكَشِفُ فِيْهِ وَفِي التَّوْرِيْبِ بِالْمِنْظَارِ الْعَظِيْمِ وَكَذَا السُّوْقُ وَالْاَوْرَاقُ الْعَدِيْدَةُ الَّتِيْ تُوْجَدُ فِي الْمَوَادِّ الطِّيْنِيَّةِ الَّتِيْ تُصَاحِبُهَا وَقَدْ اِتَّفَقَتْ اٰرَاءُ الْجِيُوْلُوْجِيِّيْنَ عَلٰى هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَمْ يَتَّفِقُوْا عَلٰى كَيْفِيَّةِ التَّرَاكُمِ" بلاشک وہ رسوبات جن سے پتھر کا کوئلہ بنتا ہے اور زمین کے اندر پائی جاتی ہیں وہ نباتات متراکمہ ہی سے بنتی ہیں جس طرح کہ ترب بنتا ہے۔ اور بلاشبہ پتھر کے کوئلہ کی اصل یہی نباتات ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بڑی بڑی خوردبینوں سے ان رسوباتِ فحمیہ اور ترب میں نباتات کے اجزا منکشف ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ایسی زمینوں میں درختوں کے تنے اور نیز اُن کے پتے وغیرہ پائے جاتے ہیں اور تمام جیالوجسٹ اس پر متفق ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نباتات کس طرح اکٹھے اور تہ بتہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اس تحقیق سے واضح ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو ایک آتشی مادہ اور جسم ہے اور جو نوعِ انسان کیلئے ایک نہایت زبردست قوت و طاقت ہے سبز درختوں سے بنتا اور پیدا ہوتا ہے۔ "وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ"

سے اور وہ بھی ضرورت نہیں ورنہ تو دین مسلمان سے لینے کا حکم ہے کیونکہ مشرکین و غیرہ سے لینے اور خرید و فروخت کرنے میں اُن کی ایک قسم کی اعانت و امداد ہوتی ہے اور خدا فرماتا ہے "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ اور گناہ و ظلم و جور میں کسی کی اعانت و امداد نہ کرو اور ظاہر ہے کہ مشرکین سے خریدنے میں اعانت اثم ہے پس جبکہ رزق جسمانی کی نسبت یہ حکم احتیاط ہے۔ تو رزق روحانی کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے لیا جائے۔ کیا ان مورخین سے لیا جائے جن میں سے اکثر یہودی اور منافقین بھی ہیں؟

قرآن اور کتاب کا فرق

قرآن اور کتاب دو چیزیں ہیں جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ قرآن قرأت سے ماخوذ ہے اور بمعنی مقروٗ ہے یعنی وہ الفاظ جو زبان حق ترجمان خاتم پیغمبران سے نکلے۔ اور کتاب شے وجودی ہے۔ ہر ایک شے ایک کلمہ وجودیہ ہے۔ اور کوئی چیز کتاب سے خالی نہیں۔ لیکن جس جسم کا تاکد زیادہ ہے اس میں کتابت زیادہ ہے۔ پس صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت جو سب سے اتم اکمل ہے کتابت بھی اس کی سب سے اتم و اکمل ہے اور وہی کتاب جامع اور حاوی جمیع کتب اور در اصل کتاب وہی ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ پس کتاب سے مراد کتاب وجودی یعنی صحیفہ وجودیہ حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہٰذا رزق روحانی اس سے لینا چاہیئے۔ "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ" یعنی یہ قرآن کریم کتاب مکنون میں ہے۔ اور وہ صحیفہ وجودیہ حضرت رسالتمآب ہے "لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" سوائے مطہرین کے اور کوئی اس صحیفہ وجودیہ کو مس نہیں کر سکتا اور بعد پیغمبر اس شخص سے رزق روحانی حاصل کرنا چاہیئے جو مثل پیغمبر ہو۔ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اہل الذکر یہودی ہیں ان سے علم قرآن حاصل کرنا چاہیئے۔ (نعوذ باللہ من ذالک الاعتقاد) یہی وجہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں پر تقسیم ہو گئے ہیں کہ قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا حالانکہ آیہ مجیدہ "بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (بلکہ وہ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم فطرةً عطا کیا ہے) دال ہے کہ امت محمدیہ میں غیر پیغمبر کچھ لوگ ہیں۔ جن کے وجود میں قرآن ودلیت ہے۔

معنی مس قرآن و امام مبین

"لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" میں یمسہ کی ضمیر یا تو قرآن

کی طرف راجع ہے یا کتاب کی طرف لیکن بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن صوت مفرد ہے اور وہ قابل مس (چھونا) نہیں اور اگر کتابت قرآن مراد لی جائے۔ تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قرآن اس وقت مکتوب نہ تھا۔ جو قابل مس ہوتا۔ پس کتاب سے مراد صحیفہ وجود یہ حضرت ختمی مرتبت ہے۔ اور وہی کتاب لاریب فیہ ہے جس میں قرآن ودیعت کیا ہے اور مس سے مراد مس باطنی ہے نہ مس ظاہری اور اس سے مقصود قرآن کا لینا اور اس کا حاصل کرنا ہے پس وجودِ اقدس نبوی سے اس کو نہیں لے سکتے اور نہیں حاصل کر سکتے مگر وہ لوگ جو مطہر ہیں یعنی مطہر بہ طہارتِ باطنیہ یعنی معصوم ہیں اور آیہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا" سے ثابت ہے کہ مطہر بہ تطہیر الٰہی غیر اہل بیت رسالت اور کوئی نہیں۔

پس وجودِ اقدس نبوی سے کوئی شخص سوائے امام معصوم مس باطنی نہیں کر سکتا اور انہیں کو اتصال باطنی بلکہ اتحاد باطنی پیغمبر سے حاصل ہے کہ اصل ان کی ایک ہی ہے۔ پس قرآن انہیں کے وجود میں ہے اسی واسطے توصیف امام مبین میں خداوند عالم فرماتا ہے" وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ" ہر ایک چیز کو ہم نے وجود امام مبین میں احصا کر دیا ہے۔

(نکتہ) یہاں خدا نے احصا فرمایا ہے نہ عد و تعداد کیونکہ احصا اور عدد میں فرق ہے اور احصا احاطہ بر اعداد ہے" وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا" یعنے مقصود یہ ہے کہ وجود امام ظرف ہے ہر ایک شے کا اور محل اشیاء مظروف اسی واسطے فی اِمَامٍ مُّبِیْنٍ فرمایا ہے نہ کہ لِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ اسی کو احصا کا مفہوم مقتضی ہے۔ کیونکہ احصاء سے ہر ایک شے موجود رہتی ہے اس لئے کہ لغت میں احصا ہر شے کے مقابل ایک کنکر یا سنگریزہ رکھے جانے کو کہتے ہیں بخلاف عدد کے کہ شمار کرتے چلے جاؤ، دوسرا آیا تو پہلا چلا گیا۔ پس وجود امام مبین خزینہ موجودات و مادۂ کائنات ہے۔ مفسرین (امام مبین سے) لوح محفوظ مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ بھی غلط محض ہے کیونکہ لفظ امام لوح محفوظ کے لئے قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔ اگر کہیں ہوتا تو اس کا ذکر ہوتا۔

کَانَ الْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ قرآن میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں کئی کئی جگہ پر استعمال ہوئے ہیں۔ اگر لوح محفوظ کو امام کہا جاتا تو وہ بھی قرآن میں موجود ہوتا" وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ اس کا دعوے ہے اور صحیح ہے چنانچہ آیہ ذیل میں امام مبین حضرت شعیب و حضرت صالح دو پیغمبروں کو فرمایا ہے نہ کہ لوح محفوظ کو" اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ

مبتین نے تحقیق کردہ دونوں امام مبین ہیں۔

مسِ کتابتِ قرآن

آیۂ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ سے ثابت کرتے ہیں کہ کتابت قرآن کو بلا طہارت یعنی بے وضو و غسل مس کرنا جائز نہیں ہے لیکن ظاہر آیۂ اس پر دال نہیں کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس کتاب سے مراد وجود حضرتِ نبوی ہے اور مس سے مراد باطنی مس۔ البتہ مستنبط ہو سکتا ہے اس طرح پر کہ ہر شے کے چار وجود ہوتے ہیں۔ وجود لفظی جیسے لفظ زید جبکہ زبان سے ادا کریں۔ دوم کتبی یعنی صورت مکتوبی زید۔ سوم۔ وجود ذہنی یعنی زید کا وہ تصور جو کسی متصور کے ذہن میں ہوتا ہے اور وہ مطابق ہوتا ہے۔ وجود خارجی عینی کے چہارم۔ وجود عینی جو دراصل زید ہے یعنی ایک شخص خاص جو اس نام سے موسوم ہے اور وجود لفظی وجود خارجی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کو مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے اس کو ایک قسم کی نسبت و تعلق ہے۔ مثلاً جب کہیں کہ زید کو بلاؤ تو اس شخص خاص کو بلا لائیں گے۔ نہ اس آواز کو۔ اسی طرح جب حکم لکھتے ہیں کہ زید پر یہ دعوے ڈگری کیا گیا۔ تو اس شخص سے ڈگری وصول کی جاتی ہے۔ نہ کہ حرفوں یعنی ز۔ ی۔ د سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ غرض حکم وجود لفظی و کتبی پر وجود عینی خارجی پر ہی ہوتا ہے پس اسی طرح سے قرآن شریف کے بھی چار وجود ہیں ملفوظی مکتوبی ذہنی اور عینی اور اصل قرآن وہ ہے جو قلب نبی پر نازل ہوا ہے اور وہی وجود عینی ہے نہ وجود ملفوظی و مکتوبی و ذہنی۔ ہاں تینوں کو اس سے ایک قسم کی نسبت و تعلق اتحادی ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ اس حقیقت قرآن کو سوائے مطہروں کے اور کوئی مس نہیں کر سکتا یعنی مس باطنی + پس جو نکہ اس وجود مکتوبی کو جو قابل مس ہے اُس حقیقی وجود سے ایک قسم کا اتحاد ہے لہٰذا بلا طہارت ظاہری مس کرنا جائز نہیں ہوگا۔

لہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (الصافی) لَا یَطَّلِعُ عَلَی اللَّوْحِ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ مِنَ الْکُدُوْرَاتِ الْجِسْمَانِیَّۃِ وَلَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ مِنَ الْاَحْدَاثِ اَوْ یَکُوْنُ نَفْیًا بِمَعْنٰی نَہْیٍ۔ وَ فِی التَّھْذِیْبِ عَنِ الْکَاظِمِ اَنَّ الْمُصْحَفَ لَا تَمَسُّہٗ عَلٰی غَیْرِ طُھْرٍ وَلَا تَمَسُّہٗ خَطَّہٗ (خیطہ) وَلَا تُعَلِّقْہٗ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (وفی الاحتجاج) لَمَّا اسْتُخْلِفَ عُمَرُ سَأَلَ عَلِیًّا اَنْ یَّدْفَعَ اِلَیْھِمُ الْقُرْاٰنَ فَیُحَرِّفُوْہُ بَیْنَھُمْ فَقَالَ یَا اَبَا الْحَسَنِ اِنْ جِئْتَ بِالْقُرْاٰنِ الَّذِیْ جِئْتَ بِہٖ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی نَجْتَمِعَ عَلَیْہِ فَقَالَ ھَیْھَاتَ لَیْسَ اِلٰی ذٰلِکَ سَبِیْلٌ اِنَّمَا جِئْتُ بِہٖ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ لِتَقُوْمَ

بہر حال یہ حقیقت قرآن وجود نبی میں ہے اور اس سے امام کو اتحاد نفسی ہے پس وہ بھی وجود امام کے ساتھ متحد ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا ہے۔ لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴ الحجۃ عَلَیْکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غَافِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا مَا جِئْتَنَا بِہٖ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ عِنْدِیْ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ وَالْاَوْصِیَاءُ مِنْ وُلْدِیْ فَقَالَ عُمَرُ فَھَلْ وَقْتٌ لِاِظْھَارِہٖ مَعْلُوْمٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا قَامَ الْقَائِمُ مِنْ وُلْدِیْ یُظْھِرُہٗ وَیَحْمِلُ النَّاسَ عَلَیْہِ فَتَجْرِیْ السُّنَّۃُ بِہٖ ٭

اَقُوْلُ وَفِی التَّحْقِیْقِ لَا مُنَافَاۃَ بَیْنَ الْمَعْنَیَیْنِ لِجَوَازِ الْجَمْعِ بَیْنَھُمَا وَاِرَادَۃِ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا اَوْ یَکُوْنُ اَحَدُھُمَا تَفْسِیْرًا وَالْاٰخَرُ تَاْوِیْلًا (انتہی)

صاحب صافی "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ" کے ذیل میں تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں ہے اور لوح محفوظ پر سوائے ان مطہرین کے اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا جو کدورات جسمانیہ سے پاک ہیں اور وہ ظلمانی نہیں بلکہ نورانی نفوس ہیں اور وہاں سے علم ان نفوس قدسیہ کے سوا اور کوئی نہیں لے سکتا یا یہ کہ اس کو نہیں چھو سکتے مگر وہ لوگ جو حدث سے پاک ہوں (یا وضو اور با غسل ہوں) اور اس صورت میں یہ نفی بمعنی نہی ہوگی یعنی حکم ہے کہ بلا طہارت اس کو مس نہ کریں (پہلی صورت میں ضمیر غائب لوح کی طرف راجع ہوگی اور دوسری صورت میں قرآن کی طرف) اور کتاب التہذیب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن کو بلا طہارت نہ چھوؤ اور نہ جنابت کی حالت میں اور نہ اس کو لٹکاؤ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ اس کو سوائے مطہرین اور کوئی مس نہیں کر سکتا اور احتجاج میں ہے کہ عمر کو جب خلیفہ بنایا گیا تو اس نے علی سے سوال کیا کہ وہ اپنا جمع کیا ہوا قرآن دے دیں تاکہ وہ اپنے درمیان اس کو رد و بدل کر لیں تو کہا کہ اے ابو الحسن اگر آپ وہ قرآن جو ابوبکر کے پاس لائے تھے لے آتے تو بہتر ہوتا تاکہ ہم سب ایک ہی قرآن پر جمع ہو جاتے آپ نے فرمایا ہیہات اب تو اس کی کوئی سبیل نہیں ہو سکتی۔ میں اس کو ابوبکر کے پاس اسلئے لایا تھا کہ تم پر حجت تمام ہو جائے اور روز قیامت یہ نہ کہو کہ "ہمیں اس کی خبر نہ تھی"۔ یا یہ کہو کہ اے علی تم ہمارے پاس یہ قرآن لائے نہیں کیوں کہ وہ قرآن جو میرے پاس ہے سوائے مطہرین اور میری اولاد کے ائمہ کے اور کوئی نہیں چھو سکتا۔ اس وقت عمر بن الخطاب نے کہا کہ کیا اس کے اظہار کیلئے کوئی وقت معین ہے۔ فرمایا ہاں۔ جب میری اولاد میں سے امام قائم ظہور کرے گا تو اس کو ظاہر کرے گا۔ اور لوگوں کو اسی کا پابند کرے گا۔ اور یہی سنت جاری ہوگی میں کہتا ہوں (صاحب صافی) کہ ان دونوں معنوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں معنی مراد لئے جا سکتے ہیں یعنی یہ کہ علم لوح محفوظ سے سوائے مطہرین کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا اور اس کو بلا طہارت کے کوئی نہیں چھو سکتا۔ یا یہ کہا جائے کہ ایک معنی اس کے تفسیر ہیں۔

یعنی وجود امام و کتاب اللہ ایک دوسرے سے تا روز حزا جدا نہ ہونگے اور تعریف کتاب میں فرمایا
ہے "حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ" یعنی ایک حبل ممدود ہے زمین سے آسمان تک اسی سے

بقیہ حاشیہ عـــ۱ اور دوسرے اس کی تاویل ہیں ۔ ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی (اور قرآن کی یہی شان ہے کہ اس کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور باطن کا باطن سات بطنوں تک) یہ ایک دقیق اور طولانی بحث ہے کہ لوح محفوظ کی حقیقت کیا ہے اور وہ کہاں ہے وہ عالم جسمانی سے ہے جیسے کہ ہماری تختیاں ہوتی ہیں یا عالم نفسانی سے جیسے کہ ہمارے نفس میں ہماری معلومات ملکات قائمہ راسخہ ہوتے ہیں یا عالم روحانی سے ہے ۔ پہلی صورت میں قرآن کا لوح محفوظ میں ہونا اور معنی میں ہوگا ۔ اور دوسری صورت میں اور معنی اور تیسری صورت میں اور معنی اور پہلی صورت میں کعبہ یا بیت المقدس ، یا بیت المعمور یا کسی آسمان پر آسمان کو جسم جانتے ہوئے ایک بہت بڑا سائن بورڈ ہوگا اور یہ سب کچھ عالم جسمانی میں ہوگا ۔ اور عالم جسمانی اور زمین و آسمان سے پہلے نہ اس لوح محفوظ کا کہیں وجود ہوگا اور نہ اس لوح محفوظ میں قرآن کریم کا اور جب یہ مسلم ہو کہ قرآن پاک کا وجود زمین و آسمان کے وجود سے مقدم ہے عالم قرآن جوہر اول و اکمل ہے اور تعلیم قرآن بحال قرآن خلقت انسان سے اقدم ہے " اَلرَّحْمٰنُ . عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ " تو عقل کو تفکر کرتے ہوئے حیرت طاری ہوتی اور جب اس کے ساتھ " کُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ " شامل کیا جائے اور نیز اس مسئلہ کو کہ یہ نبوت و رسالت ختمی بھی قرآن پاک ہے تو اور حیرت بڑھے گی اور ماننا پڑیگا کہ وہ لوح محفوظ جس میں یہ قرآن کریم قبل خلقت زمین و آسمان تھا وہ کوئی جسمانی لوح نہیں ہوسکتی ہے ۔ وہ لوح بلاشک و شبہ اس عالم روحانی و نورانی کی اصل اور اسی سنخ سے ہوگی اور اگر عالم جسمانی میں کوئی جسمانی لوح ثابت کی جائے گی تو وہ من حیث النزول بہ نشأت عوالم تیسرے درجہ و رتبہ پر ہوگی مرتبہ اول و دوم میں اس کی یہ حقیقت نہ ہوئی ۔ لیکن ہم اس بحث کو یہیں چھوڑ کر دوسری صورت سے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ پر روشنی ڈالتے ہیں کہ محققین حکماء کے نزدیک وجودات اربعہ (وجود عینی ، ذہنی ، لفظی ، کتبی) میں سے وجود لفظی و کتبی حقیقتاً وجود نہیں بلکہ اس کو وجود کی طرف ایک نسبت رکھنے کی وجہ سے مجازاً وجود کہا گیا ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے اس پر احکام مترتب کرتے ہیں اور یہ بدیہی ہے ۔ کون کہتا ہے کہ لفظ انسان کی آواز جو ہمارے منہ سے نکلی ہے یہی انسان کی حقیقت واقعیہ خارجیہ ہے یا جو صورت لکھی ہے یہی اس کی حقیقت ہے اور وجود ذہنی اگرچہ وجود کہلاتا ہے اور اس پر وجود کا اطلاق ہوتا ہے لیکن نظر تحقیق میں یہ بھی حقیقی وجود نہیں ہے ۔ بلکہ وجود حقیقی کا عکس اور ظل ہے کون ذی عقل کہہ سکتا ہے کہ انسان کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہی انسان کی حقیقت خارجیہ ہے یہ ذہنی صورت ذہنی ہے نہ وجود خارجی یعنی وہ تو جسم اور روح کا چلتا پھرتا ۔ مثلاً بولتا ایک پتلا ہے جو سو ذہنوں میں نہیں سما سکتا پس قرآن کا وجود عینی وجود کتبی نہیں ہوسکتا خواہ آسمانی تختے پر لکھا ہوا ہو یا کسی زمین کے

ظاہر ہے کہ اس کتاب سے قرآن کا وجود مکتوبی بین الدفتین مراد نہیں ہے اور مقصود پیغمبر یہ ہے کہ میں اس کتاب اللہ کو اپنے ہمراہ نہیں لیجاتا اس کو یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔

پس وہ کتاب وجود امام میں موجود ہے اور وجود امام برائے قیامت ضروری ہے تاکہ مومنین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۶) پتھر یا کاغذ کے صفحات پر اور نہ وہ آواز لفظی وجود ہے جو ہمارے منہ سے نکلی ہے نہ صورت ذہنیہ جو الفاظ قرآنی کے پڑھنے یا سننے سے کسی عالم کے ذہن میں آتی ہے وہ عینی وجود ہے خواہ کسی عالم میں ہو اور کسی ذہن میں ہو اور اس لئے قطعاً قرآن کا وجود عینی اس وجود کے غیر ہوگا۔ جو لوح محفوظ پر نقش ہوگا۔ اور یقیناً وہ لوح محفوظ کے وجود سے مقدم ہوگا۔ اور ان وجودات کو اس سے نسبت اور ربط ہوگا۔ اور جب یہ مسلم ہوا کہ اس کے وجود کتبی کو چھونا ممنوع ہے اور اسی طرح بحالت جنابت جو حالت جنابت خاصہ ہے۔ اس کی تلاوت درست نہیں ہے مکروہ ہے اور بعض سور کی حرام ہے تو یقیناً اس کے الفاظ اور نقوش سے اس کے معانی اصلیہ کا کسی نجس اور ناپاک دماغ و ذہن میں آنا منتفی ہوگا۔ اور منہی عنہ اور وجود عینی پر غیر طاہرین کے لئے اطلاع پانا قطعاً محال ہوگا۔ اور اس وجود حقیقی اور ظلّی کے لحاظ سے بلاشک و شبہ مس سے مراد مس معنوی و باطنی ہوگی۔ نہ ہاتھ سے چھونا اور اگر وہ وجود عینی کا مس غیر طاہر کے لئے جائز یا ممکن ہو تو پھر ان وجودات کا مس جو در اصل وجود ہی نہیں ہے کیونکہ منتفی یا منہی عنہ ہوگا۔ اور جب وہاں منتفی ہے تو پھر یہاں اس نسبت کے لحاظ سے منہی عنہ ہوا تاکہ اصل منسوب الیہ کی حرمت ہر منسوب میں باقی رہے بنابریں آیہ مبارکہ کے یہی معنی ہوں گے۔ کہ اس قرآن پاک کی حقیقت واقعیہ پر غیر مطہر اطلاع نہیں پا سکتا۔ اور اس کے معانی صحیحہ کسی ناپاک دماغ اور ذہن میں نہیں آسکتے۔ اور اس کے نقوش و خطوط کو غیر مطہر نہیں چھو سکتا اور اس کے سوا عزائم کی تلاوت غیر طاہر (جنب وغیرہ) نہیں کر سکتا۔ اور عام سور کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اور سات آیات کا استثنا سہولت کیلئے اور تخفیف تکلیف کیلئے ہے وَلَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور یہ بھی اس لئے کہ وجود لفظی بظاہر البعد وجودات ہے۔ اور اس کتاب عظیم اور قرآن کریم کی حقیقت اور لوح محفوظ اور کتاب مکنون کی حقیقت حقیقت روحانیہ محمدیہ سے کسی عالم اور کسی نشاء میں جدا نہیں ہو سکتی اور اس لئے قلب محمدی کے لوح محفوظ قرآنی ہونے میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا اور قلب محمدی سے قرآن لینے اور اس پر اطلاع پانے کیلئے بلاشک و شبہ طہارت واقعی کی ضرورت ہے اور وہ مطہرین جو اس پر مطلع ہیں نفس محمدی ہیں اور وہ علی و یازدہ امام از اولاد علی ہیں " بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ " یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم ایک مکمل کتاب لکھ سکتے ہیں لیکن یہ حاشیہ اس کو مقتضی نہیں ہے یہاں اسی قدر بیان کافی ہے۔ اور ہماری اکثر کتب میں اس کا مختصراً ذکر موجود ہے حسبنا کتاب اللہ میں بھی اشارہ ہے اس لئے بالفعل ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اور تفصیل کی جائے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ (مؤلف)

کو جزا دی جائے "یَوْمَ تَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" ؎

سوال جواب طلب از اہل علم

وجود پیغمبر افضل ہے وجود قرآن سے لیکن حروف نقوش قرآن کو بلا وضوء مس کرنا جائز ہے۔ مگر پیغمبر نے کبھی حکم نہیں دیا کہ مجھ کو بلا وضوء مس نہ کرو۔ اور جس وقت مجھ سے مصافحہ کرو تو پہلے وضو کر لیا کرو بلکہ اعراب بے وضو و بے غسل آتے تھے اور حضرت سے مصافحہ کرتے تھے۔ پس کس واسطے حضرت نے حروف قرآنی کو بلا وضوء مس کرنے کو حرام قرار دیا۔ اور اپنے جسم اقدس کے لئے ایسا نہ فرمایا!

آیۃ اللہ و حجۃ اللہ

اثنائے وعظ میں ایک صاحب نے سرکار علامہ کو آیۃ اللہ کہدیا۔ اس پر سرکار علامہ نے فرمایا۔ ایسے الفاظ بلا تکلف استعمال کرنے درست نہیں لفظ آیۃ اللہ مخصوص ہے۔ پیغمبر و امام و اولیاء اللہ کے لئے کہ خدا فرماتا ہے "انا جعلناها و ابنها اٰیة للعالمین" ہم نے اس (مریم) کو اور اس کے بیٹے (عیسٰی) کو تمام عوالم کے لئے ایک آیت قرار دیا ہے۔ پس جو حضرات لفظ آیت اللہ کو کسی عالم یا مولوی وغیرہ کے واسطے استعمال کرتے ہیں اگر آیتِ خاص مراد لیتے ہیں جو وجود پیغمبر یا امام ہے تو اس معنی میں دوسرے کے لئے استعمال کفر ہے اور اگر مطلق آیت مراد ہے تو پھر اس کا استعمال کسی عالم یا مجتہد کے لئے نہ تو باعث فخر ہے اور نہ اس کی تعظیم و تکریم پر دال اس واسطے کہ اس معنی میں تو ہر ایک شئے وجود آیتِ خدا ہے حتّٰی کہ وجودِ سگ بھی آیتِ خدا ہے۔ وہ بھی اپنے خالق و صانع پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بھی کوئی ہے۔ وہی اس کو زندہ رکھتا ہے اور پرورش کرتا ہے۔ بلکہ ذرہ ذرہ خدا کے وجود اور اس کی توحید اس کی قدرت و حکمت کی آیت و نشانی ہے۔ اسی طرح لفظ حجۃ اللہ بھی ہر کس و ناکس کے لئے استعمال کرنا درست نہیں۔ البتہ عالم حقیقی و واقعی کے لئے متاخرین نے اس کو جائز جانا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ اسحاق بن یعقوب نے حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ سے دریافت کیا کہ ہم زمانۂ غیبت میں کیا کریں۔ تحریر فرمایا کہ ہمارے راویانِ اخبار سے دریافت کرو۔ جو ہمارے احکام کے عارف ہوں اور حلال و حرام پر نظر رکھتے ہوں کیونکہ وہ ہماری طرف سے حجۃ ہیں لوگوں پر اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لفظ حجت ایسے علماء کے واسطے استعمال کر سکتے ہیں۔ جو حرام و حلال سے پورے طور سے واقف ہوں اور اخبار اہل بیت کے راوی۔ نہ کہ ظن و قیاس و رائے پر عمل کرنے والے اور وہ بھی باضافت یعنی حجۃ الاسلام وغیرہ نہ حجتِ مطلق یا حجۃ اللہ کہ یہ خاص

ہے امام علیہ السلام کے لئے۔ بعض متاخرین نے لفظ آیت اللہ کو بھی ایسے اشخاص کامل الایمان وکامل العلم کے واسطے جائز جانا ہے۔ مگر آیت اللہ فی العلمین بجز پیغمبر یا امام کے اور کسی کے واسطے کسی وقت اور کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا سے ثابت ہے کہ حجۃ اللہ فی العلمین وآیۃ اللہ فی العالمین امام اور پیغمبر ہی ہے۔ غرض ایسے الفاظ کے استعمال میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مؤلف

صفات مشترکۂ نبی و امام

آیۂ مجیدہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

اسی طرح ہم نے تم کو اُمت وسط بنایا ہے کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہے) یں اُمّت وسط سے مراد امام ہے نہ کہ تمام امت۔ دوسری آیت اس پر بالصراحت دال ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اس آیت میں بارہ دلیلیں وجود امام پر موجود ہیں۔ اس آیت میں خطاب ذریت حضرت ابراہیم کی اس امت مسلمہ سے ہے جس کی حضرت نے دعا کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (الخ) اور سابق میں ثابت کیا گیا کہ وہ امت مسلمہ پیغمبر و نفس پیغمبر یعنی علی ہے۔ جو مسلمان باسلام تبوتی تھے۔ بالفطرۃ اور ایک آن واحد کے واسطے شرک نہیں کیا۔ اسی واسطے حضرت علی کو مسلمان کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ حضرت کسی بت کے سامنے نہیں جھکے اور اسی واسطے اس آیت میں لفظ آمنوا آیا ہے اسلموا نہیں کیونکہ مسلم پہلے ہی تھے۔ انہیں کو حضرت ابراہیم نے مسلمان وامت مسلمہ کہا ہے اور یہی شہید علی الناس ہیں۔ شہداء علی الناس عام اور تمام امت محمدی کبھی نہیں ہو سکتی۔ بعض مفسرین لاہور نے لکھا ہے کہ امت مسلمہ سے مراد کفار اولاد حضرت ابراہیم ہیں۔ جو حضرت رسول کے ہاتھ پر ایمان لائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس ہر زمانے میں ایک شہید کا وجود ضروری ہے اور وہ امام وقت ہے لازم ہے کہ تا قیام قیامت امام موجود ہے۔ اور آیۂ ذیل اس کی شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم نے اس امت کو اپنی ذریت

میں ہمیشہ کے لئے قائم کیا ہے جس کی بابت خدا خبر دیتا ہے "وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ" یعنی اس کو آپنے کلمہ باقیہ قرار دیا اپنی اولاد میں" آیت مذکورہ کے بارہ براہین میں سے یہاں یک برہان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے "وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" یعنی جہاد کرو راہ خدا میں حق جہاد کہ خدا نے تمہیں اسی کام کے واسطے انتخاب کیا ہے۔ اور چن لیا ہے اور یہ حق جہاد راہ خدا حضرت ابراہیم کا کام تھا کہ اول اول یہ جہاد الٰہی نے کیا کہ بتوں کو توڑا اور خانۂ خدا سے باہر کیا۔ حضرت ابراہیم کو حکم تھا کہ تم خانۂ خدا کو پاک کرو" وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" میرے گھر کو طواف کرنے والوں، عبادتگزاروں اور راکعین ساجدین کے لیے پاک کرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ کام کیا - وقت نزول آیہ لبعد از بعثت وقبل از ہجرت جبکہ حضرت ختمی مرتبت شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کر کے کعبہ میں آئے اور بتوں کو توڑا بعد فتح مکہ دوبارہ توڑے گئے حضرت فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم دو روز پوشیدہ رہے ابوجہل نے جب بتوں کو دیکھا تو کہا یہ کام سوائے سرخ آنکھوں والے (حضرت علی) کے اور کسی کا نہیں ہے۔ یہ ملت ابراہیمی ہے جس کی امت مسلمہ متبع رہی۔ افسوس ہے کہ لوگ ملت کے معنی بھی نہیں جانتے اور سنت وملت میں فرق نہیں کر سکتے۔ ملت کیش ہے۔ اور سنت چند مرتبہ عمل کرنے سے ثابت ہوتی ہے اور ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ غرض حق جہاد فی سبیل اللہ پیغمبر یا امام ہی ادا کر سکتا ہے اور یہی اس کا خاص فرض ہے پس آیہ نجیدہ میں جَاهِدُوا فِي اللَّهِ کے مصداق آئمہ ہی ہیں جو امت مسلمہ ذریت ابراہیم ہیں +

فرق شاہد وشہید بعبارت دیگر

شہد دو معنی میں استعمال ہوتا ہے اول بمعنی حضور۔ دوم بمعنے علم، اور اسی سے شاہد ہے اور جب بمعنے حضور ہوتا۔ وہ مفعول بہ کی طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالےٰ "اشہدوا خلقهم لیشهد وا منافع لهم" "والذین لا یشهدون الزور وما اشهدتهم خلق السموات والارض ولا خلق انفسهم" اور نہیں حاضر کیا میں نے ان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت اور نہ خود ان کے نفسوں کی خلقت کے وقت اور اسی سے شہید ہے فَالشَّاهِدُ لِشَيْءٍ مَنْ حَضَرَ عِنْدَهُ صُورَةُ ذٰلِكَ الشَّيْءِ۔ وَالشَّهِيدُ هُوَ الْقُوَّةُ الَّتِي بِهَا يَقَعُ الشُّهُودُ وَالْحُضُورُ سَوَاءٌ كَانَتْ مُفَارِقَةَ الْجِسْمِيَّةِ یعنی شاہد کسی

شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شے کی صورت موجود ہو اور شہید وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے شہود و حضور واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ مجرد ہو یا مادی۔ پس شہید کے معنی معلوم ہونے کے بعد جانا گیا کہ شہید کبھی تو ذاتِ شے میں داخل اور اس کا مقوم ہوتا ہے یعنی وجود میں ذات سے مبائن نہیں ہوتا۔ کقولہ تعالیٰ وجاءت کل نفس معھا سائق و شھید۔ کیونکہ سائق سے مراد قوتِ عملیہ محرکہ ہے اور شہید سے مراد قوت مدرکۂ علمیہ ہے اور ہر ایک نفس میں یہ دونوں قوتیں موجود ہیں۔ لیکن بلحاظ نقص و کمال شرافت و خست۔ علو و دنائت مراتب مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں۔ اور کبھی سائق ذات شے سے مبائن ہوتا ہے۔ جیسے کہ شیطان سائق نفس ہے۔ بجانب نار۔ اور کبھی شہید مبائن از ذات شے ہوتا ہے مثل انبیاء علیہم السلام بلحاظ اپنی امتوں کے اور ائمہ بالقیاس اپنے اتباع و اشیاع کے کیونکہ وہ بمنزلۂ قوت ادراکیہ ہیں۔ اذ لا علم ولا شہادۃ للتابع بما ھو تابع الا علمہ و شھادتہ۔ یعنے تابع کے لئے بحیثیت تابع ہونے کے نہ علم ہے نہ شہادت الا علم و شہادت امام۔ پس ہر ایک نبی و امام اپنی قوم پر شہید ہے اور آنحضرت صلعم چونکہ امام الائمہ و مرکز دائرۂ نبوت ہیں۔ تمام انبیاء و آئمہ پر شہید ہیں۔ اس لئے سب آپ کے مقتدی اور آپ کے قدم بقدم چلنے والے اور اپنے مقامات و مدارج میں آنحضرت کے تابع اور وہ سب کے سب روز قیامت آپ کے لوائے حمد کے نیچے ہوں گے۔ اور اسی پر یہ آیت شاہد ہے "فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا" کیونکر ہوگا اس دن جب کہ ہم ہر ایک امت کے شہید کو لائیں گے۔ اور تجھ کو تمام شہیدوں پر شہید قرار دیں گے۔ فافہم۔

غرض شاہد کے لئے حضور لازمی نہیں ہے۔ برخلاف شہید کے کہ وہ احاطہ و حضور رکھتا ہے اور حضور و غیاب جسمانی۔ خواب و بیداری۔ قرب و بعد اس کے لئے مساوی ہے وہ ہر وقت ہر شے پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور یہ مخصوص ہے خدا و نبی و امام کے لئے چنانچہ حدیث بخاری اس کی خبر دیتی ہے کہ حضرت نے فرمایا "تنام عینی ولا ینام قلبی" میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ منقول ہے کہ حضرت خواب سے بیدار ہو کر بلا وضو ہی نماز پڑھ لیتے تھے تو ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے دریافت کیا آپ نے یہ جواب دیا کہ ہماری آنکھ سوتی ہے۔ مگر قلب بیدار رہتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے "نحن معاشر الانبیاء تنام العین ولا ینام القلب" ہم گروہ انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں۔

اور قلب بیدار رہتے ہیں۔ یعنی ہماری طرح سے وہ سوتے ہیں۔ بے خبر و غافل نہیں ہوتے۔ اگر اسی طرح غافل ہو جائیں تو شہید علی الناس کس طرح رہیں گے۔ پس خواہ اُس جگہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مگر اس کو دیکھتے ہیں پہاڑ درخت وغیرہ ان کی نظروں کے حاجب و مانع نہیں ہوتے اور شاہد کے واسطے حضور اور شہود ضروری ہے۔ اسی واسطے برادرانِ یوسف نے وقت شہادتِ سرقہ ما شہدنا الا بما علمنا کہا کہ ہم نے وہی شہادت دی ہے جس کا ہمیں علم ہے۔ ما رأینا نہیں کہا کہ ہم نے وہی بیان کیا ہے۔ جو دیکھا ہے کیونکہ وہ شہید نہ تھے اور احاطہ نہ رکھتے تھے۔ بہرحال ہر زمانہ میں وجود امام ضروری ہے۔ جو شہید علی الناس ہوتا ہے اور وہ ذریت ابراہیمیہ و اولادِ پیغمبر سے ہو گا۔ اگر کوئی اور شخص اس خاندان کے سوا دعوائے امامت کرے تو جھوٹا ہے۔

ف وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ عن الباقر علیہ السلام قال نحن الاُمَّةُ الوُسْطٰى ونحن شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِيْ اَرْضِهٖ وعن علی علیہ السلام ایانا عنی به بقوله لتكونوا شهداء على الناس فرسول الله شاهد علينا ونحن شهداء الله على خلقه وحجته في ارضه نحن الذين قال الله فيهم وكذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا (روضۂ الکافی) عن الصادق علیہ السلام فی قوله فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا نزلت في امة محمد خاصة في كل قرن منهم امام منا شاهد عليهم ومحمد شاهد علينا۔

الصافی فی قوله تعالیٰ كذلك جعلناكم امة وسطا الایۃ۔ عن الصادق علیہ السلام نحن الامة الوسطى ونحن شهداء الله على خلقه وحجته في ارضه قلت (راوی) قول الله عز وجل ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا ليكون الرسول شهيدا عليكم وتكونوا شهداء على الناس اياناعنى خاصة فرسول الله الشهيد علينا بما بلغنا عن الله عز وجل ونحن الشهداء على الناس فمن صدق صدقناه يوم القيامة ومن كذب كذبناه يوم القيامة۔

(آیہ مجیدہ) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الخ) کے تحت میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ہی امت وسط اور خدا کی طرف سے اس کی مخلوقات پر شہید اور اس کی زمین میں اس کی حجت ہیں۔ اور جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے مراد ہم ہی ہیں۔ پس رسول اللہ

ایک عالم بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ایام محرم میں شہید شہید نہیں ہے۔ کیونکہ ان ایام میں تمام توجہ شہید زمان عجل اللہ ظہورہ کربلا کی طرف منعطف ہے کیونکہ جب ہم لوگ ان واقعات ہائلہ کو بیان پر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲ ہم پر شہید ہیں اور ہم خدا کی طرف سے اس کی خلقت پر شہید ہیں۔ اور اس کی حجت ہیں ہماری شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الخ

کافی میں صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت خصوصیت سے امت محمد کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کہ ان میں ہم میں سے ایک نہ ایک امام ہر قرن میں موجود ہے جو ان پر شہید ہے اور محمد رسول اللہ ہم آئمہ پر شہید ہیں اسی طرح آیہ مذکورہ السدر وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا الایہ کی ذیل میں فرمایا ہے کہ ہم ہی امت وسطی ہیں۔ ہم ہی خدا کی طرف سے اس کی مخلوق پر شہید ہیں۔ اور اس کی زمین پر اس کی حجت ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا پھر ملۃ ابیکم ابراھیم (الایہ) سے کیا مراد ہے۔ فرمایا اس سے خاص ہم ہی مراد ہیں یعنی ہم ہی امت مسلمہ ہیں۔ ہمارا ہی نام ہمارے جد ابراہیم نے مسلم رکھا ہے اور ہمارا ہی اس قرآن اور پہلی کتب میں ذکر ہے۔ ہم ہی شہید علی الخلق ہیں پس رسول تبلیغ رسالت میں ہم پر شہید ہیں اور ہم لوگوں پر شہید ہیں پس جو سچا ہے ہم اس کی روز قیامت تصدیق کریں گے۔ اور جو جھوٹا ہے روز قیامت اس کی تکذیب کریں گے۔ اور اسی طرح آیہ مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون (الخ) یعنی عمل کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو ہمیشہ دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور مومنین دیکھتے ہیں کے ذیل میں حضرت صادق آل محمد علیہم السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ اس آیہ مجیدہ میں والمومنون سے خدا نے ہمیں مراد لیا ہے اور رسول اللہ کی طرح ہم اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ نیز اسی جناب سے حضرت قائم علیہ السلام کی ولادت کے ذکر میں خصائص ولادت امام برحق کے ذیل میں مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ان اللہ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْلُقَ الْاِمَامَ مِنَ الْاِمَامِ بَعَثَ مَلَكًا فَاَخَذَ شَرْبَةً مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ وَدَفَعَهَا اِلَى الْاِمَامِ فَشَرِبَهَا فَيَمْكُثُ فِي الرَّحِمِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا لَا يَسْمَعُ الْكَلَامَ ثُمَّ يَسْمَعُ الْكَلَامَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا وَضَعَتْهُ اُمُّهُ بَعَثَ اللّٰهُ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْمَلَكَ الَّذِيْ اَخَذَ الشَّرْبَةَ فَكَتَبَ عَلٰى عَضُدِهِ الْاَيْمَنِ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ فَاِذَا قَامَ بِهٰذَا الْاَمْرِ رَفَعَ اللّٰهُ لَهٗ فِيْ كُلِّ بَلْدَةٍ مَنَارًا يَّنْظُرُ بِهٖ اِلٰى اَعْمَالِ الْعِبَادِ۔

اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے کہ امام کو امام سے خلق کرے تو ایک فرشتے کو بھیجتا ہے۔ اور وہ فرشتہ تحت عرش سے ایک گھونٹ پانی کا لیتا ہے۔ امام کو دیتا ہے۔ اس سے امام پیتا ہے۔ اور جب وہ رحم میں جاتا ہے تو چالیس دن تک کچھ نہیں سنتا۔ جب چالیس دن تمام ہو جاتے ہیں۔ تو وہ کلام سننے لگتا ہے۔ اور جب وضع حمل ہوتا ہے

کُن کہ مضطرب و بے قرار ہو جاتے ہیں تو امام زمان علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ان واقعات کو
عیاناً دیکھتے ہیں ان کے لئے کوئی حاجب و مانع نہیں۔ تمام منظر اُن کے پیش نظر بے ملکی کیا جاتا

تو دی فرشتہ پھر بھیجا جاتا ہے۔ اور اس بچے کے داہنے شانہ پر لکھتا ہے "تمت کلمة ربك صدقا
وعدلا لا مبدل لكلماته" یعنی اللہ صدق و عدل کے ساتھ درجہ تمام کو پہنچا اور کلمات اللہ کو کوئی
تبدیل نہیں کر سکتا اور جب وہ امام ناطق و ظاہر ہوتا ہے تو ہر شہر میں ایک منارہ نور اس کے لئے بلند کیا جاتا ہے۔
جس میں وہ اعمال عباد کو دیکھتا ہے۔ یہ روایت یونس بن ظبیان سے ہے اور روایت ابو البصیر میں یوں ہے۔ کہ
جب حمل چار ماہ کا ہوتا ہے تو حیوان نام فرشتہ بھیجا جاتا ہے۔ اور وہ داہنے شانہ پر لکھتا ہے تمت کلمة
ربك الآیہ۔ اور جس وقت متولد ہوتا ہے تو سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے اور ہاتھ زمین پر ٹیک دیتا ہے پس
ایک منادی زیر عرش سے من جانب اللہ اس امام اور اس کے والد و جد کا نام لے کر ندا دیتا ہے۔ ثابت و
مستقیم رہو کہ ایک امر عظیم کے لئے میں نے تجھے خلق کیا ہے تو میری برگزیدہ مخلوق ہے میرا راز دان میرے
علم کا خزانہ میری وحی کا امین اور میری زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ تیرے اور تیرے دوستوں کے لئے میں
نے اپنی رحمت کو واجب کر دیا ہے اور اپنی جنت کو بخش دیا ہے اور اپنے قرب کو حلال کر دیا ہے۔ مجھے
اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں تیرے دشمنوں کو سخت عذاب کروں گا۔ اگرچہ دنیا میں ان کو وسعت رزق
کیوں نہ دوں۔ جب یہ آواز ختم ہوتی ہے۔ تو امام جواب دیتا ہے اور کہتا ہے "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" جب وہ یہ کہتا ہے تو اللہ علم اولین و آخرین اس کو عنایت فرما
دیتا ہے۔ اور اسی وقت سے شب قدر میں زیارت روح القدس کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (تنزل
الملئكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر)

یونس بن ظبیان کی ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے۔ "وَرُفِعَ
لَهٗ عَمُوْدٌ مِنْ نُوْرٍ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ يَرٰى مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ" یعنی اس کے لئے مابین زمین و آسمان ایک دو نور نصب کیا جاتا ہے جس سے مغرب سے
مشرق تک تمام اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اور ابن مسکان کی روایت ہیں۔ "رُفِعَ لَهٗ مَنَارٌ يُبْصِرُ بِهٖ
اَعْمَالَ الْعِبَادِ" ایک روایت میں ہے۔ "جُعِلَ لَهٗ مِصْبَاحٌ مِنْ نُوْرٍ يَعْرِفُ
بِهِ الضَّمِيْرَ وَيَرٰى بِهٖ سَائِرَ الْاَعْمَالِ" اس مضمون کی روایات بکثرت ہیں جو معنوی
حیثیت سے حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

ہو گی۔ بلا شبہ آج کل اُن کی تمام توجہ اپنے جد بزرگوار کی طرف متوجہ ہے کہ خود حضرت بابت ناحیہ میں فرماتے ہیں۔ فلئن اخرتنی الدھور وعاقنی عن نصرک المقدور ولم اکن لمن حاربک محاربا ولمن نصب لک العداوۃ مناصبا فلاندبنک صباحا ومساءً ولابکین لک بدل الدموع دما الخ۔ اے جد بزرگوار اگرچہ زمانوں نے مجھے تاخیر میں ڈالا اور تقدیر آپ کی نصرت سے اس وقت مجھے مانع اور حائل ہوئی اور میں آپ کے دشمنوں سے جدال و قتال نہ کر سکا۔ اور آپ کے قاتلوں اور مخالفوں سے مقابلہ نہ کر سکا لیکن اے جد بزرگوار اب میں صبح و شام آپ پر باواز بلند گریہ و بکا کرتا ہوں اور اب بجائے آپ کیلئے اشکوں کے عوض خون روتا ہوں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون +

موعظہ نہم

۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ‌

تفاوت انواع موجودات اور اُس کی علت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ وَالۡعَصۡرِ ۝ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝ خواہ

واضح ہے کہ انواع موجودات مختلف درجات رکھتی ہیں خواہ جماد ہو یا نباتات و حیوان نباتات

(بقیہ حاشیہ ۲) ۔۔۔ اگرچہ بظاہر بعض الفاظ میں اشتباہ ہے۔ لیکن معنی ایک ہیں اور ان آیات شہادت کے ساتھ ان روایات کو ملانے سے واضح ہے کہ امام شہید ہے اور امام اعمال عباد کو دیکھتا ہے اور اس صورت میں شہید کے معنے حاضر و ناظر ہی ہیں۔ اور اس کی مزید تصریح مواعظ کے ضمن میں آئندہ بھی آئے گی۔ ناظرین کی خاطر ہم نے یہ چند اقوال معصومین درج کر دیئے ہیں تاکہ موجب بصیرت ہوں۔ بعض اہم شبہات کا جواب ہم کتاب کشف الاسرار میں لکھ چکے ہیں۔ اہل تحقیق وہاں سے مطالعہ فرمائیں۔ یہاں حاشیہ میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اور شہید کی شان سمجھنے کیلئے یہی قدر اشارات کافی ہیں۔ واللہ اعلم باسرار اولیائہ + مؤلف

میں بیشمار مختلف درجے ہیں بعض ایسی ہیں جو ایک دو روز میں ہی خشک ہو جاتی ہیں۔ اور بعض ایک یا دو ماہ بعد، بعض اپنے موسم تک باقی رہتی ہیں۔ اور پھر خشک ہو کر فنا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض کئی کئی برس تک باقی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض درخت ایسے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو ہزار ہا برس تک قائم و باقی رہتے ہیں۔ اور اس وقت دس ہزار سال عمر کے درخت دنیا میں موجود ہیں۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ باوجود جسیم ہونے کے بھی سخت سردی و برف وغیرہ کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور بعض باوجود نہایت نازک بیل ہونے کے موسم سرما میں اسی طرح باقی رہتے ہیں۔ پس اگر ان چیزوں کو دیکھکر بظاہر حکم کیا جائے تو غلط ہوگا۔ عقل ظاہر بین ان میں کبھی صحیح حکم نہیں کر سکتی کدو کی بیل نہایت نازک ہوتی ہے کہ ذرا ہلنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور خراب ہو جاتی ہے اس نازک بیل میں ایک ایک کدو بیس بیس سیر کا لگتا ہے۔ اور ایسا سخت و مضبوط ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات چاقو سے نہیں کٹتا، اگر کدو کو توڑ کر اور بیل سے علیحدہ کر کے ایسے شخص کو دکھلایا جائے جو اس سے واقف نہیں ہے۔ اور کہا جائے کہ یہ پھل اس نازک بیل سے پیدا ہوا ہے اور نکلا ہے۔ تو وہ اس کے ظاہر پر نظر کر کے یہی کہے گا کہ بالکل غلط ہے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کو کبھی یقین نہ آئے گا۔ کہ یہ کدو اس نازک بیل سے نکلا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ وہ ظاہر نظر کر کے حکم کرتا ہے۔ لیکن جو شخص اس کی حقیقت سے واقف ہے اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہوگا۔ غرض حسب ظاہر حکم کرنا غلطی ہے۔ موجودات عالم کی قوتوں اور ان کی بقا و نشو و نما کا یہ فرق ظاہری جسامت و مادیت پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ باطنی قوت پر موقوف ہے جس میں وہ قوت زیادہ ہے۔ زیادہ دیر باقی رہتا ہے۔ اور سردی و گرمی و ہوا کے صدمات کو برداشت کرتا ہے۔ اور جس میں قوت کم ہے۔ وہ کم باقی رہتا ہے اور صدمات ارضی و سماوی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ بہرحال یہ نقص و کمال قوت باطنی کا نتیجہ و اثر ہے۔ نہ کہ ظاہری جسامت وغیرہ کا۔

(حکایت) دو طالب علم عراق عرب سے تحصیل علوم کر کے اپنے وطن بخارا کو واپس جا رہے تھے۔ ایک ان میں کمسن لاغر اور قصیر القامت تھا۔ اور لباس بھی معمولی پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا کبیر السن۔ طویل القامت اور جسیم تھا۔ اور جبہ، عبا، قبا، عمامہ، کفش وغیرہ سے آراستہ۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ بڑے نے کہا، تم اتنے دنوں عراق میں رہے مگر کچھ نہ

گیا۔ وطن پہنچو گے۔ تو تمہاری کچھ عزت نہ ہوگی۔ لوگ جب میری عبا قبا۔ جبہ و دستار اور داڑھی اور اس جسم کو دیکھیں گے۔ میری عزت و توقیر و تعظیم کریں گے۔ اور بڑا عالم سمجھیں گے اور تمہیں کوئی پوچھے گا بھی نہیں چھوٹے نے ایک حکایت بیان کی کہ جناب عالی ایک درخت مدت سے ایک جنگل میں کھڑا تھا۔ اس کے نیچے سے ایک بیل اُگی اور تین ماہ کے عرصہ میں درخت کی چوٹی سے بلند ہوگئی اور درخت سے کہنے لگی کہ میں تین ماہ میں اتنی بڑھ گئی۔ اور تو اتنی مدت سے یہاں کھڑا ہے۔ مگر کچھ ترقی نہیں کی۔ درخت نے جواب دیا۔ جب ہوا چلیگی اور برف پڑے گی۔ ترقی معلوم ہو جائے گی۔ سو جناب عالی جب آپ سے کوئی علمی سوال کیا جائیگا اس وقت آپ کی قلعی کھل جائے گی۔ بزرگی بعقل است نہ بسال و نہ بہ لباس۔ صورت علماء دلیل علم نہیں۔ اسی طرح صورت ظاہری جسمانی دلیل اصل کمال و فضیلت نہیں۔

بہر حال اسی طرح سے انسان بھی بیشمار مختلف درجے رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف و متفاوت ہوتے ہیں۔ بعض باعتبار جسامت بہت لاغر ہوتے ہیں۔ مگر قوت و طاقت میں جسیموں سے زیادہ۔ بعض معمولی حادثے کی برداشت نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خواہ ان پر کتنے ہی مصائب نازل ہوں مضطرب نہیں ہوتے وعلیٰ ہذا القیاس۔

تحمل انبیاء علیہم السلام

انبیا اگرچہ صورت بشری میں ہوتے ہیں مگر مصائب و شدائد میں سب سے زیادہ متحمل ہوتے حضرت ابراہیمؑ سولہ برس کے سن میں نمرود کے مقابلہ پر آتے ہیں۔ جو خدائی کا دعوے کرتا ہے بتوں کو توڑتے ہیں۔ ذرا خائف اور ہراساں نہیں ہوتے نہ بھاگتے ہیں۔ نہ چھپتے ہیں۔ بلکہ کمال استقلال سے قوم کو جواب دیتے ہیں۔ فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ یعنے اگر بت کلام کر سکتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کو کس نے توڑ کر فنا کر دیا ہے۔ بعض نافہم اس مقام سے حضرت ابراہیمؑ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت نے نعوذ باللہ جھوٹ کہا۔ بلکہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے تمام عمر میں تین دفعہ جھوٹ کہا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہے یہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ یک قسم کا استدلال و احتجاج ہے اسکاتِ خصم کے لیے۔ چنانچہ وہ ایسے لاجواب و ساکت ہوئے کہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور سخت شرمندہ ہوئے (والتفصیل فی مقامہ)

نیز بکمال قوت قلب نمرود سے مباحثہ کیا۔ اوّل دلیل جدلی سے اس کو ملزم کیا اور پھر برہان

واقع ہے "فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ" وہ کافر حیران و لاجواب رہ گیا۔ اسی واسطے خدا فرماتا ہے۔ لَا
يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ۔ انبیاء میرے پاس کچھ خوف نہیں کرتے اور کسی سے نہیں ڈرتے۔

رفع اشتباہ

بعض آیات سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء سے خوف ظاہر ہوا ہے
جیسا کہ حضرت موسیٰ فرماتے ہیں۔ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ یعنی میں نے تم
سے ڈر کر تم سے فرار کیا۔ لہذا اس آیت اور پہلی آیت میں بظاہر منافات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت
موسیٰ جیسے نبی فرعونیوں سے ڈرے کیوں؟ جواب یہ ہے کہ اول تو یہ خوف آیات الٰہی سے تھا نہ
کہ فرعونیوں سے۔ دوم یہ کہ قبل بعثت تھا۔ یعنی جبکہ آپ کو اظہار نبوت اور مقابلہ کی اجازت
نہ ملی تھی اور یہی وجہ حضرت ختمی مرتبت اور جناب ولایت مآب کے بت توڑنے کے بعد شعب
ابی طالب میں پوشیدہ رہنے کی ہے نہ کہ ابوجہل یا دیگر مشرکین مکہ کے خوف سے چھپے تھے۔ چنانچہ منقول
ہے کہ جب ابوجہل نے بتوں کو ٹوٹے ہوئے دیکھا تو حضرت ابوطالب سے کہا کہ یہ کام سوائے تمہارے
بیٹے سرخ چشم علی کے اور کسی کا نہیں۔ تو اس وقت حضرت نے اقرار کیا ہے کہ ہاں میں نے توڑے
اور میں اس پر مامور تھا اور یہاں تو خوف کا ذکر بھی نہیں ہے۔ حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم مشرکین سے
ڈرے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم دونوں پوشیدہ رہے۔ واختفینا بینہ این ہم دونوں رات چھپے رہے۔

قاعدہ کلیہ

پیغمبر اور امام ہر وقت تابع حکم الٰہی ہے۔ بلا اس کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس
بعض وقت اس کو جدال و قتال کا حکم ہوتا ہے اور بعض وقت اس پر مامور نہیں
ہوتا۔ جس وقت مقابلہ و قتال پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت اگر سارا عالم اس کے مقابلہ پر آ جائے
کبھی خوف نہ کرے گا۔ ہرگز نہ بھاگے گا۔ اگر بھاگے تو نبی اور امام نہیں۔ جس وقت مقابلہ و قتال
پر مامور نہیں۔ اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کرے یا تو اپنے کو چھپائے یا کوئی
معجزہ ظاہر کر کے دشمن کو رد کرے اور دشمن کو ضرر پہنچائے جیسا کہ بعض اوقات حضرت ختمی
مرتبت سے ظاہر ہوا کہ دشمن قتل کے ارادے سے آیا ہے۔ اور ہاتھ اٹھایا ہے تو ہاتھ خشک
ہو گیا مگر ہر وقت پیغمبر و امام آیات و معجزات ظاہر کرنے پر بھی مامور نہیں۔ اگر آیہ استیصال ظاہر
کرے تو سب کے سب فنا ہو جائیں۔ تو تبلیغ کس کو کرے گا۔ اور حجت خدا کس طرح تمام

نوٹ: حضرت عقیل بن ابوطالب نہایت تندمزاج تھے ایک مرتبہ آنکھیں دکھنے آگئیں۔ ان کی والدہ دوا ڈالنا چاہتیں تو
نہ ڈلواتے، ہر چند کوشش کرتیں۔ مگر نہ مانتے اور کہتے اول علی کی آنکھ میں ڈالو تو میں ڈلواؤں گا۔ مجبوراً
مجبوراً آپ علی کی آنکھ میں دوا باضرورت ڈالتیں اس وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اور حضرت علی [illegible]

ہو گئی۔ ہدایت باطل ہو جائے گی۔ ایسے وقت میں آیہ استعمال ظاہر نہیں کرتا بلکہ اپنی حفاظت کرتا ہے اور اگر وہ طلب بھی کریں تو فرماتا ہے قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (آل عمران ع ۱۹) یعنی مجھ سے پہلے اور رسول معجزات لیے کر آئے اور وہی معجزہ دکھایا جو تم مانگتے تھے۔ اگر تم سچے ہو۔ تو پھر تم نے اُن کو کیوں قتل کر دیا۔ اور ایمان کیوں نہ لائے۔ پس حضرت موسیٰ کو اپنی حفاظت کا خیال امور پر جہاد نہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور یہی معنی خوف انبیاء کے ہیں۔

فضائل و مقامات صبر

شدائد و ابتلاآت میں پیغمبر یا امام نے کبھی خوف نہیں کیا اور بھاگے نہیں بلکہ اس کے دفع کے لیے دعا بھی نہیں کی۔ مگر بعض انبیاء سے ایسا ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے دفع شدائد کے واسطے دعا کی ہے وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء بھی مساوی درجہ نہیں رکھتے ہیں۔ مقامات متفاوتہ رکھتے ہیں۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ انبیاء میں بھی خدا نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ایوب نے لسان معنوی میں زبان حال سے اس کی خواہش کی اور فرمایا رَبِّ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ اور لفظ ضُر ضاد کے پیش کے ساتھ بمعنی تکلیف باطنی ہے۔ نہ ضرر بمعنے نقصان مال وغیرہ اور جو قصّہ کرم وغیرہ حضرت ایوب کی نسبت مشہور ہے۔ وہ غلط ہے بلکہ آپ کا یہ فرمانا تکلیف باطنی کی وجہ سے تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ شیطان لعین نے آپ کی زوجہ کے پاس آ کر کہا تھا کہ اگر ایوب مجھے ایک دفعہ تعظیم دیتا تو اس کی ساری تکالیف دفع ہو جاتیں۔ چونکہ ناموس کا معاملہ تھا۔ حضرت ایوب کو شیطان کا اپنی زوجہ کے پاس آنا اور نبی کو اپنی طرف دعوت کرنا نہایت گراں گذرا۔ اس پر عرض کیا رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ اب یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا ہے اور نبی اولوالعزم کا صبر غیر اولوالعزم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حکم ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر کرو۔ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم (احقاف) یعنے اے پیغمبر مثل انبیاء اولعزم صبر کرو اور ان کے لیے عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور فرمایا ولا تکن کصاحب الحوت اور مثل یونس ابن متی نہ ہو کہ انہوں نے طلب عذاب میں جلدی کی۔ اور انبیاء اولوالعزم کا سا صبر نہ کیا۔ غرض صابر تو تمام انبیا ہوتے ہیں لیکن جب

تفاوت نبوت درجات مختلفہ رکھتے ہیں۔ مگر اس صفت سے متصف سب ہوتے ہیں۔ سورۂ
انبیاء میں بعد ذکر انبیاء کے حق میں فرماتا ہے واسمٰعیل وادریس وذا الکفل کل من الصابرین
وادخلناھم فی رحمتنا انھم من الصٰلحین ایسے ہی مدح حضرت اسمٰعیل میں دوسری جگہ
بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ صابر تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کے استفسار کے جواب میں فرمایا
ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین اور آیۂ مجیدۂ وجعلناھم ائمۃ یھدون
بامرنا لما صبروا میں ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو امام اسی وجہ سے بنایا گیا کہ وہ صابر ثابت ہوئے
اور سورۂ والعصر میں فرماتا ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جو
ایک دوسرے کو وصیت بالصبر کرتے ہیں ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صبر خاصۂ
نبوت وامامت ہے اور امام کی شناخت صبر سے ہوتی ہے۔

نکتہ بلیغہ۔ ان آیات میں جن میں صبر انبیاء کا ذکر ہے خواہ ان کی زبانی یا خود خداوند
عالم نے ان کی مدح کے موقع پر فرمایا ہے لفظ (من) موجود ہے یعنی من الصابرین ہے کہ وہ
صابرین میں سے تھے اور اسی طرح جہاں کہیں صالحین کا ذکر ہے وہاں بھی یہی حال ہے کہ مِنَ
الصّٰلحین ہے ... جہاں ہیں من المسلمین چنانچہ حضرت نوح کا قول وَّاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ
الْمُسْلِمِیْنَ ... ان سے مقدم ہو چکے کہ صابر اول صالح اول مسلم اول کوئی اور ہو چکے ہیں کہ جن میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں اب سمجھنا چاہیئے کہ صابر اول، صالح اول کون ہے؛

بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اول مسلم ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت نوح
ان سے پہلے ہیں وہ فرماتے ہیں انا من المسلمین۔ پس حضرت نوح سے پہلے وہ مسلمین موجود تھا
لہذا اول المسلمین حضرت ابراہیم نہیں بلکہ اول المسلمین وہ ہے جو فرماتا ہے اُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ
اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنے اول المسلمین سوائے ذات بابرکات حضرت رسالتمآب صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم اور کوئی نہیں ہے۔ وہی جناب فرماتے ہیں انا اول المسلمین پس وہی اول
صابرین وصالحین ہیں ؛

معنی صبر | معنی صبر "کَفُّ النَّفْسِ عَمَّا لَا یَنْبَغِیْ بِہٖ" یعنے نفس سے وہ باتیں صادر
وظاہر نہ ہوں جو مناسب نہیں ہیں اور یہ غلط ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں
کہ صبر کے یہ معنی ہیں کہ انسان مصائب وشدائد وبلیات میں چپ چاپ خاموش بیٹھا رہے
کچھ نہ بولے۔ کیونکہ نصوص آیات اس کی نفی کرتی ہیں۔ دیکھو قصۂ حضرت یعقوب جن کی نسبت یا بئن

کہ حضرت یوسف نے اپنے پاس رکھ لیا اور برادران یوسف نے حضرت یعقوب سے یہ حال بیان کیا تو حضرت یعقوب نے فرمایا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ یعنی میرا صبر صبر جمیل ہے یا میں صبر جمیل کرتا ہوں اور اُن کے پشت پھیرتے ہی فرمایا یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ ہائے افسوس یوسف پر یا حرف ندا ہے اور اسفیٰ میں الف حرف ندبہ ہے اور ندبہ آواز بلند رونے اور فریاد کرنے کو کہتے ہیں لہٰذا یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت یعقوب باواز بلند روئے اور پھر اس کو صبر جمیل فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ رونا خلاف صبر نہیں بلکہ رونا اور اپنے حزن وملال کو اپنے پروردگار کے سامنے عرض کرنا عین صبر ہے نہیں بلکہ صبر جمیل ہے چنانچہ اس آیت میں حضرت یعقوب کا یہ قول ہے۔ قَالُوْا تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھٰلِکِیْنَ۔ قَالَ اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اس پر ان کے بیٹوں نے کہا کہ تم برابر یوسف کو یاد کیے جاؤ گے یہاں تک کہ عشق میں گُھل کر لاغر قریب بہلاکت یا ہلاک ہو جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنی پریشانی اور اپنے حزن وملال کی اپنے اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں۔ اور میں من اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے پس رونا اور اپنے خدا سے اپنی تکالیف کا ذکر کرنا بےصبری نہیں ہے۔ بلکہ عین صبر ہے نہیں بلکہ صبر جمیل ہے۔

اسی طرح حضرت ایوبؑ کا رونا مشہور ہے۔ مگر حضرتؑ کو قرآن میں صابر کہا ہے لہٰذا اگر رونا خلاف صبر ہوتا۔ یا بُرا کام ہوتا تو انبیاء سے ہرگز صادر نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کا ہر فعل فعل خیر ہوتا ہے نہ کہ شر۔ اِنَّھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ پس فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ہم کو چاہیے کہ رونے میں انبیاء علیہم السلام کی تقلید کریں اور خوب روئیں فَلْیَضْحَکُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا ٭

معنی بے صبری | بے صبری دراصل یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ خدا پر اعتراض کرے کہ تو نے ایسا کیوں کیا یا تو نے برا کیا یا مجھ پر ظلم کیا یا سوائے خدا کے کسی دوسرے سے شکایت کرے یعنی فعل فاعل پر اعتراض کرنے کا نام بے صبری ہے۔ خود حضرت موسیٰ و حضرت خضر کے قصہ سے پوری تصدیق ہوتی ہے۔ قَالَ لَہٗ مُوْسٰی ھَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا. یعنی حضرت موسیٰ نے کہا کیا اس شرط پر تمہارے ساتھ چلوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو جو تمہیں منجانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا حضرت خضر نے فرمایا

کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یعنی تمہارے وجود میں وہ قوت ہی نہیں ہے۔ کہ تم صبر کرسکو۔ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا۔ اور تم کیونکر اس بات پر صبر کرسکتے ہو۔ جس پر تمہارا علم احاطہ نہیں رکھتا۔ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا۔ کہا انشاءاللہ تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہاری کسی امر میں مخالفت نہ کروں گا۔ پس حضرت موسیٰ نے کشتی توڑنے پر اعتراض کیا تو حضرت خضر نے جواب دیا۔ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا؟ کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت ہی نہیں رکھتے ہو۔ پھر جب قتل غلام پر اعتراض کیا تو پھر حضرت خضر نے یہی فرمایا۔ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے صبری فاعل کے فعل پر اعتراض کرتا ہے۔ اور وہ اکثر نتیجہ ہے لاعلمی کا انسان کو جس بات کا علم نہیں۔ اس پر صبر نہیں کرسکتا۔ دیکھی مثال۔ جراح جس وقت فصد کھولتا ہے۔ یا کسی عضو کو کاٹتا ہے۔ اگر وہ شخص عالم ہے اس بات کا کہ اس عمل سے اس کو کس قدر فائدے حاصل ہوں گے۔ اور کیسے کیسے مفید نتائج مرتب ہونگے اور یہ معمولی سی تکلیف ہمیشہ کے آرام کا باعث ہوگی تو وہ اس تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ اور خوشی سے عضو کٹوا دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جو شخص اس سے ناواقف ہے وہ صبر نہ کرسکے گا۔ اور اس کو گوارا نہ کرے گا۔ پس بے صبری دلیل بےخبری ہے اور صبر موافق مقدار علم ہوتا ہے۔ جس کا صبر زیادہ ہے اس کا علم بھی زیادہ ہوگا۔ یا یوں کہئے کہ جس قدر جس کا علم وسیع ہوگا۔ اسی قدر اس کا صبر وسیع ہوگا۔ غرض الصبر مراحل علم سے ہے۔ اور صابر مطلق خدا ہے اور صبر اس کا ذاتی۔ فرعون اس کے مقابلہ میں دعوے خدائی کرتا ہے۔ اور خدا اسکو چار سو سال تک مہلت دیتا ہے۔ اور انتقام نہیں لیتا۔ اور مظہر اس صبر مطلق کا ذات مقدس محمدی ہے جس قدر بلیات پڑتی ہیں بخوشی ان کا تحمل فرماتے ہیں قوم سے جس قدر مصائب پہنچتے ہیں۔ اس کی شکایت نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے یہی دعا کرتے ہیں۔ رَبِّ اهْدِ قَوْمِي إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ یعنی اے میرے پروردگار میری قوم کو ہدایت دے کہ میری قدر کریں کہ یہ جاہل ہیں مجھے نہیں پہچانتے۔ کیونکہ آپ بعثت کے فوائد و عواقب کو خوب جانتے تھے۔ لہذا باوجود گوناگون مصائب و شدائد کے قوم کے حق میں دعا کرتے تھے۔ نہ کہ بددعا جنگ احد میں حضرت کے لب و دندان مبارک مجروح ہوتے ہیں مگر آپ شکایت نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا احاطہ علمی نہایت وسیع ہے۔ غرض بے صبری نتیجہ بےعلمی ہے۔ اور اسی بنا پر حسب مراتب علمیہ کمی و بیشی ہوتا ہے۔

صبر ابراہیمؑ و اسمٰعیل

اولاد جزو انسان ہوتی ہے۔ اس کی مفارقت و جدائی نہایت شاق گذرتی ہے۔ ان کی تکالیف سخت دردانگیز ہوتی ہیں۔ کون انسان ہے جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو سامنے ذبح ہوتے دیکھ سکے۔ چہ جائیکہ بطیب خاطر ذبح کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔ یہ صرف حضرت ابراہیم کا کلیجہ تھا۔ واقعاً جو کام انہوں نے کیا کسی سے نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسے بیٹے کے ذبح کے لئے تیار ہو گئے جو پیغمبر برگزیدہ خدا تھے۔ کیونکہ اس کے انجام سے واقف تھے۔ اور چونکہ حضرت اسمٰعیل بھی پیغمبر تھے اور علم احاطی رکھتے تھے۔ باپ کے استفسار پر انکار نہیں کیا اور نہ اعتراض کیا فوراً ذبح کے لئے آمادہ ہو گئے اور فرمایا۔ یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ۔

صبر ابراہیم کربلا

لیکن جو صبر امام حسین فرزند پیغمبر نے کیا ہے وہ نہ کسی نبی سے ہو سکا اور نہ وصی نبی سے وہ مظہر صبر محمدی ہے اگر تمام پیغمبروں کے صبر جمع کر کے صبر حسینی سے موازنہ کیا جائے تو صبر حسینی بدرجہا راجح ہوگا۔ حضرت نوح جیسا پیغمبر اولوالعزم قوم کے ظلم سے تنگ آکر یہ دعا کرتا ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا۔ مگر ابراہیمی قربانی کو حسین ہی روز عاشورا فضیلت میں لے گئے۔ یعنے مقصود یہ تھا کہ جو امر اس وقت فعلیت میں نہ آسکا اُسے میں بجالاتا ہوں۔ واقعاً امام حسین نے حضرت ابراہیم سے کہیں زیادہ کر دکھایا۔ اس بات میں مورخین کو اختلاف ہے کہ خاندان بنی ہاشم میں روز عاشورا پہلا شہید کون ہے؟ لیکن فرمائش امام زمان عجل اللہ فرجہ سے ظاہر ہے کہ اول مقتول علی اکبر فرزند سبط پیغمبر ہیں۔ سب سے پہلے اپنے ہی لخت جگر کو قربان کیا تاکہ دوسروں کے لئے حجت و دستورالعمل ہو۔ حضرت ابراہیم اول جناب اسمٰعیل سے استفسار کرتے ہیں کہ مجھکو خدا کا حکم اس طرح سے پہنچا ہے۔ کہ میں تمہیں ذبح کروں تمہاری اس میں کیا رائے ہے؟ مگر حسینؑ مظلوم کے صبر کو دیکھئے کہ وہ استفسار نہیں فرماتے مشورہ نہیں لیتے۔ بلکہ اول ہی فرماتے ہیں۔ یَا بُنَیَّ تَقَدَّمْ ہٰذَا اے فرزند میدان جنگ میں شہید ہونے کے لئے جاؤ۔

حضرت علی اکبر فوراً حکم سنتے ہی چل دیتے ہیں۔ اس وقت حسین ان کی آمادگی دیکھکر فرماتے ہیں اِلَیَّ اِلَیَّ اے فرزند میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔ حضرت علی اکبر واپس آئے تو حضرت نے صندوق اسباب و تبرکات نبوت طلب فرمایا اس میں سے زرہ ذوالفضول نکال کر خود پہنی اور جو خود پہنے ہوئے تھے اُتار کر شہزادہ علی اکبر کو پہنا دی اور عمامہ سحاب اپنے سر مبارک پر رکھا اور عمامہ سیاہ جو سر اقدس پر تھا علی اکبر کے سر پر رکھدیا۔ اسی طرح شمشیر جناب میر

نکال کر آپ نے لڑی اور اپنے تلوار علی اکبر کی کمر سے باندھی۔ اور اسپ سابح جس کو عقاب بھی کہتے تھے منگایا اور علی اکبرؑ کو اس پر سوار کیا۔ اس وقت تمام عورتیں قطار باندھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھیں جب تمام ہتھیار زیب تن فرما چکے اور علی اکبر جانے لگے۔ اس وقت حسینؑ مظلوم نے یہ آیت تلاوت فرمائی
إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ یعنی درجات و مقامات حضرت علی اکبرؑ بیان فرماتے ہیں کہ بعد درجۂ امامت میری ذریت میں سے یہ جوان سب سے افضل ہے اور پھر فرمایا
اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَاِنَّهٗ قَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَّخُلُقًا وَّمَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰى وَجْهِهٖ۔
یعنی اے پروردگار اس قوم پر گواہ رہو کہ اب تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے وہ شاہزادہ چلا ہے۔ جو خلق اور خُلق رفتار و گفتار میں تیرے رسول سے مشابہ ہے اور جب ہم تیرے پیغمبر کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس کی صورت زیبا دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کو کہاں حاصل تھی بہت فرق ہے ذبیح منیٰ اور ذبیح کربلا میں حضرت ابراہیم اپنے اس فعل خاص کی وجہ سے فتیٰ کے لفظ سے متصف و ملقب ہوئے کیونکہ فتیٰ (جوانمرد) اس شخص کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں اپنے جان و مال عزت و ناموس سب سے گذر جائے۔ اور سب کچھ قربان کردے۔ کسی چیز کی پروا نہ کرے ❊

اصحاب کہف کو اسی لفظ سے یاد کیا ہے کَانُوْا فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ یعنی وہ چند جوانمرد تھے۔ جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ ان سے کیا فتوت (جوانمردی) ظاہر ہوئی تھی صرف یہ کہ اپنا مال و دولت۔ جاہ و حشم چھوڑ کر چلے گئے اور دین سے منہ نہ موڑا مگر حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام آیۂ قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔ یعنی کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ اصحاب کہف ہماری آیات عجیبہ سے ہیں اور مطلب حضرت کا یہ ہے کہ میرا حال اصحاب کہف سے کہیں عجیب تر ہے۔ جو اصحاب کہف نے کیا ہے۔ وہ تو میرے اصحاب سے ظاہر ہوا ہے بلکہ اس سے زیادہ۔ میرا معاملہ تو ان سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہے۔ ان کو یہ یقین نہ تھا۔ کہ ان کے بعد ان کے اہل و عیال لوٹے جائیں گے۔ یا اسیری کی بلا میں مبتلا ہوں گے۔ اور در بدر پھرائے جائیں گے۔ ان کا

جوان بیٹا اُن کے سامنے سنانِ ظلم کا شکار نہ ہوا تھا۔ اُن کے سامنے عباسؑ جیسے برابر کے بھائی کے شانے نہ کاٹے گئے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر چھ مہینہ کا بچہ تیرِ ظلم و ستم کا نشانہ نہ ہوا تھا کون اندازہ کر سکتا ہے مصائب ابراہیمِ کربلا کا۔ اگر تنہا مصیبت ہو تو اس کا موازنہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب بیشمار مصیبتیں ایک بار وارد ہوں۔ اس وقت یہ اندازہ مشکل ہے کہ کون سی مصیبت سب سے بڑی ہے سب سے بڑی وہ مصیبت ہے جو صابر کامل کو مضطرب کر دے۔ اگرچہ بعض اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبر کی مصیبت حضرت ابی الفضل العباس کی مصیبت سے بڑھی ہوئی تھی۔ کہ ان کی شہادت پر پردگیان عصمت و طہارت خیمے سے باہر نکل پڑی تھیں مگر امام مظلوم کو عباسؑ کی شہادت زیادہ ناگوار گذری اور سخت اثر کیا۔ مورخین نے اتفاق ایک لفظ لکھا ہے وہ یہ ہے "سَقَطَ کَالصَّقرِ المُنقَضِّ" یعنی جس وقت امام مظلوم ہم شکل پیغمبر کی لاش پر پہنچے ہیں تو اس طرح سے بے اختیار ہو کر لاش پر گرے۔ جس طرح شکاری پرند اپنے شکار پر گرتا ہے۔

مگر جس وقت حضرت عباسؑ کے لاشے پر پہنچے ہیں۔ تو وہاں بھی اسی طرح سے مضطراً گرے مگر ایک زیادتی فرمائی یعنے بھائی کی لاش کو دیکھکر فرمایا۔ "اَلاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِیْ وَ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ" یعنے میرے قوتِ بازو کے شانے کٹ جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور روح حیات جاتی رہی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

موعظۂ ششم

۷ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

مسلمانوں کی حالت

اخبارات چند روز سے ایک مضمون خاص عزاداری و گریہ و بکا حرام و بدعت ہے اکو شائع کر رہے ہیں۔ افسوس ہے اہل اسلام کی اس حالت پر۔ اگر ایک چیز نہ ہوتی۔ تو یہ اختلاف و افتراق پیدا نہ ہوتا یعنی اگر آراء شخصیہ

کو دین میں دخل نہ ہوتا تو یہ صورت نظر نہ آتی۔ شخصی رائیں جزو دین ہو گئی ہیں۔ کہ اس وقت اُن کا جدا کرنا ناممکن ہے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ عالم جو بات کہتے تھے۔ جاہل اس کی تقلید و پیروی کرتے تھے۔ مگر یہاں جاہل بھی دین میں دخل دیتے ہیں۔ اور امر کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ اگر کسی عالم سے دریافت کریں اور بحث کریں۔ اور پھر مغلوب و محجوب ہو جائیں۔ تب بھی قبول نہیں کرتے اپنی ہی رائے کی پیروی کرتے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ اپنی رائے کو قرآن کے موافق و مطابق کریں۔ مگر یہاں قصہ بالعکس ہے چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی رائے کے موافق کریں۔ اگر قرآن اُن کی رائے کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے صاف اعراض کرتے ہیں۔ جب یہ صورت ہو تو پھر اتفاق کیونکر ہو سکتا ہے۔

اگر ایک چیز بھی مسلمانوں میں مابہ الاشتراک ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔ اگر تمام اہل اسلام قرآن کی پیروی کرتے تو ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتے۔ جس وقت سے نئی روشنی پھیلی ہے حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہزار دلیلیں پیش کرو۔ اگر ان کی رائے کے خلاف ہیں تو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ ایسی صورت میں یا سکوت کریں یا اخیر الدواء الکی آخری علاج داغ ہے پر عمل کریں ✤

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں مابہ الاشتراک موجود ہے تو کہا جائے گا۔ کہ پھر ایک دوسرے کی تکفیر کیوں کی جاتی ہے؟ یہ سچ ہے کہ اسلام مابہ الاشتراک ہے۔ لیکن مسلمان قانون اسلامی کی پیروی نہیں کرتے۔ اگر قانون اسلام کی پیروی کرتے تو یہ حالت نہ ہوتی اور ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتا۔ مسلمان زبانی تو بہت کہتے ہیں کہ قرآن ہماری کتاب ہے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن عمل میں اتفاق نہیں۔ صرف زبانی ہی جمع خرچ ہے ✤

اسلام کوئی قانون رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو وہ قانون کامل ہے یا ناقص؟ اگر کہا جائے کہ اسلام میں کوئی قانون ہی نہیں۔ اور قرآن قانون سے معرا ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے اس واسطے کہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ ہر خشک و تر کتاب مبین میں موجود ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ قانون تو ہے مگر قانون ناقص ہے۔ جیسا کہ بعض ناعاقبت اندیش عالم نما جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کی اب ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس وقت کے لئے اس کے قوانین کافی نہیں۔ یہ صرف جہال عرب کے واسطے تھے معاذ اللہ تو محض غلط اور کذب صریح ہے۔ کیونکہ

قرآن فہمی

یہ تو ثابت ہوا کہ قرآن قانون مکمل ہے۔ لیکن کیا ہر شخص قرآن کو سمجھ سکتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے تو یہ قول بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ قرآن بزبان عربی نازل ہوا ہے جو شخص عربی نہیں جانتا وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ بغیر علوم عربیہ صرف نحو معانی و بیان کی تحصیل کے قرآن نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک عربی دان قرآن کو سمجھتا ہے تو وہ بھی غلط و ظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہے تو یہ اختلاف کہاں سے آیا۔ علامہ زمخشری علم نحو میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور امام فخر الدین رازی منطق و فلسفہ میں لیکن رازی نے جو تفسیر لکھی ہے وہ زمخشری کی تفسیر کا رد ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر فہم قرآن عربیت پر ہی موقوف ہو تو مفسرین میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا کہ ایک تفسیر دوسرے کی رد اور اس کے بالکل برخلاف ہے پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حاوی علوم عربیہ بھی قرآن کو نہیں سمجھتے تو پھر ایسی کتاب جس میں حذف و اضمار، ایجاز، اطناب، اجمال، اطلاق، عموم، خصوص، ناسخ، منسوخ ہے پیغمبر کس کے واسطے لایا؟ شاید اپنے ہی واسطے لایا ہے اور حق یہ ہی ہے کہ قرآن پیغمبر کے واسطے نازل ہوا ہے اور وہی اس کا مبین و مفسر ہے جیسا کہ خدا خبر دیتا ہے "وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" ایضاً "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ"۔ اور آیات متشابہات کے باب میں فرمایا ہے "لَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا" آیات متشابہات کی تاویل سوائے اللہ و راسخون فی العلم پیغمبر اور وہ نفوس جو مثل پیغمبر ہیں۔ اور کوئی نہیں جانتا۔ اول مبین و مفسر قرآن پیغمبر ہے۔

بقیہ حاشیہ: خدا نے تو دین کامل و تمام نازل فرمایا تھا اگر رسول نے تبلیغ میں تقصیر کی اور درست نہ پہنچایا؟ حالانکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے کتاب میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی اور اس میں ہر شے کا بیان موجود ہے اور اس میں باہمی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ اگر یہ منزل من اللہ نہ ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے اور بے شک قرآن کا ظاہر انیق اور باطن عمیق ہے اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور ظلمات جہالت و ضلالت اسی کی روشنی سے دور ہوتی ہیں بادلگ بغیر [illegible] سے فتوے دیتے ہیں اور احکام بنا لیتے ہیں قیاس پر عمل کرتے ہیں وہ گویا تو شریک خدا ہیں یا ان کا یہ حق ہے دین [illegible] کرنے والے اس کے مقابلہ میں ہی ہیں یا ترجیح دینے والے اپنی نقلی کو [illegible] اجتہادی کے پردے میں چھپ کر اس کی مخلوق کو دھوکا دینے والے اور اپنی خلافت سے رسول اللہ کو بھی مجتہد اور [illegible] میں غلطی کرنے والا ثابت کرتے ہیں اور ایسے ہی [illegible] نے حق سے دنیائے اسلام میں اختلاف کا طوفان اٹھایا ہے اور [illegible]

([illegible])

علت نزول قرآن رفع اختلاف ہے

"وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ" (الخ) یعنے اے پیغمبر نہیں نازل کیا ہم نے قرآن کو مگر اس لیے کہ تو تمام اختلافات کو رفع اور بیان کردے اور رفع اختلاف اہل ایمان کے لئے رحمت وہدایت ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ہر ایک اختلاف کو حضرت قرآن سے رفع فرما دیتے تھے۔ اگر کبھی بلا آیت تلاوت فرمائے جواب دے دیتے تھے تو لوگ دریافت کرتے تھے کہ حضرت آپ یہ خدا کی طرف سے فرماتے ہیں۔ یا اپنی طرف سے حضرت اس کے جواب میں ایک آیت تلاوت فرما دیتے تھے۔ غرض ہر ایک اختلاف کو قرآن سے رفع فرماتے اور ہر ایک کا جواب قرآن سے دیتے تھے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ قرآن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے تو گویا پیغمبر نے تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی۔ کیونکہ قرآن رفع اختلاف کے واسطے اترا ہے نہ کہ اختلاف کے واسطے اور پیغمبر بھی اختلاف مٹانے کے واسطے آیا ہے نہ کہ اختلاف پیدا کرنے کے لیے یہاں سے وہ خیال بھی باطل ہے جو بعض لوگ رکھتے ہیں کہ اختلاف امت محمدی رحمت ہے۔ اور "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ" حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اختلاف کسی وقت میں رحمت نہیں ہو سکتا۔ آیت رفع اختلاف کو رحمت ثابت کرتی ہے نہ کہ اختلاف کو اور یہ حدیث خلاف نص آیت قرآنی ہو کبھی تسلیم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس حدیث کو اسی معنی میں صحیح مانا جائے تو گویا پیغمبر نے خلاف فیصلہ قرآنی کیا اور یہ خلاف شان نبوت ہے لہذا حدیث اگر صحیح مانی جائے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے ہاں اگر اختلاف سے آمد و رفت امت شہر دل میں مراد لیجائے تو ایک صورت صحت نکل سکتی ہے ؛

لیکن پیغمبر ایک زمانہ خاص تک ظاہر رہا۔ اب اس وقت موجود نہیں ہم کیا کریں؟ ضروری ہے کہ بعد پیغمبر مبین و مفسر قرآن موجود ہو۔ جو ان اختلافات کو رفع کرے اور اس کے سینے میں قرآن موجود ہو۔ بعد پیغمبران ماسبق کتب سالقہ کے محافظ پیغمبر اور اوصیاء پیغمبر ہی تھے۔ بس قرآن جو اکمل اور ناسخ کتب ہے اس کے لئے محافظ کیوں نہ موجود ہو۔ ضرور بعد پیغمبر اس کے محافظ مثل پیغمبر موجود ہیں اور وہ وہی نفوس ہیں جن کے سینوں میں قرآن موجود ہے "بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (الخ) اور ان نفوس قدسیہ کی تعیین و تشخیص میں پیغمبر نے جو حدیث بیان فرمائی ہے تقریباً وبتواتر طریق سے وارد ہوئی ہے۔ موالف ومخالف نے

نقل کی ہے۔ کتبِ فریقین پُر ہیں حتیٰ کہ علامہ ابن حجر مکی نے بھی تقریباً پندرہ طریق سے نقل کی ہے
کہ پیغمبر نے فرمایا: اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا
اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ
یعنی میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ۔ دوسرے میری عترت یعنی
اہل بیت جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھوگے۔ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ (قرآن
و اہل بیت) ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ جب تک لوگ حساب کتاب سے فارغ نہ
ہوں۔ پس مبیّن قرآن و مفسر قرآن اہل بیت پیغمبر ہیں۔ جو نہ قرآن سے جدا ہیں۔ نہ قرآن اُن
سے جدا ہے۔ اور وہی محافظ قرآن ہیں۔ بعد پیغمبر علم قرآن اُن سے حاصل کرنا چاہیے۔ تمام
اختلافات اہل بیت کی پیروی و متابعت نہ کرنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر اُن مبینین و
مفسرین سے قرآن کی پیروی کی جاتی اور اُن سے علم قرآن حاصل کیا جاتا تو دنیا میں یہ فسادات
و بے دینیاں ہرگز پیدا نہ ہوتیں۔

نوبت بایں جا رسید کہ اہل بیت سے تمسک اور ان کی متابعت تو کجا ذکر اہل بیت
کو حرام بتلایا جاتا ہے۔ معلوم نہیں اس کا مدرک و منشاء کیا ہے؟ کوئی آیت اس پر دلالت
کرتی ہے کہ ذکر اہل بیت نبوی حرام ہے یا حدیث؟

وہ ذریت ابراہیم جن کے واسطے دعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ یہی
اولاد پیغمبر ہے نہ کوئی دوسرا۔ تعجب ہے کہ ذریت ابراہیم جو مسلمان اسلام ہوتی ہے اس کا ذکر حرام
بتلایا جاتا ہے اور اتباع ملت ابراہیمی کا ادعا ہے۔

خدا قرآن میں اصحاب کہف کو ایسے کلمہ تعظیمی و تکریمی سے ذکر کرتا ہے جس سے ایک
برگزیدہ پیغمبر اپنے خلیل کو متصف کیا ہے یعنی لفظ "فتی" سے اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ
پھر اس سے قرآن میں ان کے کتے کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا حال بیان کیا ہے۔ کیونکہ اس نے
نیکوں کی متابعت اختیار کی تھی۔ ایک ثلث قرآن قصص و امثال سے پُر ہے نہ صرف انبیا
کے حالات۔ بلکہ مچھر، مکھی، چیونٹی تک کے قصص موجود ہیں پس اگر کوئی شخص حالات و قصص
انبیاء کو بیان کرے تو کیا اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصص و امثال جزو قرآن ہیں اور جزو دیانت
اور ہم کو حکم ہے کہ ہر روز بقدر امکان قرآن کی تلاوت کریں یعنی اُن قصوں کو پڑھیں اور ذکر
کریں فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ لہٰذا اگر کوئی کہے کہ ذکر ان چیزوں کا حرام ہے

تو قرآن پڑھنے سے منع کرتا ہے اور وہ کافر ہے اور منکر قرآن ہے تعجب ہے کہ ذکر گذشتہ جزئیات ہو اور ذکر ذریت ابراہیم و اولاد رسول حرام سمجھا جائے یہ عجیب و غریب دینداری ہے اگر قصص کو فضول قصص و حکایات سمجھکر اور امثال کو نامدل خیال کرکے اور قصص کفار کو اس لئے کہ یہ قصص کفار ہیں ترک کر دیا جائے تو پھر قرآن کہاں رہیگا۔ کیونکہ قرآن انہیں باتوں سے پُر ہے اور انہیں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذکر اولاد پیغمبر حرام ہے انہوں نے قرآن کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے پھر کس لئے پیغمبر روز قیامت اُن مسلمانوں کی شکایت نہ کرے اور کہے "رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ یعنی حضرت ختمی مرتبت روز قیامت بارگاہ الٰہی میں شکایت کریں گے۔ اور فرمائیں گے۔ اے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اس پر عمل نہ کیا۔

نظر عوام میں قصۂ عشق سے زیادہ شرمناک کوئی قصہ نہیں ہو سکتا اور قرآن میں عشق زلیخا کا قصہ موجود ہے بلکہ خدا اس کو احسن القصص (بہترین قصہ فرماتا ہے اور بہت سے فاجرین و فاسقین کے قصے قرآن میں مذکور ہیں کسی کا پڑھنا و ذکر کرنا حرام نہیں۔ پھر ذریت رسول کا ذکر کس طرح حرام ہوا؟ اول قصہ خوان خدا ہے جس نے یہ تمام قصص و حکایات و امثال ذکر فرمائے ہیں "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ" اور پھر پیغمبر کو ان کی تلاوت کا حکم دیا ہے کہ اگر پیغمبر اُن قصص کو بیان نہ کرے تو خلاف حکم خدا ہوگا۔ اور پیغمبر گنہگار ٹھہریگا۔ اور ہم کو بھی یہ حکم ہے کہ ہم سے جس قدر ممکن ہو قرآن کی تلاوت کریں۔ یعنی یہ قصص و حکایات پڑھیں۔ بیان کریں فَاقْصُصِ الْقَصَصَ۔ خداوند عالم اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے "اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا (الخ) ہم نے تمہاری طرف ذکر کو بھیجا ہے جو رسول ہے وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے یعنی ذکر نام حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

اور پھر فرماتا ہے "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔ پس اہل الذکر آل محمد و اہل بیت پیغمبر ہیں۔ انہیں سے دریافت کرنے کا حکم ہے۔ مگر تعجب ہے اہل اسلام پر کہ انہیں اہل الذکر و اہل بیت نبوی و ذریت رسول کے ذکر کو حرام کہتے ہیں۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا پیغمبر ہے۔ مگر حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شیعوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر پیغمبر سارے مسلمانوں کا ہے تو حسین جو فرزند رسول و جگر گوشۂ بتول ہے وہ بھی سارے مسلمانوں کا

ورنہ اگر حسینؑ شیعوں سے مخصوص ہے تو پیغمبرؐ بھی شیعوں ہی سے مخصوص ہے۔ اور مسلمانوں کا پیغمبر نہیں

ولنعم ما قیل :-

یُصَلِّیْ عَلَی الْمَبْعُوْثِ فِیْ آلِ ھَاشِمٍ
وَیُغْزِیْ بَنُوْہُ اِنَّ ذَا الْعَجِیْبٌ

ترجمہ :۔ پیغمبر بنی ہاشم پر تو درود بھیجتے ہیں اور اسکی اولاد سے لڑتے ہیں یہ نہایت عجیب بات ہے۔

ذکر گریہ و بکا

بعض محتاط مسلمان کہتے ہیں کہ ذکر حسینؑ تو ممنوع و حرام نہیں البتہ گریہ و بکا کرنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اول تو اس سے جسمانی نقصان پہنچتا ہے۔ دوسرے رونا فطری فعل ہے اس پر کسی قسم کا ثواب مترتب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ بنصوص آیات ثابت ہے کہ رونا مومنین و انبیاء کی صفات کا خاصہ ہے جیساکہ خداوند عالم فرماتا ہے "اَفَمِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَکُوْنَ وَلَا تَبْکُوْنَ"۔ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔ اس آیت سے گریہ و بکا کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ مگر مسلمان اس کو حرام کہتے ہیں یا للعجب!

ایضاً۔ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا۔ بنی اسرائیل یعنی جب آیات الٰہی ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور روتے ہیں۔ اور ان کا خشوع و خضوع بڑھ جاتا ہے +

ایضاً "وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیَاتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا" جب آیات پروردگار ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جو بالصراحت دال ہیں کہ رونا صفات خاصہ مومنین سے ہے۔ بلکہ خواص انبیاء سے ہے۔ پھر نہ معلوم حرام کیونکر ہو گیا۔ شان انبیاء میں فرماتا ہے۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا (مریم) جب آیات رحمٰن ان پر تلاوت کیجاتی ہیں تو روتے ہوئے سجدے میں جھک جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی مدح میں فرمایا ہے۔ حَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ" یعنے ابراہیم بہت بڑے بردبار اور بہت آہ آہ کرنے والے اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ پس رونا آہ آہ کرنا صفات انبیاء میں داخل ہے۔ اور ان کی مدح میں شامل ہے پھر کیا حرام اور خلاف تہذیب۔ بلکہ نہ رونا صفات مذمومہ سے ہے اور قساوت قلبی کی نشانی ہے۔ جو بہت ہی بری صفت ہے۔ جیساکہ خدا فرماتا ہے " ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (بقرہ) یعنی بعد اس کے تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں پس وہ مثل پتھر کے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ کیونکہ بعض پتھر ایسے ہیں۔ جن سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض ایسے ہیں۔ جو شق ہو جاتے ہیں اور ان سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں۔ جو خوف خدا سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے۔ پس جو لوگ مظلوم کی مصیبت پر آبدیدہ نہیں ہوتے اور آیات الٰہی کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے وہ پتھر سے بھی زیادہ قسی القلب ہیں۔ اور ان لوگوں کی قساوت قلبی کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ جو رونا تو در کنار۔ دوسرے رونے والوں کو بھی منع کرتے ہیں ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

یہ کہنا کہ چونکہ رونا فعل فطری ہے اور فطریات پر ثواب و عقاب مترتب نہیں ہوتا اس لئے رونے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ بھی عدم تدبر قرآن اور دیانت اسلامی سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ اگر یہ قول صحیح ہو۔ تو چاہیے نفس دین موجب ثواب نہ ہو بلکہ بیدینی باعث ثواب ہو کیونکہ خدا دین کو بھی فطری فرماتا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

غرض اس قسم کی تحریریں و تقریریں دراصل قرآن پر ایراد و اعتراض ہیں۔ اور انکار مخالفت دیانت اسلام پر دال۔

صبر و بے صبری صبر کے معنی سکوت کے لئے جاتے ہیں یعنی جب کوئی مصیبت نازل ہو تو آدمی خاموش بیٹھا رہے۔ ایک حرف زبان سے نہ نکالے اور اس پر آیۂ ذیل سے استدلال بھی لاتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یعنی وقت مصیبت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہیں اور بس مگر یہی آیت ان کے قول کو رد کرتی ہے کہ صبر کے معنے سکوت کے نہیں کیونکہ اس آیت میں خدا نے یہ نہیں فرمایا۔ سَكَتُوْا یعنی وقت نزول مصیبت وہ خاموش ہو جاتے ہیں بلکہ فرمایا ہے قَالُوْا یعنے کہتے ہیں۔ اور بولتے ہیں۔ ہاں اس کی تعیین فرمادی ہے کہ کیا کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یعنی ہم خدا ہی کے واسطے ہیں اور اسی کی طرف

رجوع کرنے والے ہیں۔ ہم خدا پر اعتراض نہیں کرتے۔ اس ابتلاآت میں رضائے خدا پر راضی ہیں۔ اور اس کی قضا و قدر پر خوش۔ علاوہ ازیں گریۂ حضرت یعقوب اس پر دال ہے کہ باواز بلند بطور ندبہ بھا۔ پس کلام بھی بے آواز بھی اور پھر صبر جمیل بھی کہلاتا ہے۔ نیز جب برادران حضرت یوسف نے حضرت یعقوب پر بھی اعتراض کیا کہ تم اس قدر فراق یوسف میں کیوں روتے ہو؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنے سوائے اس کے نہیں ہے کہ میں اپنے حزن و ملال کو اپنے پروردگار ہی سے بیان کرتا ہوں اور میں منجانب اللہ وہ باتیں جانتا ہوں جن کا تمہیں علم نہیں یعنی ابتلاآت و مصائب و شدائد میں خدا کی طرف رجوع اور اپنے حزن و ملال کو بیان کرنا بے صبری نہیں بلکہ عین صبر اور کامل عبودیت ہے۔ بلکہ حکم ہے کہ مصائب و شدائد میں ہم خدا ہی کو یاد کریں اور اپنی تکالیف کو اسی سے عرض کریں۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ بے صبری فاعل کے فعل پہ اعتراض کرنا یا خدا کی شکایت دوسرے سے کرنا اور راضی برضا نہ رہنا ہے نہ کہ رونا اور اپنا حزن و ملال اپنے پروردگار کے سامنے بیان کرنا کما ذکرنا سابقاً۔

صبر حضرت یونسؑ

سابقاً عرض کیا گیا ہے کہ بے صبری دلیل بے خبری ہے اور صبر نتیجہ علم۔ جس کا علم وسیع ہے۔ اس کا صبر وسیع۔ اور جس کا علم کم ہے اس کا صبر بھی ناقص۔ اور چونکہ انبیاء علیہم السلام علم میں درجات مختلفہ متفاوتہ رکھتے ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور اولوالعزم غیر اولوالعزم سے افضل ہیں۔ اسی واسطے ان کا صبر بھی افضل ہے اور انہیں کی تاسی کا حکم پیغمبر کو ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر ظاہر کرو۔ نہ کہ غیر اولوالعزم کا سا۔ اور مثل صاحب حوت یعنی یونس بن متی نہ ہو۔ قصہ حضرت یونس یہ ہے۔ کہ حضرت نے اپنی قوم سے تنگ آکر ان کیلئے بددعا کی کہ خداوندا ان پہ عذاب نازل کر۔ دعائے حضرت مستجاب ہوئی اور قوم یونس کو صرف تین روز کی مہلت دی گئی۔ حضرت کی قوم میں ایک عالم تھا۔ روبیل نام اور ایک عابد تھا تنوخا۔ تنوخا چونکہ عابد تھا۔ اور علم و معرفت کم رکھتا تھا۔ عذاب کا وعدہ سنکر قریہ سے باہر چلا گیا کہ مبادا اس پر بھی عذاب نازل ہو۔ روبیل چونکہ عالم تھا وہیں رہا۔ تین روز کے بعد عذاب نازل ہونا شروع ہوا۔ اوّل روز ان کے رنگ زرد پڑ گئے۔ دوسرے روز سیاہ ہو گئے۔ اور تیسرے روز ایک ابر سیاہ ان پر اترنا شروع ہوا۔ یہ لوگ گھبرائے اور روبیل کے پاس گئے کہ عذاب شروع ہو گیا کوئی نجات کی تدبیر بتلاؤ۔ ورنہ ہم تم کو بھی ہمراہ جب

زیر ہوگئے۔ وہاں مجبور ہوے۔ اور حکم دیا کہ اچھا تم توبہ کرو۔ جو کسی پر مظلمہ ہے وہ ادا کر دے اور بچے
عورتوں سے الگ کئے جائیں۔ جوان علیحدہ ہوں اور بوڑھے علیحدہ۔ حیوانات سے اُن کے بچے علیحدہ
کئے جائیں۔ وادی کوہ میں دربار الٰہی میں استغاثہ کرو۔ ممکن ہے کہ وہ رحم فرمائے۔ غرض اس طرح
سے باہر گئے۔ درآنحالیکہ عذاب اُن کے کندھوں تک آچکا تھا۔ دبیل نے سربرہنہ قوم
کے بیچ میں کھڑے ہوکر دعا شروع کی اور فرمایا کہو۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَكَذَّبْنَا
نَبِيَّكَ وَتُبْنَا اِلَيْكَ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَاِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ الْمُعَذَّبِيْنَ فَاقْبَلْ تَوْبَتَنَا وَارْحَمْنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ یہاں تک
کہ رحمت خداوند غفار جوش میں آئی اور عذاب اُن سے مرتفع ہونے لگا۔ بعد رفع عذاب وہ
خوش وخرم اپنے گھروں کو واپس آئے۔ حضرت یونس تین دن کے بعد واپس تشریف لائے کہ قوم
کا حال دیکھیں فنا ہوگئے ہوں گے لیکن آکر دیکھا کہ سب صحیح و سالم خوش وخرم پھر رہے ہیں
حضرت بہت ملول و غضبناک ہوئے۔ کہ اُن سے عذاب کیوں دفع ہوا؟ یہ اب میرا ٹھٹھا کریں گے
اسی کی طرف اشارہ فرما کر خداوند عالم بیان فرماتا ہے۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ
عَلَيْهِ دیکھو یہ بے صبری بمقابلہ صبر انبیاء اولوالعزم جو حضرت یونس سے ظاہر ہوئی یہ دلیل کمی
ہے بمقابلہ انبیاء اولوالعزم وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۔

صبر حسینی

صبر کامل صفت انبیاء اولوالعزم ہے۔ لیکن انہوں نے بھی وقت شدت مصائب و
ابتلاآت آخرکار خدا سے خواہش کی ہے کہ ان سے مصائب و شدائد رفع کئے جائیں۔ حضرت
موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عیسیٰ نے ایسا کیا ایلی ایلی لما شبقتنی۔ حضرت ایوب کا صبر
مشہور ہے مگر آخرکار انہوں نے بھی رَبِّ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ کہا۔
جس وقت نوبت ناموس تک پہنچی۔ اس وقت حضرت ایوب سے صبر نہیں ہوسکا۔ یہ پیغمبر ہیں
مگر جب معاملہ ناموس تک پہنچتا ہے تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور رفع تکلیف کی دعا
کرتے ہیں۔ مگر صبر ایوب کربلا کو دیکھئے اور انبیاء اولوالعزم کے صبر سے اس کا موازنہ کیجئے۔ یہ
امر ظاہر ہے کہ جب انسان پر آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مصائب و شدائد وارد ہوتے ہیں تو وہ عادی
ہو جاتا ہے اور پھر اس پر زیادہ گراں نہیں گزرتا۔ مگر جب تمام مصائب ایک دم ٹوٹ پڑیں تو
انسان [illegible] آکر مرنا گوارا کرتا ہے۔ اور ان کا تحمل نہیں کرسکتا۔ جو شخص رات کو بادشاہ ہو [illegible]
اور صبح کو ہر ایک شے اس سے جدا ہو جائے۔ فقیر و مفلس ہے [illegible] سے کہ اس کے [illegible]

مال کا اندازہ ممکن نہیں حسین مظلوم رات کو بادشاہ ہے۔ تمام یار انصار عزیز و اقربا پاس ہیں اہل حرم محفوظ و مصئون صبح ہوتے ہی احباب و اصحاب جدا ہونے لگے ہیں۔ اور ظہر تک سوائے بنی ہاشم کوئی باقی نہیں رہتا۔ مگر وقت عصر جب نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں نہ وہ عزیز ہیں نہ قریب سب خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں ؎

نہ مونسے نہ رفیقے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

مشاہد و محسوس ہے کہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ نرم دل اور ضعیف ہوتی ہیں اور جلد مضطرب ہو جاتی ہیں روز عاشورا تین مرتبہ حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس عورتوں کا ہجوم ہوا ایک مرتبہ بوقت صبح دوم بوقت نماز ظہر سوم بوقت عصر۔ مخدرات کرب و بلا حرم پیغمبر تھیں کسی کو ان کا حال معلوم نہ تھا۔ کبھی گھر سے نہ نکلی تھیں اسی واسطے آج تک اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کی کَے بیٹیاں تھیں ؛

بعض کہتے ہیں دو تھیں بعض کہتے ہیں ایک تھی اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جس وقت جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے شہادت پائی ہے تو ایک لڑکی برقع اوڑھے ہوئے دروازہ مسجد نبوی پہ آئی۔ اور رو کر آواز بلند چلائی "یَا جَدَّاہُ قَدْ مَاتَتْ اُمُّنَا" اے جد بزرگوار ہماری والدہ نے انتقال فرمایا پس وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت امیر المومنین کے دو بیٹیاں ہوتیں۔ تو دونوں اس وقت گھر سے نکل پڑتیں اور مسجد نبوی میں آتیں۔

غرض یہ مخدرات عصمت و طہارت کبھی لشکر کے مقابل نہ ہوئی تھیں۔ کبھی میدان جنگ نہ دیکھا تھا گھر سے باہر نہ نکلی تھیں۔ روز عاشورا پہلا دن ہے کہ میدان جنگ میں ماں نے بیٹے کو اور بھائی نے بہن کو پھوپھی نے بھتیجے کو ذبح ہوتے دیکھا۔

جس وقت امام مظلوم نماز ظہر میں مشغول تھے اور اس وقت حضرت کے ساتھ معدودے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک دستہ فوج مخالف خیمہ گاہ اہل حرم کی طرف چلا۔ تمام عورتیں باہر باہر نکل پڑیں کہ کہیں پناہ لیں۔ مگر اس وقت اُن کا فریادرس کون تھا آواز بلند چلاتی تھیں یا جداہ یا محمداہ اتنے میں حضرت کی نماز ختم ہو گئی خیمہ عصمت کی طرف تشریف لائے تمام عورتیں حضرت کے گرد جمع ہو گئیں اور چاروں طرف سے احاطہ کر لیا اور کہنے لگیں حضرت تم کو ہمارے جد بزرگوار کے روضہ پر پہنچا دیجئے چشم مبارک سے آنسو نکل پڑے مگر ایسے موقع پر بھی حسین سے

کبھی شکایت نہیں کی اور رفع تکلیف کی دعا نہیں فرمائی۔ بلکہ جب مصائب کی نہایت شدت ہوئی تو حضرت خیمہ عبادتگاہ کی پشت پر تشریف لے جاتے اور ریش مبارک ہاتھ میں لے کر فرماتے رِضاً بِقَضَائِكَ اللّٰهِ وَتَسْلِيماً لِاَمْرِكَ یعنی خداوندا تیری رضا پر راضی ہوں۔ اور تیرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے

امام علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اے جدِ بزرگوار آپ نے وہ صبر دکھایا ہے۔ کہ ملائکہ آسمان تعجب کرتے ہیں۔ آپ کی بیکسی اس درجہ پر پہنچ گئی کہ کوئی باقی نہ تھا کہ آپ کی خبر شہادت خیمہ گاہ تک پہنچا دے آپ کے ذوالجناح نے اس فرض کو ادا کیا ۔

لہ قال الامام علیہ السلام قد عجبت من صبرك ملائكة السموات فاحدقوا بك من كل الجهات واثخنوك بالجراح وحالوا بينك وبين الروح ولم يبق لك ناصر وانت محتسب صابر تذب عن نسوتك واولادك حتى نكسوك عن جوادك فهويت الى الارض جريحا على التراب طريحا تطؤك الخيول بحوافرها وتعلوك الطغاة ببواترها قد رشح للموت جبينك واختلفت بالانقباض والانبساط شمالك ويمينك تدير طرفا خفيا الى رحلك وبيتك وشغلت بنفسك عن ولدك واهاليك واسرع فرسك شاردا والى خيامك قاصدا محمحما باكيا فلما رأين النساء جوادك مخزيا ونظرن الى سرجك ملويا برزن من الخدور ناشرات الشعور لاطمات على الخدود سافرات الوجوه الخ اے جدِ بزرگوار آپ کے صبر سے ملائکہ آسمان نے تعجب کیا۔ جبکہ ان ملعونوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زخموں سے گھائل کر دیا اور ایک قطرہ پانی کا نہ دیا اور اس وقت آپ کا کوئی ناصر و مددگار باقی نہ رہا تھا اور آپ امید ثواب صبر فرما رہے تھے۔ اور اپنے عیال اور اطفال سے دشمنوں کو رفع کر رہے تھے۔ تا آنکہ آپ کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اور آپ زمین کی طرف جھکے اور جلتی ریت پر گرے۔ دشمنوں کے گھوڑے آپ پر تاخت اور پامال کرتے تھے اور دشمن ہر طرف سے تلواریں لیکر حملہ کرتے چلے آ رہے تھے۔ پیشانی پر موت کا پسینہ آیا ہوا تھا۔ کبھی ایک پیر پھیلاتے تھے۔ اور کبھی دوسرا اور حالت نزع میں اہل و عیال کی طرف سے مشغول تھے کہ آپ کا اسپ باوفا خیمہ گاہ کی طرف ہنہناتا اور روتا ہوا دوڑا کہ اہل حرم کو آپ کی نشانی پہنچے جب مخدرات عصمت نے آپ کے ذوالجناح کو اس ذلت و خواری کی حالت میں دیکھا اور زین الٹا ہوا پایا تو سر برہنہ خیمہ سے نکل پڑیں بال کھلے ہوئے تھے اور منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور فریاد کرتی تھیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین ۰

موعظۂ ہفتم

۷ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

شہید رویت اعمال

بیانات سابقہ سے ثابت ہے کہ دیانت اسلامیہ ایک امام کو مقتضی ہے جو حاوی ہو تمام امور دینی و دنیاوی پر اور اس کو قرآن میں لفظ شہید سے موسوم کیا گیا ہے یعنی ہمیشہ شہید کا وجود ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سلسلہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اولاد پیغمبر سے ہے۔ نیز اجمالاً شہید کے معنی بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اگر شہید دوسرے مقامات پر اور معنوں میں استعمال ہو تو بطور حل مجاز ہوگا۔ اول شہید خدا ہے۔ پھر اس کا رسول پھر امام اور شہید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لئے کافی ہے۔ چونکہ بعض آیات قرآنی بعض دوسری آیات کی مفسر ہیں معنی شہید کی آیۂ ذیل تفسیر کرتی ہے۔ قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (توبہ ۱۳) یعنی عمل کرو پس تحقیق کہ خدا اور اس کا رسول اور مومنوں تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں پھر تم عنقریب عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ اس آیت میں رویت خدا اور رسول اور مومنوں کو سلسلہ وار ایک جگہ ذکر کیا ہے۔ لیکن رویت تینوں درجات میں یکساں نہیں نحویین کہتے ہیں یہاں "س" استقبال کے واسطے ہے اور مراد یہ ہے کہ قیامت میں خدا و رسول اور مومنوں اعمال کو دیکھیں گے لیکن یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اگر (س) استقبال کے معنوں میں لیا جائے تو کفر محض ہے۔ کیونکہ نفی رویت باریتعالیٰ لازم آتی ہے کہ اس وقت خدا ہمارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور ان سے بے خبر ہے اور یہ مطلقاً محال ہے اور کفر حق یہ ہے کہ یہ الفاظ ہر ایک مقام پر یہی معنی نہیں دیتے۔ بلکہ کلام خدا میں اکثر اس قسم کے الفاظ نیز الفاظ "س" و "سوف" وغیرہ تاکید کے واسطے استعمال ہوتے ہیں یا بمعنی دوام و استمرار اور یہ بات قرآن

سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سین وسوف استقبال کے لئے بھی آتے ہیں جیسا کہ اسی آیت
کے دوسرے جزو یعنی سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ میں ہے۔ جس سے مراد قیامت
ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے جزو اول فَسَیَرَی اللّٰهُ میں سین استقبال کے لئے نہیں
ہے اور یہ غلط ہے کہ اس روبت سے مراد روبت قیامت ہے۔ کیونکہ روبت قیامت کا ذکر آیت
کے دوسرے جزو "وَسَتُرَدُّوْنَ" میں موجود ہے۔ پس ضرور اس روبت سے مراد روبت
دنیا ہی ہے کہ یہاں ہمارے اعمال کو خدا اور رسول خدا اور مومنوں دیکھتے ہیں اور مومنوں
سے مراد وہی شہید یعنی امام ہیں۔

شبہ۔ کلام حمید مجید میں لفظ شہید جہاں خدا کے واسطے استعمال ہوتا ہے تنہا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ یہ تحقیق اللہ ہر شے پر شہید ہے رسول کا ذکر نہیں ہے۔ اور
دوسری جگہ جہاں رسول اور ائمہ کے واسطے استعمال ہوا ہے وہاں خدا کا ذکر نہیں جس سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت خدا غیر شہادت رسول و امام ہے اور اس آیت میں روبت خدا
و رسول و ائمہ کو ایک جگہ مساوی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تینوں
روبت میں یکساں ہیں اور یہ اطلاق کہ روبت رسول بعینہٖ مثل روبت خدا ہے یا خدا و رسول
و امام اس میں یکساں ہیں شرک ہے اور منافی آیات دیگر؟

جواب شبہ یہ ہے کہ اگر آیہ مذکورہ متعلق روبت یعنی عَمَلَكُمْ تمام موضوعات کے آخر میں مذکور ہوتا
تو بیشک سب کی روبت یکساں ہو سکتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ عَمَلَكُمْ بعد لفظ اللّٰهُ مذکور
ہوا ہے جو متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمل سے بالذات صرف روبت خدا کو تعلق ہے۔ اور
اسی کی روبت حقیقی و اصلی ہے اور رسول خدا و ائمہ ہدیٰ کی بالعرض و بالتبع من جانب اللہ ہے
لہٰذا روبت یکساں نہیں۔

قاعدہ کلیہ جب کسی قضیہ میں موضوع متعدد ہوں۔ اور محمول ایک جیسا کہ اس آیت میں موضوع
تین ہیں۔ خدا، رسول، امام اور محمول ایک یعنی روبت اعمال پس اگر محمول بعد موضوع
اول مذکور ہو تو موضوع اول پر حمل حقیقی ہوگا۔ اور باقیوں پر حمل بالعرض اور یہاں ایسا ہی ہے
کہ عملکم بعد لفظ اللہ مذکور ہوا۔ اور باقی موضوعات بعد میں لہٰذا حمل روبت اعمال اللہ پر حقیقی

نوٹ۔ یہ بڑی قدر مقام پر خرقہ نشینی دانی کا ذکر کرتے ہیں ہے کہ زیادہ تر اپنے مقابلہ میں اُن کے ردّیں اور بانیوں کو نفس
اور فضا کے برابر بھی شمار کرتا۔ سوائے حسد اور بغض اور کوئی وجہ نہیں جو مجھ پر تہمت لگائی جاتی ہے۔ (مولف عفی اللہ عنہ)

ہے اور پیغمبر و امام پر عرضی لہذا سب رویتیں یکساں نہ ہوئے۔

ایراد لغرض جواب آیہ ذیل میں چار موضوع ہیں اور ایک محمول انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان یعنی شراب جوا انصاب اور ازلام (طریق جوا) پلید و شیطانی عمل ہیں۔ چونکہ رجس کو چاروں موضوع کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا چاہیے کہ چاروں چیزیں۔ شراب۔ جوا۔ انصاب۔ ازلام نجس و پلید ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ صرف شراب ہی نجس ہے نہ کہ جوا وغیرہ۔ ہاں حرام سب ہیں۔ علماء اسی آیت سے شراب کی نجاست پر استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس آیت کو دلیل قرار دیا جائے تو چاہیے کہ چاروں کا حکم یکساں ہو۔ صرف شراب ہی کیوں نجس سمجھی جائے۔ مدعیان اجتہاد اس کا جواب مدلل دیں۔

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے اور تم کو برائی اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے اور نیز کہ خدا پر افترا کرو۔ اور وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بدی۔ فحش اور اپنی رائے سے حکم کرنا۔ اور خلاف حکم خدا حکم لگانا اور ایسا شخص در باطن نجس و پلید ؁

قاعدۂ کلیہ معانی الفاظ میں نسبت و اضافت بالوضع محوظ ہے اور کسی لفظ کے معنی کرتے ہوئے اس کے منسوب و مضاف الیہ کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ اس مضاف الیہ کے اعتبار سے لفظ کے معنے لئے جائیں مثلاً لفظ علم خدا کیلئے بھی بولا جاتا ہے اور پیغمبر کیلئے بھی اور عام لوگوں کیلئے بھی۔ جیسے اَللّٰهُ عَالِمٌ۔ اَلنَّبِيُّ عَالِمٌ۔ وَزَيْدٌ عَالِمٌ۔ پس کیا ہر جگہ لفظ علم آجانے سے یہ مطلب ہوگا۔ کہ علم کے معنے تینوں جگہ یکساں ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ علم خدا اور چیز ہے۔ اس کا علم حقیقی ذاتی ہے۔ بخلاف پیغمبر کے وقس علیٰ ذالک آیہ شریفہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا میں لفظ صلوٰۃ خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ملائکہ کی طرف بھی اور ہم کو بھی صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے۔ تو کیا صلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں لئے جائیں گے؟ اور کیا خدا بھی ہماری طرح سے درود بھیجتا ہے اور ہمارے ساتھ اس عبادت میں شریک ہے۔ اور کہتا ہے اللّٰہم صلی علیٰ محمد وآل محمد اگر ایسا ہے تو پھر خدا بھی کسی دوسرے خدا سے

دعا کرتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا لہذا صلوٰۃ کے معنی تینوں جگہ یکساں نہیں
صلوٰۃ خدا سے نزول رحمت مراد ہے اور صلوٰۃ ملائکہ استغفار۔ اور صلوٰۃ انسان بمعنے طلب
رحمت۔ غرض نسبت و اضافت کو معنی الفاظ میں ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ جیسی ذات کی طرف
لفظ منسوب ہو اسی کی شان کے موافق معنی لئے جائیں پس اسی طرح سے آیۂ مذکورہ فسیری
اللہ عملکم (الخ) میں رویت خدا اور رویت رسول اور رویت ائمہ یکساں نہیں خدا کی صفات
میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ رویت خدا ذاتی و حقیقی ہے اور رویت رسول و ائمہ بالتبع و بالعرض
منجانب اللہ عطیہ خدا ہے۔ کیونکہ تمام صفات پیغمبری عطیات الٰہیہ و منجانب اللہ ہیں۔ نہ کہ
حقیقی و بالذات پس اعمال عباد کے دیکھنے کی روحانی قوت بھی خدا نے ان کو عطا کی ہے۔

حقیقت مفضیلت صلوات

خداوند عالم واجب الوجود، غنی بالذات و کریم بالذات ہے۔ جو
چاہے دیدے جس قدر چاہے دیدے اس کے خزانہ
جود و سخا میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ عطا و کرم موافق مراتب و درجات
شخصیہ ہوتا ہے۔ جس درجے کا جو شخص ہوتا ہے۔ اسی درجے کا اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے
اگر کوئی ایک ادنیٰ درجہ کے آدمی مثلاً خاکروب پہ مہربان ہو۔ اور اس کو کچھ عطا کرے تو اس کی حیثیت
کے موافق کچھ رقم اُسے دے دے گا۔ اور اگر ایک عالم کامل مدبر و دانا شخص پر اس کا لطف و کرم
ہو تو اس کو حکومت و عہدہ جاگیر و منصب عطا کرے گا۔ کیونکہ اس کے لیے وہی شایان ہے اگر ایک
جاہل ادنیٰ شخص پہ ایسا کرے تو لوگ اس کو سفیہ و احمق کہیں گے۔ کیونکہ اس نے اس کو وہ چیز
دی ہے کہ جس کی اس میں قابلیت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ قابلیت و استعداد عطا و کرم میں شرط ہے
اور یہ ظاہر ہے کہ ہم ناقص و کم ظرف و کم استعداد جواد مطلق و غنی مطلق و کریم بالذات کے جود و سخا
کی قابلیت و استعداد بالذات نہیں رکھتے ہم اس کی رحمت واسعہ کے بلا واسطہ قابل نہیں
اس کے دریائے رحمت کے مقابلہ میں ہماری مثال ایک ادنے کوزے کی ہے۔ ؏
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست۔ ہمارے ظرف کہاں اتنی قابلیت رکھتے ہیں۔ کہ جن میں
رحمت الٰہیہ کی گنجائش ہو۔ لہذا رحمت واسعۂ الٰہیہ کے لیے ایک محل قابل کی
ضرورت ہے تاکہ اولاً بالذات اس پر نزول رحمت ہو۔ اور اس سے بالواسطہ ہم تک
پہنچے اور وہ محل قابل و مستعد اول ما صدر از مصدر ہے۔ جس کی شان میں ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ
اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔ پس محل نزول رحمت الٰہیہ اولاً و بالذات وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہے اور چونکہ وہ بھی کریم و مظہر جواد مطلق مبدء فیاض ہے وہاں بھی بخل نہیں اس لیے وہ ہم لئیموں اور بدبختوں کو پہنچاتا ہے پس ہم لئیم و بدبخت اس ذات کریم کے لیے مبدء فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ بخیل نہیں وہاں سے ہمپر تقسیم ہوتی ہے۔

مثال حسی

اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ بڑے شہروں میں پانی کے نل لگائے جاتے ہیں۔ تو ایک مقام خاص پر پانی کے لیے ایک خزانہ بنایا جاتا ہے۔ (واٹر ورکس) کہ اول حکام و منتظم وہاں پانی پہنچاتے ہیں۔ اور وہاں سے پھر بقدر ضرورت و خواہش اہل شہر کو تقسیم ہوتا ہے اور جب اہل شہر کو زیادہ پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ حکام و افسران سے درخواست کرتے ہیں۔ تو وہ اس خزانہ میں پانی کی مقدار بڑھا دیتے ہیں اور پھر وہ اس سے اہل شہر کو پہنچتا ہے۔ پس بلا شبہ اسی طرح سے رحمت الٰہیہ کا خزانہ وجود اقدس نبوی ہے ہم جب محتاج رحمت خدا ہوتے ہیں تو مبدء فیاض سے طلب رحمت کرتے ہیں کہ وہ اپنے خزانہ معمورہ پر نزول رحمت زیادہ کرے تاکہ وہاں سے ہمکو تقسیم ہو اور کہتے ہیں اللّٰھم صل علے محمد و آل محمد یعنی محمد و آل محمد پر نزول رحمت کو مزید فرما۔ پس پیغمبر و آل پیغمبر خزانہ رحمت الٰہی ہیں فقد قال المجلسی "اِنَّھُمْ وَسَائِطُ فُیُوضِ اللّٰہِ تَعَالیٰ فِیْ ھٰذِہِ النَّشْئَۃِ الْاُخْرٰی اِذْ ھُمُ الْقَابِلُوْنَ بِفُیُوْضَاتِ الرَّبَّانِیَّۃِ وَالرَّحْمَاتِ الْقُدْسِیَّۃِ وَبِتَوَسُّطِھِمْ تَفِیْضُ الرَّحْمَۃُ عَلٰی سَائِرِ الْخَلْقِ وَھٰذِہٖ الْحِکْمَۃُ فِیْ لُزُوْمِ الصَّلٰوۃِ عَلَیْھِمْ وَالتَّوَسُّلِ بِھِمْ فِیْ کُلِّ حَاجَۃٍ لِاَنَّہٗ اِذَا صُلِّیَ عَلَیْھِمْ لَا یُرَدُّ لِاَنَّ الْمَبْدَءَ فَیَّاضٌ وَالْمَحَلَّ قَابِلٌ وَبِبَرَکَتِھِمْ تَفِیْضُ عَلَی الدَّاعِیْ بَلْ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ" یعنی علامہ فرماتے ہیں۔ کہ اہل بیت ہی فیوض خدا کے وسائط ہیں۔ کیونکہ فیوضات الٰہیہ اور رحمات قدسیہ کی وہی قابلیت رکھتے ہیں۔ اور انہیں کے واسطے سے تمام موجودات پر فیضان رحمت ہوتا ہے اور یہی حکمت ہے ان پر درود لازم ہونے اور ہر ایک حاجت میں انہیں سے متوسل ہونے میں کیونکہ جب ان پر درود بھیجا جائے گا۔ تو رد نہ ہوگا۔ اس لیے کہ مبدء فیاض ہے اور محل قابل اور ان کی برکت دعا کرنے والے بلکہ تمام مخلوقات پر نازل ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں۔ "کُلُّ فَیْضٍ وَجُوْدٍ یَبْتَدِئُ اَنَّھُمْ صَلَوٰتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ ثُمَّ یَنْقَسِمُ عَلٰی سَائِرِ الْمَوْجُوْدَاتِ" ہر ایک فیض و جود کی اول انہیں سے ابتدا ہوتی ہے۔ اور پھر تمام موجودات پر منقسم ہوتا ہے "فَفِی الصَّلٰوۃِ عَلَیْھِمْ مُسْتَجْلَبٌ لِلرَّحْمَۃِ اِلٰی مَعَادِنِھَا وَلِلْفُیُوْضِ اِلٰی مُقْتَضِیْھَا لِیَنْقَسِمَ عَلٰی سَائِرِ الْبَرَایَا" پس ان پر درود بھیجنے

میں رحمت کو معادن رحمت اور فیوض کو مقسم فیوض کی طرف کھینچنا ہے کہ وہاں سے تمام مخلوقات پر تقسیم ہوں۔ پس چاہئے کہ ہم ہمیشہ خزانہ رحمت میں رحمت طلب کریں) مؤلف +

شہید کی مزید تشریح

خدا بالذات شہید ہے۔ اور پیغمبرؐ بالعرض لیکن اس کے لئے بھی شہید ہونے کے لئے وجود عینی و حضور جسمانی ضروری نہیں۔ بلکہ اس میں از طرف خدا ایک قوت نورانی ایسی ہوتی ہے جس سے تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور وہ نور ہے کیونکہ روح نبوتی نفس نور ہے اور فوق جمیع انوار بلکہ مبدء انوار ہے وَ لٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا اور جسم بھی آپ کا نورانی قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ پس وہ مجسم نور بلکہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے اور وہ قوت نورانی جس سے ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ اس کے سارے جسم میں موجود ہے اور اس کا سارا جسم حس جلیدیہ ہے۔ تمام جسم میں وہ قوت موجود ہے۔ جو آنکھ کے اندر پردۂ جلیدیہ میں ہے وہ تمام جسم سے جلیدیہ کا کام لیتا ہے بلکہ حس نورانی نبوی ہمارے پردۂ جلیدیہ سے کہیں افضل و اکمل ہے۔ کیونکہ ہماری آنکھ کے سامنے جب کوئی شے حائل ہو جائے تو وہ نہیں دیکھ سکتی بخلاف پیغمبر کے کہ اس کو کوئی شے حائل و حاجب نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث بخاری و دیگر کتب احادیث و صحاح میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ وَ لَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّکُوْعِ فَاِنِّیْ اَرٰکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰکُمْ مِنْ قُدَّامِیْ یعنی رکوع کرنے میں مجھ سے سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے۔ لوہے کو جب خوب صاف و شفاف کر لیتے ہیں تو اس میں صورت نظر آنے لگتی ہے پس اس جسم اقدس کی کیا حالت ہوگی جس کو خدا نور کہتا ہے لقد جاءکم من اللّٰه نور یعنی ہاں یہ خدا کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور جو خزانۂ قوت برقیہ الٰہیہ ہو۔ اس کو کوئی چیز حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ لباس اس کیلئے مانع و حاجب نہیں بلکہ لباس حکم جسم میں ہو جاتا ہے۔ بلکہ کفش پا بھی جس طرح آگ جب ایک سو بیس درجہ پہنچ جاتی ہے تو اس وقت اس میں جو چیز ڈالو۔ آگ بنجاتی ہے اور مشتعل ہو جاتی ہے اسیطرح نورانیت وجود اقدس نبوی ہر شے پر غالب ہو جاتی ہے لوہے کو اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو اس طرف سے اس طرف کی چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کیونکہ ہر جسم میں تخلخل و مسامات موجود ہیں۔ پس جسم پیغمبر جو نور خدا ہے وہ کیوں نہ ہر شے کو دیکھ سکے گا۔ اور کیوں اس کا جسم مثل حس جلیدیہ نہو گا۔ جس کو خود خدا اپنے نور سے تشبیہ دیتا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ کَاَنَّهَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَکَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ یَّکَادُ

زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ يَهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَ كَذَالِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ +

ذکر کتاب ہندی

ایک کتاب دیکھی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ شہادت میں امام بھی مثل پیغمبر ہے۔ وہ بھی پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح آگے سے اور اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید پیغمبر و امام کے سر کے پیچھے بھی ایک ایسی قوت ہوگی جیسی کہ آنکھ میں پردۂ جلیدیہ میں ہوتی ہے۔ اس قوت کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ گویا پیغمبر و امام کی تین آنکھیں ہوتی ہیں۔ (معاذ اللہ) واقعاً جو شخص اپنے کو اولی الامر کہے وہ پیغمبر و امام کی ویسی ہی تعریف کرے گا۔ اور اپنا جیسا شخص جانے گا۔ وہ نورانیت پیغمبر و امام کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ اولی الامر کے بیان میں اصول کافی میں ایک باب مخصوص ہے اور ایک سو سولہ آیۂ قرآنی اس پر دال ہیں۔ پس جو شخص اپنے آپکو اولی الامر کہے وہ مذہب شیعہ سے خارج ہے۔ پس اگر ایسا آدمی اس شخص کو جو اس کے خلاف حقیقی درجہ امامت و نبوت کو ثابت کرتا ہے اور شبہات و اعتراضات کو رد کرتا ہے برشخی وہابی نہ کہے تو اور کیا کہے گا۔ کیونکہ وہ تو امام کو اپنا جیسا ہی سمجھتا ہے۔ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وہ کیا جانے کہ امام وہ ہے جو اندھوں کو بینائی بخشتا ہے۔ بصیرتِ باطنی ہی نہیں بلکہ چشم ظاہری عطا کرتا ہے۔ دیکھو قصہ ابو البصیر، یہ اندھے تھے صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نابینائی کی شکایت کی۔ فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ بینا ہو جائے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ حضرت نے اُس کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا وہ بینا ہو گیا اور اس کی روشنی اس قدر بڑھ گئی کہ اطراف عالم و ملائکہ کو دیکھنے لگا۔ اور عرض کیا تمام عالم کو نورانی دیکھتا ہوں (اسی وجہ سے اس کو ابو البصیر کہتے ہیں) پھر امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا۔ تو چاہتا ہے کہ تجھکو درجات عالیہ حاصل ہوں؟ یا چاہتا ہے کہ اسی حالت پہ رہے۔ عرض کیا۔ نہیں۔ حضرت نے پھر اس کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیر دیا اور وہ ویسا ہی ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔

نہ صرف ہاتھ پھیرنا بلکہ امام وہ ہے۔ کہ ایک قطرۂ خون سے یہودی کو چشم بصیرت بخشتا ہے مشہور روایت ہے کہ بعد قتل امام مظلومؑ ایک یہودی کہیں جا رہا تھا۔ ہمراہ اُس کے نابینا لڑکی تھی۔ ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔ ایک کبوتر خون میں تر درخت پر آن کر بیٹھا۔ اس کا قطرہ ٹپک کر اس لڑکی کی آنکھ پہ گرا وہ فوراً بینا ہو گئی (الخ)

بہرحال امام مثل پیغمبر رویت اعمال میں مساوی ہے۔ اور اس کا دیکھنا کسی عضو

خاص سے مخصوص نہیں۔ المومنوں سے اس آیت میں ائمہ ہدیٰ مراد ہیں کیونکہ وہی شہید علی الناس ہیں۔ خدا اپنے کو کریم کہتا ہے۔ اپنے پیغمبر کو بھی کریم کہتا ہے۔ اپنے کو رحیم فرماتا ہے پیغمبر کو بھی رحیم بیان کرتا ہے۔ اپنے کو رؤف کہتا ہے پیغمبر کو بھی رؤف سے خطاب کرتا ہے اور امام ان تمام صفات میں شریک پیغمبر ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ من مات

ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاہلیۃ۔

یعنی جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا اور وہ مرگیا۔ وہ موت جاہلیت مشرک کافر یا منافق مرا۔

حدیث میں لم یعرف ہے لم یعلم نہیں ہے یعنی صرف جاننا کافی نہیں بلکہ معرفت (پہچاننا) ضروری ہے کہ وہ کون ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ کیونکہ معرفت امام ہی سے معرفت پیغمبر حاصل ہوتی ہے اور معرفت پیغمبر موجب معرفت خدا۔ پس جس نے امام کو نہ پہچانا وہ کافر یا مشرک یا منافق ہے۔

فرق علم و معرفت

علم اور معرفت میں فرق ہے فان المعرفۃ ادراک الشیٔ بتفکر و تدبر لاثرہ وھو اخص من العلم یعنی کسی شے کے آثار میں تدبر و تفکر کر کے اس کو ادراک کرنا معرفت ہے اور وہ علم سے اخص ہے اور علم اس سے اعم اور ضد معرفت انکار ہے اور ضد علم جہل۔ پس یہ کہنا تو صحیح ہے کہ فُلاَنٌ یَعْرِفُ اللّٰہ فلاں شخص خدا کو پہچانتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فُلاَنٌ یَعْلَمُ اللّٰہ فلاں شخص خدا کو جانتا ہے اور معرفت مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتی ہے کیونکہ انسان خدا کو اس کے آثار ہی سے پہچانتا ہے۔ نہ بذریعہ ذات خدا۔ کیونکہ تصور ذات باری تعالیٰ محال ہے اور کہا جاتا ہے اَللّٰہُ یَعْلَمُ خدا جانتا ہے اور یوں نہیں کہہ سکتے کہ اللّٰہ یَعْرِفُ کہ خدا پہچانتا ہے فان المعرفۃ تستعمل فی العلم القاصر المتوصل بہ بتفکر یعنی معرفت اس علم قاصر کے معنے میں استعمال ہوتی ہے جو بذریعہ تفکر فی الآثار حاصل ہوتا ہے۔ پس صرف یہ جاننا کہ لوگوں کیلئے ایک امام ہوتا ہے یا امام ہے۔ کافی نہیں بلکہ اس کے اوصاف و آثار کی معرفت ضروری ہے لان ادراک ذاتہ غیر مقدور للعبد ادراک الشیٔ بحقیقتہ فافہم امام صفات پیغمبر میں شریک ہے وہ بھی مثل پیغمبر شہید ہے۔ خواب و بیداری اس کے لئے مساوی ہے پیغمبر تمام عوالم پر مبعوث ہے اور سب کے

لئے نذیر ہے اور مقام پیغمبرؐ آیات ذیل سے ظاہر ہے۔ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ سدرۃ المنتہیٰ انتہائے محل ترقی موجودات ہے۔ علماً و عملاً اس سے اوپر محض نور جلال و جمال الٰہی ہے پیغمبرؐ اس مقام سے بھی اوپر گیا۔ کہ وہاں جبرئیل کے پر جلتے ہیں کہ خود جبرئیل فرماتے ہیں لَوْ دَنَوْتُ أَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ کہ اگر ایک انگلی برابر اوپر کا قصد کروں تو انوار جلال سے جل جاؤں (نور سے جلنا فرمایا ہے نہ کہ نار سے۔ مقام تدبر ہے)

انوار الٰہیہ سدرۃ المنتہیٰ کو احاطہ کئے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے تمام اشیاء کو وہاں پر علماً و عملاً و حقیقۃً چشم جسمانی سے دیکھیں۔ اور آپ کی بصارت نے ذرا خیرگی نہ کی۔ آفتاب باوجودیکہ اس قدر بڑا ہے کہ زمین سے دو سو اٹھائیس گنا زیادہ ہے۔ پھر بھی تمام زمین کو روشن نہیں کر سکتا۔ زمین کا سایہ پڑتا ہے اور رات ہو جاتی ہے یہ ہے بلکہ ایک انڈے کو بھی چاروں طرف سے روشن نہیں کر سکتا۔ مگر نور محمدی تمام اشیاء پر محیط ہے۔ یہ ہے وہ قوت جس سے رسول اعمال کو دیکھتا ہے اور اسی طرح سے امام علیہ السلام جو آپ کا قائم مقام ہے اور نور محمدی کی بابت خدا فرماتا ہے۔ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ نور محمدی کو خدا ایک دن بالفعل کامل کرے گا۔ اور وہ اس وقت ہوگا۔ جس کی بابت فرماتا ہے وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا نور رب الارض سے زمین روشن ہو جائے گی۔ اور وہ زمانہ ظہور مہدی ہے اس سے نور آفتاب و مہتاب بیکار ہو جائیگے کیونکہ ان کے نور بھی اسی نور سے ہیں۔ پس جب وہ خود جلوہ گر ہوگا۔ ان کی ضرورت نہ رہے گی لہ

لہ اشرقت الارض بنورھا۔ روی القمی عن الصادق فی ھذہ الآیۃ قال رب الارض امام الارض قلت فاذا خرج یکون ماذا قال ان یستغنی الناس عن ضوء الشمس و نور القمر و یجتزون بنور الامام و فی الارشاد المفید قال اذا قام قائمنا اشرقت الارض بنورھا و استغنی الناس عن ضوء الشمس و ذھبت الظلمۃ۔ یعنی امام حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رب الارض، امام ارض ہے۔ راوی نے عرض کیا جب امام خروج فرمائیں گے تو کیا حالت ہوگی؟ فرمایا اُن کے نور سے زمین چمک اٹھے گی اور لوگ ضیائے آفتاب اور نور ماہتاب سے بے نیاز ہو جائیں اور نور امام پر اکتفا کریں گے اور ارشاد مفید میں ہے کہ جب قائم آل محمدؐ کا ظہور ہوگا زمین نور سے روشن ہو جائے گی اور لوگ آفتاب کی روشنی سے بے نیاز ہو جائیں گے اور ظلمت بالکل ناپید ہو جائیگی اللہم عجل فرج محمد و آل محمد (بحار الانوار۔ الصافی) (مولف)

غرض امام مثل پیغمبر احاطۂ نورانیہ رکھتا ہے اور کوئی شے اس کو حائل و حاجب نہیں اور
تمام ائمہ اس وصف میں یکساں ہیں۔ جس طرح سے بے تار کی تار برقی تمام آوازوں کو اپنی طرف
کھینچ لیتی ہے ائمہ ہر آواز کو سنتے ہیں اور ہر شے کو دیکھتے ہیں اور وہ مخزنِ قوتِ برقِ الٰہی ہیں اگر
وہاں کمی یا خلل واقع ہو تو تمام عالم مختل ہو جائے جیسا کہ خزانہ قوت برقی میں اگر خلل پڑ جائے تو سب
جگہ انقلاب پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السلام جس وقت پشت زین سے زمین پر گرے۔
عالم متزلزل ہو گیا۔ زمین و آسمان میں زلزلہ آ گیا۔ اس موقع پر بیان نہیں کر سکتا کہ امام زمان جو شہید ہے
اور تمام حالات کو دیکھتا ہے اس کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔ نہ معلوم سید الساجدین پر کیا گزری ہوگی جو
خود کربلا میں موجود تھے۔ خود حضرت زینب خاتون صلوات اللہ علیہا جو تالی امام ہیں فرماتی ہیں کہ
بعد غارتِ خیام اہل حرم شتروں پر سوار کر کے قتل گاہ میں لائے گئے۔ جب قریب لاشہائے شہدا
پہنچے۔ ہر ایک نے خواہ مرد تھا یا عورت، بچہ تھا یا بڑا۔ لونڈی تھی یا غلام اپنے کو اونٹوں پر سے گرا دیا۔
مگر سید الساجدین نہ اتر سکے۔ یہ مقام غور ہے کہ امام کیوں پیادہ نہ ہوئے کیا ان کو باپ سے محبت
نہ تھی؟ کیا وہ نامہربان تھے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ وجہ یہ تھی کہ آپ کے پائے مبارک زنجیروں
کے ساتھ پشت شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ میں خود نہیں کہتا بلکہ امام زمان علیہ السلام فرماتے
ہیں۔ آہ آہ اس وقت سے کہ جس وقت آپ کے اہل حرم اسیر تھے اور ان کے پیر زنجیروں
سے شکم شتر سے بندھے ہوئے تھے۔ غرض جس وقت قتل گاہ پہنچے اور ہر ایک نے بے اختیار اپنے
کو اونٹ پر سے گرا دیا۔ سب لاشوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک دوسرے کو تسلی و تعزیت
کرتے اور پرسہ دیتے تھے کہ اتنے میں حضرت زینب نے دیکھا حضرت زین العابدین موجود
نہیں۔ نظر کی تو دیکھا کہ اونٹ ہی پر سوار ہیں۔ " یجود بنفسہ " قریب ہلاکت ہیں۔ جان پر
کھیل رہے ہیں۔ مگر اتر نہیں سکتے جناب زینب نے یہ حالت دیکھ کر کہا اے برادر زادے تم تو حجت خدا
ہو یہ کیا کر رہے ہو۔ کیوں جان پر کھیلتے ہو؟ فرمایا پھوپھی اماں۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ حجت خدا
ہے جو خاک و خون میں غلطاں بے سر زمین پر پڑا ہوا ہے۔

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

موعظہ ہشتم

۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامہم

"الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین" میں چاہتا ہوں کہ مطلب پر پہنچوں مگر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک امر بزرگ میرے قلب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو کچھ آج تک بیان کیا گیا ہے وہ صرف مقدمات تھے نتیجہ و مطلب آج اور کل ظاہر ہو گا لیکن جب نتیجہ کی نوبت آتی ہے تو تم لوگ اس کو نہیں لیتے ضائع کر دیتے ہو۔ یعنی تم لوگ روز عاشورا صورت عزاداری کو دوسری شکل میں تبدیل کر دیتے ہو۔ جس کا ایک حصہ اصل حقیقت ہوتا ہے اور باقی نو حصے بے اصل و مخالف۔ غرض اس وجہ سے تم نتیجہ کو اخذ نہیں کر سکتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض باتیں ایسی ہیں جو بلحاظ تذکرہ جائز ہیں نہ بطور تعبد اور یہ ایام عشرہ محرم الحرام تک ہی منحصر نہیں بلکہ یہی قاعدہ دوسری جگہ بھی جاری و ساری ہے۔ لیکن لوگ ان باتوں کو جو بغرض تذکر (یاد) جائز رکھی گئی ہیں بطور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ بلکہ بہت سی بدعت کی باتیں اس میں شامل کر لیتے ہیں بلکہ اس کی صورت تماشے کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں اور وہ امور محض تماشہ بنجاتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ محسوس ہے۔

بہترین شئے اعمال روز عاشورا میں ذوالجناح کا نکالنا ہے۔ نفس عمل اگر اغراض شخصیہ و دیگر مفاسد و مناکر سے خالی ہو۔ موجب تذکر ہے۔ کیونکہ اس کی ایک صورت اصلیہ واقعیہ روز عاشورا موجود ہے کہ خالی ذوالجناح خبر لے کر خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا۔ مگر جب اس کو بطور اسباب تماشہ نکالا جائے مقصود اصلی سے خارج ہے دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض حضرات لباس فاخرہ پہن کر ذوالجناح کے ہمراہ جاتے ہیں۔ سگار سگرٹ منہ سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تماشہ عورتیں ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔ اور اور اغراض شخصیہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ باتیں بہت بری ہیں اور مخل و مضر غرض اصلی ہیں۔ یہ عزاداری و سوگواری کا دن ہے۔ نہ تماشے

اور زینت کا۔ روز عاشورا تماشہ نہ تھا۔ قیامت صغریٰ بپا تھی۔ کیا یہ تماشہ تھا کہ باپ بیٹوں کو خون میں نہایا ہوا دیکھ رہا تھا۔ مائیں اپنے جگر کے ٹکڑے پاش پاش دیکھ رہی تھیں بہنیں بھائیوں کے ذبح ہونے کا نظارہ کر رہی تھیں۔

اگر ہم ذوالجناح بے کر غرض اصلی کے حاصل کرنے کے لیئے جائیں تو بہتر ہے ورنہ اگر سیر و تماشہ کی غرض سے ہو تو بہت بڑا ہے ہم کو ذوالجناح اس طرح نکالنا چاہیئے اور ہماری صورت ایسی ہونی چاہیئے کہ جو بے خبر لوگ سیر و تماشے کی غرض سے آتے ہیں وہ بھی ہم کو دیکھ کر ایسے متاثر ہوں کہ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں اور تماشہ بھول جائیں۔

ذوالجناح کا جواز قرآن سے

ذوالجناح وغیرہ کے بنانے اور نکالنے کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ اور آیۂ ذیل اس پر دال یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور راسیٰت و سباع" یعنی بنی جان حضرت سلیمان کو محراب ہائے عبادت انبیائے سابقین اور ان کی تماثیلیں بنا کر دیا کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمانؑ لغرض تذکرہ بنوایا کرتے تھے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تذکرہ (یاد) کی غرض سے تماثیلیں وغیرہ بنوانا جائز ہے اور فعل پیغمبر۔ لہذا ذوالجناح بنانا یا شبیہہ روضۂ امام حسین وغیرہ بنانا جائز ہے۔ مگر غرض وہی ہونی چاہیئے۔ جو پیغمبر یعنے حضرت سلیمان کی تھی یعنی محض تذکرہ کی غرض سے بنائے جائیں نہ کہ عبادت کے واسطے۔ مطلب صرف یہ ہو کہ ہماری ساری توجہ کربلا کی طرف منعطف اور اس خونی منظر کی اصلی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ ان تماثلوں کو اگر کوئی صاحب اثر سمجھے کہ یہ بذاتہا ہمارے واسطے کچھ کر سکتی ہیں یا اثر رکھتی ہیں تو وہ مرتکب فعل حرام ہے اور گنہگار۔ یہی وجہ بت پرستوں کی مذمت کی ہے کہ وہ نفس تماثیل و تصاویر کو صاحب اثر جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اوّل اوّل حضرت ادریس کے شاگردوں نے لغرض تذکرہ انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اور پھر تماثیلیں بنائیں ایک مدت کے بعد لوگوں نے ان کو عبادت میں داخل کر لیا اور ان کی پرستش کرنے لگے۔ حضرت ابراہیم کے زمانہ تک اس کا رواج ہو گیا تھا اسی واسطے حضرت ابراہیم اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں" ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون" یعنی یہ تماثیل کیا ہیں تم جن کے گرد ہوئے ہو۔ تمام بت پرست ان بتوں کو خدا نہیں جانتے تھے۔ بلکہ نفس تماثیل کو عنداللہ شفیع جانتے اور کہتے تھے ھٰؤلاء شفعٰؤنا عنداللہ یعنی یہ بت خدا کے پاس ہمارے شفیع ہیں لیکن چونکہ خود ساختہ پتھر قابل شفاعت نہیں ہو سکتے اس لیئے

لئے ان کو مشرک کہا گیا کہ وہ ان کو مظاہر صفات خدا جانتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کو معبود بھی کہنے لگ گئے اور لفظ "الٰہ" اُن پر بولا جانے لگا۔ غرض ان تماثیل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جائز یعنی جبکہ محض تذکرے کے واسطے ہوں۔ دوسری ناجائز۔ جبکہ ان کو صاحب اثر حقیقی یا شفیع سمجھا جائے

مسئلہ تعظیم

اب رہا یہ امر کہ جن چیزوں کو بغرض تذکر بنایا جائے۔ ان کی تعظیم بھی جائز ہے یا نہیں؟ ہاں صاحب خیر و برکت اشیاء کی تعظیم جائز ہے اور قرآن اس پر شاہد ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" بیشک کوہ صفا و مروہ شعائر الٰہیہ سے ہیں والبدن جعلنٰھا من شعائر اللہ قربانی کے اونٹ کو ہم نے شعائر سے قرار دیا ہے۔ پھر فرماتا ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" یعنی جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے۔ تو یہ بات اس کے دلی تقویٰ کی نشانی ہے۔ لیکن تعظیم کے یہ معنی نہیں جو ہندوستان میں عام طور پر خیال کئے جاتے ہیں یعنی سامنے جھکنا۔ سرنگوں ہونا۔ سجدہ کرنا۔ جن شعائر کی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو سجدہ کیا جائے۔ یا ان کے سامنے سرنگوں ہوں اور نہ ایسا کیا جاتا ہے۔ بلکہ تعظیم کے یہ معنی ہیں کہ انہیں دیکھکر خدا کو یاد اور اس کا ذکر کریں جیسا کہ خدا فرماتا ہے "فاذکروا اسم اللہ علیھا" یعنی اس پر اس خدا کا ذکر کرو۔ شعائر کے معنے علامات و نشانیاں ہیں۔ پس شعائر اللہ وہ خاص نشانیاں ہیں۔ جہاں ذکر الٰہی کا حکم ہے اور جہاں اور جن سے خدا کی یاد تازہ ہوتی اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔ ہر شے کی تعظیم اس کی شان کے موافق ہوتی ہے مسجد کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں عبادت خدا بجا لائی جائے۔ اور عبادت و ذکر خدا کے علاوہ اور کاموں سے اجتناب کیا جائے اس کو پاک و صاف رکھا جائے۔ و قس علی ذالک۔

مس کرنا و بوسہ دینا

جس طرح اشیاء متبرکہ کی تعظیم جائز ہے۔ اسی طرح ان کو مس کرنا بوسہ دینا بھی نامشروع نہیں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم علی الصباح اصطبل میں تشریف لے جاتے تھے اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ اور فرماتے تھے "الخیل معقود بنواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ" یعنی گھوڑوں کی پیشانی سے تا قیامت خیر وابستہ ہے۔ پس جس میں خیر و برکت ہو اس کی تقبیل اور اس پر ذکر خدا کرنا منع نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد پر گھوڑے بھیجتے تھے۔ تو ان کی گردنوں اور ٹانگوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور مس کرتے تھے "اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتے توارت بالحجاب ردوھا علی

نطفق مسحا بالسوق والاعناق ایک ایک گھوڑا حضرت سلیمان پر پیش کیا جاتا تھا۔ اور حضرت اُن کی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ غرض باخیر و برکت اشیاء کو مس کرنا درست و مباح ہے اور فعل انبیاء علیہم السلام و علیٰ ہذالقیاس بوسہ دینا۔ بوسہ دینا یا تو بوجہ محبت ہوتا ہے جیسے کہ ماں باپ بیٹے کا منہ چومتے ہیں۔ اس کی تعظیم کے لیے ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ بوجہ محبت اور کبھی بوسہ تبرکاً و تیمناً دیا جاتا ہے جس طرح کہ قرآن اور جلد قرآن کو بوسہ دیتے ہیں۔ جلد قرآن معمولی چمڑہ ہوتا ہے مگر قرآن کی جلد کہلانے اور قرآن کے ساتھ ملحق ہونے سے وہ بھی بابرکت ہو گیا کہ اس کو چومتے اور بوسہ دیتے ہیں۔ اسی طرح غلاف خانہ کعبہ سے ملحق ہونے سے بابرکت ہو گیا۔ اور اس کو بوسہ دینا۔ مس کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ خانہ کعبہ محل خاص نزول رحمت پروردگار ہے۔ بلکہ اشیاء متبرکہ ایک اثر بھی رکھتی ہیں اور ایسے ہی ان کو مس کرنا اور بوسہ دینا دیکھو قصہ سامری۔

سامری قوم فرعون سے تھا۔ جب قوم کے غرق ہونے کا حکم ہوا اور بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ وہ دریا سے گذر جائیں اور دریا شق ہو گیا۔ ایک سوار بنی اسرائیل کے آگے آگے چلنے لگا تاکہ وہ خائف نہ ہوں۔ سامری نے دیکھا۔ اس سوار کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک ہے۔ اور ایک کیفیت خاص رکھتی ہے سمجھا کہ اس میں کچھ اسرار ہے اور اس سوار کے گھوڑے کے سموں کی نیچے کی کچھ خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھ لی اور بنی اسرائیل دریا سے گذر گئے۔ پھر جب اس کے نفس نے بہکایا اور حضرت موسیٰ کی غیبت میں اس نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا تو اس میں وہی خاک ڈالی تو اس سے ایک آواز پیدا ہو گئی "عجلاً جسداً له خوار" اور جب اس سے دریافت کیا گیا کہ یہ گوسالہ متحرک کیوں ہے؟ اور بولتا کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا "فقبضت قبضة من اثر الرسول" کہ میں نے رسول رقاصد مراد جبرئیل ہے کے نشان قدم کی خاک ایک مٹھی بھر کر اٹھائی تھی۔ اس کو میں نے اس میں ڈال دیا۔ تو یہ بولنے لگا۔ یعنے وہ سوار جو بنی اسرائیل کے آگے آگے تھا حضرت جبرئیل تھے اور اُن کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی خاک متحرک تھی۔ اور اس کا یہ اثر ہوا کہ دھات کا جسم بولنے لگا گویا یہ اثر تھا برکت قدم حضرت جبرئیل کا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو چیزیں کسی باخیر و برکت سے منسوب اور ان سے متعلق ہیں۔ وہ بھی باعث خیر و برکت و صاحب اثر ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ چیزیں جو پیغمبر خاتم النبیین وافضل المرسلین اور اُن کی اولادِ طاہرین مخدوم جبرائیل امین کی طرف منسوب

اور ان سے متعلق ہیں وہ کیوں باعث خیر و برکت و صاحب اثر نہ ہوں گی۔ اور یہ برکت واثر دراصل منسوب الیہ کا اثر ہوگا۔ نہ حقیقتہً اس شے منسوب کا جب جبرئیل کے گھوڑے کے پیر کی خاک میں اثر ہے تو قدم ذوالجناح میں کیوں نہ ہوگا۔ حضرت رسول کا فرس جسے ذوالجناح کہتے ہیں۔ اس کا اصلی نام مرتجز تھا۔ حضرت اکثر اسی پر سوار ہوتے تھے۔ روز عاشورا امام مظلوم اول ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے۔ اور جس وقت حضرت کا چاروں طرف سے دشمن نے احاطہ کر لیا ہے اس وقت حضرت نے اس مرتجز یعنی ذوالجناح کو طلب کیا اور اس پہ سوار ہوئے اور یہ وہی مرتجز ہے جس نے حضرت کی سنانی خیمہ اہل حرم میں پہنچائی ہے۔ اسی طرح علم و نشان جو ان علموں کی شبیہ ہیں خود ایک علمیت رکھتے ہیں اور جب علم نبوی کی طرف منسوب ہوں تو بہت ہی متبرک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو مس کرنا اور بوسہ دینا ناروا نہیں ہے۔

بہر حال کل کی عزاداری گذشتہ نوروز کا نتیجہ ہے چاہئے کہ کل تمہاری حالت ایسی ہو کہ گویا ابھی میدان کربلا سے آئے ہو اور دیکھنے والے تمہاری حالت سے متذکر ہوں اور آیت کبریٰ "وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا" صبر خصائص امامت سے ہے۔ کل وہ دن ہے کہ امام مظلوم نے تمام اوصاف نبوی وجملہ فرائض امامت کو نبھا کے اور کرکے دکھلایا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ امامت وخلافت خاندان نبوی ہی سے مخصوص ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روز عاشورا امام حسین علیہ السلام نے جو اس قدر اعادی قتل کئے یہ امر خلاف صبر ہے۔ اور منافی رضا بقضائے الٰہی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ جس وقت حضرت حمزہ شہید ہو گئے ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا کہ میں دشمنوں کے ستر آدمی حمزہ کے عوض قتل کروں گا۔ حکم خدا پہنچا تم کو ان پر اتنی ہی زیادتی کرنی چاہئے جتنی کہ انہوں نے کی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو بہتر ہے پس معلوم ہوا کہ بطور انتقام دشمنوں کو قتل کرنا خلاف صبر نہ تھا اور قتل دشمناں از روئے انتقام نہ تھا۔ بلکہ یہ محض دفاع اور اتمام حجت کے لئے تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں تم سے مغلوب و عاجز ہو کر شہید نہیں ہوتا ہوں بلکہ حفاظت دین کے لئے شہادت قبول کی ہے ورنہ اگر میں چاہوں تو ایک دم میں تمہیں فنا کر دوں لیکن کیونکر یہ اتمام حجت ہوا کیا شجاعت اور لوگوں کو قتل کرنا کوئی حجت ہو سکتا ہے؟ دنیا میں بہت سے شجاع و بہادر گزرے ہیں۔ تو کیا ان کی شجاعت ان کی سچائی اور حقیقت کی دلیل ہے؟

ہاں بیشک جب شجاعت اس درجہ پہ پہنچ جائے کہ طاقت بشری سے باہر ہو تو وہ ضرور حجت و علامت کرامت ہے۔

اس روز اسلام کامل اور کفر کامل کا مقابلہ تھا مسلم مطلق یا سلام نبوتی کفار کے مقابل تھا چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ ووصینا الانسن بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔ احقاف۔

پس وہ اس امت مسلمہ سے ہے جس کا حضرت ابراہیم نے ذکر کیا ہے۔ اُس نے اپنی اس قوت روحانی سے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا اور ثابت کر دیا کہ امام ذریت ابراہیم اولاد رسول ہی سے ہیں۔

حیرت انگیز حسینی شجاعت

بعد ظہر جب تمام احباب و اصحاب و عزیز و اقربا یار و انصار شہید ہو چکے۔ یہاں تک کہ شش ماہہ شیر خوار بھی گلے پہ تیر ستم کھا کر باپ کی گود ہی میں باپ پہ قربان ہو گیا۔ اور حسینؑ یکہ و تنہا رہ گئے میدان جنگ میں تشریف لائے اور لشکر مخالف کے مقابل کھڑے ہو کر عمر سعد لعین سے مخاطب ہوئے اور اس طرح سے اتمام حجت فرمانے لگے اے لشکر جفا کار تین باتوں میں سے میری ایک بات قبول کر دیا تو مجھ کو چھوڑ دو کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں۔ جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا۔ فرمایا اگر یہ نہیں ہو سکتا تو مجھے پانی پلا دو۔ ملاعین نے کہا یہ بھی ممکن نہیں۔ پھر فرمایا اچھا اگر یہ بھی نہیں کرتے، تو پیہم مجھ سے ایک ایک شخص لڑنے کو آئے۔ کہا یہ منظور ہے اول یزید ابطحی حضرتؑ کے مقابلہ کے لئے آیا اور سامنے آ کر حضرت کو سخت و سست کہنے لگا۔ حضرت نے بکمال وقار و صبر نبوتی ایک شمشیر اس کے سر پر لگائی۔ جو زین تک کاٹتی ہوئی نکل گئی اور وہ دو ہو کر زمین پہ گر پڑا۔ بعد ازاں دو شخص اور سامنے آئے۔ اور حضرت نے ان کو بھی ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ بعد ازاں تین آئے۔ ان کو بھی حضرت نے اسی طرح فی النار کیا۔ اس کے بعد چار شخص اور آئے انہیں بھی ایک ہی وار میں فی النار کیا۔ یہاں تک کہ دس دس آنے شروع ہو گئے اور حضرت نے اسی مقام پہ کھڑے کھڑے علاوہ مجروحین کے نو سو پچاس آدمی قتل کئے۔ یہ حال دیکھکر پھر کسی نے جرأت نہ کی اور کوئی حضرت کے مقابلہ پہ نہ آیا۔

شمر ملعون نے دیکھا کہ لوگوں میں شور و غوغا مچ گیا ہے گھبرایا۔ عمر سعد سے کہنے لگا تو نہیں جانتا
کہ یہ انزع البطین "(علی) کا بیٹا ہے۔ کون اس کے مقابلہ میں آسکتا ہے۔ چاہیے کہ چاروں طرف
سے حملہ کیا جائے۔ حضرتؑ کے پیچھے کی طرف خیام تھے اور سامنے لشکر۔ آخر کار چاروں
طرف سے آن کا احاطہ کر لیا۔

اُس وقت حضرتؑ نے اُن پر حملہ کیا تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے۔ "فشدّ علیہم"
(یعنی نہایت سخت حملہ کیا) فکانہم جرادٌ منتشرٌ (مثل ٹڈیوں کے منتشر ہوگئے اور
بکریوں کی طرح بھاگتے تھے" فکانہم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ" اور
اس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر ببر سے وحشی جانور اور گدھے بھاگتے ہیں یعنی پیادوں
کا وہ حال تھا اور سواروں کا یہ۔ فوج کے فرار کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت اس حملہ میں ان کو
شکست دیتے ہوئے بنا بر ایک قول کے ذوالکفل تک پہنچ گئے جو اس مقام سے ۱۲ میل کے
فاصلے پر ہے جہاں حضرت نے اپنا علم نصب کیا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر حضرت اپنے
نیزہ کے پاس آئے اور فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ تاکہ لوگ جان لیں کہ میں خدا نہیں ہوں اور
درجہ امامت اپنا ظاہر ہو۔ اس عرصہ میں حضرت نے جتنے لوگ قتل کیے ان کی تعداد مورخین بہت
کچھ لکھتے ہیں۔ بعض تو دس ہزار تک لکھتے ہیں مگر کم سے کم شمار مقتولین (۱۹۵۰) ہے اور ان حملوں
کو صرف (۴۳) منٹ کا عرصہ لگا یعنی ۴۳ منٹ میں ایک ہزار نو سو پچاس آدمی قتل کیے
یہ شجاعت فوق طاقت بشری دلیل امامت ہے۔ پس حضرتؑ نے یہ حملات اثبات امامت
کے لیے کیے تھے۔ نہ از راہ انتقام۔ اور باوجود اس قدر قتل و خون کے اس عرصہ میں حضرت کے
جسم اقدس پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔ جس وقت تک کہ حضرت نے ایک آواز آسمان سے نہ سنی
کوئی زخم جسم اقدس پر نہ کھایا۔

پس وجود امام میں ایک قوت ہوتی ہے جو تمام قوتوں سے زیادہ ہے گویا ایک قوتِ
برقی ہے، فوقِ تمام قوت کے۔ بلکہ وجود امام مخزن قوت برقی ہے کہ دوسروں کو اس سے تقسیم
ہوتی ہے۔ وہ قوت ہے کہ اگر یہ مامور نہ ہوتے۔ تو یہ وجود عنصری بھی عرش پر پہنچ جاتا۔ لیکن
چونکہ معراج خصائص نبوت سے ہے۔ لہذا ایسا نہ ہوا۔ ورنہ ان سب کے بدن ایک
ہیں۔ حدیث اس کی تصریح کرتی ہے۔ کہ پیغمبر و امام ایک جسم و ایک جان ہیں۔ مشہور ہے
حدیث خرمہ ہائے صدقہ۔ کہ ایک مرتبہ پیغمبر کے سامنے صدقہ کے چھوہارے رکھے ہوئے

تھے امام حسن جو نہایت کم سن تھے۔ اُن میں سے ایک چھوہارا اُٹھا کہ منہ کے قریب لیجانے لگے تو حضرت نے فرمایا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ علینا معزمؐ یعنی فرمایا ہیں کیا کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہمپر حرام ہے۔ یہاں پر حضرت نے علینا فرمایاہے یعنی حضرت حسنؑ کو اپنے ساتھ شریک کیاہے اور بصیغہ جمع فرمایا کہ ہمپر صدقہ حرام ہے۔ ہم سب ایک ہیں۔ گویا اتحاد جسمانی و روحانی رکھتے ہیں اور سب کے سب تمام حالات میں یکساں ہیں۔ نیز آیہ مباہلہ بالصراحت دال ہے کہ یہ سب آپس میں ایک نفس ہیں۔ کہ بصیغہ جمع فرمایا ہے انفسنا وانفسکم ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیغمبر پر یہ اعتراض نہ کرے کہ پیغمبر نے ایک کمسن بچے سے اس قسم کا استفہام کیوں کیا جو ایک باخبر جاننے والے شخص سے کیا جاتاہے یعنی جناب امام حسنؑ سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے؟ گویا مقصود یہ ہے کہ تم جانتے ہو تمہیں ایسا نہیں چاہئے کیونکہ حسنؑ کا حال عوام الناس کا سا حال نہیں۔ حسنؑ وہ ہیں جو اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور تمام حلال و حرام سے واقف تھے۔ اس واسطے پیغمبر نے ایسا فرمایا فان الحسن فی ذالک الوقت یلاحظ اللوح المحفوظ۔ پھر میں چیزیں خصائص نبوت سے شمار کی گئی ہیں۔ جن میں سے اکثر خصائص مشترکہ ہیں۔ نبی اور امام میں اور بعض مخصوص ہیں جناب ختمی مرتبت سے منجملہ اُن کے ایک آپ کے جسم اقدس کا بے سایہ ہوناہے۔ اور یہ حسب روایت امام رضاؑ حضرات ائمہؑ کیلئے بھی ثابت ہے۔ جس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ لیکن جب یہ نور فعلاً درجہ کمال پر پہنچے گا "واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون" اس وقت یہ تمام صفات و خصائص مع اشیاء زائدہ ظاہر ہوں گی اور الکمال والتمام اس نور کا وقت ظہور امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ ہوگا۔ جس کا آئندہ ذکر آئے گا۔ اور یہ صحیح ہے۔ دو آیات اس پر شاہد ہیں "فاستبقوا الخیرات اینما تکونوا یات بکم اللہ جمیعا" خیرات کی طرف جلدی و سبقت کرو۔ جہاں کہیں تم ہوگے خدا تم کو جمع کرا لیگا۔ اس سے مراد قیامت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے یہ اعتراض پیدا ہوتاہے کہ قیامت میں اشرار کو پیدا نہ کرے گا۔ حالانکہ اس وقت حشر مطلق ہے۔ بلکہ مراد اس سے زمانہ مہدی عجل اللہ ظہورہ ہے۔ بارہ شخص ایک جگہ جمع ہو کر معراج کو جائینگے علیہم الصلوٰۃ والسلام

نبی کی قوت اور معراجِ جسمانی

مخالفین اسلام جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں مدرک ان کا کتب اہل اسلام ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر کی معراج جسمانی

کے متعلق حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ شب معراج جسم پیغمبر بستر پر
غائب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ معراج۔ معراج روحانی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح معاویہ سے ایک روایت
نقل کرتے ہیں کہ اس نے آیۂ مجیدہ "وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس"
(۱/غ) کی تفسیر میں بیان کیا کہ معراج حضرتؐ محض روحانی خواب تھا۔ لیکن یہ حضرت عائشہ پر
محض افترا ہے۔ انہوں نے ہرگز نہیں فرمایا۔ کیونکہ معراج بنابر ایک قول بعثت کے تیسرے
سال مکہ میں واقع ہوئی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ آخر سن ہجرت میں عقد پیغمبر میں آئیں۔ اور بعد
ہجرت آٹھ ماہ بعد مدینہ میں حضرت کے گھر آئیں۔ پھر حضرت عائشہ کو بستر پیغمبر کی کیا خبر۔
یہ محض تہمت ہے۔ اگر حضرت عائشہ یہ فرماتیں تو اس وقت سب تکذیب کرتے کہ تمہیں
کیا خبر۔ تم شب معراج خانہ پیغمبر میں کب تھیں؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے پیغمبر سے
سُن کر روایت کی ہوگی تو چاہئے تھا کہ قال رسول اللہ فرماتیں نہ کہ اپنا قول۔ البتہ یہ صحیح
ہے کہ معاویہ نے ایسا کہا۔ لیکن اس کا قول سند نہیں وہ عدو پیغمبر تھا۔ اور وہ اس وقت
مسلمان بھی نہ تھا۔ بعد فتح مکہ مؤلفة القلوب لوگوں میں داخل ہوا ہے۔ بعد ازاں مسلمانوں
نے جو فلاسفہ کے قول سننے کے عادی ہوگئے تھے کہ کوئی جسم کرۂ ہوائی سے باہر نہیں جا
سکتا تو انہوں نے بھی اعتقاد کر لیا۔ کہ معراج حضرت روحانی تھی۔ نہ جسمانی اور ان روایات
کی بھی تصدیق کر لی۔ منکرین نبوت ہمیشہ اسی طرح کی حدیثیں سناتے رہتے ہیں۔ اور پیغمبر
اسلام پر افترا کرتے ہیں۔ رہے فلاسفہ سو اُن کے اقوال خود متضاد ہیں۔ سند نہیں ہو سکتے۔
اولاً مقدمات میں بیان کرتے ہیں۔

کہ ہوا دو قسم کی ہے ایک اندرونی۔ دوسری بیرونی اور ہر ایک جسم ان دونوں ہواؤں
کے دباؤ سے قائم ہے۔ اور بیرونی ہوا کا اندرونی ہوا پر دباؤ پڑتا ہے۔ اور اندرونی
ہوا اپنی کشش سے بیرونی ہوا کو اندر کھینچتی ہے اور اس طرح سے اندرونی ہوا باہر نکل
آتی ہے۔ اگر بیرونی ہوا کا دباؤ اور بیرونی ہوا نہ ہو تو اندرونی ہوا کے زور سے کھال
پھٹ جائے اور جسم پاش پاش ہو جائے اور حسی ثبوت بھی دیتے ہیں۔ کہ سینگی لگانے
میں سینگی کو ہوا سے خالی کر لیا جاتا ہے اور جہاں سینگی لگانی ہوتی ہے۔ اس مقام
کی ہوا بھی چوس کر خالی کر دی جاتی ہے اور سینگی کو چپکا دیا جاتا ہے۔ تو اس مقام سے
جسم پھٹ جاتا ہے۔ اور خون نکل آتا ہے۔ جو شاہد و محسوس ہے۔ غرض جب جسم پر

بیرونی ہوا کا دباؤ نہ رہے۔ یا جسم ایسی جگہ ہو۔ جہاں یہ ہوا نہیں ہے تو اندرونی گیس جسم کو پاش پاش کر دیتی ہے اور جسم سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں کب ممکن ہے کہ کوئی جسم اس کرہ ہوا سے باہر چلا جائے یا آسمان پر پہنچ جائے۔ لیکن اُن کا یہ استدلال خود ہی اُن کے اصول کی رُو سے باطل ہے کیونکہ ہوا بھی خود جسم ہے اور یہ تثاقل وانجذاب (دباؤ وکشش) اس میں بھی موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز بارش نہ برستی۔ اسی طرح اگر ہوا کے اوپر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ ہو۔ اور مانع اٹھ جائے تو وہ منتشر ہو جائے۔ اور پھیل جائے اور دباؤ سے خارج ہو جائے اور اپنے مقام سے باہر ہو جائے اور اسی طرح زمین بھی فنا و متلاشی ہو جائے۔ یعنی وہ قائل ہیں کہ کرۂ ہوائی ہوا ایک جسم ہے زمین کو چاروں طرف سے محیط ہے اور اپنے گرد کی ہوا کو کشش زمین اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے پس ہم کہتے ہیں کہ جب ہوا بھی ایک جسم ہے اور تثاقل اور تجاذب اس میں موجود ہے۔ اور فلاسفہ اس کے لئے قائل ہیں کہ مثلاً ۴۵ میل سے اوپر ہوا نہیں ہے۔ خلاء (تو مسلم) ہے تو اس کرۂ ہوائی پر کسی دوسری چیز کا دباؤ نہ رہا ان کے اس قاعدۂ اولیہ کے موافق چاہیئے کہ جسم ہوا بھی منتشر ہو جائے۔ اور اس کا حجم خلاء کی طرف کو پھیلتا جائے۔ اور اسی طرح جب زمین پر اس ہوا کا دباؤ نہ رہا تو چاہیے کہ وہ بھی فنا و متلاشی ہو جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے قائل ہیں پس یا تو وہ اپنے اقوال میں تناقض صریح کو تسلیم کریں یا اپنے قاعدے کی غلطی مانیں۔ علاوہ ازیں وہ قائل ہیں کہ آفتاب اوّل مخلوق ہے۔ جو اجزاء فردیہ مادیہ کی حرکت و کشش دائمی طبعی سے پیدا ہوا ہے اور باقی تمام کرات و اجسام اسی کی کشش سے قائم ہیں اور یہی مرکز عالم ہے۔ پس اس بنا پر چاہیے کہ آفتاب اپنی کشش دائمی سے زمین کے گرد کے کرۂ ہوائی کو اپنی طرف کھینچ لے ورنہ یہ اصول باطل ہے۔ اور ان کو قائل ہونا چاہیے۔ کہ ان تمام چیزوں کے سلسلہ نظام کو قائم رکھنے والی اور ہی کوئی قوت خارجی ہے جو اس مادے سے بالا اور اس سے علیحدہ ہے۔ یہ جو قائل ہیں کہ مادے میں حرکت دائمی ہے۔ بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ حرکت کا مفہوم ہی حادث پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا حرکت بعد حرکت۔ اگر بعد سکون ہے تو بھی قدیم نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے سکون موجود ہے۔ اور اسی طرح اوپر کو لیتے جاؤ کہ حرکت سے پہلے حرکت اور اس حرکت سے پہلے حرکت الیٰ غیر النہایت۔ تو ضرور آخر میں منتہی بسکون ہوگی۔

لہذا حرکت کسی طرح قدیم نہیں ہو سکتی۔ حکماء نے دراصل جذب و دفع ہی کو نہیں سمجھا اور آخر کار انہیں سکوت اختیار کرنا پڑا ہے۔ تمام قوائے جاذبہ و دافعہ علۃ العلل و مسبب الاسباب کے دست قدرت میں ہیں اور وہی موثر حقیقی ہے۔ تمام موجودات میں اور خزانہ ان تمام قوائے برقیہ وابرقیہ کا وجود پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اول صادر از مصدر ہے ہر شے کو وہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ کوئی شے اس سے مافوق نہیں الا خداوند عالم۔ پس پیغمبر کا معراج پر تشریف لے جانا اسی قوت کے ذریعہ سے تھا۔ جذب بھی اس کے اختیار میں ہے۔ دفع بھی اس کے ماتحت۔ جب مشیت الٰہی ہو جہاں چاہے وہ جا سکتا ہے۔ کوئی شے اُسے مانع و حاجب نہیں ہو سکتی۔ قرآن اُن تمام امور کو بیان کرتا ہے " سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ" (الخ) یعنی پاک و پاکیزہ ہے وہ خالق عالم جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے اول مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف و جوانب بابرکت ہیں۔ پس اصل لے جانے والا خدا ہے جو قادر مطلق و خلاق عالم ہے۔

یہی قوت وجود امام میں بھی موجود ہے اور اسی قوت سے ہر شے پر غالب آتا ہے۔ حسینؑ مظلوم نے لشکر مقابل سے تین درخواستیں کی ہیں کہ ایک ان میں سے پانی کی خواہش تھی۔ اور چند مرتبہ ایسا کیا اور متعدد طریق سے اس کو ظاہر کیا اور پھر دریا پر پہنچکر بھی پانی نہ پیا۔ حالانکہ شدت تشنگی کا یہ حال تھا۔ کہ تقریباً ۹ بجے صبح کے حرؑ بن یزید ریاحی لشکر مخالف کے مقابل تشریف لے گئے اور اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے لوگو تم نے اس عبد صالح کو بلایا اور اب تم اس کے ساتھ مکر و حیلہ سے پیش آئے وہ جانے کی اجازت مانگتا ہے مگر تم نہیں چھوڑتے اور پانی کو اس پر بند کر دیا ہے جس کو کفار و مشرکین سگ و خوک پیتے ہیں۔ اور تشنگی کی یہ شدت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے شدت تشنگی سے اُٹھ نہیں سکتے۔ کھڑے ہوتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ انتہیٰ۔ پس جب صبح کے وقت پیاس کی یہ شدت تھی۔ تو عصر کے وقت کیا حال ہوگا؟ مگر معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ وہ فرات پر پہنچ کر بھی پانی نہ پیا؟ سبب اس کا یہ تھا کہ خداوند عالم فرماتا ہے " استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور یہ روزانہ ان تمام باتوں کے عمل کرنے کا ہے۔ حسینؑ نے فرات میں داخل ہو کر دکھایا کہ ہم دریا لے سکتے ہیں۔ لیکن داخل ہو کر بھی نہ پیا تا کہ عمل کی مثال قائم کریں اور دنیا سے پیاسے اور روزہ دار اٹھیں کہ باوجود قدرت کے اس طرح کا صبر کیا کرتے ہیں۔ جو صبر کے اصل معنی ہیں۔ اور صبر امام یہ ہے۔ جو دلیل امامت ہے اور یہ اثر اسی قوت کا ہے جو نبی اور امام کے لئے مختص ہے۔

اور دو مرتبہ اس کلمہ کا اظہار فرمایا۔ سات حملے لشکر پر کئے تیسرے حملہ میں نہایت غضبناک ہوئے نہ معلوم کیا وجہ تھی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ نہر علقمہ پر لاش برادر دیکھکر غضب میں آگئے تھے ابن میثم نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے کسی دل شکستہ کو مثل حسینؑ بہ بہت دیر دل نہیں دیکھا کہ جس کے بھائی بھانجے بھتیجے بیٹے سب قتل ہو چکے تھے۔ مگر اس حالت میں اس نے مثل شیر غضبناک حملہ کیا اور نہر علقمہ میں داخل ہوگئے اس وقت ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے (علی قولہا) یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو یعنی وقت شجاعت ختم ہوا یہہ وقت شہادت ہے۔ فکف عن القتال ووضع علی یدہ وقال انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیا اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ یعنے ہر حال میں راضی برضا ہیں۔ جب لشکر مخالفین نے دیکھا کہ حسینؑ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں یہاں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کیا۔ اس وقت امیر المومنین کی تاسی کی یعنی دیکھا گیا کہ عمامہ دو ٹکڑے ہے آپ نے نہ چاہا کہ بہنیں آپ کو اس حال سے دیکھیں۔ دامن قبا پھاڑ کر سر کے زخم پہ باندھ لیا۔ قربان ہے کسی مظلوم پہ کہ کوئی اتنا بھی نہ تھا۔ کہ زخموں پر پٹی باندھے ؎

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

قال بعض الرواۃ ما رایت مکسوراً قط قد قتل ولدہ واھل بیتہ واصحابہ اربط جاشا منہ وان کانت الرجالۃ تشد علیہ فیشد علیہا بسیفہ فتنکشف انکشاف المعزی اذا اشتد فیہا الذئب ولقد کان یحمل فیہم وقد تکملوا ثلثین الفا فینھزمون بین یدیہ کانہم الجراد المنتشر ثم یرجع الی مرکزہ وھو یقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یعنی راوی کہتا ہے میں نے کسی شکستہ دل کو جس کے اصحاب واقربا اور اہلبیت سامنے قتل ہو چکے ہوں حسینؑ سے زیادہ قوی القلب اور مستقل مزاج نہیں دیکھا کہ اگر آپ پر پیادے حملہ کرتے تھے تو آپ ذوالفقار لے کر جھپٹتے تھے تو ان کی بھیڑ اس طرح پھٹ جاتی تھی۔ جیسے کہ بکریوں میں بھیڑیا آن پڑتا ہے اور وہ جناب ان پر حملہ آور ہوتے تھے۔ درانحالیکہ وہ پورے تیس ہزار تھے پس وہ آپ کے آگے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح ٹڈیاں اڑتی ہوں۔ ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب نقل کرتے ہیں۔ کہ ان حملوں میں اس تشنہ لب مظلوم نے ایک ہزار نو سو پچاس ناریوں کو فی النار کیا۔ بابی انت وامی یا مظلوم (عاشر بحار)

موعظۂ نہم

۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۱ سنہ ہجری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

انقلاب و اضطراب عالم امکان

اذا الشمس کورت و اذا النجوم انکدرت و اذا الجبال سیرت و اذا العشار عطلت و اذا الوحوش حشرت و اذا البحار سجرت و اذا النفوس زوجت و اذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت (الخ) آج کے دن دنیا میں ایسا عجیب و ہولناک واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے۔ جس سے ماسوائے اللہ عرش سے فرش تک جمیع موجودات خواہ محسوس ہوں یا غیر محسوس متاثر ہوئے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب چاند زمین و آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کو گہن لگتا ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ بوجہ کمی حرارت و سوزش آفتاب کو گہن لگا ہے۔ اور معلوم ہے کہ جب تک اُس میں تاثیر نہ ہو اور کسی حادثہ سے متاثر نہ ہو حرارت کم نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس واقعۂ ہائلہ سے اجرام فلکی بھی مثل آفتاب بے متاثر ہوئے نہ رہ سکے (اس دن آفتاب کو گہن لگا اس پر دال ہے اذا الشمس کورت) غرض اس سانحہ کے خونی منظر نے تمام موجودات میں اثر کیا۔ مگر ذات واجب الوجود کہ وہ محل عوارض و حوادث نہیں ہے۔ اس کو رنج و الم نہیں پہنچتا۔ البتہ آثار ملال اس سے بھی ظاہر ہوئے ہیں جیسا کہ ملا محتشم نے باحسن طرق اس کو ظاہر کیا ہے کہ جس وقت قطرۂ خون حسینی زمین پر گرا عرش ذوالجلال متزلزل ہو گیا۔

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ملا مرحوم نے اول ایک مصرعہ کہا اور چھ ماہ تک متفکر و حیران رہے۔ مگر دوسرا مصرعہ نہ ہوا آخر کار ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ یہ مصرعہ لکھو اور مصرعہ ثانی بتلایا! اس شعر میں ملا نے بطور تعمیہ غضب و قہر الٰہی کو بیان کیا ہے یعنی غضب و قہر ذات الٰہی پر عارض

نہیں ہوتا۔ تالم سے اس کی ذات منزّہ ہے۔ لیکن اس کا اثر یعنی انتقام وتعذیب وغیرہ اس سے ظاہر ہوتا ہے پس اس واقعہ ہائلہ سے خداوندِ قہار اہل دنیا پر غضبناک ہوا اور آثار قہاریت اس سے ظاہر ہوئے۔

حسینی شہادت کا دردناک منظر

اس روز شروع جنگ سے حضرت پر تین حالتیں گذری ہیں۔ ایک وہ حالت ہے جبکہ آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ دوسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت پشت زین سے زمین پہ تشریف لائے اور بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیسری وہ حالت ہے کہ جب حضرت بیٹھنے سے بھی معذور ہیں۔ زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ حالتِ اوّل میں تمام ذرات عوالم کی توجہ حضرتؑ کی طرف مائل ہے اور اس کے آخروقت میں یعنی جب گھوڑے سے گرنے لگے ہیں عقول قادسہ میدان کربلا میں حاضر ہوگئے۔ اس وقت ذواتِ علویہ وموجوداتِ سماویہ سے کوئی باقی نہ تھا جو کہ کربلا نہ پہنچ گیا ہو۔ یہ ملائکہ اس وقت کیوں کربلا میں آئے تھے؟ وجہ یہ تھی کہ جس وقت امام نے نعرۂ نصرت بلند کیا اور فرمایا ھل من ناصر ینصرنا ۔ (کیا ہمارا کوئی ناصر ومددگار ہے جو ہماری نصرت اور یاری کرے) یہ آوازہ امام وولی زمان آوازِ ابراہیمی تھی۔ تمام موجودات وذراتِ عالم امکان میں پہنچی عالم امکان میں زلزلہ پڑ گیا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو جب حکم ہوا کہ "اذّن فی النّاس بالحجّ" (الخ) لوگوں کو حج کے لیے بلاؤ اور ندا دو۔ حضرت ابراہیم نے آواز دی۔ تمام موجودات محسوس اور غیر محسوس کو پہنچی جس نے لبیک کہا وہ حج کو جاتا ہے۔ اور مشرف ہوتا ہے جس نے لبیک نہیں کہا وہ حج نہیں کرسکتا۔ اسی طرح سے یہ آوازہ امام آواز مطلق تھی۔ جمیع ذرّات عالم کو پہنچی کہ امام زمان فرماتے ہیں "فضجت الملائکۃ" یعنی ملائکہ میں شور وغوغا برپا ہوگیا اور انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ عترت رسول پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے؟ کہ عالم امکان مع عرش اعظم متزلزل ہے اور اجازت چاہی کہ نصرت حسینؑ کو میدان کربلا میں پہنچیں۔ حسینؑ مظلوم کے اس استغاثہ میں خداوند عالم بھی شامل ہے۔ کہ استغاثہ مطلق ہے کہ کون میرا ناصر ومددگار ہے؟ لہٰذا اس استغاثہ کا جواب اوّل باری تعالیٰ سے ملا۔ اور ایک کاغذ سفید حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر گرا۔ اس میں لکھا ہوا تھا اے حسینؑ! ہم نے تمہارے اوپر شہادت کو واجب نہیں کیا ہے۔ بلکہ مختار ہو چاہے اختیار کرو چاہے نہ کرو۔ تمہارے درجات ومراتب میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوگی حضرت

نے شہادت کو اختیار کیا بعد از اں ملائکہ آئے کہ حضرتؑ کی نصرت کریں۔ حضرت نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ بارالہٰا میں ان کی مدد نہیں چاہتا۔ تیری لقاء کا خواستگار ہوں۔ کیوں حضرت نے نصرت نہ چاہی؟ فعل امام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ حکمت ظاہر ہے جب حضرت تنہا رہ گئے ہیں۔ نہ بھائی ہیں نہ بیٹے نہ بھانجے۔ نہ بھتیجے نہ احباب نہ اصحاب۔ اس وقت حضرت زندہ رہ کر کیا کرتے۔ اس کے بعد منظر ہولناک شروع ہوا جس کی وہ حالت ہوئی کہ ملائکہ مقربین مثل حاملان عرش بھی زمین پر آ گئے۔ اور یہ حالت یعنی حالت سواری ختم ہوئی اور دوسری حالت یعنی پیادگی کا وقت آیا۔ لیکن یہ امر کہ حالت سواری و پیادگی میں کتنا فاصلہ تھا۔ اور کس طرح سے زمین پر تشریف لائے اور کہاں؟ میں بیان نہیں کر سکتا گرنے کی کیفیت کو مورخین نے نہیں لکھا کہ حضرت کس طرح سے زمین پر گرے۔ مگر بقول امام زمان عجل اللہ فرجہ وہ حالت نہایت دردناک و غم انگیز ہے۔ کیونکہ حضرت کا فقرہ یہ ہے "ھویت الی الارض جریحاً" اور ہوی کے معنے سر کے بل گرنے کے ہیں یعنی مقصود امام زمان عجل اللہ ظاہرہ کا یہ ہے کہ جد بزرگوار جب تیغ و سنان، نیزہ و تیر کے زخموں سے آپ کا جسم اقدس گھائل ہو گیا اور پشت زین پر سنبھل نہ سکے تو منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ داہنے رخسار کے بل زمین پر گرے اس وقت زمین کانپ اٹھی۔ اور زلزلہ پیدا ہوا۔ ملائکہ موکلین کو حکم ہوا کہ تھام لو۔ جو لوگ زیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوئے ہیں انہوں نے دیکھا ہو گا کہ وہاں نہر حسینیہ کی طرف ایک مقام بنا ہوا ہے۔ جو مقام حضرت عجل اللہ فرجہ کے نام سے موسوم ہے اور مقام حضرت صادق علیہ السلام نہر علقمہ کی جانب ہے کہ یہاں حضرتؑ قیام فرماتے اور رویا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کہ وہ مقام ہے جہاں سے میرے چچا حضرت عباس داخل فرات ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام حضرت عجل اللہ فرجہ وہ مقام ہے۔ جہاں امام مظلوم گھوڑے سے گرے وہ جگہ اس مقام سے جہاں اب ضریح حضرت ہے بہت فاصلہ پر ہے نہ معلوم کس طرح امام مظلوم یہاں تک پہنچے اور کتنی جگہ قیام فرما کر یہاں آئے۔ حضرت کے یہاں پہنچنے کی حالت نہایت دردانگیز و غم انگیز ہے۔ تواریخ میں لکھا ہے "ان الحسین یقوم مرۃ و یکب اخری" کبھی تو آپ کھڑے ہو کر چند قدم چلتے تھے اور کبھی منہ کے بل زمین پر گر پڑتے تھے۔ کیوں حضرات کیا وجہ تھی کہ امام مظلوم گر پڑتے تھے؟ آپ سمجھتے ہوں گے کہ ضعف کی وجہ سے ہمنعت نہ تھا۔ بلکہ جب حضرت اٹھ کر چند قدم چلتے کوئی شقی نیزہ مارتا اور کوئی تلوار تو حضرت

کر رہے تھے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون کیا اس وقت حضرتؑ کے ساتھ ہتھیار تھے یا نہیں؟ اس وقت کوئی ہتھیار حضرت کے پاس نہ تھا کیونکہ جب گھوڑے سے گرے ہیں حضرت نے ذوالفقار۔ زرہ۔ ذوالفضول عمامۂ سحاب اور تمام تبرکات گھوڑے سے باندھ دیئے کہ لیجائے اور وہ ایک تلوار جو گھوڑے سے بندھی ہوئی تھی وہ کمر سے باندھ لی کیونکہ حضرت عازم الی اللہ تھے۔ تبرکات نبوی کو جدا کر دیا کہ اس کے مستحق کو پہنچ دیئے جائیں۔ غرض جس وقت زمین پر تزلزل ہوئی۔ اہل بیت نبوی سمجھ گئے کہ کیا ماجرا ہے۔ خیموں سے نکل کر تل زینبیہ پر کھڑے ہو گئے اور میدان کی طرف دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ فوجوں کے گروہ ایک طرف کو جاتے ہیں اور پھر واپس آجاتے ہیں آخر کار یہ حرکہ آہستہ آہستہ خیمہ گاہ کے مقابل آگیا اس وقت اہل حرم نے معلوم کیا کہ حسینؑ مظلوم اسی جماعت میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ لوگ اُن پر حملے کر رہے ہیں۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس وقت تیس ہزار آدمی حضرت کو گھیرے ہوئے تھے اور اُن کے قتل کو ثواب جانکر بڑی بے رحمی سے قتل کر رہے تھے۔ اس وقت ایک دستہ فوج جو اہل حرم کے سامنے تھے دوسری طرف ہٹ گیا۔ تب اُنہوں نے دیکھا کہ حسینؑ مظلوم تلوار ٹیکے بیٹھے ہوئے ہیں اسی اثنا میں ایک بچے کی نظر حضرت پر پڑی۔ عورتوں کی سمت سے جدا ہو کر امام مظلومؑ کی طرف دوڑا۔

شہادت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ

یہ لڑکے ہوئے خاندان کی تاقدہ سالار حضرت زینبؑ خاتون نے دیکھا۔ دوڑ کر پکڑ لیا اور فرمایا "اے قرۃ عینی" اے نور چشم کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا پھوپھی اماں میرے چچا جان کو دیکھتی ہو کہ کس حالت میں ہیں۔ اس حالت کو امام مظلوم ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آواز دی! اے بہن! اس بچے کو نہ چھوڑنا۔ مگر مظلومیت حسینی کی کشش مقناطیسی کب چھوڑتی تھی۔ بچے کا دامن چھٹ گیا۔ اور وہ میدان کی طرف چند یا صفوں کو چیرتا ہوا پہنچا۔ اور اپنے آپ کو حضرت پر گرا دیا۔ اور دونوں ہاتھ حضرت کی گردن میں ڈال دیئے حضرت نے اس سے فرمایا نور دیدہ تو یہاں کیوں آیا؟ عرض کیا کہ حضرت کو اس حال میں دیکھوں اور حاضر نہ ہوں یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ حضرت اس کی طرف متوجہ تھے کہ پیچھے سے ایک ہاتھ اُٹھا۔ چاہتا تھا کہ حضرتؑ پر وار کرے بچے نے حضرت کی گردن سے ہاتھ نکال کر حضرتؑ کے سامنے بلند کر دیئے۔ اس ملعون شقی کی تلوار لگی۔ اور ایک ہاتھ اس کا قطع ہو گیا۔ حضرت نے اس کو گود میں لے لیا۔ اس وقت تین شخصوں نے حضرت پر حملہ کیا۔ ابن شریک ملعون نے ایک تلوار حضرتؑ کے شانے پر ماری جس سے حضرت کا بازو سست ہو گیا

اور اُن ملاعین نے اس بچّے کو حضرت کی گود سے کھینچ لیا اور حضرت کے سامنے ذبح کر دیا۔ اس کشاکش میں ارکانِ عالم مضطرب ہو گئے۔

اب تیسری حالت شروع ہوئی اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ حضرت دونو ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھے اس وقت تمام ملائکہ و نبی جان انبیاء و اوصیاء اولیا وہاں موجود تھے سابق بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت روزہ دار تھے۔ اور دنیا سے روزہ دار ہی اُٹھے۔ جناب رسول خدا باروزہ نہیں سدھارے اور نہ حضرت امیر المومنین روزہ دار گئے۔ اور نہ امام حسنؑ۔ یہ امر جناب سید الشہدا ہی سے مخصوص تھا کہ دنیا سے باروزہ تشریف لے گئے۔ کیونکہ یہ حقیقت دین کے اظہار کا دن تھا۔ اور عمل کر کے دکھلانے کا روز تینتیس۳۳ زخم شمشیر کے لگے ہوئے تھے اور نیزوں کا تو شمار ہی نہ تھا۔ اور زخمی کو بہت شدت کی پیاس معلوم ہوا کرتی ہے لیکن باوجودیکہ فرات پر پہنچے۔ مگر پیاسے رہے تا کہ حقیقت صوم کو عملاً ثابت کریں۔ حضرت سیب بہشتی کو سونگھ لیتے تھے جو حضرت رسول خدا کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔ اس وقت جب جسم اقدس سے خون بہت ہی نکل گیا اور پیاس کی شدّت ہوئی تو حضرت نے وہی سیب نکالا اور اس کو دندان مبارک سے کاٹا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ یہ خون امامؑ تھا۔ جس نے سیب میں اثر کیا ہوا تھا اور اسی خون کا اثر ہے جو آج بھی ماتمیوں کے سینوں اور پیشانیوں سے جاری ہے۔ غرض حضرت نے وہ سیب آسمان کی طرف پھینک دیا۔ حضرت جبرئیل جو حاضر رکاب تھے اُنہوں نے لے کر اس کو بہشت میں ڈال دیا۔ خون حسینؑ کی بو سے تمام بہشت ماتم سرا بن گیا۔

آیا پیغمبر خدا و علی مرتضیٰ و فاطمۂ زہرا و حسن مجتبےٰ بھی میدان کربلا میں موجود تھے۔ یا نہیں؟ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مومنین تصوّر فرمائیں۔ کہ جب حضرت زہرا کربلا میں موجود تھیں اور اپنے لختِ جگر کی یہ حالت دیکھ رہی تھیں۔ تو ان کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ ایک شخص سفید پوش کو دیکھا گیا کہ حضرت حسینؑ مظلوم کے نیزے کے نیچے پھر رہا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ کسی نے دریافت کیا اور کہا اے شخص تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ کہا میں دیوانہ نہیں ہوں میں پیغمبر خدا کو دیکھتا ہوں کہ بالباس خون آلودہ نوحہ و فریاد کر رہے ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

موعظۂ دہم

۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علّتِ غیبتِ امام

یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین

اما ماً۔ ان دس روز یعنے ایام عشرہ محرم میں عنوانات مختلفہ وعبارات متفادنہ میں قرآن سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک وجود ہادی حقیقی یعنی امام موجود ہے۔ امام کے معنی ما یؤتم بہ وما یقصد بہ میں یعنی وہ شخص یا وجود جس کی طرف جمیع موجودات رجوع کریں اور تمام انسان ظاہراً و باطناً اس سے وابستہ ہوں۔ جس طرح سے بے تار کی تار برقی ہر ایک ہوا کو جس میں وہ آواز ہوتی ہے اپنی طرف کھینچ لیتی اور جذب کر لیتی ہے۔ اسی طرح سے امام تمام ذراتِ عالم کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام موجودات اس کی طرف متوجہ اور اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ باوجود اس قوت جاذبہ کے لوگ بظاہر اس سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ اور کیوں وہ اپنی قوت قہریہ جاذبہ سے ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ لیتا؟ اور کیوں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے؟ حالانکہ اس کو کسی کا خوف نہیں ✤

جواب اس کا ظاہر ہے کہ کیوں لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کا وجود وجودِ خدا سے ظاہر تر نہیں ہے اور نہ اس کی قوت قوتِ خدا سے زیادہ ہے پس لوگ کیوں خدا سے اعراض کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ قطعاً وجودِ خدا ہی سے منکر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس پیغمبر سے کیوں اعراض کرتے ہیں؟ کیوں سب اس کی تصدیق نہیں کرتے؟ کیوں اس کی فرمائش پر پورا پورا عمل نہیں کرتے؟ پس جو جواب یہاں دیا جاتا ہے وہی وہاں بھی ہو سکتا ہے ✤

علاوہ ازیں اس اعراض کے لئے ایک اصل بھی ہے وہ یہ کہ صفت امام یہ ہے۔ جیسے خدا بیان فرماتا ہے۔ "وکذالک جعلنٰکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً" یعنی اسی طرح سے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا گیا ہے تاکہ

تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور وسط و اعتدال سے یہ مراد نہیں۔ کہ اس کے ہاتھ، پاؤں، ناک، کمان
قد معتدل اور متوسط ہوں اگر ایسا ہو تو چاہیئے۔ کہ ہر مستوی القامت الخلقت آدمی امام ہو
جائے۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے امام میں درجہ اعتدال ضرور ہے۔ لیکن اعتدال کو سمجھنا چاہیئے
کہ کونسا اعتدال مراد ہے۔ اعتدال کے چند درجے ہیں۔ ایک اعتدال وہ ہے جو ذات احدیت
ذات واجب الوجود کے لئے ہے کہ وہ عادل ہے۔ بلکہ عین عدل ہے۔ ان اللہ یأمر
بالعدل والاحسان۔ اور اس کا عدل عدل ذاتی ہے۔ پس جو شخص خلیفہ اور جانشین خدا ہو
چاہیئے کہ وہ عادل ہو اور عدل ذاتی رکھتا ہو اور وہ ممکن و واجب کے درمیان واسطہ ہو۔ ممکن
بالذات و واجب بالغیر ہو۔ یعنی واجب الوجود سے کم اور ممکن (یعنی تمام موجودات) سے
بالاتر ہو۔ خدا سے لے اور مخلوقات کو پہنچائے ٭

مثال آفتاب کے لئے ایک مقام مقرر ہے۔ اس سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو تمام موجودات
کو روشن اور منور کرتی ہیں اور یہ شعاعیں آفتاب سے کبھی جدا نہیں ہوتیں مگر عین
آفتاب بھی نہیں۔ آفتاب اور چیز ہے اور اس کی شعاعیں اور اس کی ذات دونوں ایک نہیں
یہ آفتاب کی شعاعیں ہیں نہ کہ عین آفتاب اور آفتاب انہیں شعاعوں کے ذریعہ سے روشنی
دیتا اور باعث تربیت عالم ہے اور جب تک آفتاب ہے وہ شعاعیں بھی ہیں۔ یہ شعاعیں
دلیل آفتاب ہیں پس بلاتشبیہ اسی طرح سے اس امت وسط کا وجود واسطہ فیضان ہے۔
درمیان خدا اور اس کی مخلوق کے۔ اس سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ یہ آفتاب احدیت
کی شعاعیں ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے خدا تربیت عالم کرتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب
کی روشنی سے آفتاب کو پہچانتے اور اس کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح امت وسط کے
ذریعہ سے خدا کو پہچانتے ہیں اور وہ دلیل ہیں وجود حق کی۔ لیکن ذات واجب الوجود (خدا)
کے لئے مثل آفتاب ذہاب و ایاب، آمد و رفت حرکت و جریان نہیں وہ غروب و افول
سے مبرا و منزہ ہے۔ قائم و دائم ہے۔ لہذا اس کی شعاعیں جو باعث تربیت عوالم ہیں یعنی
آفتاب امامت کے لئے بھی غروب و افول نہیں ہیں وہ ہمیشہ موجود درخشاں ہے اور اس کا فیض جاری
ہے۔ البتہ کبھی ابر عارضی و حجاب خارجی کے حائل ہونے سے اس کی شعاعیں ہم سے منقطع ہو جاتی ہیں جیسے کہ
آفتاب کی شعاعیں بادل سے رک جاتی ہیں اور کبھی یہ بھی نوبت آتی ہے کہ ابر نہیں ہوتا اور آفتاب موجود درخشاں رہتا ہے
لیکن ہم خود سایہ میں چھت وغیرہ کے نیچے آجاتے ہیں۔ اور اس صورت میں شعاع آفتاب ہم سے منقطع

ہوجاتی ہے کہ ہمیں شعاع آفتاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ گو ہمکو روشنی کی ضرورت ہے لیکن بوجہ کسی خواہش یا غرض نفسانی کے ہم روشنی سے گریز کرتے ہیں اور بعض میں مکان وغیرہ کے اندر ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے روشنی ہم تک نہیں پہنچتی پس اس صورت میں آفتاب کی روشنی سے مستفیض نہ ہونا ہمارا قصور ہے نہ کہ آفتاب کا پس معلوم ہو کہ جو لوگ امت سے بوجہ غلبہ شہوات نفسانیہ استفاضہ نہیں کرتے اور روشنی نہیں لیتے اس کی بابت یہ تصور نہیں ہے۔ ہم خود اس سے اعراض کرتے ہیں یہاں ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ابر بادل ابخارات کے تجمع اور متراکم ہونے سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ یہاں وجود امام کے لئے کونسا امر حائل ہو رہا ہے؟ وہ اوہام باطلہ اور معاصی کے بخارات ہیں جو آفتاب امامت کیلئے حائل وحاجب ہیں کہ امام کا فیض بظاہر ہم تک نہیں پہنچتا پس بظاہری غیبت امام کا سبب ہم خود ہیں اور زیادہ تر یہ ہمارے غلط کی خیالات کا اثر ہے یعنی جیسا کہ چاہئے انہوں نے امام کی معرفت نہیں کی اور اس کی ان صفات کے ساتھ ترتیب نہیں کی جن سے ذکر کرنی چاہئے تھی بلکہ بسا اوقات دوسرے کو امام پر ترجیح دیتے ہیں دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ خود اپنی طرف سے ایک امام مصنوعی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کو امام سے افضل جانتے ہیں اور یہی وہ ابر ہے جو آفتاب امامت پر حائل وحاجب ہوتا ہے۔ اور یہی باعث غیبت امام ہے کہ امام حقیقی کو چھوڑ کر دوسرے مصنوعی اماموں کے پیچھے ہو گئے ہیں۔ یہ غیبت صرف ہماری نظروں سے ہے کہ وہ موجود ہے اور ہم نہیں دیکھتے اور نہیں پہچانتے ہیں اور بعد ظہور پہچانیں گے اس وقت کہیں گے کہ اس شخص کو تو ہم نے بارہا دیکھا ہے پس یہ [illegible] ہے۔ بصیرت باطنی جاتی رہی ہے جس وقت وہ ظہور پایا ہوگا۔ اس وقت پہچان لیں گے۔

امام کی معرفت

یہ امر خصائص انبیاء و ائمہ سے ہے کہ جب تک وہ خود نہ چاہیں انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا۔ قصہ حضرت یوسف کو پڑھئے۔ تو معلوم ہوگا کہ جب ان کے بھائی مصر میں آئے تو حضرت یوسف نے فوراً ان کو پہچان لیا۔ مگر انہوں نے حضرت یوسف کو نہیں پہچانا "فعرفهم وهم له منكرون" حالانکہ ساتھ پرورش پائی تھی۔ ساتھ کھیلے تھے۔ ساتھ کھاتے پیتے تھے لیکن جب حضرت یوسف نے چاہا کہ راز کھلے اور وہ انہیں پہچان لیں۔ تو آپ نے فرمایا "هل علمتم ما فعلتم بيوسف واخيه اذ

انتم جاھلون یعنی کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم نادان تھے؟ اس وقت انہوں نے کہا۔ (ءانک لانت یوسف) کیا تم یوسف ہو؟ کیونکہ یہ راز یوسف نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہ سوائے ان کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ پس تب حضرت یوسف نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے یاددہانی کی تو وہ پہچان گئے کہ یہ یوسف ہے۔

پس یہی حال ولی زمان اور امام علیہ السلام کا ہے کہ جو شخص حقیقت نبوت و امامت سے واقف نہیں ان کی معرفت نہیں رکھتا۔ وہ انہیں دیکھتا بھی ہے۔ مگر نہیں پہچانتا اور جو لوگ معرفت رکھتے ہیں۔ وہ نبی اور امام کو بے دیکھے پہچان لیتے ہیں۔

قصہ اویس قرنی اس کی بین مثال ہے جس کے حق میں حضرت ختمی مرتبت فرماتے ہیں کہ "یمن کی طرف سے بوئے رحمان سونگھتا ہوں" اویس قرنی دور سے ایمان لائے تھے۔ اور حضرت کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ مگر معرفت کا یہ حال تھا کہ جب حضرت کے دندان مبارک پر جنگ احد میں ضرب آئی تو اویس قرنی نے یمن میں پتھر سے اپنے دانت توڑ لئے اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ حبیب کے دندان مبارک شکستہ ہوں اور میں صحیح و سالم بیٹھا رہوں۔ یہ معرفت باطنی و قلبی رکھتے تھے۔ دل کی آنکھ نبی اور امام کو پہچانتی ہے۔ نہ کہ چشم ظاہری۔ جو صرف رنگ و خط و خال دیکھتی ہے۔

پس امت وسط (ائمہ) جب اعتدال حقیقی رکھتے ہیں اور مظہر عدل ذاتی واجب الوجود ہیں۔ تو واجب بالغیر اور ممکن بالذات ہوئے۔ بہ نسبت واجب (خدا) کے ممکن ہیں اور بہ نسبت ممکن (مخلوق) کے واجب لہذا انہیں موت طبعی نہیں؛

موت و حیات انبیاء علیہم السلام

حکماء کہتے ہیں کہ موت عدم وجود کا نام ہے مگر غلط ہے بلکہ موت امر وجودی ہے۔ نہ عدمی اور موت مقدم ہے حیات سے کہ خدا فرماتا ہے "خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً" یعنی خدا نے موت و حیات کو خلق کیا ہے تاکہ آزمائے کہ تم میں سے کون عمل نیک کرتا ہے۔ انسان رحم مادر میں اول مردہ ہوتا ہے۔ بعد ازاں زندہ ہوتا ہے۔ اور موت امر وجودی ہے اور وجود امام میں موت نہیں کیونکہ مرگ عالم زمانیات و عالم خلق سے ہے یعنی یہ اجزائے مادیہ و عناصر جن سے جسم مرکب ہوتا ہے نفس موت ہیں۔ جب ایک عنصر

دوسرے عنصر پر غالب آجاتا ہے۔ موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وجود نبی وامام اس مادہ
فانیہ سے جو نفس موت ہے بری ہے۔ یعنی وجود امام اور اس کا جسم اطہر دوسرے لوگوں کے
جسم کی طرح نہیں ہے تاکہ اخلاط اربعہ میں سے کسی خلط کے غالب ہو جانے سے موت عارض
ہو جائے اور جسم فنا اور اجزائے جسم متفرق ہو کر اپنے عناصر سے ملحق ہو جائیں۔ بلکہ جسم
اطہر امام ان عوارض سے منزہ اور فنا و تفرق اجزا سے مبرا ہے اور موت امام کسی سبب
عارضی کی وجہ سے ایک عالم اور ایک نشاء سے دوسرے نشاء کی طرف عیناً منتقل
ہو جانا ہے جو حکم و مصالح مختلفہ پر مبنی ہے۔ مادہ نبی وامام غیر مادہ ہنوز اس ہے۔
تمام لوگ عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور امام عالم امر سے ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل
سے ظاہر ہے: اذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ
منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ ومن
المقربین۔ (آل عمران) (ترجمہ) جب ملائکہ نے آکر حضرت مریم
سے کہا اے مریم اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسی
بن مریم ہے وہ دنیا و آخرت میں ذی وجاہت اور مقربین میں سے ہے ایضاً
انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم
وروح منہ الخ یعنے سوائے اس کے نہیں ہے کہ عیسی بن مریم خدا کا رسول اور اس
کا کلمہ ہے جو حضرت مریم کو پہنچا اور اس کی روح۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ وجود
انبیا کلمہ وجودیہ الٰہیہ ہے۔ مادہ فانیہ وہاں موجود نہیں کلمہ الٰہیہ ابتدا ہی سے صاحب
حیات ہے۔ اور نیز روح الٰہی یعنی روح انبیا مردہ نہیں۔ نفس حیات ہے۔ بلکہ حیات
بخش۔ لہذا موت اس کے وجود میں نہیں۔ پس انبیا اور ائمہ کے لئے موت طبعی نہیں ہے جب
تک صدمہ خارجی ان کو نہ پہنچے جو حیات کو منتفی کر دے۔ مثل قتل و زہر کے اور قتل و زہر
بھی بلا اس کے ارادے کے اثر نہیں کر سکتے۔ زہر شہد بن جاتا ہے اذا وحی ربک الی النحل
الخ۔ فیہ شفاء للناس (الخ) شہد کی مکھی زہریلی گھانس اور بوٹیاں کھاتی ہے اس کے
پیٹ میں شہد بن جاتا ہے اور یہ تمام اثرات تحت حکم ولی الامر ہیں پس جب تک اس
کا ارادہ متعلق نہ ہو زہر اثر نہیں کر سکتا۔ حضرت ختمی مرتبت کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا جنگ
خیبر میں جب حضرت کو پارچہ گوشت آلودہ بزہر دیا گیا۔ تو حضرت نے فرمایا یہ گوشت کہتا ہے

مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اس میں زہر ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ اپنے قاتل ابن ملجم ملعون کو فرماتے
ہیں "ارید حیاتہ ویرید قتلی" میں تو اس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل
کا ارادہ کرتا ہے۔ حضرت حسن علیہ السلام کو بارہا زہر کھلایا گیا۔ مگر جب تک ارادہ نہ ہوا زہر
نے اثر نہ کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے جب تک موت کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک تیر حضرت کے جسم
اقدس پر نہ لگا۔ تیر آتے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ کہاں لگیں فرماتے تھے خاک میں خاک
میں جا کر تیر گڑ جاتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے زخموں سے گیارہ معجزے ظاہر ہوئے
کوئی پیغمبر سوائے پیغمبر خدا کے ائمہ کے درجہ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ ہاں جناب پیغمبر خدا ائمہ
سے افضل ہیں۔ ملک الموت کی کیا طاقت ہے جو باختیار خود نبی یا امام کی روح قبض کر سکے
کیونکہ اس کی قوت ملک الموت کی قوت سے کہیں زیادہ ہے۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ملک الموت حضرت موسیٰ کی روح قبض کرنے کے واسطے
آیا۔ تو حضرت نے اس کے منہ پر ایک ایسا زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ایک آنکھ پھوٹ
گئی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ دراصل یہ ہے کہ جب ملک الموت آئے تو حضرت موسیٰ نے دریافت
کیا کہ کیوں آئے ہو۔ کہا قبض روح کے واسطے۔ فرمایا کہاں سے قبض کرو گے۔ کہا منہ سے فرمایا
جس منہ سے میں نے آیات توریت کی تلاوت کی ہیں۔ اس سے کیونکر میری روح قبض
کر سکو گے۔ کہا دماغ سے۔ فرمایا پس پردہ طور پہ انوار الٰہیہ کی تجلی ہا منی ہے وہاں سے کیونکر قبض
کرو گے۔ کہا آنکھوں سے۔ فرمایا جن آنکھوں نے نور پروردگار کا جلوہ دیکھا ہے۔ ان سے کس
طرح روح قبض کر سکو گے۔ کہا پیشانی سے۔ فرمایا جو سجدۂ خدا میں رہی ہو۔ اس سے کیسے
روح قبض کر سکو گے۔ کہا سینہ سے۔ فرمایا جو سینہ آیات الٰہیہ کا خزانہ ہے وہاں سے
قبض روح کیونکر ہو سکتی ہے۔ کہا ہاتھوں سے فرمایا جن ہاتھوں سے الواح توراۃ کو
اٹھا کر لایا ہوں ان سے قبض روح کیونکر کرو گے۔ کہا پاؤں سے فرمایا جن پاؤں سے
چل کر کوہ طور پر گیا۔ اور الواح اٹھا کر لایا ان سے میری روح کیونکر قبض کر سکتے ہو؟
مطلب حضرتؑ کا یہ تھا کہ تم کو کیا اختیار ہے کہ نبی کی روح قبض کر سکو۔ ملک الموت
واپس ہو کر دربار الٰہی میں حاضر ہوئے اور قصہ بیان کیا۔ حکم دیا کہ باز رہو۔ موسیٰ ابھی موت کی طرف
راغب نہیں۔ آخر کار ایک روز حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ ایک شخص قبر کھود رہا ہے۔ حضرت نے
دریافت کیا کس کے واسطے کھود رہا ہے۔ کہا خدا کے ایک خاص بندے کے واسطے ہے۔ فرمایا

میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔ کیونکہ قبر کھودنے اور مردے کو خاک میں دفن کرنے کا بہت ثواب ہے۔

جب قبر درست ہو گئی۔ تو وہ شخص کھڑا ہو کر دیکھنے لگا حضرت موسیٰ نے دریافت کیا۔ کیا دیکھتے ہو؟ کہا یہ دیکھتا ہوں کہ جس شخص کے لیئے یہ کھودی ہے۔ آیا اس کے واسطے ٹھیک ہے۔ یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کا قد میرے برابر ہو گا۔ کہا ہاں اتنا ہی ہو گا۔ فرمایا اچھا میں لیٹ کر دیکھتا ہوں کہ آیا ٹھیک ہے یا نہیں۔ جس وقت حضرت موسیٰ قبر میں لیٹے۔ خدا نے اُن کے مقامات دکھائے۔ حضرت نے عرض کیا۔ خدایا مجھے اپنے پاس بلا لے۔ ملک الموت حاضر تھے۔ عرض کیا حاضر ہوں۔ قبر کھودنے والے ملک الموت ہی تھے) اور حضرت موسیٰ کو اسی قبر میں دفن کر دیا۔

پس معلوم ہوا کہ موت ان کے تابع ہے۔ بلکہ روز قیامت نفخ صور انہی کے حکم سے ہو گا۔ "یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض" یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین ایک معمولی کرتہ پہنکر لڑائیوں میں شریک ہوتے اور لڑتے تھے۔ ایک مرتبہ صحاب نے عرض کیا۔ تو فرمایا میں وہ ہوں جو موت کو بھی مارنے والا ہوں۔ مجھے کیا خوف ہے۔ اور قیامت میرے حکم سے برپا ہو گی" فقرات خطبہ" امیرالمومنین مقالات طولیہ کے ضمن میں فرماتے ہیں "ان نطقت تقولون حسد وان سکت تقولون جزع ابن ابی طالب من الموت هیهات یقال لی هذا انا الساعة انا الموت الممیت خواض الغمرات جون بل خاص حامل السیفین الثقلین الرمحین الطویلین ومکسر الرایات فی غطامط الغمرات ومفرج الکربات عن وجه خیر البریات" الخ۔

یعنی فرماتے ہیں اگر بولتا ہوں تو کہتے ہو۔ کہ حاسد ہوں اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہتے ہو کہ علی ابن ابی طالب موت سے ڈر گیا۔ ہیہات ہیہات میرے واسطے یہ کہا جاتا ہے حالانکہ میں خود قیامت ہوں اور میں ہلاک کرنے والی موت اور شب تاریک میں موتوں میں گھسنے والا دو بھاری تلواروں سے لڑنے والا اور دو لمبے نیزوں سے نیزہ زنی کرنے والا اور سخت معرکہ ہائے جنگ میں دشمنوں کے نیزوں اور اسلحوں کو توڑنے والا۔ اور حضرت خیر الانام سے کرب و بلا کو دفع کرنے والا کیا میں موت سے ڈرنے والا ہوں) الخ

حضرت موسیٰ کی طرح سے ملک الموت روز عاشورہ بھی آئے اور اسی طرح سے سوال و جواب بھی ہوئے لیکن دربارا ہی میں ملک الموت کا جواب یہاں کچھ اور تھا یعنی عرض کیا بار الہا تیرے اس عاشق زار کا کوئی عضو صحیح نہیں ۔ تمام بدن چُور چُور ہے میں کہاں سے روح قبض کروں خطاب الٰہی پہنچا ۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۔

آج شہداء علیہم السلام کے دفن کا دن ہے کیونکہ روز سوم ہے ۔ الٰہی لاشہائے شہدا بے گور و کفن پڑی رہیں ۔ یہ مسلّم ہے کہ شہید کے لئے غسل و کفن نہیں ہے ۔ بلکہ اس کے لئے حکم ہے اسی لباس میں بلا غسل و کفن دفن کر دیا جائے ۔ روز جنگ احد تمام شہدا اسی لباس میں دفن کئے گئے ۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ مثل کیوں مشہور ہوگئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید بے غسل و کفن کہا جاتا ہے ۔ حالانکہ تمام شہدا بے غسل و کفن ہی دفن ہوا کرتے ہیں ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حسین مظلوم ایسے شہید ہیں کہ بعد شہادت آپ کے جسم اقدس پر لباس بھی نہ رہا ۔ محقق ہے کہ تمام کپڑوں کے نیچے آپ نے ایک پیراہن نہایت بوسیدہ اور پرانا پہنا تھا ۔ مگر بعد قتل ملاعین نے وہ بھی تن اطہر پر نہیں چھوڑا ۔

امام جواد علیہ السلام زیارت میں فرماتے ہیں ۔ السلام علی الشھید الذی غسلہا دمہ ۔ یعنی اسلام ہو اس شہید پر جس کا غسل اس کے خون سے ہوا اور جس کا کفن ریگ بیابان تھی ۔ جو ہوا سے اُڑ کر جمع ہو گئی تھی ۔ قربان ہوں ہماری جانیں سید الساجدین پر کہ ایسے جنازہ پر تشریف لائے اور ایسی حالت میں کہ غسل آپ کا خون سے تھا اور کفن ریگ صحرا اور آپ کو دفن کیا ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔

موعظہ یازدہم

۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

مزید بیان تفسیر ۔ بعثت نبوی کی ساتھ میں اجمالاً تفسیر کو عنوان کیا گیا تھا ۔ جس زمانہ ۔

عصر میں فرماتا ہے "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" یعنے قسم ہے عصر کی انسان خسارے اور نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے اور حق و صبر کی وصیت کی۔ اہل منطق کے نزدیک "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" قضیہ مہملہ ہے اور قضیہ مہملہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر منطقیین کا یہ قول صحیح مانا جائے تو آیت بے معنی ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں استثناء صحیح نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اگر قضیہ مہملہ مانا جائے۔ جو حکم جزئیہ میں ہوتا ہے تو معنے آیت کے یہ ہوں گے کہ بعض انسان خسارے میں ہیں اور بعض نہیں تو پھر مومنین صالحین کو مستثنیٰ کرنا لغو ہوگا کیونکہ وہ تو خود ہی مستثنیٰ ہیں اور بعض میں داخل۔

غرض یہ قضیہ مہملہ نہیں ہے بلکہ کلیہ محصورہ ہے اور دال سور ہے اور معنی یہی ہیں کہ تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے مومنین صالحین کے جو حق اور صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ مگر یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ تمام انسان کس طرح نقصان اور خسارے میں ہیں حالانکہ نوع انسان قابل ترقی ہے۔ بلکہ ترقی میں ملائکہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ ترقی تمام افراد انسانی کے لئے ممکن ہے۔ خواہ گنہگار ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی مدارج ترقی میں ملائکہ سے افضل ہیں کہ فرشتوں میں ترقی نہیں ہے۔ اس کا بیان کسی اور موقع پر کیا جائے گا۔ الغرض اہل ایمان صالحین و صابرین خسارے و نقصان میں نہیں اور نبوت و امامت کا مدار صبر ہے "فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ كَانُوْا مِنَ الصّٰبِرِیْنَ" اس پر دال ہیں اور صبر در اصل تمام صفات کمالیہ انسانیہ کو شامل ہے۔ ایمان۔ اعمال صالحہ وصیت بحق سب اس کے تحت میں ہیں اور صبر محض ابتلاآت ہی کے مقام میں ظاہر نہیں ہوتا کہ جو ابتلاآت میں ثابت قدم ہے۔ وہ صابر ہے بلکہ اس کی چند قسمیں ہیں۔ جیسا کہ بیان ہوگی شجاعت بھی صبر کے تحت میں داخل ہے بلکہ شجاعت عین صبر ہے۔ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے میں مغائرت معلوم ہوتی ہے خدا فرماتا ہے "وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَ نَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ" ہم تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے اور کون جہاد میں ثابت قدم اور صابر رہتا ہے سورہ قتل "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا

مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ ۔ یعنی کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ قبل اس کے کہ خدا تمیز کر دے۔ کہ کون تم میں سے جہاد کرتا ہے اور کون اس پر صابر رہتا ہے۔ ان آیات میں بھی جہاد کرنے اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کو صبر کہا گیا ہے۔ شجاعت جو لازم اخلاق سے ہے اس کا قرآن میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ شجاعت عین صبر ہے جس نے جہاد کیا اور اس پر صبر کیا۔ گریز نہ کیا وہ صابر ہے اور جو شجاع اور ثابت قدم نہ رہا۔ بھاگ گیا۔ وہ جبان نامرد و بے صبر ہے +

چنانچہ ایک اور آیت اس کی تصریح کرتی ہے "وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ یعنی صفت مومنین کی یہ ہے کہ وہ مصائب و ابتلاآت اور لڑائیوں میں ثابت قدم و صابر رہتے ہیں۔ بہر حال شجاعت عین صبر ہے مشقتوں کا برداشت کرنا صبر ہے۔ بارہائے سنگین کا متحمل ہونا صبر ہے۔ کسی امر کے انتظام میں مستقل و ثابت قدم رہنا صبر ہے۔ جرأت و حوصلہ صبر ہے۔ مَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۔ خدا گنہگاروں کے حق میں فرماتا ہے کہ وہ آتش جہنم پر کس قدر صابر و ثابت قدم ہیں کہ ڈرتے ہی نہیں۔ پس جملہ صفات حمیدہ و اخلاق کریمہ تحت صبر ہیں۔ اور صبر بلا و مصائب ہی سے مخصوص نہیں۔۔ اور چونکہ مدار امامت صبر ہے۔ اس لئے امام میں وہ صبر و شجاعت ہوگی۔ کہ کوئی شخص اس صفت میں اس سے فضیلت نہ رکھتا ہوگا۔ امام کسی وقت کسی حالت میں لڑائی سے نہ بھاگے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہشت میں جانے کی میزان و معیار روزہ و نماز و زکوٰۃ وغیرہ کو نہیں قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ جہاد و استقامت فی الجہاد کو معیار دخول جنت فرمایا ہے۔ لیکن اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو لڑائی سے بھاگے ہیں سب دوزخ میں جائیں گے۔ اور اگر ایسا ہے تو اصحاب پیغمبر میں سے صرف بارہ شخص بہشتی نکلتے ہیں باقی سب جہنمی۔

جواب شبہ

ایک صاحب نے دریافت کیا۔ حدیث شریف اَدْبَرُوْا وَتَبِعَهُمْ کا کیا مطلب ہے۔ جس میں بھاگنے کو فتح فرمایا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث خود اس کا جواب ہے کہ کس قدر بھاگنا درست ہے۔ آیات ذیل سے صریحاً مستنبط ہے کہ خدا فرماتا ہے "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ

مِنَ اللّٰہِ وَمَاوٰہُ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ (انفال ع ۲)۔ یعنے اے ایمان والو! جب لڑائی میں کفار سے مقابلہ ہو تو تم ان سے پشت مت پھیرو۔ جو شخص اس دن کافروں سے پشت پھیر کر بھاگے گا۔ وہ غضب الہٰی میں مبتلا ہوگا اور اس کی جگہ جہنم ہے اور بہت بری بازگشت ہے سوائے اُن لوگوں کے جو لڑنے کے لیے کسی اچھے مورچے کی طرف بھاگ کر جائیں یا اپنی کسی جماعت سے ملنا چاہیں کہ ایسی صورت میں ظفر یابی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو دشمن بہتر مورچہ لے لے یا یہ تھوڑے ہوں اور اپنی جماعت کثیر سے نہ ملیں تو دشمن ان پر غالب آجائے لہٰذا ایسی صورت میں ان مقامات کی طرف بھاگنا ہی ظفر ہے۔ اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔

غرض سب سے اعلیٰ اور اول دلیل صبر لڑائی میں ثابت قدم و مستقل رہنا ہے کیونکہ یہاں جان کا معاملہ ہے۔ اور جس نے جان سے ہاتھ اُٹھالیا اور ایسے مواقع پر ثابت قدم رہا۔ وہ پھر کبھی دوسرے مواقع مصائب و ابتلا آت میں بے دل نہ ہوگا۔ ہر مقام میں ثابت و صابر رہے گا۔

صبر جمیل

اقسام صبر میں سے ایک صبر جمیل ہے۔ اور صبر جمیل محل ابتلا و آت میں ظاہر ہوتا ہے حضرت یعقوب کی نسبت خدا حکایتاً بیان فرماتا ہے "فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ" ابتلا آت میں استقامت صبر جمیل ہے اور ابتلا آت کی آٹھ قسمیں ہیں۔ صرف شجاعت صبر جمیل نہیں ہے۔ شجاعت بمقابلہ مخالفین و کفار ظاہر ہوتی ہے۔ جو ایک طرف محمود ہے اور دوسری طرف (کفار کی طرف) مذموم۔ خدا فرماتا ہے "صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ" یعنے مومنین کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اس طرح صف باندھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ جس طرح کہ آہنی دیوار کھڑی ہوتی ہے۔ پس محبوب خدا صرف ایک طرف ہے۔ یعنی صفوف مومنین نہ دوسری طرف۔ صبر جمیل وہاں ہوتا ہے۔ جہاں دونوں طرف محبوب خدا ہوں اور دونوں طرف تعلق الہٰی ہو۔ جیسا کہ صبر حضرت یعقوبؑ مقابل فراق حضرت یوسفؑ کہ دونوں برگزیدۂ محبوب خدا ہیں۔ پس ایک محبوب خدا سے دوسرے محبوب خدا کے حق میں صبر و استقامت ظاہر ہوئی ہے۔ وہ صبر جمیل ہے۔

صبر حسن

ایک قسم صبر کی صبر حسن ہے۔ جو صبر جمیل سے بھی بالاتر ہے۔ اگرچہ جمیل و حسن دونوں صفت مشبہ ہیں جو قیام ثبوت صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن حسن ذوات سے متعلق ہوتا ہے۔ اور جمال صفات سے اور ذوات فوق صفات ہیں کیونکہ

صفات عوارض ہیں۔ لہذا صبرِ حسن افضل ہے صبرِ جمیل سے اور صبرِ حسن صبر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے جو ہا میں آیات قرآنی سے مستنبط ہوتا ہے۔ لیکن بطور اجمال مذکور ہے۔ منجملہ اُن کے ایک آیت یہ ہے "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ ایضاً۔ قَالَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"۔ یہ صبر مقومِ شجاعت خاص ہے یعنی مراد یہ ہے کہ شجاعت پیغمبر میں تمہیں اچھی پیروی کرنی چاہیئے۔ اگر صبر پیغمبری کا صبر یعقوبؑ سے مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ صبر حضرتؐ صبر حسن ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو معلوم تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ ملیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" یعنے اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے کہ مجھے منجانب اللہ وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے "عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا" عنقریب خدا ان سب کو مجھ سے ملا دے گا۔ بخلاف اس کے جناب سرور کائناتؐ کو یقیناً معلوم تھا کہ حسینؑ میدان کربلا میں بھوکا پیاسا مع عزیز و اقارب دوست و احباب ظلم و ستم سے قتل کیا جائے گا۔ مگر کمال خوشی سے شہادت قبول فرمائی نہ انکار کیا۔ نہ اف کی۔ پس یہ صبر صبر حسن ہے بلکہ حضرتؐ ختمی مرتبت منبع صبر حسن ہیں اور مظہر اس صبر کا حسین علیہ الصلوٰۃ السلام یعنی سید الشہداء روحی و ارواح العالمین لہ الفداء تمام مصائب و ابتلاآت تلف جان و مال قتل اصحاب قتل اولاد۔ اسیری ذریت ہونے میں مستقل و ثابت قدم رہے۔ جو صبر و استقامت روز عاشورہ عالم مظلومیت ظاہر ہوئی۔ تمام صبروں سے بڑھ کر ہے۔ تمام مومنین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ شجاعت حسینیہ کے معترف و مقر ہیں۔

اور اسی طرح صبر کامل کمال فعلیت حضرت سید الساجدین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوا ہے۔ جو لوگ کتب تواریخ پر حاضر رکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ صبر سجادؑ کا کیا رتبہ ہے۔ حضرت یعقوب کا ایک بیٹا گم ہوا تھا مگر یہاں سید الساجدین فخر آل عبا و زین العابدین کا ایک یوسف گم نہیں ہوا اٹھارہ بنی فاطمہ یوسف تین یہ ہیں چھٹ گئے اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ حضرتؑ کے حزن و ملال کی یہ حالت تھی کہ ان ایام میں کسی سے بات نہ کر سکتے تھے۔ مگر جب کوئی سوال کیا جاتا تھا تو اس کا جواب دے دیتے تھے۔ ان ایام میں صرف دو مرتبہ تکلم فرمایا ہے جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے ہیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ کیوں روتے ہو؟ اس وقت حضرت

نے فرمایا یعقوب کا ایک بیٹا گم ہوا تھا۔ اور میرے سامنے اٹھارہ یوسف جو مثل دنبیر نہ رکھتے تھے۔ قتل ہوگئے۔ میں کیونکر گریہ نہ کروں۔ ہاں! جب حضرت در کوفہ پر پہنچے۔ تو کسی نے سوال۔ کیا خود بولنے پر مجبور ہوئے۔ یعنی جس وقت حضرت زینب خاتون علیہا الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبے کو ختم کیا۔ اور ان فقرات پر پہنچیں کہ اے قوم تم نے وہ کام کیا ہے۔ جس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ الخ تمام مورخین متفق ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینب کو وصیت کی تھی کہ بہن میرے بعد گریبان چاک نہ کرنا۔ بال نہ کھولنا۔ منہ پر طمانچے نہ مارنا۔ نالہ و فریاد نہ کرنا۔ مگر حضرت زینب نے یہ تمام کام کئے۔ خصوصاً جب اس فقرہ بالا پر پہنچیں۔ تو سر محمل سے باہر نکالا اور چوب محمل سے دے مارا کہ خون جاری ہو گیا۔ امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا اور علم امامت سے معلوم کیا کہ جناب زینب خاتون کی کیا حالت ہے۔ اس گریہ و بکا اور نالہ سے عالم امکان درہم و برہم ہو جائے گا۔ فرمایا اے پھوپھی جان خاموش ہو جاؤ تمہارے گریہ و بکا سے بھائی واپس نہیں آئیں گے۔ اَنْتِ بِحَمْدِ اللّٰہِ عَالِمَۃٌ غَیْرُ مُعَلَّمَۃٍ وَفَهِمَۃٌ غَیْرُ مُفَهَّمَۃٍ۔ یعنی اے پھوپھی اماں تم خدا کے فضل سے بلا سکھلائے جانتی و عالم ہو اور بلا سمجھائے سب کچھ سمجھتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے نالے عالم امکان میں کیا اثر کریں گے۔ فرمایا یہ غم جانکاہ وہ ہے کہ جس سے آسمان پارہ پارہ ہو جائیں۔ زینبؑ کا سر کس طرح سلامت رہے۔ میں دیکھتی ہوں۔ رسول خدا اور علی مرتضیٰ اور میری والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہرا سر برہنہ نوحہ و بکا میں مشغول ہیں میں کس طرح فریاد نہ کروں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسین کی وصیت کا راز اسی واقعہ سے منکشف ہوتا ہے اور اس وصیت میں یہی مصلحت تھی۔ فافہم و تدبر۔

غرض شہید و امام کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ ہے کہ وہ صابر ہو اور صبر کے چار مرحلے ہیں اول ان میں سے وقت نزول بلا ہے۔ اگر اس وقت صاحب بلیہ نے خدا پر اعتراض نہ کیا اور غیر خدا سے شکایت نہ کی۔ تو وہ صابر ہے۔ لیکن بلیات و ابتلاآت سے کوئی شخص خالی نہیں۔ اور بقدر استقامت سب تحمل کرتے ہیں۔ مورد صبر معلوم کرنا چاہئیے کہ کس درجہ پر پہنچکر انسان صابر کہلا سکتا ہے۔ مورد صبر اس آیت میں خدا نے بیان فرمایا ہے۔ "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِینَ الَّذِینَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِیبَةٌ قَالُوا اِنَّا لِلّٰهِ

وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ۔ یعنی ہم تمہارا امتحان کریں گے۔ کچھ خوف سے۔ کچھ بھوک سے اور جانوں اور مالوں اور پھلوں کے نقصان سے پس بشارت دو ان صابر مبتلاؤں کو کہ جب ان پر مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے لیے ہیں جو چاہے سو کرے اور ہم اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی صلوات و رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

پس اول درجہ صبر یہ ہے کہ ان ابتلاآت میں انسان صابر و ثابت قدم رہے اس آیت کے فقرۂ اخیر سے لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چونکہ سوائے پیغمبر و امام کسی دوسرے کے لئے صلوات شایان نہیں ہے۔ اس لئے یہ آیت حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ الخ۔ خداوند عالم وہ ذات پاک ہے جو تم پر صلوات بھیجتا ہے۔ اور نیز اس کے ملائکہ تاکہ تم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ صلوات خدا و ملائکہ غیر نبی و امام کے لئے بھی ہے اس آیت میں عام مومنین شامل ہیں اور سلام کے متعلق فرماتا ہے۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (انعام ع ۶) یعنی کہدو کہ سلام ہو تم پر۔ اللہ نے تمہارے لئے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جو بسبب جہالت و نادانی کے برائی کرے اور پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے اور یہاں سلام گنہگاروں کے واسطے بھی آیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صلوٰۃ و رحمت و سلام خدا نبی و امام ہی سے مخصوص نہیں بلکہ عام مومنین کو بھی شامل ہے۔ بلکہ گنہگاروں کو بھی نہیں بلکہ قبل از توبہ بھی۔ اور صلوات جو مخصوص پیغمبر اور امام سے ہے وہ چیز دیگر ہے۔ لہٰذا یہ آیت۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ۔ تمام امت کو شامل ہے اور خطاب [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ معصومین اس میں داخل نہیں ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ آیت امام حسین علیہ السلام کے واسطے ہے اس کی خود الفاظ آیت سے نفی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں لفظ بشیء مذکور ہے۔ یعنی کچھ تھوڑے سے خوف اور تھوڑی سی بھوک و نقصان جان و مال سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصائب خفیف و قلیل نہ تھے۔ بشیء من الخوف۔ کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک شے کا مل بلکہ اکمل تھی آدم سے [illegible]

اس وقت تک کسی نے ان مصائب کو نہیں دیکھا۔ خوف بھی کامل۔ بلکہ اس کے ساتھ پیاس بھی تھی۔ نقصان اموال کا حال معلوم ہی ہے کہ اہلِ بیت کے پاس کوئی شے باقی نہ رہی تھی۔ ناظرین تاریخ جانتے ہیں کہ ان ایام میں اسیران اہل بیت کی کیا حالت تھی۔ جانوں کا نقصان معلوم ہی ہے کہ بجز سید الساجدینؑ اور چند لڑکوں کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا خود جناب ام کلثوم بروایت جناب سید الساجدین اس کا اظہار فرماتی ہیں کہ جب حضرت قریب مدینہ پہنچی ہیں تو مدینہ کو دیکھکر فرمانے لگیں۔

مَدِیْنَۃُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا   فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا

خَرَجْنَا مِنْكِ بِالْاَھْلِیْنَ طُرًّا   رَجَعْنَا بِلَا بَنَاتٍ وَلَا بَنِیْنَا

اے ہمارے جد بزرگوار کے مدینہ ہمیں قبول نہ کر اور ہمیں اپنے اندر جگہ نہ دے۔ کیونکہ جب ہم تجھ سے رخصت ہوئے تھے۔ تو ہمارا سارا گھر بھرا ہوا تھا۔ سارا کنبہ موجود تھا اور اب ہم تجھ میں اس حال سے لوٹ کر آتے ہیں کہ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں نہ بیٹے۔ حضرتؑ کے اس بیان میں ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت فرماتی ہیں۔ نہ ہماری بیٹیاں باقی ہیں۔ نہ بیٹے اطفال خورد سال اہل بیت کی شہادت کا حال تو آپ لوگوں نے سُنا ہے۔ مگر دختران اہل بیت کیا ہوئیں؟ جو وہ معظمہ فرماتی ہیں۔ نہ بیٹیاں ہیں نہ بیٹے۔ وقت بعد شہادت امام حسین علیہ السلام جب تمام حرم خیمہ سے نکل پڑے تو اطفال خورد سال گریہ وزاری نوحہ و فریاد کرتے ہوئے لشکر کے سامنے چاروں طرف پریشان دوڑنے لگے اور ایک حشر برپا ہوگیا۔ عمر سعد لعین نے جو یہ حالت دیکھی گبھرایا اور سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ بچوں پہ پتھر برسائیں پس ان ملاعین کے پتھروں سے کئی بچے شہید ہوگئے اور ان میں چار لڑکیاں بھی اس وقت درجہ شہادت پر فائز ہوئیں۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

حصۂ دوم

موعظۂ اوّل

۲ محرم الحرام ۱۳۳۲ سنہ ہجری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ

مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ

طرق تحصیل سعادت و علم حقیقی

مسلم ہے کہ طریق سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے۔ اور سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہی طریقے ہیں ایک علم دوسرا التقلید یعنی یا تو خود عالم ہو اس کا یا عالم کا پیرو و مقلد۔ بدون ان دو صورتوں کے حصول سعادت ناممکن ہے۔ لیکن وہ علم کون سا علم ہے جو موجب نجات ہو۔ یہی علم جو ہم رکھتے ہیں یا کوئی اور علم؟ اگر ہمارے علوم اکتسابیہ کو حقائق واقعیہ سے مطابق کیا جائے تو دس حصوں میں سے نو حصے بالکل خلاف واقع اور غلط محض و باطل مطلق ثابت ہوں گے۔ اور ایک حصہ مشابہ باصل و حقیقت نہ کہ علم حقیقی۔ ہمارے علوم دراصل مثل صنعتوں اور حرفتوں کے ہیں کہ جس طرح بعض لوگ اپنے بچوں کو کوئی صنعت و حرفت مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھاتے ہیں۔ اور وہ اس کو یاد کر لیتے ہیں۔ اسی طرح طلبہ قواعد و اصول صرف و نحو معانی، بیان عروض و قافیہ، اعراب و اشتقاق وغیرہ کو سیکھتے اور یاد کر لیتے ہیں۔ پس یہ مثل دیگر صنائع و حرف و اکتسابات ہیں نہ کہ علم واقعی۔ علوم اکتسابیہ ہرگز علوم حقیقیہ واقعیہ نہیں

کہ تھوڑا سا حصہ۔ یہ آیت عام ہے اور عام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس میں مَا اُوْتِیْتُمْ (جو کچھ تم کو دیا گیا ہے) فرمایا ہے نہ کہ مَا کَسَبْتُمْ یعنی جو کچھ تم تحصیل و کسب کرتے ہو جس سے ثابت ہے کہ اس علم سے وہ علم مراد ہے جو ہر شخص کو فطرتاً دیا گیا ہے۔ اور اُن کے وجود کے ساتھ عطا ہوا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ امور بدیہیہ ضروریہ کو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سچ اچھا ہے جھوٹ بُرا ہے اور دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں اور دس دو سے بڑا ہے و غیر ذالک جن کو معتقدات عقلیہ کہتے ہیں۔ اگر انسان کو فطرتاً کچھ علم عطا نہ ہوتا تو ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا۔ کبھی مکلف نہ کہا جاتا، یہ امر شان خداوندی سے بعید ہے۔ کہ انسان کو مکلف بنائے اور اس کو فی الجملہ علم عطا نہ فرمائے۔ علاوہ ازیں اگر انسان میں کچھ علم فطرتاً موجود نہ ہوتا تو خارج سے بھی اثر قبول نہیں کر سکتا۔ پس اسی علم فطری کے ذریعہ سے معلم واستاد سے جو باتیں سُنتا ہے اُن کو سمجھتا اور قبول کرتا ہے اور اسی علم کے ذریعہ سے علم معلم سے اکتساب کرتا ہے۔ بہر حال اس علم سے مراد علم فطری ہے نہ کہ اکتسابی۔ اور اسی کو علم کہا جاتا ہے جو خدا کے نزدیک علم ہے۔ اور نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ علم جزئی ہے۔ چنانچہ لفظ مِنْ سے جو تبعیض اور جزئیت پر دلالت کرتا ہے۔ ثابت ہے اور پھر لفظ قلیل سے اس کی تاکید مزید دلالت کرتی ہے کہ یہ علم علم جزئی ہے اور بہت ہی تھوڑا سا ہے یعنی عام لوگوں کو جو علم فطرتاً عطا کیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔

رفع شبہ | ممکن ہے کہ کوئی شخص یہاں یہ شبہ کرے کہ آیۂ مبارک مَا اُوْتِیْتُمْ الخ اس طرح ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (ترجمہ) اے پیغمبر یہ لوگ تجھ سے روح کی نسبت سوال کرتے ہیں اُن سے کہہ دو کہ روح امر رب سے ہے اور تم کو نہیں علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلق علم کی کمی کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خاص علم روح کا ذکر ہے کہ وہ تم کو تھوڑا سا دیا گیا ہے۔ اور اس علم جزئی سے حقیقت روح کا ادراک ناممکن ہے مگر اس آیت کے الفاظ ظاہر یہ ہی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ جواب دیا گیا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (کہہ دو کہ روح امر رب سے ہے) یعنی روح خداوند عالم کے عالم امر سے ہے نہ کہ عالم خلق سے۔ عالم امر میں صرف ارادہ باری تعالیٰ کا تعلق کافی ہے۔ جہاں ارادہ الٰہی کسی شے سے متعلق ہوا فوراً وہ شئے موجود ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ

درجہ بدرجہ پیدا نہیں ہوتی۔ اشیائے عالم خلق حسبِ اسباب درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہیں۔ اور دونوں عالموں کی طرف کلام مجید حمید میں اشارہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنے امرِ الٰہی یہ ہے کہ جب اس نے کسی شے کا ارادہ کیا اور (کن) کہا فوراً موجود ہو گئی یہ لفظ (کن) جو فصیح ترین و مختصر ترین الفاظ سے ہے۔ تفہیم و تفہم سمجھانے اور سمجھنے کے لئے بیان فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا ورنہ دراصل یہ کوئی آواز نہیں ہوتی ہے جو خدا بولتا ہے اور شے موجود ہو جاتی ہے بلکہ اس کا کلام نفسِ ایجاد ہے جیسا کہ سر اللہ فی العالمین جناب امیر المومنین نے فرمایا ہے لَا بِصَوْتٍ يَقْرَعُ وَلَا بِنِدَاءٍ يُسْمَعُ بَلْ كَلَامُهٗ سُبْحَانَهٗ اِيْجَادُهٗ۔ یعنی وہ نہ تو کوئی آواز ہوتی ہے جس کا کھٹکا یا دھمکا ہو اور نہ کوئی ندا ہے۔ جو سنائی دے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نفسِ ایجاد ہے یعنے جس وقت ارادۂ الٰہی عالم امری کی کسی چیز سے متعلق ہوا۔ فوراً موجود ہو گئی۔ اور عالم خلق کی نسبت فرماتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (مومنون ع۱) البتہ ہم نے انسان کو خلاصۂ طین سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ قرارگاہ میں نطفہ رکھا۔ اور پھر نطفے کو علقہ (خون منجمد) بنایا اور علقے کو مضغہ (لوتھڑا) اور پھر اس کو ہڈیاں دیں اور پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری خلقت عطا کی۔ پس بزرگ و صاحب برکت ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے۔ یہ خلقت خلقت عالم خلقی ہے کہ انسان شکم مادر میں چھ درجے رفتہ رفتہ طے کر کے عالم انسانی میں داخل ہوتا ہے پس آیۂ مبارکہ میں سائلین کے جواب میں جو علمائے یہود و نصاریٰ سے تھے اور وہ جانتے تھے کہ انبیاء کے ساتھ ایک روح اعظم ہوتی ہے اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ حضرت آدم کے باب میں سن چکے تھے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ یہ روح جس کی بابت تم دریافت کرتے ہو۔ ہمارے عالم امری سے ایک مخلوق عظیم ہے۔ اور تم عالم مادی جسمانی سے ہو تم عالم امری کی اشیاء کا ادراک کر نہیں سکتے۔ اور تمہارا علم وہاں تک احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے لہٰذا آیۂ مبارکہ "وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" ان کی نافہمی کی علت کو بیان کرتی ہے اور ان کے علم کے محدود و جزئی ہونے پر

ذات ہے نہ کہ صرف علم روح کی نادانستگی پر (فافہم)

بعض جہال اس آیۂ مبارکہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ میں جواب میں مسامحہ کیا گیا ہے اور سائلین کو روح کی حقیقت کی بابت کچھ جواب نہیں دیا گیا۔ انکشافات جدیدہ سے اس اعتراض کی رکاکت و بطلان ثابت ہے۔ کیونکہ سائلین یہود جزیرۂ عرب کے جہال تھے اور دارائے علوم نہ تھے۔ اور تحقیقات جدیدہ میں ثابت ہے کہ علوم مرتب بہ ترتیب خاص ہیں اور جب تک علم متقدم حاصل نہ ہو تحصیل علم متاخر ممکن نہیں اور ترتیب علوم مثلاً اس طرح سے ہے۔ اول۔ علوم ریاضی۔ دوم علوم فلکیہ۔ سوم علوم طبعیہ۔ چہارم علم کیمیا۔ پنجم علم وظائف اعضاء و تشریح۔ ششم علم نفس و منطق۔ ہفتم علم اقتصاد سیاسی۔ ہشتم علم تکوین شعوب۔ نہم علم تمیز جمال۔ دہم علم مادۂ طبیعت اور اسی میں علم روح داخل۔ نیز علم عقائد و معارف الہیہ یازدہم علم اخلاق۔ دوازدہم علم حقوق۔ سیزدہم علوم سیاسیہ اس ترتیب سے ظاہر ہے کہ علم معرفت روح مرتبہ دہم میں ہے پس کس طرح سے جہال یہودیوں کے لئے معرفت حقیقت روح ممکن ہے تاکہ حقیقت روح سے جواب دیا جائے (فافہم)

علم کلی دوسرے علم یعنے علم کلی کی نسبت ارشاد فرمایا ہے یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ یعنی اللہ تم میں سے اہل ایمان اور اُن لوگوں کے درجات کو بلند کرتا ہے جن کو علم دیا گیا ہے۔ یہاں "من العلم" یا "ذیبن" نہیں فرمایا جس سے جزوی علم مراد ہوتا بلکہ العلم فرمایا جس سے مراد وہ گروہ خاص ہے جو مطلق علم اپنے وجود میں رکھتا ہے اور یہ علم علم اکتسابی نہیں ہے۔ بلکہ وہی علم ہے جو اس کا مرتبہ علم ایمانی سے متفرع و متنزل ہوا ہے غرض ان آیات میں دو علموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک علم محدود و جزوی ہے اور وہ اعم ہے۔ وہ سب کو شامل ہے اور دوسرا علم مطلق کلی۔ اور وہ مخصوص ہے ایک جماعت خاص سے اور طریق سعادت یہی علم ہے اور سعید و نیک بخت وہی قسم کے لوگ ہیں یا وہ لوگ جو دارائے علم مطلق ہیں۔ یا وہ لوگ جو ان سے لیتے ہیں اور ان کے مقلد ہیں۔

بیان علم ذاتی و رفع اشتباہ کوئی شبہ نہ کرے کہ "اوتو العلم" میں لفظ اوتو سے موہوم ہوتا ہے کہ یہ علم ان کا ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ بعد خلقت ذات ان کو عطا کیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان علاوہ اجزائے دیہ جسمانیہ اکسیر روح یا قوت ملکوتی رکھتا ہے۔ جو بجز اوصاف اجزائے مادیہ ہے۔ دیکھیے

دوسری چیز کی محتاج نہیں اور بجز دلیل علم ہے۔ بلکہ وہ قوتِ ملکوتیہ نفس قدسیہ علمیہ ہے جو انسان کو دی گئی ہے اور انسان اسی قوت سے انسان کہلاتا ہے۔ نہ کہ اجزائے مادیہ سے۔ پس وہ علم ذاتی رکھتا ہے اور علم کا مادہ اس کی فطرت میں داخل ہے اور اسی کی وجہ سے مکلف قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ ہرگز قابل تکلیف نہ ہوتا۔ البتہ علم اس کا بہت کم ہے اور محدود و ناقص اسی کی طرف اشارہ ہے آیہ مجیدہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم) یعنی اپنی توجہ کو خالصاً لوجہ اللہ قائم دین کے لئے منحصر کر۔ یہ دین فطرتِ الٰہی ہے جس پر خدا نے لوگوں کو مخلوق و مفطور کیا ہے اور خلق الٰہی کے لیے تبدیلی ممکن نہیں۔ یہی دین قائم و ثابت ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے اگر دین فطرت انسانی میں داخل نہ ہوتا۔ اور بالفطرت لوگ عالم نہ ہوتے۔ تو ہرگز مکلف نہ ہوتے۔ اسی دین فطری کی تکمیل کے واسطے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ اور اسی علم فطری کی تتمیم کے لئے آئے ہیں۔ پس یہ علم علم فطری ذاتی ہے۔ لیکن بالذات نہیں ہے علت موجدہ اور ہے اور علم ذاتی اور ہے اور علم ذاتی اور علم بالذات میں فرق ہے۔ خداوند عالم کا علم ذاتی بالذات ہے۔ اور یہ عزت اسی ذاتِ پاک سے مخصوص ہے (فافہم)

فرقِ عالم و علیم ایک عالم ہے اور ایک علیم۔ اوّل خداوند عالم نے اپنی ذات کو علیم سے متصف فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ" اور علم اس کا علم ذاتی ہے اور بالذات۔ بعد ازاں اپنے پیغمبروں کو علیم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف عزیز مصر سے فرماتے "وَاجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ" اور حضرت اسحٰق کے باب میں فرمایا ہے "وَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ" پس بعد خدا اس کے انبیاء علیہم السلام علیم ہیں اور علم ذاتی رکھتے ہیں۔ لیکن نہ بالذات بلکہ باعطائے الٰہی۔ اور ان کے تحت میں عالم ہیں جو ان سے علم لیتے ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف میں فرماتا ہے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ" یعنی ہر ایک ذی علم (عالم) کے اوپر علیم ہے پس ذی علم عالم ہیں۔ اور ان کے اوپر علیم پیغمبر ہے اور فوق پیغمبر خداوند عالم کہ علیم ازلی و ابدی ہے اور علم اس کا بالذات و عین ذات ہے۔

علّت خلقتِ انبیاء

خدانے جو انبیاء کو خلق فرمایا ہے۔ ان کی خلقت کی اصلی غرض کیا ہے آیا خاص ہمارے واسطے اور ہماری ہی ہدایت کے ہی کے لئے خلق کیا ہے یا کسی اور غرض سے ؟ اگر انبیاء کو خاص ہمارے ہی واسطے اور ہماری ہدایت ہی کے لئے خلق فرمایا ہے اور اُن کے وجود اور خلقت کی غرض و غایت ہم ہی تو ہیں - تو لازم آتا ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہوں اور ہماری خلقت مقصود بالذات ہو اور اُن کی مقصود بالعرض - کیونکہ مسلّم ہے کہ غایت ذی الغایت سے افضل ہوتی ہے جو چیز جس کی غرض سے اور جس کے واسطے بنائی جاتی ہے وہ افضل ہے اس چیز سے جو اُس کیلئے بنائی گئی ہے لہذا اگر انبیاء خاص ہمارے ہی لئے بنائے گئے ہیں - تو ہم یقیناً اُن سے افضل ٹھہرتے ہیں کیونکہ ان کی غرض و غایت ہم ہیں اور یہ باطل ہے کہ ہم انبیاء سے افضل ہیں اور نہ کسی کا یہ اعتقاد ہے - بلکہ حدیث قدسی " لولاک " الخ اس کے خلاف پر دال ہے یعنی اس سے صاف ثابت ہے کہ خلقت پیغمبر خاتم النبیین مقصود بالذات ہے اور ہماری خلقت بالعرض - یہ کلیہ کہ کل انبیاء ہماری خاطر اور ہمارے لئے خلق کئے گئے ہیں - غلط اور باطل ٹھہرا اور یہی مقصود ہے فافہم و تدبر -

پس معلوم ہوا کہ غرض و غایت خلقت ہم اور ہماری ہدایت نہیں - بلکہ خداوند عالم نے ان نفوس مقدسہ کو بغرض اظہار کمال و قدرت کاملہ و محبت شاملہ خلق کیا ہے کہ ان کے وجود کو دوست و محبوب رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے کمالات کا نمونہ اور اُس کی صفات کمالیہ - جلالیہ و جمالیہ کا مظہر ہیں اور ہر صاحب کمال اپنے کمال سے مبتہج و محفوظ ہوتا ہے اور اس کو محبوب رکھتا ہے - اسی واسطے حضرت موسٰے سے خطاب کرکے فرماتا ہے " وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِی " یعنی اے موسیٰ میں نے تجھے خاص اپنے واسطے پیدا کیا اور بنایا ہے - پس اصل غرض خلقت انبیاء سے اظہار قدرت و محبت الٰہی ہے - البتہ ہماری ہدایت اس کی فرع ہے - اور غرض عرضی و ثانوی - کیونکہ نفسِ وجود ان کا مظہر کمالات الٰہیہ ہے اور وہ ہمیشہ سالک صراط مستقیم الٰہی ہیں - اس لئے ہم ان سے معرفت حاصل کرتے اور ان کی پیروی کرکے منزل مقصود پر پہنچتے ہیں پس ہماری ہدایت ان کے آثار وجودیہ سے ہے نہ ان کی خلقت کی غرض و غایت اصلی خداوند عالم علیم بالذات ہے اور علیم بالذات اور علم بالذات جاہل بالذات کو محبوب و دوست نہیں رکھتا - کامل کمال کو دوست رکھتا ہے - لہذا اُس نے انبیاء کو جاہل

پیدا نہیں کیا۔ بلکہ عالم بکہ علیم پیدا کیا۔ در علم ان کی سرشت میں ودیعت کیا۔ بلکہ اول چیز جو مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے وہ علم ہی ہے۔ جیسا کہ سورۂ رحمٰن کی آیات اولیہ سے ظاہر ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" رحمٰن نے قرآن تعلیم دیا انسان کو خلق کیا۔ اور اس کو بیان سکھایا۔ ظاہر ہے کہ آیۂ مذکورہ میں تعلیم مقدم ہے خلقت پر خلقت بعد ہے اور تعلیم اول۔ کیونکہ علم ہی مقدم ہے۔ تمام چیزوں سے اول علم ہے۔ دوم مشیت سوم ارادہ۔ چہارم قدر۔ پنجم قضا۔ یا چہارم قضا و پنجم قدر۔ ششم اجل۔ ہفتم کتاب لہذا اول اس آیت میں علم ہی کو ذکر کیا گیا ہے کہ اول ما نزل من اللہ علم ہی ہے۔

نکتہ۔ یہاں خداوند عالم نے "الرَّحْمٰن" فرمایا ہے "اللہ" نہیں فرمایا۔ اور خلقت انسان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا ہے پس وہ متعلم کون ہے جس کو قبل خلقت قرآن تعلیم دیا گیا اور وہ تعلیم کس قسم کی تھی سو اللہ اسم خداوند عام ہے باعتبار جامع ہونے جمیع صفات کمالیہ کے۔ اللہ یعنی جامع جمیع صفات کمالیہ۔ اور رحمٰن اسم ہے باعتبار ظہور جمیع صفات کمالیہ کیونکہ رحمت ہی سے ظہور ہوتا ہے "و رحمتی وسعت کل شیء" اور تعلیم مقام ظہور ہے اس لئے "الرَّحْمٰن" فرمایا ہے۔ اللہ نہیں فرمایا ہے اور چونکہ رحمان اسم ہے باعتبار ظہور صفات۔ اسی واسطے جہاں کہیں عرش یعنی علم خدا کا ذکر آیا ہے۔ وہاں رحمٰن ہی استعمال ہوا ہے "الرحمن عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" یہ جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ خداوند عالم کا اسم ذاتی ہے نہ صفاتی۔ غلط محض ہے۔ خدا کیلئے کوئی اسم ذات نہیں ہے۔ اس کی ذات اسم و رسم حدود تحدید سے بری اور مقدس ہے کیونکہ مسلم ہے کہ اسم ذات مسمّٰی کو متخصص و محدود کر دیتا ہے اور ذات مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر اللہ اسم ذات خداوند عالم ہو۔ تو ذات خدا متخصص و محدود ہو جائے۔ اور نیز ہر شخص متصور احاطہ کرے اور پہچان لے۔ غرض اللہ بھی اسماء حسنیٰ صفاتیہ ہی میں داخل ہے۔ "اُدْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور رحمٰن دونوں ایک ہی جیسے اسماء صفاتیہ ہیں۔ اللہ ہرگز اسم ذات و علم نہیں پس خدا کے لئے کوئی اسم ذاتی قرار دینا درست نہیں۔ اور یہ متعلم جس کو قبل خلقت انسان تعلیم دی گئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ وہ اول موجودات ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ اول جو چیز مقام احدیت سے متنزل ہوئی ہے وہ علم ہے۔ پس حقیقت نورانیہ محمدیہ نفس حقیقت علمیہ ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ

تعلیم تعلیم عام غنصرن نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم ایجادی ہے۔ یعنی مبدءِ فیاض نے اول قوت علمیہ ایجاد کی
جو حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت کہ انبیاء کی تعلیم تعلیم ایجادی ہے اور ایجاد و
تعلیم ایک ہی آن واحد میں ہیں اور یہ تعلیم تعلیم تدریجی نہیں۔ قصۂ حضرت آدمؑ وغیرہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے "فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ" یعنے جب
میں اس کو درست اور معتدل بنالوں اور اپنی روح خاص اس میں پھونک دوں۔ تو تم فوراً سجدہ
تعظیمی میں جھک جاؤ اور پھر فرمایا ہے "وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" اللہ نے آدم کو تمام اسماء
تعلیم کر دیئے۔ پس یہ تعلیم حضرت آدمؑ محض نفخ روح ہی سے ہے نہ یہ کہ اول اُن کو خلق کیا گیا
پھر روح پھونکی گئی۔ بعد ازاں اُن کو درجہ بدرجہ تعلیم دی گئی۔ بلکہ ایجاد و نفخ روح اور تعلیم ایک
آن میں ہے۔ یعنی اُن کو عالم پیدا کیا گیا۔ اور وہ روح روحِ علمی ہے جو ان کو دی گئی۔ اُس کے
داخل ہوتے ہی عالم ہو گئے۔ اور وجود میں آئے اور عارف و عالم اسی طرح قصۂ حضرت عیسیٰؑ
اس پر دال ہے غرض انبیا علیہم السلام کو خدا نے مقام محبت سے خلق کیا ہے اور ان کو اپنی
صفات کاملہ و قدرت بالغہ کا نمونہ و مظہر قرار دیا ہے "وَلِلّٰهِ الْأَمْثَالُ الْعُلْيَا" تمام انبیاء
رجج اللہ نمونہ قدرت پروردگار ہیں اور مظہر صفات کمالیہ۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے "إِنَّ
اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَىٰ صُوْرَتِهٖ" تحقیق کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے ظاہر ہے
کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت مشخصہ نہیں ہے پس مراد صورت سے صورتِ معانی ہے۔ یعنی اپنی
صفات پر خلق کیا ہے اور اپنے اوصاف کا نمونہ و مظہر بنایا ہے۔

مثال۔ انبیا علیہم السلام اور مبدء فیاض تبارک و تعالیٰ کی مثل آفتاب و شعاع آفتاب
کے ہے۔ یعنی انبیاء کو مبدء فیاض و صانع مطلق سے وہ نسبت ہے جو بلا تشبیہ شعاع
آفتاب کو آفتاب سے ہے کہ شعاع کا مبداء آفتاب ہے اور شعاع آفتاب ہی سے ہے۔
مگر غیر آفتاب ہے۔ عین آفتاب نہیں ہے۔ اس سے متصل بھی ہے۔ اور جدا بھی۔ اسی کا مظہر اور
اسی کا اثر ہے۔ مگر عین ذات نہیں (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اسی طرح انبیاء رجج اللہ
نور الٰہی کی شعاعیں اور اس کی صفات کا نمونہ و مظہر۔ مگر عین ذات باری تعالیٰ نہیں جس طرح آثار
آفتاب و کمالات شعاع آفتاب ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ فیض عالم کو پہنچتا ہے۔ شعاعوں
کے ہی ذریعہ سے پہنچتا ہے اور اگر شعاع نہ ہوتی تو آثار آفتاب ہم پر منکشف نہ ہوتے شعاع
کو دیکھ کر آفتاب کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرح وجود انبیاء رجج اللہ جو نور سرمدی الٰہی کی شعاعیں

ہیں۔ انہیں کے ذریعہ سے ہم اپنے خالق و صانع کو پہچانتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ سے فیض نور سرمدی ہم تک پہنچتا ہے۔ ہم ان کو دیکھکر اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے وَاصْطَفَيْتُكَ لِنَفْسِي کا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اس لئے بنایا ہے کہ میرے کمالات و آثار تجھ سے ظاہر ہوں اور تجھے دیکھکر لوگ مجھے پہچانیں ورنہ میرا ادراک اور میری معرفت محال ہے ان کی بصارت میں اتنی قوت کہاں کہ نور سرمدی کا احساس کر سکیں۔

پس سب سے پہلے جو چیز مصدر علم سے صادر و ظاہر ہوئی ہے۔ وہ حقیقت نورانیہ محمدیہ ہے جو شعاع و ضوء نور سرمدی ہے اسی واسطے حدیث میں آیا ہے رسالہ بحار) اشتق نوره من نور الله" یعنی نور محمدی نور الٰہی سے متنزع و مشتق ہے اور جناب امام محمد باقر باقر علوم الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "نے جابر اللہ تھا اور اس کے ساتھ معلوم و مجہول کوئی شے نہ تھی پس اول اول جو خلقت عالم کی ابتدا کی تو محمد مصطفےٰ اور ہم اہل بیت کو اپنے نور عظمت و جلال سے خلق فرمایا۔ پس ہمکو سایہ سبز کی صورت میں کھڑا کیا جبکہ نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی نہ آفتاب تھا۔ نہ ماہتاب نہ رات نہ دن۔ ہمارا نور خدا کے نور سے اس طرح منفصل و جدا ہوتا تھا۔ جس طرح شعاع آفتاب یَفْصِلُ نُوْرُنَا مِنْ نُوْرِ رَبِّنَا كَشُعَاعِ الشَّمْسِ مِنَ الشَّمْسِ "اور چونکہ ظہور و انعکاس نورانیت کیلئے ضروری ہے کہ ایک وجود کثیف درمیان میں حائل ہو۔ مثلاً آئینہ اگر دونوں طرف سے یکساں شفاف ہو تو شعاع بصر منعکس نہیں ہو سکتی اور کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی اس لئے ایک طرف سے روشن اور دوسری طرف کثیف ہوا کرتی ہے۔ پس انبیاء حجج اللہ جو مظہر نور سرمدی ہیں ایک جنبہ جسمانی بھی رکھتے ہیں۔ تاکہ شعاع نور سرمدی منعکس ہو کر مخلوقات تک پہنچے اور یہ صفت ملائکہ میں نہیں ہے اور وہ اس خلافت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حافظ شیرازی نے اور بہت اچھا کہا ہے ؎

جلوہ کرد رخش دید ملک عشق نداشت
برق غیرت شدہ زیں آتش در آدم زد

دراصل یہ شعر ترجمہ ہے اس حدیث کا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت صفاتیہ پر پیدا کیا ہے۔ اور اپنے انوار جلالیہ و جمالیہ کا مظہر قرار دیا ہے اور جامع صفات متضادہ انسان ہی ہے نہ ملک (فافہم)

نورانیت اجسام انبیاء

بہرحال وجود اول جو مصدر و مبدء فیاض سے صادر ہوا ہے۔ وہ حقیقت علمیہ ہے۔ کیونکہ علیم بالذات سے صادر ہوا ہے اور روح قدس نبوتی حقیقت نوریۂ وجودیہ ہے اور یہ ضروری ہے کہ محل مناسب حال ہو اور ظرف مناسب مظروف۔ اگر ظرف مناسب مظروف اور محل مناسب حال نہ ہو تو وہ اس حال و مظروف کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ اور اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ لہذا لازم ہوا کہ اس حقیقت نورانیہ کے واسطے محل و ظرف بھی نورانی ہی ہو تاکہ معرفت نور سرمدی صرف ان کے بیان ہی پر موقوف نہ ہے۔ بلکہ ان کے دیکھنے سے بھی آثار نوریہ ظاہر ہوں۔ چنانچہ آیۂ نور میں اسی کی طرف اشارہ ہے" اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُبَارَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَا شَرْقِیَّۃٍ وَلَا غَرْبِیَّۃٍ یَکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ جب حقیقت روحانیہ بھی حقیقت نورانیہ ہے اور جسم بھی نورانی تو پھر نور علی نور ہی ہے پس نوع انبیاء نوع خاص ہے اور ان کا وجود مادی بھی مادہ کثیفہ سے نہیں ہے۔ بلکہ نورانی ہے اور اجسام عنصریہ سے خارج اور ان سے بالاتر ہے اور ان پر حاکم ہے۔ نہ ان کے ماتحت اور نہ ان کا محکوم۔ پس وہ عالم اجسام میں داخل بھی ہے۔ اور خارج بھی یہی وجہ ہے کہ اجسام عنصریہ ان پہ خود اثر نہیں کر سکتے۔ پڑھئے قصہ حضرت یونس کہ بروایت بعض چالیس روز تک اور ایک روایت کے موافق کم سے کم تین روز شکم ماہی میں زندہ رہے جس پر کتب عہد عتیق و جدید توریت وغیرہ شاہد ہیں۔ کونسا انسان ہے جو تین روز یا چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہ سکے علی ہذا القیاس جس وقت حضرت موسیٰ متولد ہو گئے ہیں اور فرعون کو خبر ملی تو اس نے مفتش کو تلاش و دریافت حال کیلئے بھیجا۔ جب مفتش داخل خانہ مادر موسیٰ ہوا۔ تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو ایک تنور میں رکھ دیا۔ اور اوپر کچھ لکڑیاں ڈال دیں تاکہ دکھائی نہ دیں ایک لونڈی نے بیخبری میں آکر تنور میں اور لکڑیاں ڈالیں اور آگ روشن کر دی۔ جب مفتش تلاش کر کے چلا گیا۔ تو والدہ حضرت موسیٰ دوڑیں اور چلائیں کہ تنور میں آگ کس نے روشن کر دی۔ لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ فرمایا اسمیں تو میرا بچہ ہے میں نے مفتش کے خوف سے رکھ دیا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھکو خبر نہ تھی۔ اور موسیٰ گھبرائیں۔ اور جب تنور میں دیکھا۔ تو حضرت موسیٰ صحیح و سالم موجود ہیں اور آگ سے کھیل رہے ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آگ

تنور میں خود بخود روشن ہو گئی تھی۔ سبحان اللہ چونکہ وجود اقدس وہی اجسام عنصریہ پر غالب ہے اگر تھا۔ آگ اس پر اثر نہ کر سکی۔

اسی طرح قصہ ابراہیم خلیل اللہ مشہور و معروف ہے کہ آتش حضرت کیلئے گلزار ہو گئی تھی۔ بعد ازاں بحکم خدا اور موسیٰ نے ان کی ماں نے صندوق میں بند کر کے دریا میں پھینکدیا اور حضرت ایک مدت برابر تین روز تک دریا میں رہے اور زندہ نکلے۔ حالانکہ دوسرا بچہ اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اگر صندوق میں سوراخ رکھے جائیں تو پانی بھر جائے اور بچہ دم گھٹ کر مر جائے اور اگر بالکل بند کر دیا جائے تو ہوا داخل نہ ہو اور سانس بند ہو کر بچہ ہلاک ہو جائے۔ مگر مادر حضرت موسیٰ نے صندوق کو ہر ایک طرف سے بالکل بند کر کے دریا میں ڈالدیا۔ اور حضرت موسیٰ زندہ رہے جس کی خدا خبر دیتا ہے "فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ" اس صندوق کو دریا میں ڈالدے۔

بالجملہ محل مناسب حال ہے اور حقیقت نورانیہ نبویہ کا ظرف بھی نورانی و فوق اجسام عنصریہ ہوتا ہے اور جب اس کی نورانیت درجہ کمال پہ پہنچتی ہے تو پھر اس جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ نور محض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خصائص وجود اقدس احمدی سے ہے کہ حضرت کے جسم اقدس کا سایہ نہ ہوتا تھا۔ پس انبیاء علیہم السلام کو جو اجزائے مادیہ عطا کئے گئے ہیں وہ ہماری روح سے لطیف تر اور نورانی ہیں۔

بیان خلقت انبیاء علیہم السلام

حضرت آدم سے لیکر تا حضرت خاتم الانبیاء علیہم السلام کا حال ولادت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت انبیاء علیہم السلام اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف نہیں ہے۔ حضرت آدم کے باب میں "إِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" فرمایا ہے اسباب ظاہری کا کہیں ذکر نہیں۔ بعد ازاں حضرت اسحاق کی ولادت کے قصے کو پڑھئے سورہ ذاریات میں خدا فرماتا ہے "وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ" ملائکہ نے حضرت ابراہیم کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی۔ "فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ" پس حضرت ابراہیم کی بیوی (سارہ) اپنی لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ خوشخبری سننے کو آئیں اور ملائکہ کو دیکھ کر شرم سے منہ ڈھانپ لیا یا منہ پیٹ لیا اور کہا بڑھیا ہوں۔ اور میرا شوہر بھی قابل اولاد نہیں ہے۔ پھر اولاد کیسے ہوگی "قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ" ملائکہ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے کہ تمہارا

قابل اولاد ہے۔ اور نہ تمہارے شوہر ابراہیم قابل توالد۔ لیکن یہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے
اور وہی صاحب حکمت اور ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے اُس کے نزدیک کوئی دشوار
نہیں کہ اس سن میں تمہیں فرزند عطا فرمائے۔ دوسرے مقام پر سورۂ ہود میں اس قصے کا
ذکر ہے "وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ
أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ" جب
ملائکہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس گئے تو اُن کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہنسیں پس ہم نے
ان کو اسحٰقؑ اور بعد اسحٰقؑ یعقوبؑ کی بشارت دی۔ اس نے کہا کیا میں جنوں گی۔ حالانکہ میں بڑھیا
ہوں۔ اور یہ میرا شوہر بھی ضعیف ہے۔ تحقیق یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس سن میں اولاد
ہو "قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ
الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ" (ہود ع) ملائکہ نے جواب میں کہا کیا تم امر الٰہی سے
تعجب کرتی ہو؟ تم اہل بیت نبوت پر خدا کی خاص رحمت و برکات ہیں۔ اور وہی صاحب
حمد و صاحب بزرگی ہے۔

اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خلقت انبیاء عالم امری سے ہے۔ وہاں صرف
ارادہ الٰہی متعلق ہونے کی ضرورت ہے۔ ان کی خلقت اسباب ظاہریہ مادیہ پر موقوف
نہیں ہے اگر تم اور تمہارے شوہر دونوں قابل توالد و تناسل نہیں ہیں۔ تو تم سے فرزند پیدا ہونا
کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور خلقت کا اسباب ظاہریہ پر موقوف
نہ ہونا صرف تم اہل بیت نبوت ہی کے واسطے ہے اور یہ رحمت و برکت انبیاء ہی کے لیے
ہے۔ عام لوگ اس میں شرکت نہیں رکھتے ہیں۔ حضرت سارہؑ کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی
تھی اور حضرت ابراہیمؑ کی ایک سو بیس سال کی۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔ پس ایسے وقت میں ان سے
اولاد کا ہونا جبکہ بتصدیق خداوند عالم و ملائکہ وہ قابل توالد و تناسل نہ تھے۔ یہ خاص رحمت خدا
نہیں تو اور کیا ہے اس سے صاف معلوم ہے کہ خلقت انبیاء کی صورت کچھ اور ہی ہے
نہ کہ عام لوگوں کی طرح۔ اور ان کی خلقت عالم امری سے ہے نہ کہ عالم خلقی سے جو موقوف
باسباب ظاہریہ ہو۔

اس سے زیادہ صریح قصہ حضرت عیسٰیؑ کا ہے۔ حضرت مریمؑ نے بھی اس بشارت سے تعجب
ظاہر فرمایا ہے "وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ
اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ
غُلٰمًا زَكِيًّا قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا قَالَ
كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَ
كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (سورۂ مریم رکوع ۲) ... میں ذکر مریمؑ کو جبکہ وہ اپنے کنبے سے
الگ ہو کر جانب مشرق چلی گئی۔ اور ان کی طرف پردہ حائل کر لیا پس ہم نے اس کی طرف اپنے
فرشتے کو بھیجا جو بصورت بشری اُن کے سامنے آیا۔ تو مریمؑ نے کہا میں خدا سے پناہ مانگتی
ہوں اگر تو متقی و پرہیزگار ہے کہ تو میرے پاس کیوں آیا ہے اس نے کہا سوائے اس کے نہیں
ہے کہ تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا عنایت کروں
مریمؑ نے کہا میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے۔ اور نہ
میں (معاذ اللہ) بدکار ہوں (اس مقام پر تخصیص بعد تعمیم ہے مطلب حضرت مریمؑ کا یہ
ہے کہ میرے شرعی شوہر تو ہے ہی نہیں جو مجھ سے ہمبستر ہوتا اور میں زانیہ بدکار بھی نہیں
ہوں کہ غیر شرعی طور پر کوئی بشر مجھ سے مس کرے۔ غرض حضرتؑ اپنی عصمت کو ظاہر فرماتی
ہیں۔ اور علماء حضرتؑ کی تصدیق کرتے ہیں) اس فرشتے نے کہا ایسا ہی ہے (نہ تم کو شوہر
نے مس کیا ہے اور نہ کسی اور شخص نے) مگر تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ امر میرے لئے آسان
ہے (کہ بلا اجتماع مرد و زن و تہیہ اسباب ظاہری بچہ پیدا کر دوں) اس لئے کہ ہم اس کو لوگوں
کے لئے اپنی آیت و رحمت خاص قرار دیں گے۔ اور یہ امر طے شدہ ہے۔ قضا اس پر جاری
ہو چکی ہے۔ اس آیت کے آخر میں خدا فرماتا ہے "ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ
الَّذِیْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ" یہی عیسیٰ ابن مریم ہے جس کی ولادت اس طرح مذکور ہوئی یہ سچی
بات ہے جس میں لوگ شک و شبہ کرتے ہیں۔ "مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ
اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" خدا کی شان کے یہ شایاں نہیں ہے کہ
وہ اپنے لئے کسی کو بیٹا بنائے یا کسی قسم کی جزئیت ولدی اختیار کرے وہ ان امور سے پاک
و پاکیزہ ہے وہ وہ ذات پاک ہے کہ جب وہ کسی امر کا حکم کرتا ہے اور اس کی قضا اس
پر جاری ہوتی ہے۔ پس وہ کن کہتا ہے اور وہ امر ہو جاتا ہے یعنی اس کا ارادہ متعلق ہوتے ہی
وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔ پس وہ خلق کرنے میں کسی سبب ظاہری کا محتاج نہیں ہے۔ یہ آیت

بالصراحت دال ہے کہ خلقت انبیاء علیہم السلام عالم امری سے ہے نہ عالم خلقی سے۔ اسباب ظاہریہ کو یہاں دخل نہیں۔ چنانچہ دوسرے مقام پر حضرت عیسٰیؑ ہی کے باب میں فرمایا۔ "وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ" یعنی عیسٰیؑ خدا کا کلمہ وجودیہ ہے اور اس کی ایک روح خاص ہے۔ اسباب مادیہ ارضیہ کو اس کے وجود میں کوئی دخل نہیں۔

درجات سہ گانۂ انسانی

یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک علیم اور وہ حجج اللہ انبیاء و ائمہ ہیں۔ دوسرے ذی علم یعنی عالم جو اس علیم سے علم لیتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو نہ تو خود علیم ہیں اور نہ علیم سے لیتے ہیں پہلے دو قسم کے لوگ طریق نجات پر ہیں۔ اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے نجات نہیں۔ جناب امیر المومنین سر اللہ فی العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ "النَّاسُ ثَلَاثَةٌ عَالِمٌ رَبَّانِيٌّ وَمُتَعَلِّمٌ عَلَىٰ سَبِيلِ النَّجَاةِ وَالْبَاقِي هَمَجٌ أَتْبَاعُ كُلِّ نَاعِقٍ" یعنی آدمی تین قسم کے ہیں ایک عالم ربانی۔ دوسرے متعلم بر سبیل النجاۃ جو عالم ربانی سے علم سیکھتے ہیں اور باقی مثل (خرمگس) گندگی کی مکھیوں اور کیڑوں کی طرح کے ہیں جو ہر ایک آواز کے پیچھے ہو لیتے ہیں جس طرح وہ مکھیاں ہیں کہ جہاں کہیں بو سے بدبلند ہوئی وہیں پہنچ گئیں جیسا کہ آج کل یہاں کے لوگوں کا حال ہے کہ ہر ایک جاہل و ملحد بیدین کے پیچھے ہو لیتے ہیں خواہ وہ حرامزادہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کیسا ہی کریہ المنظر زشت الخلقت اور مجموعۂ عیوب کیوں نہ ہو۔

جناب امیر المومنینؑ کا یہ کلام مستنبط ہے آیۂ ذیل سے جس میں لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے "فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ" ایک اصحاب یمین۔ دوسرے اصحاب شمال۔ تیسرے سابقین و مقربین۔ پس سابقین مقربین حجج اللہ و انبیاء و اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور اصحاب یمین ان کا اتباع کرنے والے مومنین ہیں اور اصحاب شمال وہی تیسرے فرقے کے لوگ ہیں جو نہ سابقین میں داخل ہیں نہ ان کے قدم بقدم چلنے والے۔ اور انہیں کے لئے نجات نہیں۔ پس بکمال وضاحت ثابت ہے کہ طریق سعادت منحصر ہے دو چیزوں میں یعنے یا تو دارندۂ علم وہبی انبیاء و اوصیاء سے ہو یا ان کے متبعین و تابع ان کے قدم بقدم چلنے والا۔ اور کسی کے لئے نجات و سعادت نہیں۔

بہر کیف چونکہ عوام کی تعلیم اور اُن کے علوم ناقصہ کی تکمیل کے لئے اول معلم ضروری ہے اس لئے اول شئے جو مبدء فیاض و مصدر علم سے ظاہر و صادر و منزل ہوئی ہے وہ حقیقت نوریہ محمدیہ ہے۔ جو معلم تعلیم الٰہی دارائے جنس علم بلکہ اصل علم اور عالم کے لئے معلم روحانی ہے اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ۔ لہذا ازاں عالم جسمانی میں بھی اول معلم ہی بھیجا گیا ہے یعنی حضرت آدمؑ اس وقت بھیجے گئے۔ جبکہ آپ کی اولاد میں سے کوئی انسان موجود نہ تھا۔ تاکہ جس وقت سلسلہ توالد و تناسل جاری ہو۔ تو معلم اُن کا پہلے سے موجود ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ وجود حجت۔ (نبی یا امام) ہر وقت اور ہر زمانے میں ضروری ہے۔ مخلوق سے پہلے بھی حجت خدا موجود تھا۔ اور مخلوقات کے ساتھ بھی اور بعد میں بھی اسی واسطے خدا فرماتا ہے یَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ یعنے روز قیامت ہر ایک شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ بلا وجود امام قیامت قائم ہی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہی مضمون حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ اَلۡحُجَّةُ قَبۡلَ الۡخَلۡقِ وَبَعۡدَ الۡخَلۡقِ وَمَعَ الۡخَلۡقِ یعنے حجت خدا قبل خلق بھی موجود ہوتا ہے اور مخلوق کے ساتھ بھی اور بعد فناء مخلوقات بھی تاکہ اس کے ذریعہ سے اُن کا حشر ہو۔

پس حجج اللہ نمونہ صفات الٰہی و معلم تعلیم الٰہی ہوتے ہیں۔ خالق سے لیتے ہیں اور خلق کو پہنچاتے ہیں اور حجیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ظاہری اور باطنی اور پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ رہا یہ امر کہ اس حجت اللہ اور معلم الٰہی کو مخلوقات عالم سے پانچ قسم کے تعلقات میں سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے اس کو کسی اور موقع پر بیان کیا جائے گا۔ قصۂ حضرت ہابیل کو خیال کیجئے۔ تاکہ تمہیں حجۃ اللہ کے تعلق کا کچھ حال معلوم ہو کہ جس وقت قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا ہے تو لکھا ہے اور صحیح ہے کہ تمام موجودات عالم میں انقلاب اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا کیونکہ وہ وصی حضرت آدم تھے۔ اور اُن کے بعد حجت خدا تھے۔ اسی تعلق کی وجہ ہے کہ ان ایام (محرم میں) عالم مضطرب و منقلب نظر آتا ہے کیونکہ حجت موجود امام زمانؑ وہی حجت خدا ہے اور اس حجت موجود کو اس حجت خدا سے جس سے یہ ایام مخصوص ہیں نسبت پدری و تعلق اتصالی و باطنی حاصل ہے۔ اگرچہ یہ امام بظاہر آخر زمانہ میں آیا ہے۔ لیکن بحالت اضطراب کربلا میں اس حجت خدا امام ہدیٰ سید الشہداء پر طاری ہوتی ہے وہ ہی اس حجت موجود نہ زمانہ پر طاری ہوتی ہے اور جو انقلاب و تزلزل اس وقت اجزائے عالم میں پیدا ہوا تھا۔ وہی اس وقت اس کے انقلاب کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور ہلال محرم کے دکھائی

موعظۂ دوم

۴ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۲ ہجری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ

ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ

طریق تعلیم اور اس کی کیفیت

ذکر کیا جاچکا ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے یا غیر ذاتی۔ اور نیز یا باطنی ہے یا ظاہری یعنی بذریعۂ آلات ظاہریہ چشم و گوش۔ اور جس کا علم ذاتی نہیں ہے چاہئے کہ وہ اس سے حاصل علم کرے جس کا علم ذاتی ہے، اور آلات ظاہریہ پر موقوف نہیں ہے۔ خداوند عالم قصۂ آدم اور ابتدائے خلقت انسان کے بارے میں فرماتا ہے "اَلَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ" سجدہ ع ۱ (یعنے پروردگار عالمیان وہ ہے جس نے اپنی ہر مخلوق کو احسن اور بہترین عمدہ پیدا کیا ہے۔ اور خلقت انسان کی ابتداء مٹی سے کی پھر اس کی نسل ایک ذلیل قطرہ آب سے قرار دی) اور اس انسان اول (آدم) کو درست و معتدل بنا کر اس میں اپنی ایک ذی سی روح پھونک دی اور اے بنی آدم، تمہارے لئے اللہ نے کان آنکھ اور دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر گذار ہو۔ پس انسان اول یعنی حضرت آدمؑ ابو البشر کے لئے ایک روح خاص عطا ہوئی اور ان کی اولاد اور نسل کے لئے آنکھ کان اور دل دیئے گئے اور آیۂ مبارکہ "اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ" (نکالا تم کو شکم امہات سے درآنحالیکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے کان آنکھ اور دل دیئے) کے ملانے سے نتیجہ ظاہر ہے کہ بنی آدم کے لئے آلات تحصیل علوم

یہی کان آنکھ اور دل بنائے گئے ہیں۔ اور آدم کو تحصیل علوم میں اُن آلات کا محتاج قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ذریعہ تعلیم علوم وہی روح ہے۔ پس یہ روح خاص نبی اللہ سے مخصوص ہے اور تعلیم کا آلات ظاہریہ پر موقوف ہونا بنی آدم سے مختص ان دونوں آیات مبارکہ میں سمع کو بصر پر مقدم رکھا ہے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اول آلہ تعلیم کان ہے اور ظاہر و مشاہد ہے کہ مادر زاد اندھا تعلیم پا سکتا ہے لیکن مادر زاد بہرہ تعلیم نہیں پا سکتا۔ مگر بہت ہی خفیف اور کم۔ غرض پیغمبر کی ذات کے ساتھ علم ہوتا ہے۔ اور غیر پیغمبر کا علم غیر ذاتی ہے۔ اُن کو چاہئے کہ پیغمبر سے علم حاصل کریں۔

علم ذاتی اور علم بالذات

علم ذاتی دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جہاں علم عین ذات ہے اور زائد بر ذات نہیں۔ علم عین ذات ہے۔ اور ذات عین علم اور اسی کو علم ذاتی بالذات کہتے ہیں۔ اور یہ مخصوص ہے ذات واجب الوجود خداوند عالم سے کہ اس کی تمام صفات عین ذات ہیں، نہ زائد بر ذات۔ پس اس کا علم بھی عین ذات ہے۔ اور علم و ذات دو چیزیں نہیں ہیں۔ اس کی ذات علم ہے علم ہے اور ایک علم ذاتی وہ ہے۔ جہاں علم اور ذات دو چیزیں ہیں اور علم ذات شے سے علیحدہ اور زائد بر ذات ہے اور گویا وہاں علاوہ علم اور شے بھی ہے صرف علم ہی علم نہیں ہے اور ایسا علم جو عین ذات نہیں ہے۔ بلکہ خارج از ذات و زائد بر ذات ہے محتاج و معطی و معلم ہے اور یہ معلم و معطی وہی خالق و ذات واجب الوجود علیم مطلق ہے۔ یہ علم ذاتی انبیاء اوصیاء ائمہ علیہم السلام کا ہے۔ کہ اگرچہ زائد بر ذات ہے لیکن خدا نے ذات کے ساتھ عطا کیا ہے اور اسی نبی کی ذات عین علم اور اس کا علم عین ذات نہیں ہے۔ کبھی اس سے علم کی نفی کی جاتی ہے اور یہ نفی علم گویا ان کے مرتبہ جسمانی عنصری سے تعلق ہے اور کبھی اس کو مبدء علم و خزانۂ علم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صاحب روح قدس ہے۔ جو روح نورانی علمی ہے اور وجود جسمانی اس کا کلمۃ اللہ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے باب میں فرمایا ہے: "وکلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ"۔ اور پیغمبر خاتم النبیین کلمہ علیا) "وکلمۃ اللہ ھی العلیا" وکلمہ تامہ "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا" بہ آیہ مجیدہ "وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ" = اے پیغمبر تو نہیں موجود تھا جانب غربی میں جبکہ ہم نے موسیٰ کو

اس امر خاص کا حکم دیا اور تو وہاں شاہدین میں سے نہ تھا۔ "وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ" (قصص ٤٦) اور تو نہیں تھا طور کی جانب جبکہ ہم نے موسیٰ کو ندا دی۔ لیکن یہ سب کچھ تیرے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ تو ڈرائے اُس قوم کو جس کے پاس ہم نے تجھ سے پہلے کوئی نذیر (پیغمبر) نہیں بھیجا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اسی مضمون کی دیگر آیات جن میں خدا پیغمبر کے موجود ہونے کی نفی کرتا ہے اور آیہ مجیدہ "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا" (کیونکر ہوگا۔ جبکہ ہم ہر ایک امت کا شہید بلائیں گے۔ اور تجھ کو اے پیغمبر تمام شہیدوں پر شہید قرار دیں گے) اور اس جیسی آیات میں جن میں پیغمبر کے شہید مطلق ہونے اور تمام عوالم پر حاضر ہونے کی خبر دیتا ہے کہ پیغمبر باوجودیکہ سب کے آخر میں آیا ہے لیکن تمام انبیاء پر تا حضرت آدم شہید اور اُن پر حاضر و ناظر ہے اور اُن کے افعال و اعمال کو دیکھتا ہے۔ فی الحقیقت کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں پیغمبر سے نفی علم کی گئی ہے۔ وہ نفی علم بالذات ہے۔ کیونکہ علم پیغمبر موقوف بر تعلیم الٰہی ہے۔ جیسا کہ "مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ" میں اور جہاں حضور و شہود کی نفی ہے۔ وہاں حضور و شہود جسمانی مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر تو اس صورت میں یعنی بصورت جسمانی کوہ طور اور جانب غربی میں موجود نہ تھا۔ مگر اپنی رحمت سے خدا نے اُن امور کا علم تجھے بذریعہ تعلیم روحانی دے دیا تھا اور اسی روح کی وجہ سے شہید تھا اور جہاں خدا شہید مطلق فرماتا ہے اور حضرت آدم تک بلکہ تمام عوالم پر شہید و حاضر و ناظر قرار دیتا ہے وہ بلحاظ اسی روح اعظم نبوتی سے ہے جو اول مخلوق و حقیقت علمیہ ہے۔ اور نبوت اسی پر موقوف ہے نہ صورت جسمانی پر پس کوئی تنافی و تضاد ان آیات میں نہیں ہے کیونکہ نبی کے دو جنبے ہوتے ہیں۔ ایک جنبہ جسمانی۔ دوسرا جنبہ روحانی "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" اور بلحاظ اسی روح کے وہ عالم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ روح روح نورانی علمی ہے اور تمام انسان ایسے نہیں ہوتے اور سب میں یہ روح علمی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا علم غیر ذاتی ہے۔ اور اُن کو چاہیے کہ وہ اُن سے تعلیم پائیں جن کا علم ذاتی اور صاحب روح نورانی علمی ہیں۔ اور یہی مطلب ہے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ" کہ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علیم ہے، ذی علم و صاحب علم وہ عالم ہے جس نے علم پیغمبر سے حاصل کیا ہے اور علیم

پیغمبر ہے کہ جس کا علم ذاتی ہوتا ہے اور شکم مادر سے علم لے کر پیدا ہوتا ہے اور علیم کہلاتا ہے پس علم ہر عالم کا منتہی ہوتا ہے علیم یعنی پیغمبر کی طرف اور علم پیغمبر منتہی ہوتا ہے۔ علیم مطلق خداوند عالم کی طرف۔ اور وہ علیم فوق علیم ہے۔ اور علم وہی ہے جو علیم سے حاصل ہوا ہو۔ دوسرا علم علم نہیں۔ بلکہ مشابہ بعلم بھی نہیں ہے۔ مگر بہت تھوڑا سا:

وجود علیم ہر زمانے میں ضروری ہے

اور اسی وجہ سے خدا نے اول علیم یعنی نبی کو پیدا کیا تاکہ معلم پہلے سے موجود ہو اور اس سے ثابت ہوا کہ وجود علیم ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ اس وقت بھی چاہیئے کہ ایک علیم اور ایک ایسا شخص جس کا علم ذاتی ہے۔ موجود ہو۔ عجل اللہ فرجہ۔

درجات انبیاء و علوم انبیا

علم ذاتی اور وہ علوم جو علیم مطلق سے بذریعۂ تعلیم روحانی پہنچے ہیں وہ بھی مختلف درجہ رکھتے ہیں اور علم ہر پیغمبر کا حسب ضرورت و مصلحت مکان و زمان دوسرے سے جدا و مختلف ہوتا ہے اور ابتدائے خلقت انسانی سے درجہ بدرجہ ترقی کرتا آیا ہے۔ اور ان علوم انبیاء کی مثال کالج یا سکول کی جماعتوں کے مختلف کورسوں کی ہے کہ ہر ایک جماعت اور طبقے کے لئے ایک علیحدہ کورس اس کی استعداد و قابلیت کے موافق بنایا جاتا ہے۔ جو کورس دوسری جماعت کے لئے مقرر کیا جائے گا۔ وہ پہلی کیلئے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابھی اس کے سمجھنے اور یاد کرنے کی استعداد اور قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اور ان کورسوں میں سے اگرچہ ہر ہر کورس اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے کامل غیر ناقص ہوتا ہے لیکن بلحاظ جماعت مافوق کم اور ادنیٰ اور درجۂ مافوق میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں۔ جو جماعت ماتحت میں ہوتی ہیں۔ بلکہ بہت کچھ زائد اور ہر درجے اور طبقے کے واسطے معلم بھی ویسے ہی مقرر ہوتے ہیں۔ جس معلم کی صرف پہلی جماعت کیلئے ضرورت ہے وہ آٹھویں جماعت کو تعلیم نہیں دے سکتا اور وہ معلم و استاد جو آٹھویں کو پڑھاتا ہے وہ پہلی دوسری کو ضرور پڑھا سکتا ہے۔ جو ایم۔ اے کلاس کو تعلیم دے سکتا ہے۔ وہ ایف۔ اے کو بھی پڑھا سکتا ہے۔ پس جب تعلیم منتہی درجہ تک پہنچتی ہے تو اس کا معلم بھی ایسا ہی ہوتا ہے جو تمام علوم اولیہ کو مع شے زائد حاوی و جامع ہو۔ سلسلۂ تعلیم رسمی میں ابتدائے درجہ کو اوّل حروف مفردہ اور الفاظ مفردہ بلا معانی و مطالب لکھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ اسی طریق پر خداوند عالم نے اول معلم نوع انسانی یعنی حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماء دی اور تمام چیزوں کے

نام بتلائے گئے ہیں۔ مصادیق و مصادر تو ان اسماء میں داخل تھے اور ان کی تعلیم ہوئی تھی لیکن حقائق و بواطن اس میں داخل نہیں تھے کیونکہ اول افراد انسانی جو متعلمین حضرت آدمؑ تھے ان میں حقائق اشیاء کے سیکھنے کی قابلیت نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" تمام اسماء حضرت آدمؑ کو تعلیم دے دیے ✤

نکتہ۔ جس وقت بمقابل حضرت آدمؑ ملائکہ کا امتحان مقابلہ لیا گیا تو خدا نے فرمایا۔ "اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" اگر تم اپنے دعوے خلافت میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ "هٰۤؤُلَآءِ" اسم اشارہ ہے اور اشارہ شئے موجود کی طرف کیا جاتا ہے لہذا ظاہر ہوا کہ وقت تعلیم اسماء اور اس استفسار پر مسمیات اسماء بطور حقائق یا بطور اشباح موجود تھیں جب ہی تو خدا نے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ و اسماء شامل ہے تمام اسماء ارضی و سماوی۔ مادی و غیر مادی و جواہر و اعراض کو پس چاہئے کہ اعراض بھی بطور وجود اصلی موجود ہوں۔ تاکہ اشارہ صحیح و درست ہو۔ لہذا حکماء کا یہ قول باطل ہے کہ اعراض وجود اصلی نہیں رکھتے۔ بلکہ تمام اعراض مثل سرخی و سبزی۔ سفیدی و سیاہی و تلخی و شیرینی وغیرہ وغیرہ سب حقائق متأصلہ رکھتے ہیں اور ان کا بھی ایک وجود اصلی ہے۔

الغرض دو قرن بعد زمانۂ نوحؑ میں سلسلہ تعلیم میں ترقی شروع ہوئی۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں قانون شریعت مرتب نہ تھا۔ محض مستقلات عقلیہ نظریہ تھیں۔ چنانچہ احادیث متعدد و آیات کثیرہ شاہد ہیں اور خداوند عالم فرماتا ہے "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰۤى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا" شریعت و دین قرار دیا۔ تمہارے لئے وہی جو ہم نے نوحؑ کو وصیت کیا تھا۔ اور جو تجھکو وحی کی اور جو ابراہیمؑ و موسیٰ و عیسیٰؑ کو وصیت کیا تھا کہ دین کو قائم کر دادر متفرق نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ شریعتیں پانچ ہیں۔ شریعت نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ اور محمد مصطفیٰؐ۔ اور شریعت محمدی جامع ہے۔ جمیع شرائع سابقہ کو مع شئے زائد جو ان میں نہ تھی اور خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی ہوئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی شریعت شریعت ناسخہ مطلقہ ہے اور ان شرائع میں حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں ہے۔ اس وقت قانون شریعت نہ تھا اور درجہ ابتدائی تھا اور زمانہ نوحؑ اس سے ترقی یافتہ اس لئے وہاں قوانین

تشریعی کی ضرورت پڑی اور وہ بنا گیا۔ اور اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریعت خاتم النبیین پر ختم ہے
کیونکہ بطور حصر خدا نے فرمایا ہے کہ نوحؑ سے تا حضرت خاتم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت
ہے۔ اول نوحؑ ہیں آخر خاتم النبیین محمد مصطفےٰ اور اگرچہ زمانہ نوحؑ میں سلسلہ ایک درجہ ترقی کر
گیا تھا۔ اور قانون شریعت مرتب ہو گیا تھا۔ لیکن تعلیم حقائق اس وقت بھی نہ تھی۔ جس وقت
حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آیا۔ تو ان کو تعلیم حقائق بھی دی گئی۔ اور بواطن زمین و آسمان دکھلائے
گئے۔ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ یہی وجہ تھی کہ آپ خلعت نبوت و رسالت کے ساتھ خلعت
امامت سے مشرف و مخلع ہوئے۔ "وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ
قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" کیونکہ امامت آخر درجات حقائق ہے اور موقوف
ہے احاطہ حقائق پر۔ چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا "وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ
بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ"
(سورہ حج ع ۴) پکار لوگوں کو حج کیلئے۔ تیرے پاس پیادہ اور لاغر اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز
مقامات سے آئیں گے۔ آپ نے آواز دی۔ کہاں آواز دی۔ جہاں کوئی موجود نہ آبادی تھا۔
"بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ" لکھا ہے۔ آواز ابراہیمی کو ان نطفوں تک نے سنا جو ابھی صلب
پدر یا شکم مادر میں تھے۔ بلکہ ابھی عالم ذری برزخی میں ہی تھے۔ کیونکہ امام تھے اور احاطہ
بر حقائق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت حاجی حج کا احرام باندھتا ہے۔ تو اول
"لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ" یعنے اس دعوت ابراہیمی کا جواب دیتا ہے۔ کہ ہم
حاضر ہیں۔

درجات ششگانہ نبوت

کونات عالم من حیث المواد چھ درجے رکھتے ہیں۔
اول صورت ترابیہ۔ دوم صورت انشریہ۔ سوم
جماد۔ چہارم نبات۔ پنجم حیوان۔ ششم انسان۔ مقسم فرائض بہام بھی چھ ہیں ۲/۳۔ ۱/۳۔ ۱/۲۔
۱/۴۔ ۱/۶۔ ۱/۸۔ کیونکہ فطرت چھ قسم پر منقسم ہے۔ انسان شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔
اول نطفہ ہوتا ہے۔ پھر علقہ پھر مضغہ پھر ہڈیاں۔ پھر گوشت پوست بعد ازاں خلقت
انسانی عقلانی۔ سلسلہ نبوت بھی چھ قسم پر منقسم ہے۔ حضرت آدمؑ سے ابتدا ہے
اور جناب خاتم پر انتہا۔

اوّل نبوت حضرت آدمؑ ہے۔ دوم نوحؑ سوم ابراہیمؑ چہارم موسیٰؑ پنجم عیسیٰؑ ششم محمد مصطفےٰ خاتم النبیین۔ گویا بلاتشبیہہ مقام نبوت حضرت آدمؑ مقام نطفیت ہے اور مقام نوحؑ مقام علقیت و مقام حضرت ابراہیمؑ مقام مضغیت و مقام موسیٰ مقام عظمیت اور مقام عیسیٰ مقام لحمیت اور مرتبہ ختم نبوت مقام "اَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ" اور باقی نبوات انہی کے تحت و درمیان میں ہیں پس مرتبہ ختم نبوت محمد مصطفےٰ فوق جمیع نبوات و منتہائے نبوات ہے اور حضرت ابراہیمؑ متوسط ہیں اور شجرۃ الانبیاء کہلاتے ہیں۔ اور امامت ان ہی کو عطا ہوئی۔ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے درجات و معجزات میں تدبر و تفکر کرنے سے پوری تصدیق و تطبیق اس سلسلے کی ہو سکتی ہے۔

سلسلہ بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل حضرت ابراہیمؑ سے یہ تعلیم روحانی و علم ذاتی دو سلسلوں میں منقسم ہوتی ہے ایک سلسلہ بنی اسحاقؑ جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا سلسلہ بنی اسمٰعیلؑ سلسلہ حضرت اسحاقؑ جناب عیسیٰؑ پر ختم و منقطع ہو جاتا ہے۔

تعلیم کلی اور تعلیم کلی ذریت حضرت اسمٰعیلؑ سے متعلق ہوئی ہے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ بقرع ۱۵ (یاد کر) اس وقت کو جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ بنا رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان اور مطیع و منقاد بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مسلمان خاص اور مثل ہمارے مطیع و منقاد مطلق بنا اور ہمارے مناسک ہمیں دکھائے اور ہماری رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو رجوع بندگان کو قبول کرنے والا ہے۔ اے پروردگار اس جماعت میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر۔ جو تیری آیات کی اُن پر تلاوت کرے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے بتحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ یہ اسلام مطلق اور یہ دعا اور یہ رسالت حضرت اسمٰعیل کی ذریت سے ایک جماعت خاصہ سے مخصوص ہے اور حضرت اسحاق کا یہاں ذکر نہیں ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علم احاطی رکھتے تھے اور احاطہ بر حقائق اور امامت آخر درجات حقائق سے اور جو انبیا بنی اسرائیل سے مبعوث بر سالت ہوئے اُن کے حالات سے ثابت ہے کہ ان کا علم تام کلی اور علم احاطی نہ تھا۔ اور وہ کل حقائق پر احاطہ نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت موسیٰ نے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر اولوالعزم ہیں حضرت خضر سے یہ درخواست کی "هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" کیا اس شرط پر میں آپ کے ساتھ ہو جاؤں۔ کہ آپ مجھے وہ علوم و حکمت سکھا دیں جو آپ کو تعلیم دیا گیا ہے۔ تو حضرت خضر نے یہی جواب دیا "إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا" تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے "وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا" اور کیونکر تم اس پر صبر کر سکتے ہو جس پر تم احاطہ علمی نہیں رکھتے۔ صبر بلا احاطہ علمی ممکن نہیں۔ کامل صبر وہی کر سکتا ہے۔ جو جملہ حقائق پر احاطہ علمی رکھتا ہو صبر فرع علم احاطی ہے۔

دفع شبہ جملہ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان بنا)، سے شبہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نبی تھے رسول تھے خلیل اللہ تھے۔ اور امام تھے تو پھر مسلمان ہونے کی دعا کیا معنی رکھتی ہے۔ کیا معاذ اللہ باوجود ان مراتب کے سٹے کے بھی حضرت مسلمان نہ تھے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ضرور مسلمان تھے بلکہ مسلم مطلق۔ کیونکہ اسلام دو قسم پر ہے ایک اسلام بالواسطہ دوسرا اسلام بلا واسطہ اور مسلم دو ہیں مطلق مسلم اور مسلم مطلق اور دونوں معانی قرآن میں موجود ہیں۔ عام لوگوں کا اسلام اسلام بالواسطہ ہے کسی دوسرے کے واسطہ سے خدا پر ایمان لاتے ہیں مثلاً کسی نبی یا امام یا عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں اور مطلق مسلم کا یہ درجہ ہے "إِذْ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ" جبکہ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اے پیغمبر ان سے کہدو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ لیکن یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ اور ایمان ابھی تمہارے دل میں داخل ہی نہیں ہوا۔ یہ مطلق اسلام کا درجہ ہے۔ صرف زبان سے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ

رَسُولُ اللّٰہِ کہدیا خواہ دل میں اعتقاد ہو یا نہ ہو مطلق اسلام ہے اور اسلام بلا واسطہ وہ ہے جہاں
خدا اور اس مسلم کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ
أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ جب اس کے پروردگار نے کہا کہ اسلام لا تو
کہا میں پروردگار عالمیان پر اسلام لایا اور اس کا مطیع مطلق بنگیا۔ یہ مسلم مطلق ہے اور انبیاء علیہم السلام
کا اسلام یہی اسلام بلا واسطہ ہوتا ہے کوئی فرشتہ وغیرہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ نہ جبرئیل نہ اور
کوئی۔ نبی خود منقاد مخلص و مطیع مطلق ہوتا ہے۔ جبرئیل و دیگر ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں
چنانچہ قصۂ حضرت آدم و ملائکہ سے ظاہر ہے یَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ۔ حضرت آدم
علیہ السلام نے جمیع ملائکہ میں جن میں جبرئیل بھی داخل ہیں۔ اور ان تمام پر حجت ہیں پس ضرور
حضرت ابراہیمؑ مسلمان بلکہ مسلم مطلق باسلام بلا واسطہ تھے۔ لہذا یہ دعا اسلام لانے کی نہ تھی
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس اسلام کے بھی درجے اور مرتبے ہیں ایک مرتبہ قبولیت ہے دوسرا
مرتبہ فعلیت اور حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی تھی وہ فعلیت کے متعلق تھی۔ قبولیت پہلے سے
رکھتے تھے۔ ہر ایک حکم الٰہی کو مطلقاً قبول کر چکے تھے۔ دعا یہ کرتے تھے۔ کہ جس طرح میں نے ہر ایک
امر کو قبول کر لیا ہے اسی طرح سے اس کی فعلیت یعنی بجا لانے کی توفیق عطا فرما تاکہ اسی طرح
کر دکھاؤں مجھے اور اسمٰعیل دونوں کو ایسا بنا دے پس کوئی جائے شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ جملہ وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ "مقام عمل ہے۔ نہ مقام تسلیم و قبولیت۔ اور توفیق فعلیت بھی منجانب اللہ ہوتی
ہے۔ چنانچہ قصۂ حضرت شعیبؑ سے صاف ظاہر ہے فرماتے ہیں "وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔ یعنی نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی سے اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف
رجوع ہوتا ہوں۔ اس مقام پر ایک امر اور بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ آیا حقیقت ملکوتیہ روح قدس
نوری اعلیٰ ہے یا حقیقت ملائکہ "يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا" سے ظاہر ہے کہ
روح غیر ملائکہ ہے اور وہی زیادہ اشرف و اعلیٰ ہے وہ ملائکہ سے پہلے موجود ہے اور یہ روح روح
کلی ہے تمام ملائکہ اس سے تعلیم لیتے ہیں جس کی تفصیل مقام ختم میں آئے گی۔

امام کی شناخت اور کتاب موجود کی

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ
بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ
أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (بقرہ ع ۲۶)

تمام لوگ ایک اُمت تھے۔ پس اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ جو بشارت دیتے اور ڈراتے تھے اور اُن کے ساتھ کتاب حق نازل کی تھی۔ تاکہ وہ حکم کریں لوگوں میں ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور نہیں مختلف ہوئے اس میں مگر وہی لوگ جن کو کتاب دی گئی بعد اُن پر رسول بھیجے گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل و شہادت بینہ آچکی تھیں اور یہ اختلاف محض سرکشی و بغاوت سے تھا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی کو اس کے وجود کے ساتھ کتاب دی گئی ہے کیونکہ کتاب دو قسم پر ہے ایک کتاب تنزیلی مثلاً "اَنْزَلْنَا التَّوْرٰیۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ۔ نَزَّلْنَا الْقُرْاٰنَ" اور ایک کتاب وجودی ہے مثل "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ الخ" پس یہ کتاب جس کا حضرت عیسیٰ وقت ولادت ذکر فرماتے ہیں کہ مجھکو کتاب دی گئی ہے کتاب تنزیلی نہیں ہے۔ کیونکہ انجیل حضرت پر سات سال یا تیئیس[23] سال یا تیس سال بعد میں نازل ہوئی تھی۔ بلکہ یہ کتاب وجودی ہے جو وجود کے ساتھ عطا ہوئی ہے۔ اور یہ وہی کتاب ہے جس کا آیہ سابقہ میں ذکر آچکا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ اس کو کتاب دی گئی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر کتاب سے وہاں کتاب تنزیلی تشریعی مراد لی جائے تو مطلب آیت کا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک نبی کو کتاب تنزیلی تشریعی عطا نہیں ہوئی اور مشہور کتب سماوی چار ہیں۔ توریت۔ زبور۔ انجیل اور فرقان۔ پس ضرور اس کتاب سے کتاب وجودی ہی مراد ہے۔ یعنی علم وجودی جو وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں بھی اسی کا ذکر ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ اور لفظ مع خود معیت وجودیہ پر دال ہے کہ یہ کتاب وجود نبی کے ساتھ معیت تامہ رکھتی ہے اور کتاب تنزیلی کو معیت وجود لازم نہیں۔ نیز اسی معیت کتاب سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اسلام فطری بلاواسطہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے وجود کے ساتھ علم عطا ہوتا ہے اور اوّل علم معارف الٰہیہ ہے پس وہ سب سے پہلے وجود نبی کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اور نبی اسلام پر ہی مفطور و مخلوق ہوتا ہے۔ یعنی اسلام بلاواسطہ و اسلام مطلق پر۔ کیونکہ کوئی واسطہ اس کے اور خدا کے درمیان نہیں ہوتا۔ ورنہ مطلق اسلام پر تو ہر ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ۔ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ۔ یہی کتاب وجودی امام کے بھی ضروری ہے اور وہ بھی وجود کے ساتھ علم لیکر آتا ہے۔ پس ہر نبی و امام کتاب وجودی رکھتا ہے۔ اور یہی نبی و امام کی شناخت ہے۔ فالکتاب

وُجُودِیْ هُوَالْعِلْمُ الَّذِیْ اُعْطِیَ لَهُمْ مَعَ وُجُوْدِهِمْ وَکُتِبَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَثُبِتَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ فَتَاَمَّلْ فِیْهِ۔ (مولف)

امامتِ کاملہ

سلسلہ امامت کا نسل اسمٰعیلؑ میں جاری ہوا ہے۔ نہ نسل حضرت اسحاق میں کیونکہ دعائے مذکور میں حضرت اسحاق شامل و داخل نہیں ہیں۔ کتب سابقہ سے بھی صاف ثابت ہے کہ یہ دعا ذریت حضرت اسمٰعیل سے مخصوص ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷۔ آیت ۲۰ میں ہے اے ابراہیم ہمنے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں سنی دیکھ ہمنے اس کو برکت دی اور بارآور کیا اور اپنے حبیب کے طفیل اس کو بڑی فضیلت دی جس کے بارہ سردار و نائب ہوں گے اور میں ان بارہ سرداروں سے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور زبور باب ۵۴ آیت ۱ بھی اسی پر دال ہے اور اس اسلام خاص یعنی اپنے درجے کی خواہش اور دعا حضرت ابراہیم نے ذریت اسمٰعیل کی ایک امت خاص کے لیے کی ہے۔ اور کاف خطاب اور لام اختصاص کی وحدت دلالت کرتی ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اور اسمٰعیل کے لیے مانگا ہے وہی نسل اسمٰعیلؑ سے اپنی ذریت کی ایک امت کے لیے کیونکہ کاف خطاب اور لام اختصاص دونوں جگہ یکساں ہے اور "واجْعَلْنَا" بھی مکرر نہیں بلکہ جعل ایک ہی ہے اگر جعل مکرر ہوتا تو معنی بدل سکتے تھے۔ اور نسل اسمٰعیل کی اسی امت کیلئے یہ دعا کی ہے کہ ان میں اسی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر اور ظاہر ہے کہ اولاد حضرت اسمٰعیل میں سوائے پیغمبر خاتم النبیینؐ اور کوئی پیغمبر مبعوث برسالت نہیں ہوا پس ضروری ہے کہ وہ امت مسلمہ جس میں سے پیغمبرؐ مبعوث ہوا ہے قبل بعثتِ پیغمبر موجود ہو اور رسول خدا بنی ہاشم سے مبعوث ہوئے ہیں۔ لہذا وہ امت مسلمہ بھی بنی ہاشم ہی میں سے ہوئی "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" (اپنے سب سے قریبی قبیلہ والوں کو ڈرا) اسی کی طرف اشارہ ہے "وَاجْعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ" ہم نے ابراہیم کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی ہے۔ شاہد ہے کہ کتاب و جودی جعل الٰہی ہمیشہ ذریت ابراہیم میں موجود ہے اور یہی کتاب دعا بعلہ النبوۃ والامامۃ ہے۔ نبوت خاتم خاتم النبیینؐ پر بنص قرآنی ختم ہو گئی۔ پس کتاب باقی ہے اور بعد آنحضرتؐ ذریت ابراہیمی اور نسل اسمٰعیلؑ میں وہ لوگ والائے امامت

مطلقہ ابراہیمی ہیں جو یہ کتاب وجودی بجعل الٰہی رکھتے ہیں۔ اور کتاب اُن کے وجود کے ساتھ ہے اور ان کی حقیقت سے متحد اور یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کو رسول خدا نے مقارن کتاب اللہ اور ثانی ثقلین و تالی قرآن فرمایا ہے ملاحظہ ہو اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَااِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَلَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" عترت رسول اللہ اور کتاب اللہ میں جدائی اور افتراق نہیں۔ کتاب اللہ ان کے ساتھ ہے اور وہ کتاب اللہ کے۔ بلکہ اُن کے ہر ہر جزو کے ساتھ ہے۔

مرتبہ و مقام امامتِ مطلقہ مقامات و نشانات امامت مطلقہ کا اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت نوح فرماتے ہیں "وَّ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" "میں مسلمانوں میں سے ہوں اور اس سلسلہ امامتِ ابراہیمیؑ و نسل اسمٰعیلؑ کا پہلا امام فرماتا ہے "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" "میں سب سے اوّل مسلمان ہوں" اَنَا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ "میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں" "وامرت ان اکون اول من اسلم" اولیت اسلام میری فطرت اور خلقت میں از روز تکوین داخل ہے مفسرین کا جو یہ خیال ہے کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیینؐ اپنی امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ غلط ہے اور خلافت ظاہر آیہ۔ کیونکہ اپنی امت میں ہر ایک نبی اول مسلم ہوتا ہے۔ کونسا پیغمبر ہے جو اپنی امت کے بعد خدا پر اسلام لایا ہے۔ پھر خاتم النبیین کے لئے کیا خصوصیت ہوئی۔ خصوصیت اور افتخار اس وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب مطلب یہ ہو کہ میں اس وقت سے مسلمان ہوں جبکہ کوئی مخلوق اسلام نہ لایا تھا۔ سب سے پہلے میں ہی اسلام لایا ہوں۔ اور یہ مرتبہ اوّل مخلوق ہی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اور یہی "امرت ان اکون اول من اسلم" سے ثابت ہے اور یہ مقام مقام امامت کلیہ مطلقہ ہے "واللہ یختص برحمتہ من یشاء وذالک فضل عظیم" غرض مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ و من الصابرین و من الصلحین سے ثابت ہے کہ ایک جماعت صابرین و صالحین و مسلمین مطلق پہلے سے موجود تھی جس میں سے انبیاء علیہم السلام اپنے کو شمار کرتے ہیں اور یہ جماعت وہی اول من اسلم ہیں جو اس وقت سے مسلم ہیں جبکہ کوئی اسلام نہ لایا تھا۔

صبر انبیاء بہر حال صبر فرع بر احاطہ علمیہ ہے۔ مبداءً و معاداً۔ جو شخص مبدء و معاد ابتدا

وانتہا اور آغاز و انجام پر نظر نہیں رکھتا ہے۔ وہ کبھی صبر نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیم کو دیکھئے کہ وہ اپنے فرزند دلبند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل اس پر راضی ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں "یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین" اے پدر بزرگوار جو کچھ خدا کا حکم ہے اس کو بجا لائیے مجھکو انشاءاللہ آپ صابرین میں سے پائیں گے۔ یہ صبر اسی وجہ سے تھا کہ آپ نبی تھے اور انجام و آغاز امور پر احاطۂ علمی رکھتے تھے۔

صبر امام

اب صبر مظلوم کربلا کا ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے کمال الدین بن طلحہ شافعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مجھے روز عاشورا کے واقعات سے تعجب نہیں ہے کیونکہ جو قلب حقائق اشیاء پر احاطہ رکھتا ہے وہ صبر رکھتا ہے حضرت ایوبؑ کو "نعم العبد" اسی صبر کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ لیکن جس وقت ناموس تک نوبت پہنچی۔ وہ بھی صبر نہیں کر سکے اور حضرت ایوب نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی اور رفع تکلیف کی دعا فرمائی "رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین"۔ لیکن میں نے تمام کتب مقاتل کا مطالعہ و تفحص کیا کسی مقام پر میں نے امام کی شکایت یا رفع مصائب کی دعا نہیں دیکھی حتی کہ جس وقت آپ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے گر پڑے ہیں۔ اور اہلبیت عصمت و طہارت خیموں سے سر برہنہ نکل پڑے ہیں۔ اور آپ کے قریب آگئے ہیں۔ اس وقت بھی آپ نے شکایت نہیں کی۔ حالانکہ یہ مقام ناموس تھا اور حضرت ایوب کے قصہ سے کہیں زیادہ قربان ہماری جانیں اس صابر مظلوم پر روحی و ارواح العالمین لہ الفداء لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

موعظۂ سوم

۵ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامہم

ہذان خصمان اختصموا فی ربہم فالذین کفروا قطعت
لہم ثیاب من نار یصب من فوق رؤسہم الحمیم

تقسیم وجود

وجود باعتبار غرض و غایت دو قسم کا ہوتا ہے ایک وجود فی نفسہ لنفسہ دوسرا وجود فی نفسہ لغیرہ یعنی ایک ایسا وجود ہے جس کے پیدا کرنے سے موجد خالق کی غرض و مقصود خود وہ موجود ہے دوسرا وہ وجود ہے جس کی خلقت کی غرض و غایت خود وہ نہیں ہے بلکہ وہ کسی دوسرے کیلئے خلق و ایجاد کیا گیا ہے۔

پہلی قسم کے وجود حجج اللہ علیہم السلام یعنے انبیاء و ائمہ ہیں کہ اللہ نے اُن کو اپنی صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا ہے اور مقصود ان کی خلقت سے وہ خود ہیں کیونکہ ہر صاحب کمال خصوصاً کامل مطلق اپنے کمال کو محبوب و دوست رکھتا ہے۔ اور اپنے کمال سے مسرور و مبتہج ہوتا ہے۔ خدا کامل مطلق ہے پس جو موجود کامل مطلق سے اول صادر ہوئے ہیں وہ بھی کامل ہیں نہ ناقص۔ کیونکہ نقص کو کامل مطلق کبھی محبوب نہیں رکھتا اور وہ اولین وہ حجج اللہ ہیں جن کے حق میں فرماتا ہے: السابقون السابقون اولئک المقربون۔ خصوصاً وہ نبی جو جملہ مخلوقات سے اول خلق کیا گیا ہے اور جو نوع اول ہے سب سے کامل تر ہے اور اس کا وجود کسی دوسرے کے لئے مخلوق نہیں ہوا بلکہ وہی مقصود و مراد ہے۔ دیگر وجودات اس کے وجود سے متمتع ہوتے ہیں اور اس کے طفیل سے مستفید و مستفیض۔

توضیح غرض و غایت خلقت انبیاء

اگر پیغمبر کا وجود دوسری مخلوق کے لئے ہوا در اصل غرض و غایت خلقت انبیاء سے بنی نوع انسان ہوں تو وہ نبی سے افضل و اشرف ہوں گے۔ کیونکہ غایت ذی غایت

سے افضل واشرف ہے۔ مثلاً خداوند عالم فرماتا ہے "خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا"
یعنی جو کچھ کہ زمین میں ہے سب تم انسانوں کے واسطے پیدا کیا گیا ہے یعنی ارض و ما فی الارض
انسان کے لئے خلق کیا گیا ہے اور ان کی خلقت سے مقصود خود ان کا وجود نہیں ہے
بلکہ ان کا وجود از قسم "فی نفسہ لغیرہ" ہے اور غرض و غایت ان کی خلقت کی انسان ہے
اور وہ ذی الغایت۔ پس انسان تمام موجودات ارضی سے افضل و اشرف ہے۔ اور تمام
چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر اسی طرح سے غرض و غایت خلقت انبیاء انسان
ہو اور وہ اس کے لئے خلق کئے گئے ہوں اور ان کا وجود بھی مثل موجودات ارضی از قسم
"فی نفسہ لغیرہ" ہو اور مطلب یہ ہو کہ "خَلَقَ اللّٰهُ الْأَنْبِيَاءَ كُلَّهُمْ لِلْإِنْسَانِ"
تو یقیناً عامۃ الناس انبیاء علیہم السلام سے افضل واشرف ہوں گے۔ اور یہ بالبداہت
باطل ہے اور صحیح یہی ہے کہ ان کا وجود "فی نفسہ لنفسہ" ہے اور خلقت سے وہ خود
مقصود بالذات ہیں۔ ہاں لوگ ان سے مستفیض ہوتے ہیں اور ان کے اقوال و افعال
سے ہدایت پاتے ہیں کیونکہ وہ ہر حرکات الٰہیہ میں ہمیشہ سالک طریق الٰہی و صراط مستقیم
میں کبھی اس سے تخطی نہیں کرتے۔ پس جو ان نفوس قادسہ مقدسہ کے قول و فعل میں پیروی
کرے گا۔ لابد نجات پائے گا۔ پس ہدایت طفیلی ہے۔ اور جو انبیاء مبعوث برسالت
و تبلیغ ہیں۔ ان کے وجود کی غرض ثانوی ہے اسی واسطے خداوند عالم حضرت موسیٰ کے حق میں
فرماتا ہے۔ "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي" اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنے واسطے بنایا ہے یعنی
خَلَقْتُكَ لِتُوَحِّدَنِي وَتَعْبُدَنِي وَتَحْمَدَنِي وَتُقَدِّسَنِي وَتُؤْمِنَ بِي وَلَا تَكْفُرَ
بِي وَلَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا۔ چنانچہ امام علیہ السلام ابتدائے خلقت حضرت آدم کے باب
میں ارشاد فرماتے ہیں جب روح حضرت آدم دماغ تک پہنچی تو آپ نے چھینکا۔ خداوند عالم
نے فرمایا اے آدم کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" حضرت آدم نے کہا۔
"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" خداوند عالم کی طرف سے آواز آئی يَرْحَمُكَ
اللّٰهُ لِهٰذَا خَلَقْتُكَ لِتُوَحِّدَنِي وَتَعْبُدَنِي وَتَحْمَدَنِي وَتُؤْمِنَ بِي وَلَا
تَكْفُرَ بِي وَلَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا۔ اے آدم تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں نے
تجھے اسی واسطے خلق کیا ہے تاکہ تو مجھے واحد جانے اور میری توحید کو ظاہر کرے اور
میری عبادت کرے۔ اور حمد و ثنا بجا لائے اور مجھ پر ایمان لائے اور میری شکرگزاری

نہ کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے یہی غرض و غایت خلقت انبیاء ہے خصوصاً وجود خاتم النبیین کو اصل و مقصود و مراد خلقت عالم ایجاد ہے۔ کما قال عزوجل فی القدسی "یا عبدی انت المراد والمراد انت خیرتی من خلقی وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الافلاک" یعنے اے میرے بندے اور میرے محبوب تو ہی مرید ہے اور تو ہی مراد ہے۔ اور تو ہی میری برگزیدہ مخلوق اور مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے اگر تو مقصود نہ ہوتا اور تجھے خلق نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ ایک اور حدیث میں جناب امیرالمومنین سے کیفیت خلقت نور محمدی میں مروی ہے "قَالَ اللّٰہُ لِلْقَلَمِ فَلَوْلَاہُ مَا خَلَقْتُکَ وَمَا خَلَقْتُ خَلْقِی اِلَّا لِاَجْلِہٖ فَھُوَ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ وَّسِرَاجٌ مُّنِیْرٌ وَحَبِیْبٌ شَفِیْعٌ" اللہ تعالےٰ نے قلم سے کہا اگر محمد نہ ہوتا تو تجھے خلق نہ کرتا اور نہیں خلق کیا ہے میں نے اپنی مخلوق کو مگر اُس کے ہی واسطے پس وہ بشیر و نذیر ہے اور سراج منیر و شفیع و حبیب ہے۔ الخ۔ غرض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نمونہ صفات الٰہیہ اور آیت کمالات خدا کی ہیں ان سے خدا ملتا ہے۔ خدا کا رستہ ملتا ہے انہیں سے خدا پہچانا جاتا ہے۔ ان کو دیکھا گویا خدا کو دیکھا خلائق اُن کے وجود کے طفیل سے ہدایت پاتے ہیں۔ نہ کہ اُن کا وجود محض ہدایت خلق کے لیئے مخلوق ہوا ہے۔ جو شخص چراغ روشن کرتا ہے اپنے لیئے کرتا ہے دوسرے بالتبع روشنی کا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس قدر آئے ہیں ایک دوسرے آنے والے کی بشارت دیتے آئے ہیں۔ پس اگر مقصود بالذات ان کا وجود ہوتا تو دوسرے کی خبر دینے نہ آتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ایک غرض و غایت کے تحت ہیں یعنی وہ بھی کسی دوسرے کی خبر دینے اور معرفی کرنے کے واسطے آتے ہیں اور وہ سب ایک غایت کے تحت میں ہیں۔

اس بیان کی مزید توضیح

حضرت ابراہیمؑ افضل انبیاء سابقین و شجرۃ الانبیاء ہیں اُن کو خدا حکم دیتا ہے "طَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّائِفِیْنَ وَالْعَاکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ" یعنے میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور راکعین و ساجدین کے واسطے پاک کرو۔ یہ راکعین ساجدین طائفین اور عاکفین کون ہیں جن کے واسطے تطہیر خانہ کعبہ کا حکم ابوالانبیاء و شجرۃ الانبیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو دیا گیا۔ اور خانہ کعبہ کے حق میں فرمایا "اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ

بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ " گویا صفت خانہ کعبہ بیان ہوتی ہے کہ وہ تمام عالم بلکہ جملہ عالمین یعنی کل ما سوا اللہ کے لئے ہدایت کرنے والا ہے" ھُدًی لِّلنَّاسِ" بھی نہیں "ھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ" حالانکہ یہی خانہ کعبہ مدت تک بت خانہ بنا رہا ہے اور اہل مکہ مشرکین پس یہ کیونکر ہادی ہوا؟ اگر ہادی ہوتا تو اول اپنے اندر سے بُت نکالتا اور تمام اہل مکہ کو موحد بنا لیتا۔ ظاہر و بدیہی ہے کہ کوئی مکان کسی کو ہدایت نہیں کر سکتا۔ پس یہ کونسا بیت ہے جو تمام عالمین جملہ مخلوقات کی ہدایت کرنے والا ہے لفظ وضع وال ہے کہ یہ گھر نہیں ہے جو اینٹ پتھر سے بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ وضع کے معنے گذاشتہ شدہ کے ہیں یعنی ایک چیز پہلے سے موجود تھی۔ جس کو اُٹھا کر رکھدیا گیا ہے پس اگر اس مکان سے یہ مکان ظاہری مراد ہوتا تو بُنِیَ آتا یعنی یہ پہلا گھر ہے جو بنایا گیا ہے یا بنا کیا گیا ہے۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے۔ اور روایات سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ جب طاق تک پہنچگیا تو اس وقت حضرت جبرئیلؑ ایک سفید پارچہ لائے اور بطور قبہ رکھا گیا۔ پس اگر یہ صحیح ہو۔ تو وہ سقف کہلائیگی نہ مکان۔ پس یہ آیت اگرچہ بظاہر آسان ہے لیکن مشکل ترین آیات سے ہے۔ راکعین و ساجدین وغیرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُن سے مراد مصلین یعنی عام نماز گذار نہیں۔ کیونکہ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ۔ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ" وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ (جب کافرین ومشرکین سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے) ہرگز رکوع سے مراد نماز نہیں۔ کیونکہ کافرین ومشرکین سے نماز کی توقع قبل ایمان بے معنی ہے اسی طرح آیہ مجیدہ یَا مَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرَّاکِعِیْنَ اے مریم اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ دال ہے کہ اس رکوع سے مراد رکوع نماز نہیں۔ کیونکہ یہاں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں۔ اور پھر وہ بھی راکعین کے ساتھ اگر یہ کہا جائے کہ نصاریٰ کی نماز میں سجدہ پہلے ہے اور رکوع بعد میں تو غلط ہے۔ کیونکہ ان کی نماز میں رکوع ہی نہیں ہے اور سجدے کے قبل رکوع ہونا خلاف فطرت و خلاف عادت ہے۔ لہٰذا یہ رکوع اور ہی ہے۔ اور یہ راکعین ایک جماعت خاص اور اس کے معنی کچھ اور ہی ہیں۔ یہ راکعین وہ راکعین ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ " یعنے سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا

رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور نماز کو تمام کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ راکعین ہیں۔ پس یہ راکعین آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جن کا فردِ اوّل علی ابن ابی طالب سر اللہ فی العالمین امیر المومنین ہیں۔ جنہوں نے حالت رکوع میں انگشتری سائل کو دی۔ اور باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور یہ راکعین باین معنی ہیں کہ رکوع حالت وسطی کا نام ہے درمیان قیام و سجود گویا یہ راکعین واسطہ ہیں۔ درمیان خالق و مخلوق اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یعنی اسی واسطے ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے۔ تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید و نیز ناظر ہو اور رسول تم پر شہید ہو۔ اور اس صورت میں وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ کے یہ معنی ہوں گے کہ ان کی پیروی کرو اور ان کے ساتھ ساتھ رہو جو خدا اور اُس کی مخلوق کے درمیان واسطہ اور شہید علی الناس ہیں عین اللہ الناظرہ ہیں۔ لہٰذا تطہیر خانہ کعبہ انہیں راکعین اور ساجدین کے واسطے ہے اور اصل وغرض و غایت تمام و مقصودِ خلائق یہی ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بعثت انبیاء سابقین مقصود بالذات نہیں بلکہ سب پیغمبر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفی کرنے اور اُن کی بشارت دینے آئے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اصل سنگ و خشت و گل کو کوئی شرافت اور فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت مکان مکین سے اور شرافتِ خانہ اہلِ خانہ سے ہے۔ اور عظمت محل بوجود حال۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ یعنی ایسا نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی درانحالیکہ اے پیغمبر تو اس میں مقیم ہے یعنی یہ شرافت و عظمت و کرامت کعبہ و مکہ معظمہ تیری وجہ اور تیرے وجود سے ہے۔ پس اصل خانہ کعبہ و بیت باطنی یہی ہے۔ اور اول بیت جو تمام عالم کیلئے ہادی ہے بیت نبوت متعلق ہے جس کی صفت تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ہے۔ تمام عالمین کے لئے ہادی وہی ہے جو تمام عالمین کے لئے نذیر قرار دیا گیا ہے اور وہی اول بیت ہے کہ مخلوق و مصنوع اوّل خالق عالم و رب العالمین ہے اور شرافتِ خانہ کعبہ اسی صاحب خانہ کی وجہ سے ہے اور وہ اور اس کے اہل بیت کو جو وارثان بیت نبوت و رسالت ہیں مقصودِ کائنات و غایت مخلوقات ہیں۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ!

نکتہ۔ تطہیرِ تام خانۂ کعبہ حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اسی نفسِ رسول وید اللہ کے ہاتھوں سے جو عام طور پر بت شکن مشہور و معروف ہے۔ اور جس نے مہرِ نبوت پر قدم رکھکر خانۂ کعبہ کو نجاستِ اصنام سے پاک کیا اور کمالاتِ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی سے اور اس کی زبان سے ظاہر ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم نے یہ دعا کی تھی۔ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ امتِ آخرین میں میری ذریت سے ایک زبانِ صدق و صداقت لسان قرار دے۔ خدا نے اس کو قبول فرمایا۔ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا۔ یعنے اُمّتِ آخرین میں ہمنے لسانِ صدق و صداقت لسان علیؑ کو قرار دیا۔ یہاں علیؑ اسم صفت نہیں ہے۔ اگر اسم صفت لیا جائے تو معنی مقصود مہمل ہو جائیں گے۔ اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہمنے اُن کیلئے ایک لمبی اور دراز زبان قرار دی اور یہ صفت قبیح ہے نہ حسن۔ پس علی اسم ذات اور علم ہے اور وہ علی نہیں ہے۔ مگر علی ابن ابی طالبؑ اور مطلب یہ ہے کہ اے ابراہیمؑ امتِ آخرین میں ہمنے علی کو لسانِ صدق قرار دیدیا۔ اور وہی صدیق اکبر ہے پس کمالاتِ ابراہیمی اس سے ظاہر ہوئے اور اسی نے خانۂ کعبہ کو نجاستِ شرک و اصنام سے پاک کیا۔

پس جملہ مخلوقات ایک غایت کے تحت میں داخل ہیں اور وہ مقصود بالخلق نہیں ہیں بلکہ مقصود بالذات خلقت سے محمد وآل محمد ہیں۔ اور وہی مقصودِ کائنات و غایتِ مخلوقات ہیں اور غایت الغایات حضرت عزوجل وَ اِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اَلَا اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ وَ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔

فرقِ دین و شریعت و بیانِ نسخِ شرائع

تبلیغ حضرت آدم علیہ السلام محض اسماء تک محدود تھی۔ حضرت نوحؑ کے زمانے سے تدوینِ شرائع شروع ہوتا ہے قَالَ عَزَّ وَجَلَّ۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ شریعت دین قرار دی۔ ہم نے تمہارے لئے وہ جو وصیت کی تھی۔ نوحؑ کو اور جو اسے پیغمبر تمکو وحی کی اور جو کچھ ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو وصیت کی تھی۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ تک چالیس نبی گذرے ہیں۔ اور اُن میں سے ایک بھی صاحب شریعت نہ تھا۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ دین نہ رکھتے تھے؟ اور لوگ کافر تھے؟ مگر وجود پیغمبران
خود اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ جب پیغمبر تھے تو دین نہ ہوتا کیا معنی۔ علاوہ ازیں دین فطرت
میں داخل ہے اور انبیاء تو اصل دین ہی پر مخلوق و مفطور ہوتے ہیں اور دین خدا ایک
ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا
فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ پس معلوم ہوا کہ شریعت
و دین دو چیزیں ہیں۔ دین ہمیشہ سے تھا اور ہے اور رہے گا مگر تدوین قانون شریعت حضرت
نوح سے شروع ہوا۔ نہ یہ کہ دین حضرت نوح سے شروع ہوا۔ بلکہ الفاظ آیہ خود دال ہیں کہ
شریعت و دین دو چیزیں ہیں کیونکہ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ ہے شریعت الدین نہیں
جو تبعیضیت کی معنی پر دلالت کرتا ہے پس شریعت بعض دین ہے بلکہ جزو دین ہے اور اگر شَرَعَ
لکم الدین" ہوتا تو یہ اعتراض و شبہ درست ہو سکتا پہلا اس وقت دین تھا۔ مگر قانون شریعت
مرتب نہیں تھا شرع بمعنی راہ ہے پس شریعت دین پر چلنے کا راستہ ہے اور دین قابل تغیر
و تبدل و نسخ نہیں ہے بلکہ نسخ شریعت سے متعلق ہوتا ہے اور اسی واسطے شریعت ہر صاحب
شریعت کی علیحدہ ہوتی ہے اور لاحقہ سابقہ کی ناسخ۔ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّ
مِنْھَاجًا۔ شریعت راہ و محل عبور بطرف دین ہے جس کو پیغمبر ظاہر فرماتا ہے اور یہ ایک
مجموعہ قوانین و اصول ہے اور یہ حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور دین ماہیت کلیہ باطنیہ
ہے اور وہ قابل تبدیل نہیں ہے اور نسخ شریعت میں واقع ہوتا ہے۔ اور اس کی تفصیل
یہ ہے کہ حسب اختلاف مادہ و زمان و مکان لوگوں کی صورتیں اور حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔
ہر ایک ایک صورت اور ایک حالت رکھتا ہے اور ہر ایک صورت و حالت کے لحاظ
سے مختلف ہوتا ہے مثلاً ایک شخص ہاتھ رکھتا ہے اور ایک شخص نہیں رکھتا تو وضو میں ہاتھ دھونے
کا حکم اُس کو دیا جائے گا۔ جس کے ہاتھ ہیں نہ اُس کو جو ہاتھ نہیں رکھتا۔ پیر پر مسح کرنے
کا حکم انہیں کو دیا جائے گا جو پاؤں رکھتے ہیں اسی طرح حسب اختلاف مکان و
زمان و نسل و موسم و سفر و حضر و صحت و علالت حکم بدلتا اور منسوخ ہوتا رہتا ہے مثلاً
سخت شدت سردی ہو اور پانی سے وضو کرنے میں خوف ہو تو اس سے وضو ساقط
ہے۔ اور سفر میں چار رکعتی نماز دو رکعتی رہ جاتی ہے۔ حالانکہ اس کے اعضا و جوارح
میں سے بھی کچھ کم نہیں ہوا ہے۔ وقس علی ذالک بلحاظ اختلاف حالت انسان و

مکان و زمان و فصل و موسم حکم بدلتا رہتا ہے اور پہلا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح
بموجب اختلاف نوع انسان و اختلاف اوضاع خارجیہ و اطوار و ادوار و حالاتِ فطریۂ
انسانیہ آئین شرعیہ بدلتی رہتی ہیں اور اسی کو نسخ کہتے ہیں اور یہ نسخ بھی احکام میں
واقع ہوتا ہے۔ نہ اصل موضوعات میں۔ الغرض قانونِ شریعتی تکلیفی حضرت نوحؑ سے
شروع ہوا۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچا تو تمام ہو گیا۔ لہذا اُن کے
واسطے حکم ہوا۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا۔ اس لئے یہ شریعت
تامہ کاملہ بلاواسطہ غیر عالم ابدی سے ہے۔ اور مقام ختم۔ لہذا حکم دینا صحیح ہوا کہ اس کی
پیروی کرو۔ اب اس میں تغیر و تبدل نہ ہوگا اور انبیاء سابقین رفتہ رفتہ لوگوں کو اس شریعت
کاملہ تامہ کے لئے عادی کرتے آئے تھے تاکہ ترقی کرتے کرتے تعلیم اعلےٰ کے لئے تیار ہو
جائیں پس حضرت آدمؑ سے تعلیم اسماء شروع ہوئی اور حضرت ادریسؑ نے درس علوم شروع
کیا تاکہ لوگ قابل تحمل معارف دین و شرائع ہو جائیں اور اسی تعلیم علوم کی وجہ سے حضرت ادریس
کو یہ درجہ عالیہ ملا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ہم نے اس کو مکان عالی
میں اُٹھا لیا اور درجہ رفیعہ عالیہ عطا کیا کہ زندہ آسمان پر چلے گئے اور حضرت آدمؑ سے
تا حضرت نوحؑ دین بنی مستقلات عقلیہ و فطریہ پر تھا۔ علامہ طبرسی روایت کرتے ہیں
کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام آیہ مجیدہ "كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ
اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ كَانَ النَّاسُ
قَبْلَ نُوحٍ أُمَّةً وَاحِدَةً عَلَىٰ فِطْرَةِ اللَّهِ (الخ) یعنی حضرت نوح سے پہلے
تمام لوگ ایک امت تھے اور سب کے سب فطرت الٰہی پر جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ
قبل حضرت نوحؑ قانون تشریعی (شریعت) نہ تھا بلکہ فطریات اولیہ و مستقلات عقلیہ
تھے وغیر ذالک من الاحادیث والاخبار فارجع الیہ کہ خیرات تمام لوگوں کے
نزدیک خیر تھے اور شرورات سب کے نزدیک بد خواہ وہ کوئی مذہب رکھتے ہوں۔ چنانچہ ہر ایک
کے نزدیک سچ اچھا ہے۔ جھوٹ برا ہے۔ ظلم قبیح ہے۔ ہمدردی احسان ہے رحم اچھا ہے بیرحمی بری ہے وغیر ذالک
لہذا اس وقت دار و مدار شریعت الٰہی مستقلات عقلیہ پر تھا۔ بعد حضرت نوحؑ حسب اختلافِ اوضاع
زمان و بنی نوعِ انسان احکام شریعت مدون ہوئے۔ غرض مقام ختم نبوت مقام منتہائے تعلیم ہے
اسی واسطے فرمایا۔ ثم جعلنٰک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا۔

نکات فرق درمیان دین و شریعت و ملت

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ الخ اس آیۂ مبارکہ میں قابلِ غور یہ امر ہے کہ مخاطب لکم کون ہے؟ شریعت قرار دی تمہارے لئے، جن کے لئے شرع دین مقرر کی گئی ہے۔ خود حضرت پیغمبر بنا بر ایں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے خود علیحدہ خطاب ہے یعنی والذی اوحینا الیک۔ اگر یہ کہا جائے کہ مخاطب ہم مومنین ہیں تو غلط ہے کیونکہ ہم پیروِ دین و متبعِ شریعت ہیں نہ صاحبِ شریعت۔ حضرت ابراہیم اپنی ذریت و اولاد سے فرماتے ہیں۔ یَا بُنَيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اے بیٹو اللہ نے تمہارے واسطے دین کو برگزیدہ کیا اور چنا ہے پس تم نہ مرنا مگر مسلمان۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ دین ذریت ابراہیم کے واسطے ہے اور صاحبانِ دین وہ ہیں۔ لہٰذا صاحبانِ دین انبیاء ہوئے نہ عوام۔ اس لئے صاحبانِ شرعِ دین اور وہ لوگ جن کے لئے شریعت دین قرار دی گئی ہے۔ انبیاء ہوتے ہیں۔ اس واسطے اس آیۂ مبارکہ میں مخاطب امت کے عوام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ لوگ جن کے واسطے تمام شرائع سابقہ و لاحقہ جمع کی گئی ہیں یعنی شریعت خاتم النبیین (جو) واضح ہے۔ خداوند عالم جواب دعائے حضرت ابراہیم علیہ السلام میں فرماتا ہے "وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب" ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دی ہے۔ اور دعائے حضرت ابراہیم مخصوص تھی حضرت اسمٰعیل و ذریت اسمٰعیل کے لئے "اذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت و اسمعیل" کما بیناہ سابقا پس یہ ملت و کیش حضرت ابراہیم ہے کہ انہوں نے سلسلہ دین کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اسی واسطے بعد آیہ "واجعلنا مسلمین لک" فرمایا "ومن یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه" سوائے سفیہ کے کوئی شخص ملت ابراہیمی سے اعراض نہیں کر سکتا۔ اور ہمارے پیغمبر کو حکم ہوا ہے کہ "فاتبع ملة ابراهیم حنیفا" ملت ابراہیمی کا تم بھی اتباع کرو۔ اور اس سلسلہ کو یعنی اولاد اور ذریت میں قرار دو جو ذریت ابراہیم و اولاد اسمٰعیل سے ہیں اور پیغمبر نے حسب حکم خداوند عالم کتاب کو اپنی ذریت میں قرار دیا اور ان کو تالی کتاب و ثانی ثقلین فرمایا ملاحظہ ہو "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" پس کتاب و نبوت بعد نبی آخر الزمان ذریت نبی میں آئی۔

مگر بعض آیۂ نبوت آنحضرت پر ختم ہو چکی۔ لہٰذا کتاب بحبل الٰہی بحال خود باقی رہی۔ بنا برین بعد پیغمبرؐ صاحبان شریعت کلیہ مطلقہ تامہ اہل بیت نبوت و رسالت و وارثان کتاب الٰہی ہیں۔ اور یہی مخاطب ہیں اس آیۂ مجیدہ کے "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" لفظ رَضِیْتُ آخر آیۃ کو محو نظر رہے اور پھر خدا ہم کو فرماتا ہے "وَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا" ترجمہ: ملت ابراہیمی کا اتباع کرو۔ اور بطور تہدید فرماتا ہے "وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ" کون ہے جو ملت ابراہیمی سے اعراض کرے سوائے اس کے جو اپنے نفس کو سفیہ و احمق بنالے۔ پس چاہیے کہ ہم بھی اسی ملت ابراہیمی کا اتباع کریں۔ اور بعد پیغمبر صاحبان شریعت ذریت رسول ذریت ابراہیمی کو قرار دیں اور ان سے جدا نہ کریں اور سفیہ و احمق نہ بنیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ملت اور چیز ہے اور شریعت اور دین۔ اور دین ماہیت کلیہ ہے اور شریعت راہ عبور اور ملت کیش کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ شبہ رفع ہو گیا۔ کہ پیغمبر خاتم النبیینؐ کو کیوں اتباع ملت ابراہیمی کا حکم دیا گیا اس لیے کہ اتباع ملت کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ اتباع دین و شریعت کا۔ دین دین محمدی ہے اور ملت ملت ابراہیمی اور جب ملت و اتباع ملت کے معنی معلوم ہو چکے تو اب کوئی محل شبہ نہیں۔ فافہم۔

توضیح

اس امر کی توضیح کہ شریعت ذریت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے اور وہی بعد پیغمبرؐ وارث نبوت و صاحب شریعت ہیں آیۂ استخلاف بھی ہے۔ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا" اللہ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جملہ اعمال صالحہ بجا لائے ہیں کہ اللہ اُن کو زمین میں خلیفہ بنا دیگا اور ان کو ان کے اس دین پر قدرت و تمکن و اقتدار عطا کریگا۔ جو اُن کے لئے پسند فرمایا ہے۔ اور اس کی نسبت خوشنودی ظاہر فرمادی ہے۔ اور بعد خوف اُن کے لیے امن عطا کریگا کہ وہ بلا خوف و خطر خالصاً لوجہ اللہ بکمال اطمینان اس کی عبادت کریں گے۔ اور کسی شے کو اس کا شریک نہ گردانیں گے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں نہ عبادت میں نہ ظاہراً نہ باطناً اور نہ خوف و تقیہ سے کیونکہ یہ وعدہ مومن و صالح کے لیے فرمایا ہے پس دو حال سے خالی نہیں ہے کہ یا تو با تحقق

یا بالتحقق۔ یا بطور تفضل۔ اگر یہ وعدہ بالاستحقاق ہے تو مستحق اس کا فرد کامل مومن ہی ہے
اور بالاتفاق بلحاظ ایمان وعمل صالح اوّل فردِ کامل واکمل ذات حضرت خاتم النبیین
واول المسلمین ہے اور وہی اوّل خلیفہ مطلق خدا ہے اور یہ وعدہ اس کی امت سے ہے ان
ان افراد کے لیے ہے جو کامل مومنین وصالحین ہوں اور نفس قدسی باب شہر علوم نفس نبی و
سابق الاسلام ہے۔ بلکہ خود امت مسلمہ ہے۔ پس بعد پیغمبر مستحق خلافت الٰہیہ وخلیفۃ اللہ وہی
نفس نبی ہے اور اگر یہ وعدہ بطور تفضل ہے تو بھی بحکم آیۂ شریفہ "وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ
فَضْلَهُ" ہر صاحب فضیلت کو اس کی فضیلت عطا کرتا ہے۔ مستحق خلافت الٰہی وہی افضل الناس و
خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے اور بعد ازاں وہ جو نفس رسول ہیں اور بعد رسول افضل الناس
ہیں اور یہی خلفاء الدین ہیں کہ جن کے لئے خدا نے دین کو پسند فرمایا ہے۔ "وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ
دِينًا" اور ایک روز اس کی اشاعت کلیہ پر قدرتِ تامہ عطا کی جائے گی۔ "وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ" لفظ ارتضیٰ قابل غور ہے۔ تین لفظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔
اصطفا۔ اجتبا۔ ارتضا جن کی تحقیق سے ایک بڑا باب علوم کا کھلتا ہے۔ اصطفا
صفا سے مشتق ہے۔ جس کے معنی پاکیزگی اور صفائی ہیں۔ اور اجتبا جبایۃ سے جس کے معنی
جمع کرنا اور چن لینا ہیں۔ ارتضا رضا سے ہے جس کے معنی خوشنودی اور پسندیدگی ہیں۔ وہ
ہر ایک علیحدہ معنی رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی مجرد کو مزید فیہ میں لیجاتے ہیں تو
زیادتی خاصیت باب کے ساتھ جس میں وہ منتقل ہوا ہے معنی مصدری ثلاثی باقی رہتے ہیں۔
یعنی جب صفا کو باب افتعال میں لے جا کر اصطفا کیا ہے۔ تو اصطفا میں معنی صفا کا لحاظ
رکھنا ضروری ہے۔ مگر اہل لغت نے ان لفظوں کو باب افتعال میں لیجا کر خلاف قاعدہ سب
کو ایک کر دیا اور سب کے معنے (برگزیدہ) کر دیئے ہیں اور ایسا کرنے سے انہوں نے ایک باب
علوم مسدود کر دیا ہے کلام حمید مجید میں تینوں لفظ علیحدہ معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً
لفظ اصطفا نبی وغیر نبی دونوں کے واسطے استعمال ہوا ہے۔ "يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ
رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ" آدمیوں اور ملائکہ میں سے اپنے لئے رسول مصطفیٰ قرار
دیتا ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى
الْعَالَمِينَ" اور حضرت طالوت جو بادشاہ تھے اُن کے حق میں فرماتا ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ
اصْطَفَىٰ لَكُمُ الطَّالُوتَ مَلِكًا" اور لفظ اجتبا تمام رسولوں کے واسطے بھی نہیں ہے

بلکہ خواص کے واسطے ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع کرے لیکن وہ رسولوں میں سے جس
کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ پس اجتبا میں تمام رسول بھی داخل نہیں ہیں۔ لہذا یہاں سے
فرق صرف اجتبا معلوم ہوگیا اور لفظ رسل ان دونوں سے فوقیت رکھتا ہے اور
خاص سلسلہ نبوت خاتم النبیین سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ خداوند عزوجل فرماتا ہے عَالِمُ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔
خدا عالم غیب اور عالم شہود سب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص و غیب
موتی پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس کو جو مرتضیٰ من الرسول ہو اور اس مقام پر من
من بیانیہ نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوں کہ اپنے رسول مرتضیٰ کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔
کیونکہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ
رَصَدًا۔ کیونکہ اللہ نے اس کے آگے اور پیچھے دونوں طرف رصد قرار دے دی ہے اور
دونوں طرف نگہبان ہیں پس اگر اس سے رسول مراد لیا جائے تو معنی آیت کے درست نہیں
رہتے۔ کیونکہ پیغمبر رصد و شاہد اپنے اوپر نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ شہید ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" بلکہ مراد اس مرتضیٰ من الرسول سے علی مرتضیٰ
ہیں کیونکہ نہیں ہیں مرتضیٰ از جانب رسول مگر مرتضیٰ۔ اور وہی دونوں طرف رصد رکھتے ہیں
ایک طرف رسول اللہ ہیں۔ جو کہ شہید ہیں۔ یہ ان سے لیتے ہیں اور اپنے مابعد کو دیتے ہیں۔
اور اس پر خود شہید ہوتے ہیں۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے آخر اوصیاء عجل اللہ ظہورہٗ
اور لفظ "یسلک" خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل وابستہ اور ایک
ہی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ کیونکہ سلک زنجیر کی کڑیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔
چنانچہ خدا فرماتا ہے خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ پس نبوت یہاں سے جدا ہے کہ مقام نبوت
ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ مقام امامت ہے اور دوازدہ امام اسی ایک سلسلہ میں منسلک ہیں۔
اسی بیان سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بارھواں امام اس وقت موجود ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے
کہ اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ ایک مدت کے بعد پیدا ہوگا تو سلسلہ منقطع ہو
جاتا ہے۔ اور آیت غلط۔ پس ضرور موجود ہے اور اس میں متصل و منسلک ایک

دوسرے سے ہرگز جدا نہیں اس لئے کہ بحکم آیہ اُن کا سلسلہ دار ہونا ضروری ہے ۔ لہذا جب ثابت ہوا کہ گیارھویں کے بعد بارھواں موجود ہو پس وجود مہدی آخر الزمان ثابت ہے ۔ عجل اللہ ظہورہ ۔

از آدم بر سر مطلب چاہیئے کہ ہر زمانہ میں موجود ہو اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو ۔ لیکن ممکنات عالم سے اس محبت اللہ کا حق کیا اور کون ہے ؟ ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حرکت دو قسم کی ہوتی ہے ایک حرکت طبعی ذاتی ۔ دوسری حرکت غیر ذاتی خارجی دوسری مثلاً انجن کو جو چیز حرکت دیتی ہے وہ اس کی ذات میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج از ذات ہے ۔ اور وہ اس کی محرک ہے اور انجن محرک کی ہے اور جس قدر اس محرک میں قوت ہوگی اتنا ہی ریل یا جہاز کام کریں گے اور حرکت کریں گے ۔

اس بدن انسانی کو دیکھئے کہ یہ ایک مدبر خارجی رکھتا ہے جو روح انسانی ہے وہ اس پر تصرف رکھتی ہے اور اس کو حرکت دیتی ہے چلاتی پھراتی ہے اور اس کے واسطے سے وہ جسم انسانی موجود و باقی ہے ۔ جہاں اس کا تعلق بدن سے منقطع ہوا وہ خراب ہو جاتا ہے اور سڑ جاتا ہے اور انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے ۔ مرنے پر بدن مع تمام اعضاء جوارح موجود ہوتا ہے ۔ مگر انسان نہیں ایک جسم انسانی ہے اور بدیہی و ضروری ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرے اور پھر خود مر جائے یا مارا جائے ۔ تو اس مقتول کے قصاص میں اس مُردہ قاتل کا سر جدا نہ کیا جائے گا ۔ کیونکہ اس وقت وہ انسان نہیں ہے انسان کی انسانیت اسی روح پر موقوف ہے ۔ اور یہ اپنے بدن اور تمام اعضاء و جوارح پر ایسا تصرف اور اس سے ایسا تعلق رکھتی ہے کہ کہیں ہو اور کسی حال میں اس کو اپنی تمام مملکت بدن کے ذرہ ذرہ کی خبر رہتی ہے اور اس پر تصرف حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ خواب میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں میل پر ہوتی ہے اور یہاں بدن کے کسی حصہ میں ایک مچھر یا کھٹمل کاٹتا ہے تو اس کو فوراً اطلاع ہو جاتی ہے اور فوراً ہی اس کا دفعیہ کرتی ہے کیونکہ اس پر حکومت رکھتی ہے اور اس کے تصرف کیلئے اس کا قُرب و بُعد مساوی ہے ۔

اسی طرح یہ تمام عالم امکان بمنزلہ ایک جسم ایک بدن کے ہے قال عز و جل ان کُلُّ من فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا اس آیت میں خدا جملہ موجودات ارضی و سماوی کو ایک عبد کہتا ہے اور اسی طرح سے تمام عالم امکان

ایک کتاب وجودی ہے۔ "قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ" کہا اہل علم و ایمان نے کہ تم روز حشر و نشر و بعث تک کتاب خدا میں رہے ہو۔ پس اس جسم عالم امکان میں حجت اللہ روح اور قلب عالم امکان ہے اور وہ موجود ہے اور متصرف اور اس کے ظاہر ہوتے اور سامنے حکم کرنے کی ضرورت نہیں وہ جہاں کہیں بھی ہے اور جس حال میں بھی ہے اس عالم کی خبر اور اس سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس پر متصرف ہے اور اس کے لئے حضور و غیاب مساوی۔ لہذا غیبت امام قابل اعتراض نہیں۔ وہ روح عالم و قلب عالم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب قلب پر صدمہ ہو۔ تو اور اعضا اپنی آلکالیف محسوس نہیں کرتے۔ اور اگر انسان کے عضو عضو جدا کر دیئے جائیں انہیں خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تمام قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور جب قلب عالم امکان مضطرب و متزلزل ہوتا ہے۔ تمام اعضاء و جوارح متزلزل ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنی خبر نہیں رہتی۔ اور جو عضو قلب سے جس قدر قرب رکھتا ہے۔ اسی قدر اس کو صدمہ زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اس کے صدمہ سے اس کو اپنی خبر نہیں رہتی۔ اگر اُسے پارہ پارہ کر ڈالو۔ تو محسوس نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آنحضرت سے مروی ہے۔ کہ آپ نے ایک موقع پر فرمایا "یَا بُنَیَّ اِنَّکَ سَتُسَاقُ اِلَی الْعِرَاقِ وَمَعَکَ جَمَاعَۃٌ لَا یَجِدُوْنَ اَلَمَ مَسِّ الْحَدِیْدِ" اے فرزند تجھکو دشمن زبردستی عراق کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔ اور تیرے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے جو زخم آہن کو محسوس تک نہ کریں گے۔ وہ تیرے صدمے میں ایسے مصروف ہوں گے۔ کہ ان کے تلواریں لگتی ہوں گی۔ تیر آتے ہوں گے۔ نیزے چبھتے ہوں گے۔ مگر وہ متاثر نہ ہوں گے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب حسین علیہ السلام کا یہی حال تھا کہ جب وہ حضرت امام مظلومؑ کو منادی دیکھتے تھے اپنے وجود سے غافل ہو جاتے تھے کیوں کہ امام قلب عالم امکان ہے۔ جب قلب مضطرب ہو تو دوسرے اعضاء کو اپنی کیا خبر رہے۔ بعد ازاں حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی "یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا" اے آتش ان پر سرد و سلامتی بن جا۔ گویا حضرتؑ نے تمام اصحاب امام مظلومؑ کو درجہ ابراہیم میں داخل فرمایا ہے۔ دیکھئے کہ چھوٹے بڑے مرد و زن نے روز عاشورا کیا کیا کارنمایاں کئے اور ان اصحاب نے کیا کیا اپنے جوہر ذاتی دکھلائے۔

مورخین لکھتے ہیں۔ عابس ابن ابی شبیب شاکری جس وقت میدان میں گئے تو لشکر

میں تہلکہ پڑ گیا۔ آپ بار بار "الا دجل" پکارتے تھے۔ مگر کوئی لشکر سے مقابلہ کے لیے باہر نہ نکلتا تھا۔ کیونکہ عابس کی شجاعت اور بہادری سے لوگ واقف تھے۔ ربیع ابن تمیم نے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا اس کو جانتے ہو یہ کون ہے۔ میں نے اس کو جنگ آذربائیجان میں دیکھا ہے کہ اس شخص نے تنہا حملہ کر کے ساٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ یہ سُن کر تمام لوگ ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے۔ عمر سعد نے جب یہ حال دیکھا تو سنگ اندازوں کو حکم دیا کہ سنگ باری شروع کر دیں۔ یہ سن کر عابس نے خود سر سے اُتار پھینکا اور کمر تک بدن کو برہنہ کر لیا اور فرمانے لگے مجھ کو پتھروں کی دھمکی دیتے ہو اور حملہ شروع کیا ادھر چار ہزار سنگ اندازوں نے سنگباری شروع کی۔ نہ معلوم ان چار ہزار سنگ اندازوں کے پتھروں سے ان کا کیا حال ہوا ہو گا۔ مگر وہ کمال قوتِ قلب لڑتے رہے اور آخر کار شہید ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

موعظۂ چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ

ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُّصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ

علمِ نبوت جزئیہ و کلیہ

ابھی بیان ہو چکا ہے کہ طریق سعادت پر یا عالم ہے یا متعلم اور ان دونوں کے سوا جو کوئی بھی ہے اہل شقاوت و ضلالت سے ہے اور علم تمام نوع بشر وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ہے اور علم خواص اوتوا العلم۔ پس اہل علم گویا دو جماعتیں ہیں۔ پھر صاحبان اوتوا العلم بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک صاحبان علم جزئی۔ دوم والے علم کلی۔ چنانچہ حضرت آدم سے لیکر تا حضرت خاتم جس قدر انبیا علیہم السلام گذرے ہیں سب کا علم بہ نسبت آنحضرت

جزئی تھا اور وہ بطور مقدمہ آئے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ میں بھی جو شجرۃ الانبیا اور افضل انبیائے سابقین ہیں، علم بطور کلیت و اطلاق نہیں ہے۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ کو دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا۔ اے میرے باپ مجھے علم میں سے وہ حصہ ملا ہے۔ جو تجھ نہیں ملا ہے پس میرا اتباع کر میں تجھے ٹھیک راستہ دکھاؤں گا۔ یعنے حضرت نے من العلم فرمایا جو جزئیت کی دلیل ہے۔ جاء فی العلم نہیں فرمایا۔ جو کلیت اور اطلاق پر دال ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کا علم بھی بطور کلیت و اطلاق نہ تھا۔ اور خداوند عالم جملہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتا ہے۔ "ولقد اخترناهم علی العالمین" یعنی ہم نے ان کو ایسا علم میں کہ تمام عالمین سے برگزیدہ بنایا ہے اور اس علم کے لئے انہیں پسند کیا ہے۔ نہایت درجہ ان کے علم کا یہ ہے کہ بعضے علم حقائق میں بطور جزئیت شریک ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم کو خدا خود فرماتا ہے "وَکَذٰلِکَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اسی طرح سے ہم ابراہیمؑ کو باطن زمین و آسمان دکھاتے ہیں کیونکہ نبوت جملہ انبیاء سابقین کی محدود و جزئی تھی۔ ایک قوم خاص اور ایک ملک مخصوص پر مبعوث ہوتے تھے۔ نہ تمام عالمین پر۔ مثلاً جناب آدم کی شان میں آیا ہے "انی جاعل فی الارض خلیفة" تحقیق کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ لہٰذا خلافت آدم زمین ہی سے مخصوص تھی اس طرح دیگر انبیاء۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض۔ اسی وجہ سے ایک وقت میں چند نبی بھی ہوئے ہیں بعض ایک قریہ میں اور بعض دوسرے قریہ میں۔ چنانچہ حضرت لوط زمانہ حضرت ابراہیمؑ میں ایک قریہ میں اپنی قوم پر مبعوث تھے۔ لیکن جب سلسلہ نبوات تمام ختم پہنچا اور حضرت خاتم النبیین مبعوث برسالت ہوئے تو ان کیلئے خصوصیت کسی قوم یا ملک کی نہ رہی۔ بلکہ اختصاص ارضی بھی مرتفع ہو گیا۔ اور تمام عوالم یعنی جملہ ماسوائے اللہ عالم مواد۔ عالم ارواح۔ عالم نفوس۔ عالم عقول۔ عالم ملکوت۔ عوالم ارضی و عوالم سماوی۔ جن و انس۔ بحر و بر۔ نزد و دور۔ قریب و بعید۔ مرئی و غیر مرئی سب پر مبعوث ہوئے۔ کما قال عزوجل "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیرا" بزرگ اور برتر ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ اس کے ذریعہ سے تمام عوالم پر رسولؐ نذیر و بشیر ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صوت

سے تمام عوالم کے نذیر قرار پائے۔ بلکہ خود لفظ عالمین دال ہے کہ آپ ہمیشہ سے اس صفت سے
متصف ہیں ورنہ تو بہت سے عوالم نذارت سے خارج ہو جائیں گے۔ پس جس طرح آپ کی رسالت
باعتبار مکان غیر محدود و کلی ہے اسی طرح بلحاظ زمان بھی غیر محدود و کلی ہے۔ کسی ایک زمانہ
سے مخصوص نہیں ولذا قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ
بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ اَوْ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ ۔ حتیٰ کہ تمام انبیاء بھی آپ کی
نبوت مطلقہ کلیہ کے تحت میں داخل ہیں اور امت مرحومہ محمدیہ میں شامل۔ پس علم آپ کا
بہ نسبت جمیع مخلوقات جن و انس ملائکہ و عقول قادسہ و انبیاء و رسل کے کلی ہوگا۔

نکتہ قرآن شریف میں بعض الفاظ و بعض محاورات ایسے ہیں۔ کہ اگر انسان ان میں غور
کرے اور اُن کے سر سے آگاہ ہو تو ابواب علوم منکشف ہوتے ہیں۔ منجملہ اُن کے
ایک لفظ (اٰتیٰ) ہے کہ علم اور کتاب دو چیزوں کی طرف علی العکس منسوب ہوا ہے یعنی جب
لفظ (اٰتیٰ) بصیغہ ماضی معروف علم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ تو وہاں علم سے مراد علم جزئی ہوتا
ہے۔ مثلاً وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (نمل) البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک
علم عطا کیا وَاٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورہ یوسف) اور ہم نے اس کو حکم اور کچھ علم عطا کیا
وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (سورہ انبیاء) پھر جملہ انبیاء کے حق میں فرمایا ہے وَكُلًّا اٰتَيْنَا
حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیا) اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور کچھ علم عطا کیا۔ اور جہاں کتاب کی طرف
منسوب ہے وہاں کتاب سے حقیقت کتاب مراد ہے اور اسی واسطے انبیاء کی طرف منسوب ہوتا
ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے باب میں آیا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (بقرہ) اور
دیگر انبیاء کی شان میں فرمایا ہے وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ (والصافات) اور ہم نے
ان کو کتاب روشن عطا کی اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا مجھے
اللہ نے کتاب عطا کی ہے اور نبی بنایا ہے ظاہر ہے کہ یہاں کتاب سے مراد علم کتاب و حقیقت
کتاب ہے۔ جو صفت انبیاء ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ
البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی۔ پس اس کتاب سے
مراد علم کتاب ہی ہے۔ جو ہر نبی کے وجود کے ساتھ عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک دو جماعت
کی صفت میں آیا ہے۔ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنَا
هُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْ

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ (عنکبوت) اسی طرح ہم نے تجھ پر کتاب کو نازل کیا ہے
پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دیدی ہے۔ وہ سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان میں
سے بھی بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر کافرین
اور جہاں کہیں لفظ (اُتِیَ) بصیغہ مجہول یعنی (اُوتی) کتاب کی طرف منسوب ہوا ہے وہاں
کتاب سے مراد علم کتاب و حقیقت کتاب نہیں ہے۔ بلکہ کتاب آسمانی لیکر کسی پیغمبر کا اُن کی
طرف آنا مراد ہوتا ہے۔ اعم اس سے کہ وہ لوگ عالم کتاب پیغمبر ہوں یا نہوں۔ اس پر عمل
کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ چنانچہ قرآن شریف میں اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہود و نصاریٰ
اہل کتاب ہیں۔ جو مقابل مشرکین ہیں۔ جن پر کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا تھا اور اُن میں کوئی کتاب نہ
آئی تھی مثلاً وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (حدید) اور چاہئے کہ تم ان لوگوں
کی مانند نہ ہو جن کی طرف کتاب بھیجی جا چکی ہے۔ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ (توبہ) وغیرہ اور جس جگہ علم کی طرف مضاف ہے۔ وہاں علم سے علم کلی مراد
ہے۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ اللہ بلند کرتا
ہے۔ اُن کے درجات کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں۔ اور جن کو علم عطا کر دیا گیا ہے۔ بَلْ
هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ
(عنکبوت) بلکہ قرآن شریف آیات بینات ہے۔ سینوں میں ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا
ہے۔ اور نہیں انکار کرتے ہیں۔ ہماری آیات کا مگر ظالمین اور یہ صاحبان اُوْتُوا الْعِلْمَ و علم
مطلق حضرت خاتم الانبیاء اور اُن کے اوصیاء ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علم پیغمبر خاتم
النبیین بہ نسبت جمیع انبیاء سابقین کلی ہے۔

انقسام سلسلۂ نبوت اور حضرت شجرۃ الانبیاء

کتب آسمانی جو بطور تنزیل نازل ہوئی ہیں۔ اور جن پر کتاب کا اطلاق
ہوتا ہے اور لفظ کتاب بولا جاتا ہے وہ صرف چار ہیں
توریت و زبور و انجیل اور فرقان حتیٰ کہ حضرت ابراہیم
بھی اس معنی میں صاحب کتاب نہیں کہلاتے۔ بلکہ صاحب صحف کہلاتے ہیں اور صحف
ابراہیمی مشہور ہیں اور اسی طرح حضرت اسمٰعیل بھی صاحب کتاب نہیں ہیں لیکن کتاب
وجودی جس سے کہ مراد علم کتاب و حقیقت علمیہ ہے وہ عام ہے تمام انبیاء میں
جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا کہ خدا تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ

مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا در انحالیکہ وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور اُن کے ساتھ کتاب نازل کی۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ اور یہ سلسلہ کتاب ذریت انبیاء میں ہمیشہ جاری رہا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح و حضرت ابراہیم کے حق میں فرماتا ہے۔ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰھِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور اُن کی ذریت میں نبوت و کتاب قرار دی۔ اور پھر حضرت ابراہیمؑ کی شان میں فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتٰبَ ہم نے ذریت ابراہیمؑ میں نبوت و کتاب قرار دی ہے۔ اور حضرت ابراہیم سے نبوت و کتاب منقسم ہوئی۔ ایک سلسلہ بنی اسرائیل میں جو بنی اسحاقؑ ہیں۔ دوم سلسلۂ اسمٰعیل۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ جو صاحب نبوت و کتاب ہو اور جعل الٰہی مقتضی ہے کہ ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں نبوت اور کتاب موجود ہو۔ پس حضرت اسمٰعیلؑ سے حضرت خاتم النبیینؐ تک نبوت اور کتاب جو مایہ النبوۃ ہے۔ کس کے پاس رہی۔ کیا وہ مشرکین مکہ حامل کتاب تھے جو اولاد حضرت اسمٰعیل سے ہیں؟ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا بھی ہے اگر ایسا ہے تو مشرکین نبی یا وصی نبی ہوئے۔ کیونکہ نبوت اور کتاب ساتھ ساتھ ہیں اور مایہ النبوۃ کتاب ہی ہے۔ حالانکہ نبی مشرک غیر معقول و غیر متصور ہے اور یہ خیال محال محض۔ بلکہ دعائے حضرت ابراہیمؑ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ دلالت کرتی ہے کہ ایک امت مسلمہ باسم نبوتی ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود رہی ہے۔ کیونکہ یہ بھی جعل الٰہی ہے جس کو کبھی انقطاع نہیں۔ پس حامل کتاب یہی اُمت مسلمہ ہوئی۔ نہ مشرکین۔ اور یہیں سے ثابت ہے کہ آباؤ اجداد جناب ختمی مرتبت کل کے کل مسلم و موحد تھے۔ اور نطفۂ حضرت ختمی مرتبتؐ انہیں اصلاب طاہرین میں رہا ہے اور منتقل ہوتا آیا جو حامل کتاب نبوتی و مسلم تھے ؛

یہ بھی کتاب اللہ ہی سے ثابت ہے کہ یہ دعائے حضرت ابراہیمؑ مخصوص و مختص ہے اولاد حضرت اسمٰعیلؑ سے نہ حضرت اسحاقؑ سے اس لئے کہ صدر آیہ یہ ہے۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ - رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ ع ۱۵)

اور یاد کر اس وقت کو جبکہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے (تو انہوں نے عرض کیا) اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص مسلمان مطیع و منقاد مطلق بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت ایسی ہی پیدا کر جو مثل ہمارے تیری مطیع و منقاد مطلق ہو۔ اور ہمارے مناسک ہمیں دکھلا دے اور ہماری رجوع و انابت کو قبول فرما۔ کیونکہ تو ہی رجوع کا قبول کرنے والا مہربان ہے۔

پروردگار ان ہی انہیں میں سے ایک کو رسول بنا جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بہ تحقیق کہ تو صاحب عزت و حکمت ہے۔ اور پھر فرمایا ہے۔ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراہیم ع ۵)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو تیرے خانہ محترم کے پاس وادی بے زراعت میں سکونت پذیر کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار اس لئے کہ وہ نماز کو قائم کریں پس اے خدا کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور ان کو ثمرات عطا فرما کہ وہ تیرا شکر بجا لائیں اور مسلم و محقق ہے کہ مکہ معظمہ میں جناب ابراہیم نے اپنی ذریت میں سے صرف حضرت اسمٰعیل کو مقیم کیا تھا۔ لہذا یہ دعا بھی ذریت ابراہیم میں سے اولاد اسمٰعیلؑ ہی سے مخصوص ہے۔ اور اسی آیت کے بعد فرمایا ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ۔ میرے پروردگار مجھکو اور میری بعض ذریت کو نماز کا قائم کرنے والا قرار دے اور ہماری دعا کو قبول فرما۔ لہذا ثابت ہے کہ یہ امت مسلمہ اور یہ ذریت مقیمین الصلوۃ اور ساکنین مکۃ اللہ الحرام اولاد حضرت اسمٰعیل ہی سے ہے اور یہ وہی امت ہے جس میں سے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ اسی امت مسلمہ کے

ایک فرد ہیں۔ پس لابدہ امت مسلمہ باسلام ہوتی اس وقت موجود تھی جس وقت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث برسالت ہوئے اور وہ انہیں میں سے تھے۔ لہٰذا یہی امت جو ذریت ابراہیمؑ ہے حامل کتاب ہے۔ نبوت خاتم النبیینؐ پر ختم ہوگئی۔ مگر کتاب بحال خود باقی ہے۔ اگر بنص آیہ نبوت خاتم النبیین پر ختم نہ ہوتی تو یہ تمام افراد امت مسلمہ انبیاء ہوتے۔ کیونکہ مابہ النبوۃ کتاب ہی ہے۔ اور کتاب ان میں موجود ہے (اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا) دال ہے کہ اول کتاب دیجاتی ہے اور بعد میں نبی بنایا جاتا ہے۔ جاہل نبی نہیں ہوتا۔ نبی جاہل غیر معقول ہے اور نبوت ایک درجۂ رفیعۂ عالیہ ہے۔ جو بلا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ رفعت درجات علم پر موقوف ہے۔ یَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ اس لئے کہ نبی دراصل نبوۃ سے مشتق ہے جس کے معنے بلندی اور رفعت کے ہیں اور اسی طرف اشارہ ہے اس آیۂ مجیدہ میں جس میں حقیقت نبوت کو بیان کیا گیا ہے۔ وہی ھٰذہٖ "رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ۔ خداوند عالم درجات کا بلند کرنیوالا صاحب عرش علم ہے وہ اپنے عالم امر سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے روح عطا کرتا ہے۔ تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے۔ پس نبی صاحب درجۂ رفیعہ ہے اور مقام نبوت مقام عرش ہے اور جو کچھ اس کو پہنچتا ہے عرش الٰہی سے پہنچتا ہے اور (انباء) یعنے خبر دینا اثرات نبوت میں سے ہے کہ جو نبی مبعوث برسالت ہوتے ہیں پیغام خدا پہنچاتے ہیں۔

مزید توضیح وتشخیص صاحبان کتاب در امت محمدی

یہ تو معلوم ہو چکا کہ یہاں "اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ" آیا ہے اس سے کتاب وجودی یعنی علم کتاب وحقیقت کتاب مراد ہے۔ لہٰذا "فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ" الخ میں بھی کتاب سے مراد حقیقت کتاب ہی ہے۔

اب معلوم کرنا یہ ہے کہ امت محمدی میں یہ کون لوگ ہیں؟ اس واسطے کہ پیغمبر تو ان میں داخل نہیں کیونکہ پیغمبر خود مخاطب ہے۔ پس ضرور یہ صاحبان کتاب غیر از پیغمبر خدا ہیں۔ اکثر مفسرین کی تو یہ رائے ہے کہ ان سے مراد یہود ونصاریٰ اہل الکتاب

ہیں۔ لہٰذا بقول بریلوی مطلب آیت یہ ہوا کہ اے پیغمبر یہود و نصاریٰ تو تمام کے تمام اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں میں سے بھی بعض بعض اس پر ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا اہل ایمان یہود و نصاریٰ ہوئے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ؎

واقعی جب علم کلبی زجاج قتادہ وغیرہم پر منتہی ہوگا۔ تو یہی گندہ کاری پیدا ہوگی۔ اگر انسان ذرا نور ایمان دل میں رکھتا ہو اور قرآن پہ اعتماد۔ تو یقین کرے گا۔ کہ ہرگز اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق عام یہود و نصاریٰ تو کیا خاص علماء بھی نہیں۔ کیونکہ جو صفات ان صاحبان کتاب کی کتاب اللہ میں مذکور ہیں وہ کبھی اور کسی صورت سے اُن پر صادق نہیں آسکتی ہیں۔ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِہٖٓ اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِہٖ مُسْلِمِیْنَ۔ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰھِلِیْنَ (قصص ع ۶) یعنی جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دیدی ہے۔ وہ سب اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب اُن پر اس کی تلاوت کیجاتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بہ تحقیق کہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے بتحقیق کہ ہم اس سے پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ کہ اُنہوں نے صبر کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو قوت و رزق دیا تھا اُس کو وہ راہِ خدا میں خرچ کردیتے تھے اور جب وہ لغویات سنتے تھے تو اس سے اعراض کرتے اور کہتے کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے۔ سلام ہو تم پر ہم جاہلین کو نہیں چاہتے۔ اس آیت کی تفسیر نہیں صرف اگر لفظی ہی ترجمے میں ادنیٰ تامل کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سے یہود و نصاریٰ ہرگز مراد نہیں ہوسکتے۔ یہود کب قرآن پر پہلے سے ایمان رکھتے تھے اور اس کی تصدیق کرتے تھے اور کب وہ قبل نزول قرآن مسلمان تھے۔ کب اُنہوں نے صبر کیا ہے جس کی وجہ سے اُن کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ کون سے یہود ہیں جو بدی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ اور لغو سے اعراض کرتے ہیں اور

جاہلوں کی صحبت سے بچتے ہیں اگر ایسے ہیں تو پھر ان سے بہتر مومن و مسلمان دنیا میں متصور نہیں۔
اور اگر یہ سمجھے ہے تو وہ آیات غلط ثابت ہوتی ہیں جو مذمت یہود سے پُر ہیں۔ علاوہ ازیں ثابت ہو چکا ہے کہ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سے مراد حقیقت کتاب ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ اسی کے مصداق ہیں کہ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ فرماتے ہیں تو کیا معاذ اللہ حضرت عیسیٰ بھی یہود تھے؟ اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ کتاب اُن کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے۔ نہ کہ بعد میں تعلیم دیجاتی ہے۔ پس کون سے یہود ہیں جو قبل وجود ظاہری جسمانی عالم کتاب و حامل حقیقت کتاب تھے۔ اِنَّ ھٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ۔

پس اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ کا مصداق وہ ہیں جو صلاحیت نبوت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب ہی مایہ النبوت ہے۔ اور وہ وارثان کتاب اہل بیت نبوت و رسالت ہیں۔

معانی کتاب

کتاب کے چند معنی ہیں۔ اوّل کتاب مکتوب یعنی خطوط و نقوش۔ کَمَا قَالَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْہُ بِاَیْدِیْھِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (انعام ع) اور اگر اے پیغمبرؐ تجھ پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔ اور یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھ لیتے۔ تب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

دوم۔ کتاب ملفوظ اور صورت تلفظی کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ۔ وَاتْلُ عَلَیْھِمْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ (کہف) اے پیغمبرؐ پڑھ ان پر وہ کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے۔ سوم کتاب ذہنی یعنی معانی متخیلہ متصورہ فی الذہن المدلولہ بالالفاظ۔ قَالَ عَزَّ اسمہ وَ مِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ (بقرہ ع ۱۱) اور بعض اُن میں سے اُمّی ہیں۔ جو نہیں جانتے ہیں کتاب کو مگر آرزوئیں۔ جو خواہش طمع ہوتی ہے وہ ہی معنی کر لیتے ہیں۔ چہارم کتاب حقیقی جو قلوب انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ نہیں بلکہ وجود کے ساتھ عطا ہوتی ہے۔ کَمَا فِیْ (اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَ اٰتَیْنٰھُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ) پس وہ ایک حقیقت نورانیہ علیمہ ہے جو وجود نبی میں ہے بلکہ نفس روح نبی یہی کتاب ہے۔ کیونکہ وہ ایک حقیقت نوریہ علمیہ ہے اور وہی ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ہے اور قرآن اسی کی صورت معروفہ ہے قَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ تحقیق کہ یہ قرآن کریم ہے۔ کتاب مکنون میں جس کو سوا مطہرین

اور کوئی مس نہیں کرسکتا پس بعد پیغمبر غیر از پیغمبر وہ نفوس صاحبان کتاب ہیں جو نفس رسولؐ ہیں اور اس کے ساتھ اتحاد نوری روحانی رکھتے ہیں اور قرآن اُن کے وجود میں ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی حقیقت یہ ہے مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيَاتٌۢ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيَاتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (عنکبوت) اے پیغمبرؐ نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب توریت وغیرہ پڑھتا تھا۔ اور نہ تو اس کو ہاتھ سے لکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مبطلین اسلام کو شک وریب کا پورا موقع مل جاتا۔ لیکن قرآن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ آیات مبینہ ہیں اُن کے سینوں میں جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ چونکہ پہلے علم اُن کو عطا کر دیا گیا ہے اسی واسطے وہ اس کو جانتے ہیں اور حقیقت کتاب سے واقف ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہی اہل قرآن ہیں۔ چونکہ لوگوں نے قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا اور زجاج وکلبی قتادہ زمخشری سے قرآن لیا۔ یہ گندہ کاریاں پیدا ہوئیں اور اندھی تقلید کی وجہ سے قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور نصوص آیات کو مفسرین کے اقوال کے مقابلہ میں قبول نہیں کرتے اور ملا نقطیؔ بنے ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کلام اللہ میں تدبر کریں۔ تو یہ بھی صاف معلوم ہو جائے کہ وہ صاحبان اوتو العلم کون ہیں۔ جن کی صفت یہ ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ اے پیغمبر کہدو کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ بتحقیق کہ وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا ہے جب اُن پر آیات پروردگار تلاوت کیجاتی ہیں تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور یہ لوگ زمانہ پیغمبرؐ میں موجود تھے كَمَا اَخْبَرَ بِهٖ سُبْحَانَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

نوٹ:- ملا نقطی ایک ملا خوشنویس تھا اُس نے ایک کتاب لکھی اور اس پر نقطے ایک ترتیب خاص سے لگاتے ہوئے جب اُس نے ایک سطر تمام کی اور نقطوں پر غور کیا تو اس ترتیب میں کسی ایک حرف کا نقطہ باقی رہ گیا تھا۔ غور و فکر کے بعد اس نقطے کے عوض ایک نقطہ حاشیہ پر لگا دیا پھر خود ہی سوچا کہ مطالعہ کرنے والا کیونکر سمجھے گا۔ کہ یہ نقطہ فلاں حرف کا ہے پس اس کے سمجھنے کیلئے اس نے اس حرف سے شروع کر کے اس حاشیہ کے نقطہ تک برابر نقطے لگا دیئے۔ مگر پھر خیال آیا کہ دیکھنے والا کیونکر سمجھے گا۔ کہ مراد اس نقطہ سے کون سا نقطہ ہے کیونکہ یہاں تو بہت سے نقطے ہو گئے۔ لہٰذا پھر اس نے سوچا اور رائے قرار پائی کہ اس اصل نقطہ کو بڑا کر دیا جائے پس اس کو بڑا کر دیا۔ مگر پھر بھی اطمینان نہ ہوا اور یہ شک باقی رہ گیا کہ پڑھنے والے کو کیسے معلوم ہوگا۔ کہ نقطہ متروکہ سے یہ بڑا نقطہ مراد ہے آخر مجبور ہو کر اس نقطہ پر لکھا المراد من النقطۃ ھذہ النقطۃ الکبیرۃ۔ (مؤلف)

قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اور اے پیغمبر بعض تیرے اصحاب ایسے ہیں جو خوب غور سے قرآن سنتے ہیں اور جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں تو وہ اُن لوگوں سے جن کو علم دیا گیا ہے کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ابھی کیا فرمایا ہے ہم نہیں سمجھے۔ پس صاحبان اوتو العلم موجود تھے اور لوگ اُن کو پہچانتے تھے اور یہی وہ ہیں جن کے سینوں میں قرآن ہے اور اُن کے وجود کے ساتھ حقیقت کتاب عطا ہوئی یعنی حقیقت نوریہ علمیہ۔

اور سورۂ قصص کا یہ جملہ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ان کی صاف تصریح و تشخیص کر دیتا ہے کہ یہ پہلے سے مسلمان وہی امت مسلمہ ذریت ابراہیم ہے پس کتاب بجعل الٰہی ذریت و سلسلہ اسمٰعیلؑ میں باقی ہے۔ وَجَعَلَ فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ اور یہ غیر از نبی ہیں۔ نبیؐ اصل اصیل ہے اور یہ فروع۔ یعنی اس شجر نبوت کی شاخیں ہیں۔

تصریح پیغمبر اور صاحبان کتاب

پیغمبر خدا نے ان کی تصریح و تشریح فرمادی ہے۔ کہ میرے بعد صاحبان کتاب وہ ہیں جو میری اصل سے ہیں۔ اور کتاب اُن کے ساتھ اور وہ کتاب کے ساتھ اور دونوں میں ہرگز افتراق نہیں فقال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ تحقیق کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اوّل کتاب خدا اور دوسرے میری عترتؑ جو اہل بیت نبوت و رسالت ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہوگے۔ ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ تا اینکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں اور لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہوں۔

یہ حدیث ستر سے زائد طرق سے کتب اسلامیہ میں مذکور ہے۔ تقریباً پندرہ طرق کو صاحب صواعق محرقہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ پس یہی وہ سینے ہیں جن میں قرآن لبطور آیات بینات موجود ہے نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن اُن سے علیحدہ۔ لہٰذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مراد اُن سے حفاظ ہیں کہاں اُن سینوں میں علم قرآن ہے اور کہاں اُن میں قرآن لبطور آیات بینات موجود ہے۔

وجہ تقدم کتاب بر عترت

حدیث میں کتاب کو عترت پر اس لئے مقدم کیا ہے

کہ کتاب حقیقت نوریہ الٰہیہ ہے جس کی بابت خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ : ایک رسی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ یہاں کتاب کی صفت پیغمبر نے کاغذ یا آوات نہیں فرمائی بلکہ اس کو حبل ممدود سے تعبیر کیا۔ اور یہ حبل ممدود وہی حقیقت نوریہ ہے جس کو بلا واسطہ خدا سے تعلق ہے اور ادھر وجود نبی و امام سے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ یہ کتاب اول رسولؐ کو پہنچی اور رسول سے عترت رسول و ذریت رسول اور یہ دونوں ایک ہی نور سے ہیں عترت اصل شئے کو کہتے ہیں اور اصل رسولؐ بنی ہاشم ہے اور ذریت رسول بھی اسی اصل سے ہیں اور وہ اہلبیت رسالت و وارثان نبوت ہیں۔

معانیٔ اہل بیت

بیت کی تین قسمیں ہیں۔ بیت سکنی۔ بیت نسب۔ بیت شرف بیت سکنی میں تمام وہ افراد داخل ہیں۔ جو اس میں سکونت رکھتے ہیں۔ نوکر۔ چاکر۔ لونڈی۔ غلام حتیٰ کہ گھوڑا گدھا اور کتا غرضکہ جو کوئی بھی اس میں رہتا ہے سب سکنی بیت میں داخل ہیں۔

بیت نسب میں تمام اہل خاندان داخل ہیں۔ خواہ مومن ہوں۔ خواہ کافر نیک ہوں یا بد۔

بیت شرف میں صرف وہ نفوس شریک ہوتے ہیں۔ جو اس شرافت سے متصف اور صاحب شرف کے شریک ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ اہل بیت نبی سے نہ اہل بیت سکنی مراد ہو سکتے ہیں۔ جن میں نوکر چاکر سب شامل ہیں۔ اور نہ اہل بیت نسب مراد ہو سکتے ہیں۔ جن میں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔ بلکہ مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں۔ اور شرف بیتی نبوت ہے۔ پس اہل بیت نبی اہل بیت نبوت و رسالت ہیں یعنی حامل کتاب یا جو یہ النبوۃ ہے۔ گویا یہ حدیث ترجمہ آیہ مجیدہ ہے وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ کہ ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دیدی ہے۔ پس غیر از عترت رسول جو شریک شرف نبوت ہیں اور ذریت ابراہیم و نسل اسمٰعیل ہیں اور کوئی اہل بیت میں داخل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کے استفسار پر آنحضرت نے اِنَّکِ مِنْ اَهْلِیْ وَ اَنْتِ عَلٰی

الْخَيْرِ تو میرے اہل سے ہے اور تو خیر پر ہے! فرمایا مگر اہل بیت میں داخل نہ فرمایا۔ حالانکہ
حضرت ام سلمہؓ آپ کے اہل بیت سکنی اور اہل بیت نسب میں بھی داخل تھیں۔ مگر چونکہ
مراد اہل بیت سے اہل بیت شرف ہیں اور وہ وہی ہیں جو شریک شرف نبوت اور اس
صفت سے متصف ہیں۔ لہٰذا ام سلمہؓ کو ان میں داخل نہ فرمایا اور " اَنْتِ عَلَى الْخَيْرِ "
فرما کر اُن کی تسلی کر دی۔ اگر لفظ اہل بیت و بیت کے موارد استعمال کو قرآن میں دیکھا
جائے اور اُس میں غور و تامل کیا جائے تو مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً خدا حضرت ابراہیم
کے حق میں فرماتا ہے " رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ اے اہل بیت نبوت
تم پر خدا کی خاص رحمت و برکت ہے اور حضرت لوط کے حق میں فرماتا ہے " فَمَا وَجَدْنَا
فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ " پس نہ پایا ہم نے اس میں کوئی مومن سوائے ایک
خانہ نبوت و بیت المسلین کے۔

جواب سوال ایک شخص نے سوال کیا کہ صفت کتاب اللہ کی یہ مذکور ہوئی ہے
" حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ " پس اس سے
تمسک کس طرح کر سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے
کتاب منشاء احکام و تکالیف ہے اور مدلول نبوت یعنی جو کچھ نبی لائے ہیں وہ کتاب ہی
ہے اور یہی دلیل نبوت بھی ہے۔ کیونکہ اپنی صداقت کی دلیل اور بینہ نبوت بھی یہی کتاب ہے۔
" فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ " اس کی تحدی ہے بخلاف دیگر انبیاء کے کہ ان کی کتب بینہ نبوت
نہ تھیں یعنی نفس کتب دلیل صداقت نہ تھیں۔ بلکہ بینات و معجزات انبیاء غیر از کتب تھے
اور قرآن خود ہی دلیل نبوت ہے اور خود ہی مدلول نبوت۔ اور ایک بینہ بزرگ اس کی حقیقت
پر یہ ہے کہ جو کچھ سوال کرو اس میں موجود ہے اور علاوہ اس کے " وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ
بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا " اگر
کوئی قرآن ہے کہ اگر اس کو پہاڑ پر پڑھا جائے۔ تو وہ چل نکلیں یا زمین پارہ پارہ ہو جائے یا طی
الارض ہو جائے اور مردے باتیں کرنے لگیں۔ بلکہ ہر ایک امر الٰہی اس سے سرانجام پا جائے
تو یہی قرآن ہے۔ پس جن کے سینوں میں یہ بینہ نبوت ہے۔ اور وہ حامل قرآن ہیں وہ
فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہم چاہیں تو مشرق عالم کو مغرب کر دیں اور مغرب کو مشرق۔ اور صفت اُن کی
یہ ہے کہ جس امر کا اُن سے سوال کیا جائے قرآن سے جواب دیں اور اپنی آراء کو دخل نہ دیں

چنانچہ اسی سلسلہ اہل بیت میں گیارہ حامل قرآن گذرے۔ کبھی کسی نے کسی مسئلہ کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ میری رائے یہ ہے کیونکہ وہ حامل قرآن ہیں جس میں ہر خشک وتر کا بیان موجود ہے۔ "وَالْحُجَّةُ مَنْ لَا يَقُولُ لَا أَدْرِي" (وَتَدَبَّرْ فِيهِ) حجت خدا وہ ہے۔ جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ لہذا تمسک بالقرآن کے یہ معنے ہیں کہ قرآن کو حاملان قرآن سے پوچھو وہ ہر ایک مسئلہ کے جواب میں ایک آیت پڑھ دیں گے اور ہر حکم کا مدارک قرآن سے بتلائیں گے۔ پس تمسک بالقرآن اور تمسک باہل بیت ایک ہی ہوگا۔ جو متمسک باہل بیت نبوت ہے وہی متمسک بالقرآن ہے جس نے اہل بیت کو چھوڑا اور اُن سے قرآن نہ لیا۔ اس نے قرآن کو چھوڑا اور وہ گمراہ ہے۔

لہذا جنہوں نے اہل بیت نبوت کو چھوڑ دیا ہے۔ اُنہوں نے قرآن کو بھی چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر خدا روز جزا بارگاہ ذوالجلال میں عرض کریں گے۔ اور اپنی قوم کی شکایت کریں گے۔ "رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا"۔ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا اگر یہ کہا جائے کہ اُنہوں نے قرآن کو ترک نہیں کیا اور متبع قرآن و متمسک بالقرآن ہیں تو معاذ اللہ پیغمبر جھوٹ بولیں گے اور غلط ثابت کریں گے مگر کوئی مسلمان تکذیب پیغمبر پر راضی نہ ہوگا۔ اور تسلیم کرے گا۔ کہ ضرور انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ اور شکایت پیغمبر بجا ہے۔ پس متمسک بالقرآن وہی ہیں۔ جو متمسک باہل بیت نبوت و رسالت ہیں غرض ایک شناخت اہل قرآن کی یہ ہے کہ جو بات پوچھی جائے اس کا جواب دے اور کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ "اَلْحُجَّةُ مَنْ لَا يَقُولُ لَا أَدْرِي"۔ اور ہر سوال کا جواب قرآن سے دے اور آیت تلاوت فرمائے۔

مثال ایک شخص نے جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب سے سوال کیا کہ ایک شخص مر گیا اور وصیت کر گیا کہ اس کا ایک جزو مال فقرا کو تقسیم کر دیا جائے۔ پس کتنا مال فقراء کو دینا چاہیے۔ فرمایا دسواں حصہ۔ اس کو شک ہوا اور دل میں سوچ کر کہنے لگا۔ آپ قرآن سے ایسا فرماتے ہیں؟ فرمایا قصہ حضرت ابراہیم پڑھ "قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا" کہا کہ چار پرندے لے اور ان کو مخلوط کر کے اُن کا ایک جزو ہر پہاڑ پر رکھدے۔ پھر ان کو بلا تو وہ تیرے پاس دوڑ کر آئیں گے۔ اور پہاڑ دس تھے اُن پر ایک ایک جزو رکھا تھا۔ لہذا جزو سے مراد

جبکہ کوئی قید خصوصیت نہ ہو۔ دسوال حسنہ ہے۔

ایضاً۔ ایک شخص نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے وصیت کی کہ اس کا ہر ایک غلام قدیم آزاد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو غلام ششماہہ ہے یعنی اس کے پاس آئے چھ ماہ ہو گئے ہیں آزاد ہے۔ دریافت کئے جانے پر جواب قرآن سے فرمایا "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" یعنے خدا فرماتا ہے کہ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ پھر وہ مثل پرانی شاخ نخل کے ہو جاتا ہے۔

اور یہ شاخ نخل چھ ماہ تک مثل ہلال ہو جاتی ہے۔ اور اس کو عرجون قدیم کہتے ہیں۔ پس قدیم سے مراد ششماہہ ہوگا۔

ایضاً۔ ایک شخص نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ فرائض سہام ارث چھ کیوں ہیں؟ فرمایا خلقت انسانی کے چھ درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کے لئے ایک میت مقرر ہے قال عز و جل "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" اسی واسطے سہام ارث چھ مقرر ہوئے۔

ایضاً حضرت رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ خداوند عالم اس آیہ مبارکہ "اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ" (اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں) فرماتا ہے کہ زمین بھی مثل آسمانوں کے سات ہیں حالانکہ زمین ایک ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟ فرمایا "هٰذِهٖ اَرْضُ الدُّنْيَا وَسَمَاءُ الدُّنْيَا فَوْقَهَا قُبَّةٌ وَالْاَرْضُ الثَّانِيَةُ فَوْقَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَالسَّمَاءُ الثَّانِيَةُ فَوْقَهَا قُبَّةٌ" الخ یعنی یہ ہماری زمین ہے اور پہلا آسمان ہمارا گنبد ہے اور دوسری زمین پہلے آسمان کے اوپر ہے اور دوسرا آسمان اس کا گنبد ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا "وَفَوْقَهَا عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" سب سے فوق عرش الٰہی ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ علوم کی اتنی ترقی نہ تھی۔ اصولیین نے تو اس حدیث کا انکار ہی کر دیا اور محدثین کے نزدیک سند صحیح تھی۔ کہا کہ معضلات اخبار سے ہے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ مگر انکار بھی درست نہیں۔ اب ترقی علوم و تحقیقات جدیدہ سے سات زمینیں ثابت ہو گئیں۔ بلکہ اُن کی

آبادی کا حال بھی منکشف ہو گیا۔ پس جن کے سینہ میں قرآن ہے۔ اور قرآن اُن کے وجود کے ساتھ متحد ہے۔ وہی فرما سکتا ہے۔ کہ میں قرآنِ ناطق ہوں اور یہ سوائے ایک شخص یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور کسی نے نہیں فرمایا۔ چنانچہ مشہور ہے۔ کہ جنگ صفین کے موقع پر جب قرآن نیزوں پر بلند کر کے امان مانگی تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا وَاِنْ یَرْفَعُوْهُمْ اَوْ نَوْعَلٰی مَصَاحِفِهِمْ اَنَا كَلَامُ اللّٰهِ النَّاطِقُ" مارو اگرچہ اُن کے قرآنوں پر لگے۔ کیونکہ قرآن ناطق میں ہوں یہ مصاحف خدائی نہیں ہیں۔ ان مصاحف کی نسبت اُن سے اس واسطے دی کہ اُن کے عقائد اور ان کی تفسیر و تاویل مطابق مقصودِ الٰہی نہ تھی۔ اپنی خواہش طبع کے موافق تاویل کرتے تھے۔ اور دراصل سب قرآن ہی نہ تھے۔ بلکہ اکثر ورق سٹ ایڈیٹر لیپیٹ کر نیزوں پر بلند کی ہوئی تھیں۔

پس مطلب آپ کا یہ تھا۔ کہ یہ کلام اللہ نہیں اور خدا نے یہ نہیں فرمایا۔ یہ گویا اُن کے خود ساختہ قرآن ہیں۔ جیسا کہ مثلاً یہی عقیدہ کہ "اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ" سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور "اُوْتُوا الْعِلْمَ" کا مصداق ابی بن کعب ہے۔ یہ صحیفہ الٰہی نہیں ہے۔ خدا کا مقصد یہ ہے یہ خود ساختہ مضمون ہے لہٰذا قرآن نہیں۔

پس یہی حال ہے اس قرآن کا جو قرآن کو اہلِ قرآن سے نہ لے جن کے سینوں میں قبل نزول ظاہری موجود ہے اور جس نے اُن سے تمسک کیا۔ وہی متمسک بالقرآن ہے اہل بیت سے تمسک کرنا ہی دونوں سے تمسک کرنا ہے۔ بعبارت دیگر کتاب حبل ممدود ہے۔ جس کی ایک طرف حضرت حق عز و جل سے متعلق ہے اور دوسری طرف وجود امام سے۔ اسی واسطے اُن حضرات نے فرمایا ہے" بَیْنَنَا وَبَیْنَ اللّٰهِ عَمُوْدٌ مِّنْ نُّوْرٍ نَرٰی فِیْهَا اَعْمَالَ الْعِبَادِ یعنی ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمودِ نور ہے جس میں ہم اعمال بندگانِ خدا کو دیکھتے ہیں۔ لہٰذا امام سے تمسک کئے بغیر کتاب سے تمسک کرنا ممکن نہیں۔ اور کتاب عترتِ رسولؐ اہلبیت نبوت و رسالت پر اس لئے مقدم ہے کہ حقیقتِ امامِ اہل بیت وہی حقیقت کتاب نورانی ہے جس کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔" وَیُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ" الخ دوسری دلیل تقدم و تمسک کتاب کی یہ ہے کہ کتاب ہی امام کی طرف رہنمائی کرتی ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ۔ تحقیق کہ یہ قرآن ایک ایسے طریقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو محکم تر و مستقیم تر ہے۔ اور وہ صاحبانِ قرآن و قرآنِ ناطق ہیں جیسا کہ آیات دعوات جناب ابراہیم

خلیل اللہ مثل آیہ امامت و آیہ امت مسلمہ و آیہ شہادت وغیرہا سے واضح ہے چاہیئے کہ اس کتاب اور ان آیات سے تمسک کر کے امامت و کتاب کو ذریت حضرت ابراہیم و اولاد رسول ہی میں جانیں اور اُسے خارج نہ کریں۔ اور بعد ازاں اہل بیت سے تمسک کیا جائے اور جو کچھ وہ فرمائیں اس کو لیا جائے اور احکام قرآن اُن سے اخذ کئے جائیں اور یہی معنی ہیں تقدم کتاب و تمسک بکتاب و عترت کے تا فیصد و تبین ہو۔

ضرورت امام یہیں سے یہ بھی مثل روز روشن آشکارا ہوگیا کہ ہر زمانے میں ایک اہل القرآن و صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے کیونکہ یہ آیت "وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ" مطلق ہے کسی وقت خاص سے مقید نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیشہ ہمیشہ تاقیام قیامت ذریت رسول ہیں جو کہ ذریت ابراہیم ہیں۔ صاحب قرآن کا وجود ضروری ہے اگر وہ چاہے تو پہاڑوں کو حرکت دیدے۔ زمین کو پارہ پارہ کر دے۔ مردوں کو زندہ کر دے اور جو تصرف ارکان زمین و آسمان میں کرنا چاہئے کرسکے۔ کیونکہ قرآن اس کے سینے میں ہے۔ جس کی صفت "لَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا" ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک فلاسفر جناب صادق صادق آل محمدؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے سوال کیا آپ نے فرمایا اگر قیامت تک سوال کئے جاؤ اور جو تمہارا دل چاہے۔ سوال کرو ہر ایک کا جواب قرآن سے دوں گا کیونکہ وہ "تبیان لکل شیٔ" ہے اور "حبل ممدود من السماء الی الارض" ہے ایک سرا اس کا متصل بجناب باری ہے اور دوسرا سرا متصل بامام وقت اور اس میں کبھی انقطاع نہیں "وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ"۔ ہم نے اپنا کلام بلا انقطاع متصل بھیجا ہے کہ لوگ نصیحت پکڑیں اور اس سلسلے میں کبھی انقطاع نہیں ہو سکتا اور ایک شخص ہر زمانہ میں موجود ہے اور یہی امام حق کا وجود حبل اللہ ہے۔ اور یہی ارکان زمین اور ستون آسمان ہیں۔ فَقَالَ عزوجل "رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا" اللہ نے آسمانوں کو بلا ایسے ستونوں کے بلند کیا ہے جن کو تم دیکھو۔ پس ضرور ہے کہ یہ ستون ہمیشہ موجود ہوں۔ ورنہ آسمان قائم نہیں رہ سکتا۔

امت وسط یہی وہ امت وسط ہیں جو خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں "وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اسی طرح سے ہم نے تم کو اُمّت وسط قرار دیا ہے۔
تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید رہے۔ شاہد اور شہید دونوں ایک مادے
شَهِدَ سے ہیں۔ مگر شاہد داخل شہید ہے اور شہید داخل شاہد نہیں۔ یعنی جو شہید ہے۔
وہ شاہد بھی ضرور ہے مگر جو شاہد ہے وہ ضرور نہیں کہ شہید بھی ہو۔ کیونکہ شہید حاضر علی الشی کو
کہتے ہیں اور شاہد وہ ہے جو از روئے علم و قرینہ شہادت دے خواہ اس کا علم بالمشاہدہ
ہو یا بالاخبار۔

چنانچہ شہادت برادران یوسف درباب بن یامین از روئے علم تھی اسی واسطے انہوں
نے کہا کہ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا یعنے نہیں شہادت دی ہم نے مگر وہی جو ہمیں علم تھا
اور قصۂ زلیخا میں شہادت شاہد از روئے قرینہ تھی وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ
كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ
قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ یعنے اور اس کے کُنبے میں سے ایک
شخص نے شہادت دی کہ اگر اُس کا کُرتہ آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے اور
اگر اُس کا کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے ظاہر ہے کہ یہ شہادت محض
از روئے قرینہ تھی۔ اور وہ واقع پر موجود نہ تھا۔ اور نہ اس کو واقع کا اصلی علم تھا اور شہید
کیلئے واقع پر حاضر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ثبوت زنا میں چار شہداکی ضرورت ہے نہ شہود
کی لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اگر وہ اس پر چار شہید پیش کریں۔ تو زنا ثابت ہو گی۔
وَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اگر چار شہید پیش نہ کئے جائیں تو زنا ثابت نہیں ہو سکتا
یعنی وہ لوگ شہادت دیں۔ جنہوں نے بچشم خود آلہ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو
اور شاہد اگر وقوع واقع پر موجود ہو۔ تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے اور ایک وقت
میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا۔ بخلاف شہید کے کہ ایک وقت میں تمام واقعات کو
مشاہدہ کرتا ہے اور شہید کے لئے وقوع قبل و وقوع مساوی ہے۔ وہ قبل وقوع بھی واقع کو
اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وقت وقوع۔ بخلاف شاہد۔

پس یہ امت وسط شہداء علی الناس ہے اور رسول انپر شہید ہے اور ایسے
شہید کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔

وجود شہید و واقعہ کربلا | کیا حال ہے۔ ان ایام میں اس بزرگوار کا جو امام عصر و

شہید زمان ہے۔ جو تمام واقعات کو بچشم خود مشاہدہ کرتا ہے۔ مصائب حسینی میں شل سماد
حسنیٰ الٰہی چھٹائی بڑائی نہیں ہے۔ ہر ایک مصیبت اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ کوچک ترین مصیبت
امام مظلوم بزرگ ترین مصائب انبیاء ہے۔ امام مظلوم ایک ایسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں۔ کہ کوئی
پیغمبر اس بلا میں مبتلا نہیں ہوا وہ بلا شدت تشنگی ہے۔ کیا تعجب کا مقام ہے کہ سیراب
کنندۂ عالم۔ باعث نجات عالم۔ فرزند ساقی کوثر قطرہ آب کو محتاج رہے۔ اور دنیا سے
پیاسا ہی جائے۔ ششم محرم الحرام یا ہفتم کو جب نہر سے پانی کی قطعاً بندش ہو گئی تو حضرت نے
خیمہ گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر حکم دیا کہ یہاں زمین کھود دی جائے۔ وہاں سے ایک چشمۂ
آب جاری ہوا۔ تقریباً پچاس مشک آب پر کیں۔ لیکن معلوم نہیں ...... کہ نویں
اور دسویں کو وہ چشمۂ آب کہاں گیا۔ جو بچے ایک ایک بوند کو ترستے تھے اور پانی نہ
ملتا تھا اس دن وہ چشمہ کیوں ظاہر نہ ہوا۔

مادرِ ذبیح اللہ حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کی پیاس سے بیتاب ہو کر جب ادھر ادھر
ڈھونڈنے لگیں۔ تو اُن کے پاؤں کے نشان سے زمین سے پانی نکل آیا تھا۔ نہیں معلوم ذبیح
کربلا کے لئے پانی کہاں گم ہو گیا تھا۔ کہ حضرت اپنے بچے کو ہاتھوں پر لے کر دشمنوں سے
پانی کا سوال کرتے گئے۔ روحی و روح المومنین لہ الفداء۔

اس وقت شدت تشنگی سے تقریباً چھبیس بچوں نے آکر حضرت کے گرد حلقہ کر لیا اور
حضرت کا دامن پکڑ لیا۔ حضرت نے اپنے بھائی عباس کو حکم دیا۔ کہ بھائی پانی کی کوئی تدبیر
کرو۔ حضرت تلاش آب میں تشریف لے گئے۔ مگر مقام افسوس ہے۔ کہ دوسرے سقے لوگوں کو
سیراب کرتے ہیں۔ لیکن سقائے اہل بیت کو تا دم مرگ ایک قطرۂ آب نصیب نہ ہوا۔ بچوں کی بہت کچھ
آس و امید حضرت عباس ہی سے وابستہ تھی۔ صبح روز عاشورا جس وقت یہ دونوں لشکر
آراستہ و آمادہ پیکار ہوئے اور امام مظلوم نے اپنی چھوٹی سی جماعت کو مرتب کیا۔ علم لشکر حضرت
ابی الفضل العباس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا۔ اور زہیر بن قین کو ایک علم دیکر میمنۂ لشکر پر مقرر
کیا۔ اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر۔

پہلے حملے میں حضرت کے لشکر سے پچاس جاں نثار شہید ہو گئے۔ اور یہ حال دیکھ کر
اطفال اہل بیت نہایت ہراساں ہوئے۔ اس کے بعد زہیر نے دیکھا کہ لشکر میں حضرت عباس
نہیں ہیں۔ حضرت عباس کے خیمہ میں آئے۔ دیکھا۔ کہ خیمہ میں موجود نہیں ہیں۔ ایک لونڈی کھڑی

ہوئی تھی۔ دریافت کیا کس کو دیکھتے ہو۔ فرمایا حضرت عباس کو۔ وہ کہاں ہیں؟ لونڈی نے عرض کیا۔ فلاں خیمہ میں ہیں۔ اور سوائے اطفال خورد سال اور معصوم عورات کے اُن کے پاس اور کوئی نہیں ہے۔ قریب در خیمہ گئے۔ آواز دی۔ حضرت عباس چاہتے تھے۔ کہ باہر آئیں۔ مگر جس وقت وہ آنے کا ارادہ کرتے تھے۔ بچے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے۔ اور اُن سے لپٹ جاتے تھے۔ اس لئے کہ تمام کے تمام دہشت زدہ ہو رہے تھے۔ پہلے پہل میدان جنگ دیکھنے کا موقع تھا۔ کسی نے باپ کو، اور کسی نے بھائی کو اور کسی نے چچا کو شہید ہوا دیکھا۔ اور ان سب کی ڈھارس حضرت عباس سے بندھی ہوئی تھی۔ نہ معلوم اس وقت اُن بچوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام بے بھائی کے رہ گئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ ط

ہٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّہِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَہُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِہِمُ الْحَمِیْمُ ط

تمہید — اس زمانہ میں کوئی دن ایسا باقی نہیں رہا۔ جو اقامہ دین و تبلیغ احکام اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے مخصوص ہو۔ کیونکہ اعیاد متوالیہ متواترہ و اسلامیہ یعنی جمعہ تبدیل بہ یکشنبہ ہو گئے ہیں۔ اور باقی ایام سال میں اہل اسلام کے یہاں کوئی دن ایسا نہیں جس میں اقامہ دین کر سکیں اور احکام اسلام بیان کر سکیں۔ مجالس مواعظ بالکل مفقود ہیں۔ تعلیمات حالیہ حقیقی دیانت پر نہیں۔ بلکہ مبنی برغیر طریق دیانت ہیں اس لئے اُن تعلیمات کے ذریعہ سے اقامہ دین قطعاً ناممکن ہے۔ بلکہ جو ان تعلیمات میں کامل ہوتا ہے وہی زیادہ بیدین ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ پس کون سا طریق اور کونسا دن ہے جس میں اقامہ دین کیا جائے۔ اور احکام اسلام بیان ہوں۔ اور اس کام کیلئے مخصوص ہو سوائے

اُن چند ایام عشرہ محرم الحرام کے کہ اِس میں جو لوگ اِس امر کے سزاوار ہیں۔ وہ اپنے لئے ایک وقت فرصت کسی نہ کسی طرح پیدا کر لیتے ہیں۔ اور جمع ہوتے ہیں۔ ان ہی ایام میں انسان سے اگر ہو سکے تو تبلیغ اسلام کر سکتا ہے۔ اور احکام و تعلیمات اِسلامی سے لوگوں کو مطلع کر سکتا ہے۔

عِلت شہادتِ سید الشہداؑ

یہ فرصت بھی بالطبع و باقتضائے ایام ہے۔ کہ یہ ایام خود مومنین کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ اور وہ لوگ فی الجملہ دین و احکام دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض غیر مومنین جملہ مذاہب و ملل والوں کی توجہ کو اِس طرف کھینچ لیتے ہیں۔ کیونکہ حضرت سید الشہداؑ محض اسی ایک غرض اور اسی ایک مطلب مخصوص یعنی اقامہ دین کے واسطے شہید ہوئے ہیں۔ اور غایت شہادت اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ بجز اس کے اور کوئی مطلب مدنظر نہ تھا۔ اگر امام علیہ السلام ایسا نہ کرتے تو دنیا سے دین مفقود و معدوم ہو جاتا۔ اور کوئی متدین باقی نہ رہتا۔ اگر امام حسینؑ یزید کے مقابلہ میں نہ آتے۔ جو کوئی دین نہ رکھتا تھا۔ اور کسی مذہب کا قائل نہ تھا۔ اور اپنے کو شہید نہ کراتے تو دنیا میں کوئی اسلام کا نام بھی نہ لیتا۔ اِسی غرض سے یہ صورت شہادت اختیار کی۔ کیونکہ اگر قوت امامت و قوت الٰہیہ سے یزید کو قتل کر دیتے تو حق لوگوں پر ثابت نہ ہوتا اور کوئی بھی حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا۔ اِس واسطے کہ عام لوگوں نے اِس کو امام وقت و خلیفہ رسول تسلیم کر لیا تھا۔ اور اُن کے نزدیک محقق و مسلم تھا۔ کہ خلافت وجوہات اربعہ میں سے کسی ایک وجہ سے ثابت ہو سکتی ہے یعنی اجماع[1]۔ نص[2]۔ شوریٰ[3]۔ اور سلطنت و غلبہ[4] چنانچہ خلیفہ اول اجماع سے خلیفہ مانے گئے تھے۔ اور دوم بنص خلیفہ اول کہ وہ تصریح کر گئے تھے۔ کہ میرے بعد عمر خلیفہ ہے سوم شوریٰ سے خلیفہ ہوئے۔ چہارم اجماع سے لیکن یزید میں یہ چاروں صورتیں جمع تھیں۔ سوائے تین شخصوں حضرت سید الشہداؑ۔ عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے باقی سب نے اِس کی خلافت پر اجماع کر لیا تھا۔ اور معاویہ نے چند سال پہلے اسکی خلافت کیلئے شوریٰ بھی [illegible] تھا۔ اور لوگوں سے رائے لی تھی۔ اور اُس نے اپنی طرف سے یزید پر نص بھی کر دی تھی۔ کہ اِس کے بعد وہ خلیفہ ہے۔ اور سلطنت اور غلبہ بھی یزید کو حاصل ہو گیا۔ پس اگر حسینؑ یزید پلید کو فی الفور قتل کر دیتے تو جاہل کہتے کہ معاذ اللہ ایک خارجی باغی نے امام وقت پر بغاوت کی اور اسکو قتل کر دیا۔ پس حق و باطل لوگوں پر پوشیدہ رہ جاتا۔ اگر حسینؑ صلح کر لیتے تو وہی نتیجہ ہوتا۔ جو صلح امام حسنؑ کا ہوا۔ کہ محض صلح کرنے سے لوگوں نے معاویہ کو خلیفہ و امام مان لیا۔ پس اِس صورت

یہ حق ثابت نہ ہوتا - امام حسن نے صلح کر کے مخالفین پر حجت تمام کی اور امام حسین علیہ السلام کیلئے یہ صورت بھی نا ممکن الحصول ہو گئی - لہذا سوائے اِس کے حسینؑ کیلئے کوئی چارہ نہ تھا - کہ اپنے آپ کو شہید کر دیں - یہ بھی اِس طرح نہیں کہ خود تنہا جائیں - اور شہید ہو جائیں - کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لوگ کہتے کہ حسین سلطنتِ دنیا کیلئے لڑنے آئے تھے - دو شاہزادے لڑے مر گیا - بلکہ اِس کام کے لئے ایک ہیئت درست کی کہ اہل اسلام تو کیا غیر مسلمین یہود و نصاریٰ نے بھی اس کو دیکھکر تصدیق کی کہ حسینؑ حق پر ہیں - اور یزید باطل پرست ہے۔ حسینؑ اگر جنگ کرنے اور سلطنت کی خواہش میں عراق آئے تھے - تو اُن بچوں کو کس غرض سے ہمراہ لائے تھے - جن میں زیادہ تر خورد سال تھے - اور چھ آٹھ اور نو سال کا سن رکھتے تھے کیا انکو لڑانے کے واسطے اور ملک فتح کرنے کے لئے لائے تھے ؟ پھر ان مخدرات عصمت و طہارت ذریت رسول و دختران علی و بتول کو کس واسطے اِس میدان میں ہمراہ لائے تھے ؟ کیا ان سے ملک گیری کا خیال تھا - نہیں - نہیں - یہ مدعا نہ تھا - غرض اور ہی تھی - چنانچہ جس وقت مکہ معظمہ سے کوچ کیا ہے - اِسی وقت لوگوں نے اعتراض کیا - کہ اگر آپ تشریف ہی لئے جاتے ہیں - تو ان عورتوں کو اور بچوں کو کہاں لئے جاتے ہیں - جواب میں فرمایا - شاء اللہ ان یراھن سبایا ۔ مشیت خدا میں یہی ہے کہ انکو قیدی دیکھے اور مطلب یہی تھا - کہ یہ بھی اتمامِ دین میں شریک ہیں - بغیر ان کی اسیری کے شہادت کی غرض پوری نہیں - کیونکہ اگر عورتیں اور بچے جو فرزندان رسول و ذریت بتول تھے - اسیر نہ ہوتے اور اس طرح قید ہو کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک - نہ جاتے تو کفرِ یزید ہرگز ثابت نہ ہوتا - اور کم فہم اور جہال پر حق پوشیدہ رہ جاتا - مگر اُن کے اسیر ہونے اور ذلیل کئے جانے پر سب کفر و الحادِ یزید ثابت ہو گیا - کہ اگر یہ خلیفہ رسول و امام ہوتا - تو اِس طرح سے ذریت رسول کو دربدر نہ پھراتا - جس کی خلافت و جانشینی کا مدعی ہے -

اوصاف امام اور اسکی شناخت

لوگوں نے اصل باب امامت کو مسدود کر دیا ہے - اور ہر فرقے نے اپنی طرف سے امام بنا لیا ہے - حالانکہ کلام حمید مجید میں اوصاف امام اِس طرح بیان ہوئے ہیں - کہ اگرچہ من حیث الکیفیات اُن کا احاطہ ممکن نہیں - لیکن اوصاف مخصوصہ خاصہ ایسے ہیں - کہ اگر انسان ادنیٰ تدبر سے کام لے تو بخوبی سمجھ سکتا ہے - اور حق اس پر ظاہر ہو سکتا ہے - اور کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی - اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا - پہلے ثابت کیا جا چکا ہے

کہ ہر زمانہ میں ایک معلم کی ضرورت ہے۔ اور خداوند عالم نے بندوں سے پہلے معلم کو پیدا کیا ہے یعنی حضرت آدم ابوالبشر۔ اسی طرح وجود معلم ہر زمانے میں ضروری ہے۔ اور ایک صفت اس معلم کی شہید ہوتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ تم کو اس لئے امت وسط قرار دیا ہے۔ تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور رسول تم پر شہید ہو۔ فرق شاہد و شہید بھی بیان کیا جا چکا ہے اگر متعدی بنفسہ ہو تو بمعنی حضر آتا ہے۔ ورنہ بمعنی علم قَالَ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا۔ خدا ہر شے پر شہید ہے۔ پس وہ از روئے قرآن و خبار شہید نہیں۔ بلکہ وہ ہر شے پر حاضر و ناظر اور کل اشیاء پر محیط ہے۔ اور اپنے پیغمبر کے حق میں فرماتا ہے۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ کیا حال ہوگا۔ اس دن جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک شہید کو لائیں گے۔ اور اے پیغمبر تجھکو تمام شہیدوں پر شہید قرار دینگے۔ خاتم النبیین اول البشر والابشر و اول النبیین پر شہید ہے۔ وہ بیٹا باپ پر شہید ہے۔ جو باپ سے چھ ہزار سال بعد پیدا ہوا ہے۔ وَقِيْلَ مِنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

اِنِّيْ وَاِنْ كُنْتُ ابْنَ اٰدَمَ صُوْرَةً

فَلِيْ فِيْهِ مَعْنًى شَاهِدٌ بِاُبُوَّتِيْ

میں اگرچہ بصورت ظاہر فرزند آدمؑ ہوں مگر اس کے وجود میں ایک شاہد یقین موجود ہے کہ میں پدر آدمؑ ہوں۔ وَقَالَ امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اِنِّيْ خَمَّرْتُ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدَيَّ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا۔ ملائکہ حضرت آدمؑ کے پیچھے صف بستہ کھڑے ہو کر تعظیم بجا لائے تھے حضرت آدم نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ تم میرے پیچھے کھڑے ہوتے ہو۔ آگے کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ عرض کیا ہم اس نور کی زیارت کے لئے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ جو آپ کی پشت میں ہے۔ پس در اصل یہ تعظیم و تکریم نور محمدی کے واسطے تھی۔ نہ صورت بشری آدمی کیلئے۔ اور باطن و حقیقت آدم اسی نور کی ایک شعاع تھی ؎

سجدے بنی آدم کے نہ آدم کے لئے تھے
سر ان کی سلامی کو فرشتوں کے جھکے تھے

بالخصوص فضیلت محمد و نور محمد کہ خدا حضرت آدم کے حق میں فرماتا ہے خلقتہ من تراب یعنی اللہ نے اس کو تراب سے پیدا کیا ہے۔ یعنی فرزند تراب ہے اور نفس نبی و جزو نور محمدی کی کنیت ابو تراب ہے۔ اسی وجہ سے اس کنیت کو حضرت سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ آدم فرزند تراب ہیں اور علی پدر تراب والد تراب۔

پھر خداوند عالم نے غیر پیغمبر کے حق میں اسی شہیدیت کی نسبت فرمایا ہے وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ پس یہ قوم بھی مثل پیغمبر شہید بر خلق ہے اور پیغمبر ان پر شاہد جس طرح کہ وہ جناب اور تمام انبیاء پر شہید ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی امت پر شہید ہوتے ہیں مفسرین کہتے ہیں کہ آیہ مبارکہ وکذالک جعلناکم امۃ وسطا سے مراد تمام امت محمدی ہے۔ اور امت وسط بھی امت محمدیہ ہے۔ جو تمام امم سابقہ پر شہید ہے۔ اور ان کی بابت شہادت دے گی اور پیغمبر اپنی امت پر شہید ہے۔ مگر یہ بالکل غلط اور باطل محض ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اور قرآن میں منصوص ہے کہ امت محمدی کی شہادت خود اپنے معاملات میں قبول نہیں بلکہ اس کی تصدیق کیلئے شہود کی ضرورت پڑتی ہے۔ خود اپنے اوپر اس کی شہادت شرع میں مقبول نہیں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو دو شاہد عادل موجود ہوں۔ جب وہ تصدیق کر دیں اور شہادت دیدیں اس وقت طلاق صحیح ہوگا۔ وغیر ذالک من المعاملات۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے حق میں اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ در آنحالیکہ اس امت میں منافق و فجار بھی موجود ہیں۔ اور فاسق کی شہادت کی بابت خداوند عالم فرماتا ہے اِذَا جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس سے تصدیق کرا دو اور گواہ و بینہ اس پر طلب کرو جب تک وہ اس خبر کی صداقت پر گواہ پیش نہ کرے ہرگز اسکی خبر پر اعتماد نہ کرو۔ علاوہ ازیں کونسا مسلمان ہے جو تمام امم سابقہ اور کل یہود و نصاریٰ کے حالات اعمال و افعال و اقوال کی پوری اطلاع رکھتا ہے۔ جو ان کی بابت وہ شہادت دیگا۔ اور خدا اس کی شہادت کو قبول کریگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبر کے بتلانے اور تعلیم سے یہ لوگ ان کے افعال و اعمال و اقوال کی شہادت دیں گے۔ تو پھر یہ ان کی شہادت کب ہوئی۔ یہ تو پیغمبر کی شہادت ہوئی اور وہ کافی ہے۔ شہادت کے لئے پھر ان کی کیا ضرورت ہے۔

نیز یہ جو کچھ بھی ہے شاہد کے متعلق ہے کہ اس کی شہادت عنداللہ و مقبول نہیں اور فاسق کی خبر قابل اعتماد نہیں جبتک کہ وہ تصدیق نہ کرائے۔ پس شہید کا کیا حال ہوگا۔ یعنی جبکہ تمام امت محمدی شاہد بھی نہیں ہو سکتی۔ تو شہید کیونکر ثابت ہوئی جس کی صفت احاطہ بر اشیاء وحاضر علی الشیٔ ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں خدا نے شہید کا ذکر کیا ہے۔ وہاں شہادت از روئے قرآن مراد نہیں ہے۔ بلکہ شہادت حضوری مراد ہے۔ چنانچہ در باب شہداء زنا مذکور ہے۔ یعنی زنا اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جبکہ چار ایسے شخص گواہی دیں جو واقعہ پر حاضر رہے ہوں اور انہوں نے خود آلہ مرد کو فرج زن میں آمد و رفت کرتے دیکھا ہو۔ (کما ذکرنا) اگر از روئے قرآن یا سماعی شہادت دیں تو قبول نہیں اور زنا ثابت نہ ہوگا۔ لہذا تمام امت محمدی ہرگز ہرگز شہید علی الناس نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ شہداء علی الناس خاص خاص نفوس قدسیہ عترت رسول و ذریت خلیل ہیں۔ چنانچہ حق سبحانہ فرماتا ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ جہاد کرو راہ خدا میں جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اللہ نے تمہیں اس کے لئے پسند فرمایا ہے۔ (اور باوجود اس کے تمہیں حق جہاد ادا کرنے کی تکلیف دی ہے) تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔ کیونکہ تم آسانی حق جہاد فی سبیل اللہ ادا کر سکتے ہو) یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت (کیش) ہے۔ اسی نے تم کو مسلمہ قرار دیا ہے۔ پہلے بھی اور اس میں بھی تمہارے اس نام کا ذکر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تم تمام لوگوں پر شہید رہو اور پیغمبر تم پر شہید۔

پس یہ وہ ذریت ابراہیم ہے جو مثل حضرت ابراہیم مسلم با سلام نبوتی ہے اور جس کو حضرت خلیل نے امت مسلمہ کا خطاب عطا کیا ہے۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ۔ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (محمد اور اسمٰعیل) کو اپنا خاص مطیع و منقاد مسلم بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت خاص کو ایسا ہی مسلمان بنا۔ یہ امت مسلمہ وہ ہے جس میں نبوت و کتاب ہمیشہ بحال الٰہی رہی ہے اور رہیگی کہ خدا فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب کو قرار دیدیا ہے۔ نبوت تشریعی آپ خاتم النبیین پر ختم ہو گئی۔ مگر یہ النبوۃ یعنی کتاب

حضرت رسولِ خدا میں ہمیشہ ہمیشہ باقی ہے۔ جو ذریت ابراہیم و امت مسلمہ ہیں اور امام امت محمدی
و وارث رسالت و اہل بیت نبوت ہیں پس یہ شہدا اور اوصیاء رسول خدا یعنی ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ
والسلام ہی ہیں۔ نہ اور کوئی (کیونکہ) تمام امت محمدؐ ہرگز ہرگز شہید علی الناس نہیں ہو سکتی۔
جب یہ معلوم ہو گیا کہ شہید کون ہیں۔ خدا پیغمبر اور ائمہ ہدیٰ اور ہر پیغمبر

طریق شہادت

اپنی اپنی امت میں شہید ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ شریفہ وَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا
مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ الخ سے ظاہر ہے اور حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں كُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ جب تک میں بنی
اسرائیل میں رہا ان پر شہید تھا۔ مگر ہر پیغمبر غیر خاتم اپنی ایک امت پر اور ایک خاص گروہ کیلئے شہید ہوتا ہے اور ہمارے پیغمبر
چونکہ نبی مطلق ہیں۔ اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق ان کی نبوت سے خارج نہیں
ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا
بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندۂ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ تمام عوالم
نذیر ہوں پس چونکہ پیغمبر تمام عوالم یعنی جملہ ما سوائے اللہ پر نذیر ہے اس لئے تمام عوالم پر شہید ہے اور
خلاصہ یہ کہ پیغمبر عربی چونکہ نبی مطلق ہیں اور کوئی زمانہ اور کوئی عالم اور کوئی مخلوق ان کی
نبوت سے خارج نہیں ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ
لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔ بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے بندۂ برگزیدہ پر فرقان نازل فرمایا ہے
تاکہ تمام عوالم پر نذیر ہو پس جب پیغمبر تمام عوالم یعنی جملہ ما سوائے اللہ پر نذیر ہے۔ اس
لئے تمام عوالم پر شہید ہے۔ اور اسی طرح قائم مقام پیغمبر حضرات ائمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام
جمیع ما سوائے اللہ پر شہید ہیں۔ پس اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر یا امام کس طرح تمام
چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور کس طرح ان پر حاضر و ناظر رہتا ہے۔ آیا ہر ایک چیز اس کے سامنے
حاضر ہوتی ہے یا وہ تمام چیزوں پر حاضر و ناظر۔ صورت اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلاف
مشاہدہ ہے۔ کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبر و امام کے سامنے جاتا ہے
اور اس کے سامنے ہر ایک عمل کرتا ہے اور نہ اور دوسری چیزیں ان کے پاس جاتی ہیں۔ اس لئے
صورت دوم ہی صحیح اور درست ہے۔ یعنی پیغمبر و امام ہر شے پر حاضر رہتا ہے اور تمام چیزیں (اشیاء)
اس کے پیش نظر رہتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبر ایک ہی جگہ ہوتا ہے پھر کس طرح
سے وہ تمام اشیاء پر حاضر رہتا ہے؟ اور وہ کونسی قوت ہے جس کے ذریعہ سے تمام
چیزوں پر حاضر رہتا ہے۔

شہید داخلی و شہید خارجی

انسان دو شہید رکھتا ہے۔ ایک شہید داخلی اور اسی کی طرف اس آیۂ مبارکہ میں اشارہ فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝

اور جس دن دشمنان خدا آتش جہنم کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔ پس وہ محبوس ہونگے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان پر ان کے کان آنکھیں اور ان کی شرمگاہیں اس پر شہادت دینگی جو کچھ کہ وہ کرتے تھے۔ اور وہ اپنی شرمگاہوں سے کہینگے کہ تم نے کیوں ہمارے خلاف شہادت دی۔ تو وہ کہینگی کہ ہم کو اس خدا نے گویائی عطا کی جس نے ہر شے کو نطق عنایت فرمایا ہے۔ اور اسی نے پہلے تم کو خلق کیا ہے اور اسی کی طرف تم رجوع کرتے ہو اور تم اس بات کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ کہ تمہارے کان آنکھ اور شرمگاہیں تمہارے اوپر گواہی دیں۔ لیکن تم یہ گمان کرتے تھے کہ خدا تمہارے بہت سے عملوں کو نہیں جانتا ہے پس اس گمان نے تم کو ہلاک کیا ہے۔ اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوئے۔ پس اعضائے انسانی اعمال انسان پر شہید ہیں۔ اور کوئی انسان اس پہ قادر نہیں ہے۔ کہ اپنے کان۔ آنکھ اور شرمگاہوں سے اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھ سکے۔ یہ کان آنکھ کس طرح شہید ہیں؟ یہ خود شاہد نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں ایک قوت ہے اس کے ذریعہ سے یہ شاہد ہیں۔ وہ قوت انسانیہ ہے۔ تمام اعضاء و جوارح اس کے تابع ہیں۔ گویا شہید باطنی انسانی خود نفس انسانی ہے۔ جو کچھ عمل انسان کرتا ہے اس میں ثبت و منضبط ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی شے نفس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اعضاء و جوارح جو اس کے آلات ہیں روز قیامت ان سے یہ باتیں ظاہر ہونگی اور یہ ان [illegible] بیان کر دینگے۔ لیکن جب انسان مرجاتا ہے تو یہ قوت انسانی اس سے جاتی رہتی ہے۔ لہٰذا اس وقت اس کے اعضاء و جوارح قابل شہادت نہ رہے کیونکہ وہ اسی قوت کے ذریعہ سے شہید تھے نہ خود۔ "وجاءت كل نفس معها سائق و شهيد"۔

دوسرا شہید خارجی ہے اور وہ نبی و امام ہے۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ شہید خارجی کسطرح سے تمام اعمال کو دیکھتا ہے یہ بھی اپنی قوت روحانی باطنی کے ذریعہ سے تمام عوالم پر شہید ہے جسطرح انسان بقوت انسانی اپنی مملکت پر شہید ہے اور اسی قوت کے ذریعہ سے اس کے تمام اعضاء و جوارح۔ پس اس انسان میں جو تمام عوالم پر شہید ہے۔ ایک ایسی قوت (قوت روح نبوتی و امامتی) ہوتی ہے کہ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وہ سب سے فوق اور سب پر غالب ہے جسطرح روح انسانی جسم انسان پر غالب ہے اور اس پر احاطہ رکھتی ہے۔ اسیطرح روح اعظم نبوتی جمیع عوالم پر احاطہ رکھتی ہے۔ پس نبی و امام اسی روح کے ذریعہ سے شہید ہیں۔ نہ از روئے جسم۔ مثال اس کی آفتاب عالمتاب ہے کہ اس کا محل اور مقام ایک جگہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی نورانی شعاعیں تمام عالم میں پھیل جاتی ہیں۔ الا وہ چیز جو اس سے پردے میں ہو۔ روح انسانی عالم خواب میں بھی اپنی مملکت جسمانی پر شہید ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جب وہ سو جاتا ہے تو روح اس کی مثلاً ایک دور و دراز مقام پر سیر کرتی ہے۔ لیکن اس عالم سیر و سیاحت میں اپنے جسم سے بے خبر نہیں رہتی۔ البتہ ایک معمولی اعراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر ایک مچھر انسان کے کسی عضو میں سے خون جذب کرے تو روح مطلع ہوتی ہے۔ اور فوراً اس کا دفعیہ کرتی ہے۔ پس اگر وہ اس عالم خواب میں اپنے تمام جسم پر احاطہ نہ رکھتی ہوتی تو ہرگز اس سے مطلع نہ ہوتی اور اس کا دفعیہ نہ کر سکتی پس معلوم ہوا کہ روح کے لئے خواب و بیداری مساوی ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے تمام جسم پر حاضر و ناظر ہے۔ خواب میں معمولی غفلت طاری ہوتی ہے۔ کہ حواس آرام کرتے ہیں۔

اسی طرح سے شہید کل بقوت روحانی نبوتی و امامتی تمام عالم امکان پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ اس کی نورانی شعاعیں جملہ عوالم امکانیہ پر محیط ہیں اگرچہ وہ خود ایک مقام و مکان میں ہو۔ اور اس کیلئے خواب و بیداری مساوی ہے۔ اور ایسی نیند بھی اس پر طاری نہیں ہوتی جو روح کو غافل کر دے۔ اسی لئے ارشاد ہے تنام عینی و لا تنام قلبی۔ آنکھ ہماری سوتی ہے دل ہمارا بیدار رہتا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ پیغمبر خواب سے بیدار ہو کر بلا تجدید وضو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پس شہید کیلئے خواب و بیداری مساوی ہے اور کیونکر نہ ہو اور نہ عالم خواب ہوتی ہے۔ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

پیغمبر مظہر صفات واجب الوجود ہے۔ اس پر خواب واقعی کب طاری ہو سکتا ہے وہ بھی شہید اور یہ بھی شہید۔ اور ان کی مثال آفتاب و شعاع آفتاب ہے۔ کہ شعاع آفتاب نہ آفتاب ہے، مگر آفتاب سے جدا نہیں اور ظہور کمال آفتاب اور اسکے آثار کا اس شعاع کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ پس وجود پیغمبری شعاع آفتاب سرمدی ہے اور مظہر کمالات خداوندی۔ اور چونکہ خداوند عالم سے جو خلاق زمین و آسمان ہے۔ کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اسواسطے اس نور خدا سے بھی کوئی شے پوشیدہ نہیں جو شعاع نور خدا ہے اور مظہر کمالات الٰہی اور قائم مقام پیغمبر امام۔ لہذا امام سے بھی کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر آواز کو سنتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس کان کی تعریف میں فرماتا ہے وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ اور ضبط رکھنے تمام آوازوں کو وہ کان جس میں اتنی ظرفیت ہے کہ سب آوازیں سما جاتی ہیں اور اس میں ثبت ہو جاتی ہیں۔ اس کان کی صفت "اذن واعیہ" ہے نہ اذن سامعہ یہ کونسا کان ہے؟ جو تمام آوازوں کو ایک دفعہ سنتا اور سب کو ضبط کر لیتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے۔ کیا عام کانوں میں یہ قوت ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص آہنگروں کے بازار میں گذرے۔ جہاں ہزاروں ہتھوڑوں کی آوازیں بلند ہوں تو وہ ان تمام آوازوں کو ہرگز ضبط نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اتنی قوت اور استعداد اور ایسی ظرفیت نہیں ہے۔ پس اس کان کی ظرفیت کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو جمیع موجودات کی آوازوں کو سنتا ہے اور سب کو ایک دفعہ ضبط کر لیتا ہے۔ یہ اس شخص کا کان ہو سکتا ہے۔ جو اس واجب الوجود کا مظہر ہو جس کی صفت یہ ہے: لَا تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ الْأَصْوَاتُ آوازیں اس پر مشتبہ نہیں ہوتیں۔ ہر ایک آواز کو علیحدہ علیحدہ سنتا ہے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ اس کان کی تشخیص کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر امام فخر الدین رازی کہ یہ گوش گوش جناب امیر ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام

چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں تحت آیہ مجیدہ "وتعیہا اذن واعیہ" تحریر فرماتے ہیں کہ اس کان سے مراد گوش امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب ہے اور یہ کوئی استبعاد و استعجاب کا مقام نہیں ہے۔ کہ امام تمام آوازوں کو سن لیتے اور ضبط رکھتے ہیں۔ جبکہ ہم مادہ کثیفہ سے بنائی ہوئی انسانی مصنوعات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں آوازیں فوراً ضبط و ثبت ہو جاتی ہیں جیسے کہ گراموفون ریڈیو اور قوت نامیہ فوق جمیع قوا ہے۔ ضرور اسکی قوت و ظرفیت ایسی ہی ہو کہ اسمیں تمام آوازیں ضبط و ثبت ہو جائیں رویت اعمال امام ہر کسی کی آواز کو سنتے اور ہر ایک کے عمل کو دیکھتے ہیں قال اللہ

۔ ذٰلک وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون الخ کہدو اے پیغمبر کہ عمل کرو خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا رسول اور مومنین اول اعمال کو دیکھنے والا خدا ہے اور اس کی رویت۔ رویت بالذات ہے۔ دوم اس کا پیغمبر اور اس کی رویت رویت بالتبع ہے۔ سوم عمل کے دیکھنے والے وہ مومنین خاص ہیں جو نائب پیغمبر اوصیاء پیغمبر اور اس کے قائم مقام مثل اس کے شہید ہیں (کما سبقنا الیہ) آیۂ مجیدہ میں لفظ "یری" ایک بار آیا ہے۔ اور رویت میں تینوں شریک ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اصل رویت بقوت نورانیہ الٰہیہ ہے اور پیغمبر و امام مظہر صفات الٰہیہ اور وہ قوت تمام عالم پر محیط ہے۔ اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں۔ نبی و امام مرکز قوت برقی ہے۔ اور ہر شے میں قوت برقی موجود ہے اور یہ قوت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم ہوتی ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے بیدہ ملکوت کل شیئ۔ ہر ایک شے کی قوت باطنی و ملکوت اس کے ہاتھ میں ہے اور دست خدا اول محمد مصطفےٰ ہے۔ کما قال ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔

اے پیغمبر جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہوتا ہے یعنی دست محمدی دست الٰہی ہے "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" اے پیغمبر تو نے خاک نہیں پھینکی جبکہ پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی ہے یعنی تیرا ہاتھ دست خدا ہے۔ اور تیرے ہاتھ کا فعل فعل خدائی ہے۔ پس تمام ملکوت اشیاء دست الٰہی یعنی دست محمدی میں ہیں۔ وہ مرکز قوائے عالم ہے پس کی قوت فوق تمام اشیاء ہے۔ اور وہ سب پر حکم و تابش ہے۔ اور کوئی شے اُس سے مخفی نہیں رہ سکتی اور اسی طرح امام جو مظہر ثانی ہے اس قوت نورانیہ سے تمام کام کرتا ہے اور تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور خدا وند عالم رب العالمین ہے۔ اور یہ رب الارض۔ قال عز و جل۔ واشرقت الارض بنور ربھا۔ "زمین اپنے مربی (امام) کے نور سے روشن ہو جائیگی" ملاحظہ ہو قوت نورانی امام کہ آفتاب باوجود اس قدر عظمت و وسعت کے کہ زمین سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ ایک مرغی کے انڈے کو بھی چاروں طرف سے ایک وقت میں روشن نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دھوپ میں انڈا رکھا جائے تو ضرور اس کا سایہ پڑیگا۔ اور ایک طرف تاریکی رہ جائے گی۔ مگر نورانیت

امام ایسی ہے کہ تمام زمین ہر طرف سے روشن ہوجائیگی اور چمک اُٹھے گی - یہی وہ قوت نورانی ہے جس کے ذریعہ سے خدا اپنے بندوں کو ظلمات کفر و شرک سے نور ہدایت و عالم انوار کی طرف نکالتا ہے - اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

قوتِ ملکوتی

مسلّم اور محقق ہے کہ ہر ایک شے میں ایک حرارت موجود ہے - اور اُس حرارت سے وہ حرکت کرتی ہے اور ہر شے اجزائے بسیط پر منتہی ہوتی ہے - اور اجزائے بسیط میں بھی حرارت موجود ہے - یہ شے فنا ہوجاتی ہے اور حرارت باقی رہتی ہے - یہی باطن شے اور ملکوت اشیا ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ قوت برقی کیلئے ایک خزانہ کی ضرورت ہوتی ہے - کہ وہاں سے حسب ضرورت اہل شہر کو پہنچائی جاتی - اسی طرح وجود محمدی اس حرارت عالم امکان کا مرکز ہے - اور وہاں سے یہ قوت عوالم امکانیہ میں متفرق ہوتی ہے - اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شے یا جو مقام اس خزانہ برقی سے قریب تر ہوتا ہے - اسی قدر اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے - پس جو وجود اس مرکز عالم امکان سے جس قدر قرب رکھتے ہیں - اسی قدر ان میں حرارت زیادہ ہوتی ہے - اور اس حرارت والے رستم و سہراب کو بھی شمار میں نہیں لاتے ۔

شجاعتِ اقربِ اجزائے محمدی

بقوائے ظاہر یہ تو دس سال کا بچہ ایک مرد جنگ آزمودہ و تجربہ کار کو ہرگز ہرگز قتل نہیں کر سکتا - بلکہ معمولی انسان کو بھی قتل نہیں کر سکتا - خصوصاً جبکہ یہ شخص بھی اس بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور آمادہ پیکار ہو - پس اگر یہ بچہ اس مرد میدان کو قتل کر دے اور مار ڈالے تو یہ اس کی قوت برقیہ اور قوت ملکوتی کی زیادتی اور مبدا سے قریب ہونیکا اقرار و نتیجہ ہے - یہی وجہ تھی جو انصاران حسین میں سے نو نو دس دس سال کے بچے وہ داد شجاعت دیتے تھے - کہ دیکھنے والے انگشت بدندان رہجاتے تھے - کیونکہ وہ بچے مرکز قوت برقی (محمد مصطفےٰ) سے قریب تر تھے - اور یہ امر کچھ بنی ہاشم ہی سے مخصوص نہ تھا - بلکہ عرب بیابانی و بدوی کے بچے سے بھی یہی آثار ظاہر ہوئے تھے

اطفال خورد سال کربلا نے روز عاشورہ ایک سو نو مردوں کو قتل کیا ہے یعنی ہاشمی و غیر ہاشمی نے - منجملہ اُن کے ایک بچہ شاید سوید بن عمر بن ابی مطاع کا ہے سوید کی عمر اس وقت ۱۴ سال کی تھی - قائم اللیل و صائم النہار تھے - جب وقت میدان

میں تلوار سے یہ بڑھے کسی کو مقابلہ کی تاب نہ تھی اور کوئی سامنے نہ آتا تھا۔ مگر ملاعین نے
دور سے تیر برسانے شروع کر دئیے۔ اور یہ آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابھی کچھ جان
باقی تھی کہ ان کا ایک بچہ جس کا سن نو دس سال کے درمیان تھا۔ خیمہ سے نکلا۔ امام مظلوم
اس وقت تل زینبیہ پر متفکر کھڑے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت کے جان نثاروں
میں سے صرف تین یا کچھ زیادہ اشخاص باقی رہ گئے تھے۔ وہ بھی اکثر زخمی۔ آپ نے
دیکھا کہ ایک بچہ تلوار کو لاٹھی کی طرح ہاتھ میں لئے ہوئے خیمہ گاہ سے نکلا۔ جو اس کے
قد سے بلند تھی۔ اس بچے کو معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ حضرت کے پاس آیا اور
عرض کیا۔ "وعلیک السلام یا ابا عبد اللہ" حضرت نے دائیں طرف جو نظر کی تو
دیکھا کہ ایک بچہ ہے فرمایا اس کو واپس کر دو۔ اس کی ماں کو گوارا نہ ہوگا۔ کہ یہ لڑنے
جائے۔ بچہ نے عرض کی کہ میری ماں ہی نے فرمایا ہے کہ میں میدان کو جاؤں۔ اس معصوم
کا یہ کلام سنکر امام مظلوم پر رقت طاری ہو گئی۔ اور وہ بچہ میدان کی طرف روانہ ہو گیا
صاحب عوالم لکھتے ہیں کہ اس نے سات اشقیا فی النار کئے۔ لیکن باقی محدثین وغیرہ
لکھتے ہیں کہ صرف دو شخصوں کو قتل کیا۔ اس معصوم صغیر السن پر آٹھ دس سواروں نے حملہ
کیا اور اس کو شہید کر ڈالا۔ اور اس کا سر کاٹ کر اس کی ماں کے آگے پھینک دیا۔ ماں
کھڑی دیکھ رہی تھی۔ سر کو اٹھا کر بوسہ دیا۔ اور پھر ایک ملعون کے پھینک مارا کہ وہ فی النار
ہو گیا۔ یہ ہے اثر تقرب مرکز نبوت۔ مگر جو شخص اس شجرۂ طیبہ سے ہو گا۔ اور اس سے
صوری۔ معنوی، ظاہری و باطنی تعلق رکھتا ہوگا۔ اس کا کیا حال ہو گا۔ اس کی طاقت کس
درجہ پر پہنچی ہو گی۔ تمام اصحاب و اقربائے امام مظلوم میں سے اس میدان میں سب سے
قریب تر اور سب سے عزیز و محبوب تر آپ کے فرزند ارجمند جناب علی اکبر ہم شبیہ پیغمبر تھے
اس باب میں محدثین کو اختلاف ہے۔ کہ آیا حضرت علی اکبر افضل تھے یا حضرت عباسؑ
لیکن جناب علی اکبرؑ کی جلالت قدر و منزلت سے فضیلت حضرتؑ کی ثابت ہے اور فقرات
زیارت سے مستفاد ہوتا ہے۔ کہ آپ قریب بدرجۂ معصومیت پہنچے ہوئے ہیں اور ایسا
ہی ہے بھی۔ اور فقرات زیارت ناحیہ مقدسہ سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔ کہ بنی ہاشم میں
آپ سب سے پہلے شہید ہیں۔ جب آپ کی نوبت آئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ تقدم یا بنی۔ میرے
پیارے بیٹے آگے بڑھ اور راہ خدا میں جہاد کر۔ حضرت علی اکبر یہ کلام سن کر فوراً روانہ ہو گئے۔ جب

چل دیئے۔ تو امام مظلوم نے واپس بلایا۔ اور تبرکات نبوت اہل حرم سے طلب کیئے۔ تبرکات نبوی میں چھ عمامے تھے۔ جن میں عمامہ سحاب بھی تھا۔ اور دو زرہیں تھیں جن میں سے ایک زرہ ذوالفضول تھی۔ اور ایک زرہ حضرت امیر حمزہؓ تھی۔ چار گھوڑے اور دو تلواریں دو دامنتیاں اور دیگر ملبوسات نبویؐ۔

لشکر ابن زیاد اور خیمہ گاہ کے درمیان ایک ٹیلہ تھا۔ اور ٹیلہ کے اس طرف خیمہ اہل حرم تھا۔ صندوق اسباب منگایا اپنا عمامہ حضرت علی اکبر کے سر پر رکھا اور ایک دوسرا عمامہ نکال کر اپنے سر مبارک پر رکھا۔ اپنی قبا ان کو پہنائی۔ اور قبائے حضرت رسول خود پہنی اپنی عبا ان کی کمر میں باندھی۔ اور ذوالفقار خود زیب تن کی اور زرہ ذوالفضول کو خود پہنا اور اپنی ان کو پہنائی پیشانی پہ بوسہ دیا۔ اور وقت روانگی یہ آیت تلاوت فرمائی "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ داخل معصومین ہیں۔ پھر فرمایا "اللھم اشھد علی ھؤلاء القوم فانه قد برز الیھم فتی اشبه الناس خلقا وخلقا ومنطقا برسولك وکنا اذا اشتقنا بلقاء رسول اللہ نظرنا الیه" جناب امام حسینؑ کا نصف بدن حضرت رسول خدا سے مشابہ تھا۔ مگر جناب علی اکبرؑ کا کل جسم جناب رسول مقبولؐ سے مشابہت رکھتا تھا۔ اور آپ شبیہ المصطفیٰ یعنی ہم شکل پیغمبر کہلاتے تھے جب اس طرح سے جناب علی اکبرؑ روانہ میدان قتال ہوئے تو امام مظلوم سواری کے پیچھے اس طرح جاتے تھے جس طرح کہ حاجی قربانگاہ کو قربانی لے جاتے ہیں اور آپ کے سر اور پیشانی پر بوسے دیتے تھے۔ "ویمشی علی والحسین خلفه القتیل ودموع العین منه یسبقه کالضحیة فی یوم اضحی الی منی یقبله فی کل ان ولحظة" اسپ قتال کو بھی طلب جو آجکل عقاب کے نام سے مشہور ہے اور غلط ہے۔ اس پر آپ کو سوار کیا۔ ساتھ جاتے ہوئے آپ کو خیال آیا کہ اگر اسطرح آپ بھی حضرت علی اکبر کے ہمراہ میدان کو چلے جائیں گے تو تمام مخدرات عصمت و طہارت خیمہ گاہ سے نکل پڑینگی۔ وہیں ٹھہر گئے جس وقت یہ نور محمدی اور امام حسین کے دل کا ٹکڑا میدان میں پہنچا اور شعشعہ نور محمدی لشکر پر پڑا اسپر ایک فرقہ لشکر نے ایکدوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا کہ ہم نے کیا کیا ہے۔ اور کس سے لڑ رہے ہیں۔ خود رسول خدا میدان میں تشریف لائے ہیں جب تھوڑا

خون نا بند ہوا تو کہا یہ رسول خدا نہیں۔ بلکہ علی اکبر شبیہ پیغمبر جگر گوشہ فرزند رسول ہے۔ آپ نے لشکر پر حملہ کیا پہلے حملے میں (۱۲۰) اشقیا کو واصل جہنم کیا۔ درانحالیکہ آپ کے جسم مبارک پر ایک زخم بھی نہ لگا تھا۔ مگر تشنگی نے سخت غلبہ کیا اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا "یا ابتاہ العطش قد قتلنی" اے پدر بزرگوار پیاس نے مجھے مار ڈالا ہے۔ امام نے جواب میں صرف یہی فرمایا اے بیٹا اب تم کو تمہارے جد بزرگوار آب کوثر سے سیراب کریں گے۔ اور پھر کبھی تشنہ نہ ہوگے پھر حضرت میدان میں تشریف لیگئے اور اسی نامردوں کو فی النار کیا۔ اور یہ تمام حملات حضرت علی اکبرؑ بیرق شرطۃ الخمیس پر تھے۔ جہاں تمام بہادر جمع تھے۔ اور اتنے عرصہ میں ایک زخم بھی نہ کھایا تھا۔ حصین ابن نمیر لعین نے جب یہ دیکھا۔ لشکر کو پکار کر کہا کہ علم بلند کرو اور لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرکے دونوں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت دیکھا گیا کہ آپ خیمہ گاہ کے دائیں جانب چلے اور گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔ اور گھوڑا آپ کو لئے جاتا تھا۔ ربیع ابن نمیم ملعون نے کہا کہ یہ بہانا کرتا ہے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا کہ بہانہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان سے گزر چکا ہے اور سر اور پیشانی شگافتہ ہے۔ "فاحاطوہ من کل جانب" یہ شکر ان ملاعین نے چاروں طرف سے اس مظلوم کو گھیر لیا ہے "وقطعوہ باسیافہم اربا اربا" اور اس برگزیدہ خدا اور ہمشکل مصطفےٰ کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

موعظہ ششم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ

"ھٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ"

مقدمات سابقہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر ایک شخص کا عمل کسی کے زیر تبعیت صادر ہوتا ہے۔ اور اسی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اور اس شخص کو امام (پیشوا) کہتے ہیں۔ تمام احکام عملیہ اسی کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ اور روز قیامت اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا یَوْمَ

يَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِہِمْ "روزِ قیامت ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ محشور کیا جائیگا۔ اگر یہ شخص (امام) از جانب خدا ہے تو اس کی پیروی اور اقتدا کرنے والا نعیم جنت سے منتفع ہوگا۔ اور اگر از جانب خدا نہیں ہے۔ بلکہ از طرف شیطان اور خود ساختہ امام ہے تو اس کو آتش جہنم کی طرف لے جائینگے کما قال عزوجل۔ "وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ" اور ان کو ایسا امام بنایا ہے کہ وہ لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں

تقرر امام

پس آیا ممکن ہے کہ انسان خود اپنے لئے امام مقرر کرے؟ آیہ مبارکہ "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" دلالت کرتی ہے کہ تقرر امام از جانب خدا ہے کیونکہ وہی خالق ہے۔ اور وہی صاحب دین ہے اور دیانت اسی کی طرف سے ہے۔ پس وہی انسان کی حوائج ضروریہ پر حاوی ہے اس لئے کہ اسی نے اس کے اجزاء کو ترکیب دی ہے پس وہی امام کو مقرر کر سکتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ اس شخص کو امام بنائے جو عالم فطریات و ضروریات انسانیہ ہو۔ یہ تو مسلم ہے کہ نبی کو خدا مقرر کرتا ہے۔ آیا امام کو غیر از خدا کوئی مقرر کر سکتا ہے۔ اور آیا امامت و نبوت دو رشتے جداگانہ ہیں۔ یا ایک؟ البتہ اگر امامت غیر نبوت ہے۔ تو شاید لوگ خود امام مقرر کر سکتے ہوں۔ لاکن آیہ شریفہ "وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّةً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ" اور ہم نے ان کو امام بنایا ہے۔ جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو فعل خیرات و اقامۃ الصلواۃ و ادائے زکواۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار تھے۔ انبیاء کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور انبیاء کو امام کہا گیا ہے

پس معلوم ہوا کہ نبوت و امامت ایک ہی رشتہ ہے۔ اور ایک ہی سلسلہ ہے اور تقرر نبی از جانب خدا مسلم ہے۔ لہذا تقرر امام بھی از طرف خدا ہی ہوگا۔ اور چونکہ امامت میں بحکم آیہ مذکورہ وحی شرط ہے۔ لہذا تقرر امام از غیر خدا قطعاً محال ہے۔ کیونکہ وحی از جانب خدا ہے۔ لہذا تقرر امام بھی از جانب خدا ہی ہوگا۔ گو یہ کہ وحی، وحی شیطانی ہو تو البتہ تقرر اسکا از جانب شیطان ہوگا۔ "اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ" شیاطین بھی اپنے اولیاء کو وحی کرتے ہیں۔

توضیح

اس کی یہ ہے کہ رسالت و نبوت خاص ہے۔ ایک قوم اور ایک زمانہ سے اور امامت عام ہے تمام لوگوں کو شامل ہے۔ الامامۃ ریاسۃ عامۃ "پس امامت

فوق نبوت وافضل از نبوت ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کو یہ عہدۂ امامت بعد نبوت و
رسالت وخلت عطا ہوا ہے۔ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا "اب میں تجھے تمام لوگوں کا
پیشوا بنانے والا ہوں۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ آپ نے خوش
ہو کے عرض کی۔ میری ذریت کو بھی یہ عہدہ عنایت ہوگا؟ حکم ہوا کہ یہ عہدہ امامت ظالمین
کو نہ پہنچیگا۔ لہٰذا ظالمین خلعت امامت سے ممتاز ہوں گے۔ ظلم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک
ظلم جلی اور وہ شرک ہے۔ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ بتحقیق کہ
شرک بہت بڑا ظلم ہے اور ظلم خفی تمام معاصی ہیں۔ پس عہدۂ امامت دونوں قسم کے
ظالموں یعنی مشرکوں اور گنہگاروں کو نہیں پہنچ سکتا۔ جو ان دونوں قسم کے گناہوں
سے معصوم ہے۔ وہ امام ہے۔ پس امامت خاص معصومین سے مختص ہے۔ غیر معصوم کا
اس میں کوئی حصہ نہیں۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ شاہد ہے کہ امامت خاص ذریت حضرت
ابراہیم ہی میں سے اور یہ سلسلہ امامت آخر کار بجناب خاتم الانبیا منتہی ہوتا ہے۔ اور
خدا نے اُن کو امام بنایا۔ لیکن جناب خلیلؑ وحبیبؐ تک تو یقیناً یہ سلسلہ و تقرر امام خداوند
عالم کے تحت میں رہا۔ بعد خاتم النبیینؐ کہاں گیا؟ کیا لوگوں کے اختیار میں چلا گیا۔ کہ
اب لوگ امام بنایا کریں۔ آیۂ مجیدہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ الخ شاہد ہے کہ اُمتِ مسلمہ تا بعثت رسول در وقت بعثت
رسول موجود رہی ہے۔ اور چونکہ حبل حبل الٰہی ہے۔ قیامت تک اُمت مسلمہ ذریت ابراہیم
میں موجود رہیگی۔ اور عہدہ امامت اسی ذریت کے واسطے ہے اور اسی امت مسلمہ سے
مخصوص ہے جن میں سے پیغمبر مبعوث ہوا ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ بعد حضرت ختمی
مرتبت یہ عہدہ دوسرے عوام الناس کے ہاتھوں میں چلا جائے اور ان کو تقرر امام
کا اختیار دیا جائے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ صاف فرماتا ہے وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ
یَخْتَارُ مَا كَانَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے۔ اور جس کو جس کام
کے واسطے چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور اختیار فرماتا ہے۔ اگر مسئلہ خلافت لوگوں کے اختیار
واجماع پر موقوف ہوتا۔ اور لوگوں کی رائے کو وہاں مدخلیت ہوتی۔ تو معصومین ضرور اسکے سزاوار
تھے کہ ان کی رائے قبول ہو۔ اور اس صورت میں ملائکہ کا اعتراض اور انکا اجماع برخلاف خلافت حضرت
آدم مقبول و مسموع ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ پس جب ملائکہ معصومین مقربین کی رائے کو مسئلہ خلافت

میں مدخلیت نہیں۔ تو غیر معصومین کی رائے کیونکر حجت ہو سکتی ہے "فاعتبروا یا اولی الابصار" بعد رسول امت مسلمہ باقی ہے اور امامت اسی کے واسطے ہے۔ پھر کیونکر دوسرے سلسلے میں جا سکتی ہے۔ اور اوصاف امامت تمام اوصاف الٰہی ہیں۔ جن میں سے ایک شہید ہوتا ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کیونکر باختیار خود حاصل ہو سکتا ہے

تفسیر عہد

حضرت ابراہیم نے امامت کا اپنی ذریت کے لئے سوال کیا۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي جواب میں فرمایا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ یعنی میرا عہد مشرکوں۔ کافروں اور گنہگاروں کو نہ پہنچیگا۔ یہ نہیں فرمایا کہ امامت گنہگاروں کو نہیں پہنچے گی۔ بلکہ اس کو عہد سے تعبیر و تفسیر کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر لفظ امامت فرمایا جاتا۔ تب بھی مطلب حاصل تھا۔ اور کوئی نقص لازم نہ آتا تھا۔ پس کیوں لفظ عہد کو مخصوص کیا گیا؟ ضرور اس میں کوئی نکتہ ہے۔ پس اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ امامت ایک عہد بزرگ ہے اور وہ عہد عصمت مطلقہ ہے۔ "كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ۔ لَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا پس اُس نے ترک کیا اور ہم نے اس میں عزم بالجزم نہ پایا۔ وَقَالَ "أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ" اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا ہے۔ کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ پس معلوم ہوا کہ جس نے کسی امر میں بھی شیطان کی اطاعت و پیروی کر لی۔ وہ عہد الٰہی سے خارج ہے اور جو تمام امور میں اطاعت و عبادت شیطانی سے محفوظ و مصئون و معصوم رہا۔ اس نے معاہدہ الٰہی کو لے لیا۔ اور جس نے اس معاہدۂ الٰہی کو لے لیا وہ امام ہے۔ اور وہی روز قیامت مالک شفاعت ہے۔ چنانچہ آیہ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا (نہیں مالک ہونگے شفاعت کے مگر وہی جنہوں نے عہد الٰہی کو لے لیا) اس پر صاف دلالت کرتی ہے۔

شفاعت جزئیہ
شفاعت کلیہ

شفاعت دو قسم پر ہے کہ ایک شفاعت بالاذن۔ دوم شفاعت بالملکیت۔ اور شفیع دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو باذن شفاعت کرینگے۔ دوم وہ جو بالعہد مالک شفاعت ہیں اور اس وقت اُن کو اذن کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب اذن کے حق میں خدا فرماتا ہے "مَنْ ذَا الَّذِي

يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ خدا کے اذن بغیر کون اس کے پاس شفاعت کر سکتا ہے۔
اور دوسرے دل یعنی مالکان شفاعت کے حق میں فرمایا ہے:۔
لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ پس یہ لوگ بعہد الٰہی مالک شفاعت و متصرف بالملکیت ہیں۔

معنی شفاعت شفاعت اور حق شفیع ایک ہی دریے سے ہیں اور شفیع کے یہ معنی ہیں کہ دو شخص جو ایک ملکیت میں شرکت رکھتے ہیں اور وہ ملکیت غیر منقسم ہے۔ اگر اُن میں سے ایک شخص اپنے حصے کو کسی دوسرے غیر شریک کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ شریک بلک اس کو اپنے حق شفیع میں لے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ میں اس میں شراکت رکھتا ہوں پس میں نے اس کو اپنے حق شفع میں خرید لیا۔ پس بے ملکیت و شراکت حق شفع ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور شفیع بلا مالک ہوئے شفیع نہیں بن سکتا۔ اور متصرف نہیں ہو سکتا۔ اور تصرف ملکیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور ملکیت و مالکیت دو قسم پر ہے ایک یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کا بالذات مالک ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ مالک بالذات حق ملکیت کسی کو عطا کر دے۔ اور حق ملکیت قبضہ سے ہوتا ہے۔ اور معنی قبض ولایت مطلقہ و تصرف مطلق ہے۔ اور یہ آیہ مجیدہ "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" اسی پر دال ہے۔ نبی مومنین کا خود اُن کے نفسوں سے زیادہ مالک و متصرف مطلق ہے اب تصرف رکھتا ہے اور اتنا اختیار رکھتا ہے کہ نماز جو رکن دین ہے اور انسان خدا کے لئے پڑھتا ہے۔ اگر نبی اسکو اسی وقت میں آواز دے تو نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور اس کو اختیار نہیں ہے چنانچہ حدیث صحیح بخاری اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کو بلایا اور آواز دی سو وہ نہ آیا جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے دریافت کیا۔ کیوں نہیں آیا۔ اور کیوں جواب نہ دیا۔ عرض کیا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تو نے نہیں سنا کہ خدا فرماتا ہے اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ جواب دو خدا اور اُسکے رسول کو جس وقت بھی وہ پکاریں۔ پس معلوم ہوا کہ پیغمبر عبادت کا بھی مالک ہے۔ کیونکہ حق ملکیت و تصرف من اللہ رکھتا ہے۔ اور ولی مطلق ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا مالک اور تم پر متصرف خدا اور اس کا رسول ہیں اور کیونکر اسکو ایسا حق حاصل نہو۔ حالانکہ وہ نماز میں شریک ہے جو حد توحید ہے اور بلا اسپر درود بھیجے نماز باطل ہے۔ اور بلا اُسکے عفو کئے خدا لوگوں کے گناہوں سے درگزر نہیں کرتا

وَلَوْ اِذْ ظَلَمُوْا جَآءُوْكَ وَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ اور جبکہ لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ تیرے پاس
آتے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے اور رسول بھی خدا سے ان کی مغفرت چاہتا۔ تو ضرور
وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ بلا عفو و استغفار رسول
مغفرت ممکن نہیں۔ اگر رسول لوگوں کے گناہوں سے درگذر کرے خدا بھی معاف کر دیگا
ورنہ اگر رسول عفو نہ کرے۔ خدا نہ بخشیگا۔ پس جبکہ پیغمبر مالک و متصرف ہے اور حق شرکت
و ملکیت رکھتا ہے۔ تو وہی مالک شفاعت بھی ہے۔ اور پل صراط کے پاس کھڑا ہوگا اور فرمائے
گا هٰذَا لِیْ وَ هٰذَا لَكَ یہ میرا ہے اور یہ تیرا۔ یعنی جو تحت ولایت پیغمبر داخل ہوگا۔ اسکو
حق شفیع ہی لے لیگا۔ کیونکہ حق تصرف حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر ہیئت شفاعت حاصل نہیں
ہو سکتی۔ مگر ان لوگوں کو جن کا وجود دلیل خدا ہے اور وہ حجج اللہ و ادلّہ علی اللہ و آیات
بینات الٰہی و علت موجودات ہیں۔ حق شفاعت معلم و استاد سے شروع ہوتا ہے اور اس
کو حق شفاعت حاصل ہے اور ضرور اذن دیا جائے گا۔ کہ اپنے شاگردوں کی شفاعت کرے
کیوں؟ اس لئے کہ اس نے بچے کو تعلیم دی ہے۔ اور راہ خدا کی طرف ہدایت کی ہے اور
اسکو توحید سکھائی ہے۔ پس اسکا وجود بھی دلیل بر خدا ہے۔ یہاں بھی یہ امر مشاہد و محسوس
ہے۔ کہ جب بچہ باپ کا کوئی قصور کرتا ہے تو اگر معلم و استاد باپ کے پاس اس کے بچے
کی شفاعت و سفارش کرے تو باپ اس کی خطا معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بچہ پر
حق رکھتا ہے اور شریک پدر ہے۔ کیونکہ وہ مربی جسم ہے اور معلم و استاد مربی روح۔ پس
اسیطرح روز قیامت بھی اسکی شفاعت مقبول ہوگی۔ کیونکہ اس کا وجود دلیل بر خدا ہے
اور اس نے بچے کو توحید کی طرف دلالت کی ہے۔ لیکن اس کے وجود کی دلالت منحصر و محدود
ہے۔ اس لئے اس کے اثرات بھی محدود اور اس کی شفاعت بھی محدود۔ مگر نبی چونکہ مربی مطلق
ہے و معلم کل ہے۔ اور تمام شریعت و دیانت اثر و دلالت وجود نبی ہے۔ کہ اس نے تمام
احکام اپنی زبان صداقت ترجمان سے بیان فرمائے اور تعلیم دئے ہیں۔ اور تمام احکام امت
اسی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس سے ماخوذ ہیں۔ اور اسی تعلیم کے اثرات تماماً
نبی کی طرف لوٹیں گے۔ اور رجوع کرینگے۔ اور ان کو بھی جزائے عمل ملے گی۔ پس وجود
نبی حقیقت شفاعت ہے۔ اور اس لئے وہ فرمائیگا۔ یہ تمام تعلیمات میری ہیں۔ شیطان

گو یا حقِ شرکت حاصل ہے۔ پس اس شخص کو اپنے حقِ شفع میں لیتا ہوں۔ اور یہی معنی شفاعت ہیں۔ شفاعت دراصل حقیقت دلالت وجودیہ دلّہ علی اللہ ہے کہ آخرت میں صورت شفاعت پیدا کرے گی۔ حضرت رحمۃ للعالمین و نذیر للعالمین بدلالت تامہ وجودیہ مالکِ عہدِ شفاعت ہوئے۔ اور آنحضرتؐ کے خلفاء و اوصیاء بھی جو آنحضرتؐ سے اتحاد نفسانی و روحانی رکھتے ہیں۔ اور حاوی اوصاف نبوی ہیں اسلئے آثار وجودی دلالت وجودیہ ہی کی وجہ سے مالک عہد شفاعت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اعمال انسانی میں شیطان بھی شریک ہے کہ وہ اغوا کرتا ہے اور اس کے اغوا سے انسان سے معصیت صادر ہوتی ہے اور نبی شریک ہے کہ معلم و ہادی اور مربی ہے۔ اور تمام اعمالِ حسنہ اس کے وجود اور اس کی تعلیم اس کی ہدایت کا اثر ہیں پس روز قیامت ہر شخص کے ساتھ ایک سائق ہو گا۔ اور دوسرا شہید دَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ سائق گویا شیطان اور عمل شیطانی ہے جو اس کو جہنم کی طرف کھینچے گا۔ اور شہید خارجی امامؑ ہے۔ جو صراط پر کھڑا ہو گا۔ پس اگر اسمیں اثرات تعلیم نبی و امام اثرات شیطان سے زیادہ ہیں اور تحت تعلیم نبی داخل ہے۔ نبی اس کو لے لیگا۔ کیونکہ بوجہ ایمان اسکی ولایت میں داخل ہے۔ اور نبی بوجہ تعلیم و تربیت حق ملکیت و تصرف رکھتا ہے ورنہ اگر وہ شخص تعلیمات نبوی سے خارج ہے اور اثرات تعلیم نبی اس میں ظاہر نہیں ہیں دولت ایمان نہیں رکھتا۔ بلا حساب داخل جہنم ہو گا۔ اور اس میں پیغمبر کو حق شفاعت حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ اِذَا انْقَسَمَتِ الْحُدُوْدُ فَلَا شُفْعَ جب حدود مشترکہ تقسیم ہو جائیں حق شفع باطل ہو جاتا ہے۔ پس جب ایک شخص بالکل تعلیم نبیؐ سے خارج ہے تو وہ شفاعت نبیؐ سے بھی خارج ہے۔

مسئلہ غدیر خم

اعلان غدیر خم کو تمام سنی شیعوں نے نقل کیا ہے۔ شیعہ اس سے خلافت جناب امیر پر استدلال لاتے ہیں۔ مگر یہ مسامحہ ہے۔ کیونکہ واقعہ غدیر میں ذکر ولایت ہے نہ خلافت۔ ولایت اخص ہے خلافت سے اور خلافت اس کے تحت میں داخل اور خدا چاہتا ہے کہ مرتبہ ولایت جناب امیر علیہ السلام کو ثابت کرے۔ چنانچہ حضرت ختمی مرتبتؐ نے ابتدائے خطبہ میں اول اپنی ولایت و اولویت بالتصرف کا اقرار لیا۔ اور تین مرتبہ فرمایا اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک اور امیر متصرف نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا اور کہا کیوں نہیں آپ ہمارے مالک نبی و مولیٰ پھر تین مرتبہ فرمایا "اَللّٰھُمَّ

اَشْهَدُ۔ خداوندا تو گواہ رہیو۔ بعد ازاں فرمایا۔ "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ" الخ۔ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ یہ وہ مرتبہ ولایت و اولویت و ملکیتِ شفاعت ہے۔ جو جناب امیر علیہ السلام کے لئے ثابت کیا ہے کہ پیغمبر ولی مطلق و مالکِ شفاعت علیؑ ہے۔ اور اسی پہ آیہ ولایت شاہد ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز قائم کرتے اور بحالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔ اور یہ مومنین وہی اوصیاء پیغمبر علیؑ و اولاد علیؑ ہیں کہ مثل پیغمبر ولی و مالکِ شفاعت ہیں اور حق شرکت و ملکیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ شفاعت اُن کے واسطے ہے جو اولیٰ علی اللہ و حجج اللہ ہیں اور معلم توحید الہی۔ اور ظاہر ہے کہ بعد پیغمبر معلم علی ابن ابی طالب ہے کہ باب علم نبی ہے۔ جو کچھ صادر ہوا ہے اس سے صادر ہوا ہے اگر کوئی حکم تعلیم سے خارج ہو جائے تحت تربیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ پسر نوح نے ایک کلمہ تمرد کہا نہ صرف تعلیم نبوت و تحت نبوت سے خارج ہو گیا۔ بلکہ اہل بیت سے بھی خارج ہو گیا اور لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ خطاب پایا۔ پس جو تحت تعلیم امامت داخل ہیں۔ امام اُن کی شفاعت کریگا۔ اور ان کو حق شفقت میں شیطان سے لے لیگا۔ کیونکہ شیطان کا انسان میں صرف ایک حصہ یعنی حصہ ناری ہے۔ جس کی بابت وہ کہتا ہے لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۔ میں تیرے بندوں میں سے اپنا حصہ مقرر لونگا۔ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ شریک ہو ان کے اموال و اولاد میں۔ قول خداوند عالم ہے۔ باقی تین حصہ رہتے ہیں۔ پس اگر تحت تعلیم نبوت و امامت داخل ہے۔ امام چھڑا لے گا۔ اور شیطان اپنے ایک حصہ میں اسکو نہ لے سکیگا۔ لیکن جو شخص تعلیم نبوت و امامت سے خارج ہے اور آثار نبوت اس میں موجود نہیں ہیں۔ اس کو شیطان جہنم کی طرف کھینچ لے جائیگا۔ کیونکہ شرکت نبی اس میں نہیں اور آثار شیطانی ظاہر و نمایاں ہیں۔

انسان دو معبود رکھتا ہے۔ معبودِ رق و معبودِ طاعت۔ معبودِ رق خداوند عالم ہے۔ جو خالق کل و مالک مطلق ہے معبودِ اطاعت پیغمبر ہے کہ خدا نے بعد خلق انسان کو بغرض تربیت و تعلیم پیغمبر کے سپرد کیا ہے۔ کیونکہ تمام فیوض و تعلیمات بندہ کو اس کے ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اطاعت کرو خدا کی

اور اطاعت کرنا حق ہے رسول کی اور پیشوا اولی الامر کی۔ اول اطاعت خدا ہے اور اس کی اطاعت
غیر اطاعت پیغمبر ہے کیونکہ وہ مالک الرق و معبود الرق ہے اور دوم اطاعت پیغمبر ہے۔ وہ غیر
اطاعت خدا ہے۔ اسیواسطے لفظ اطیعوا مکرر آیا ہے، اگر لفظ اطیعوا مکرر نہ آتا تو اطاعت
پیغمبر مثل خدا اطاعت رتی ہوتی۔ اور آیہ مجیدہ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ
(جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی) سے ثابت ہے کہ مطیع رسول
مطیع خدا ہے۔ اور جو کچھ اُس نے کیا۔ گویا خدا نے کیا۔ پس اس کو خداوند عالم نے حق شرکت
دینے۔ تربیت عبد دیں۔ اور اس لئے وہ ہی حق التشفیع رکھتا ہے۔ اور مالک شفاعت
ہے مطلقاً اور چونکہ اطاعت اولی الامر مثل اطاعت پیغمبر ہے۔ کیونکہ وہاں لفظ اطیعوا مکرر
نہیں لایا ہے۔ پس اسکی اطاعت بھی اطاعت خدا ہے۔ اور اس لئے بعد پیغمبر اولی الامر
(امام) بھی انسان پر حق ملکیت و ولایت رکھتا ہے۔ اور اس لئے وہ مالک شفاعت سب
بہ تربیت دقیقہ دقیق ؛

شفاعت اور حضرات نصاریٰ

نصاریٰ تمام فرق عالم پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک کسی میں جنبہ خدائی نہ ہو وہ شفاعت
نہیں کر سکتا اور شفیع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پاپائے اسکندریہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے
کہ کوئی انسان معصیت سے پاک نہیں ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء بھی۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی اس میں جنبہ خدائی ہے اور خدا عادل ہے۔ پس چاہیئے کہ جزائے اعمال دے۔ پس گنہگار
شفیع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کسی نبی کو حق شفاعت حاصل نہیں۔ لیکن یہ باطل محض ہے
کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ شفاعت خدا ہی کر سکتا ہے۔ اور وہی شفیع ہوتا ہے پس
جب شفیع خدا ہے تو شفاعت کس کے پاس کرے گا۔ کیا کسی دوسرے خدا کے پاس شفاعت
لے جائیگا۔ اگر ایسا ہے۔ تو یہ شرک صریح ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو خلق
کر کے کس کے سپرد کیا ہے۔ شیطان کے سپرد کیا ہے یا کسی اور کے۔ اور مربی و معلم کس کو قرار
دیا ہے؟ اگر خدا نے بندوں کو شیطان کے سپرد کیا ہے تو خدا اس سے مذاکرہ کر سکتا ہے۔ مگر
ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خدا نے ہرگز شیطان کو مربی و معلم انسان نہیں بنایا ہے۔ اس لئے وہ شریک
تربیت انسان نہیں ہے۔ بلکہ خدا نے ان کو متفق فرما کر انکی تربیت انبیاء کے سپرد کی ہے۔ وہ شرکت رکھتے
ہیں۔ شیطان اغوا کرنے والا اور بہکانے والا ہے۔ اور وہ مربی متہم ہے۔ پس وہ اپنے حق تعلیم و تربیت میں

انسان کو لینگے اور بارگاہِ خدا میں عرض کرینگے کہ ہم حق رکھتے ہیں - کہ یہ ہماری تحت تعلیم و تربیت داخل ہے - ہمیں عنایت کر - شیطان صرف یعنی اغوا کرنے والا ہے - اس کو حق نہیں کہ اس کو جہنم میں لیجائے ہاں جو تحت تعلیم نبوی نہیں ہے اور ترتیب نبوی سے خارج ہے - اس پر وہ حق نہیں رکھتے - ان کو شیطان جہنم میں لے جائے گا - بنص اناجیل ثابت ہے کہ حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو غسل تعمید دیا - اور غسل تعمید گناہوں سے پاک کرنے کیلئے دیا جاتا ہے پس گویا ایک خدائے گنہگار کو ایک بندۂ پاک نے غسل دیا - پس یہ محض غلط ہے کہ عیسیٰؑ میں جنسیہ خدائی ہے - اور وہ شفیع ہو سکتے ہیں - پھر یہ بھی لکھا ہے کہ روز قیامت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی داہیں جانب بیٹھے ہونگے اور گنہگاروں کی شفاعت کرینگے - پس اگر یہ صحیح ہے تو خدائی حضرت عیسیٰ باطل - کیونکہ خدا دوسرا ہے جس سے حضرت عیسیٰ شفاعت کرینگے اور خدائی حضرت عیسیٰ باطل ہوئی تو شفاعت بھی باطل - کیونکہ اُن کے نزدیک شفیع تو خدا ہی ہو سکتا ہے

باز آمدم بر سر مطلب

"قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا" عہد امامت ظالمین کیلئے نہیں - اور عہد الٰہی اول یہ ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کی جائے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا - حضرت آدم سے عہد لیا گیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے کہنے میں نہ آنا - حضرت آدم علیہ السلام نے خداوند عالم کے نام کی قسم پر اعتبار کر لیا - کیونکہ آپ عالم برزخ میں تھے - اور وہاں جو کوئی جھوٹی قسم کھاوے - فوراً اثر بد ظاہر ہو جاتا ہے - مگر شیطان سے جب کوئی اثر ظاہر نہ ہوا حضرت آدم نے سمجھ لیا کہ قسم سچی ہے اور اس کی جھوٹی قسم پر اس وجہ سے اثر مرتب نہیں ہوا تھا - کہ اس نے مردود و رجیم ہونے کے بعد وقت معلوم تک کیلئے مہلت لی تھی فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا - عزم بالجزم ان میں نہ پایا گیا - درخت کے پاس چلے گئے اور کھا لیا - لباس اُن کا اُتار لیا گیا - پس باوجودیکہ حضرت آدمؑ نے عمداً اس درخت منہی عنہ سے نہیں کھایا اور وہ گنہگار نہیں - کیونکہ قسم پر اعتبار کر کے ایسا کیا - مگر چونکہ بصورت ظاہری خلاف عہد ہے مالک شفاعت نہ رہے - باذن شفاعت کر سکتے ہیں - پس بحسب عہد مطلق نہ مالک شفاعت وہ ہے جو صالح مطلق ہے اور ظاہراً و باطناً کسی طرح اُس نے خلاف عہد الٰہی نہیں کیا "عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" نزدیک ہے کہ خدا تجھکو مقام محمود پر پہنچ کر ...

یہ مقام محمود مقام شفاعت تامہ ہے۔ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی اپنی امت کے گنہگاروں کی شفاعت کرونگا میری شفاعت اُن کو پہنچے گی۔ لیکن شفاعت کی تفصیل کہ کن لوگوں کے حق میں ہو گی۔ اور کس قسم کے گناہ قابل شفاعت ہیں اور کون سے گناہ ایسے ہیں جن کے لئے توبہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور کون سے گناہ ایسے ہیں جنکے لئے دنیا میں صرف کفارہ لازم ہے۔ اور کون سے گناہ ایسے ہیں جنکے لئے کفارہ بھی ضروری نہیں۔ شاید کسی دوسرے موقع پر بیان ہو۔ لفظ صالحین تمام انبیاء کیلئے بولا گیا ہے۔ جیساکہ سورۂ انبیاء میں تمام انبیاء کے حق میں فرماتا ہے۔ وَکُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِیْنَ اور حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں۔ رَبِّ ھَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور حضرت نوحؑ وحضرت لوطؑ کے باب میں خدا فرماتا ہے وَکَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ۔ وہ دونوں بیویاں ہمارے دو صالح بندوں کے پاس تھیں۔ اور فرمایا ہے ان الارض یرثھا عبادی الصالحین۔ غرض لفظ صالح انبیاء پر بولا جاتا ہے اور تمام انبیاء صالحین ہیں۔ مگر حسب اختلاف مراتب نبوت۔ اور آنحضرتؐ چونکہ افضل المرسلین وخاتم النبیین ہیں۔ اسلئے وہی جناب افضل الصالحین بھی ہیں۔ اور وہی صالح مطلق لہذا مالک عہد شفاعت وہی ہوئے لیکن مومنین ایک صالح مطلق اور بھی رکھتے ہیں۔ ایمان خود ایک عمل صالح ہے اور وہ مومن کامل صالح مطلق وصالح کامل ہے۔ قال عزوجل ان تظاھرا علیہ فان اللّٰہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین (سورۂ تحریم) اے عائشہ وحفصہ اگر تم دونوں پشت بپشت اور ایک دوسری کیساتھ ملکر پیغمبر کے خلاف کوشش کرو گی۔ تو بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں کیونکہ خدا اسکا مولیٰ ہے اور جبرئیل اور صالح مومنین یعنی وہ شخص جس کا نام صالح المومنین ہے اور صالح مطلق ہے۔

نکتہ۔ محقق ومعلوم ہے کہ ایمان کے مختلف درجے ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا آمنوا (الخ) اے ایمان لانے والو۔ ایمان لاؤ۔ پھر خدا فرماتا ہے وزادتھم ایمانا یعنی جب ان پر آیات خدا تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان زیادتی ونقصان کو قبول کرتا ہے۔ اور آیات الٰہی سے ادنیٰ سے اوسط اور اوسط سے اعلیٰ درجے پر پہنچتا ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک بہت سے درجات ہیں اور تقویٰ فوق ایمان ہے کما قال

عزوجل "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ" (الخ) اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور آیہ کریمہ "صالح المومنین" (الخ) میں لفظ مومنین جمع ہے اور الف لام استغراق اس پر داخل ہے۔ اور یہ مفید عموم ہے۔ اور تمام افراد اہل ایمان کو شامل خواہ کسی درجہ کا ایمان رکھتے ہوں اور تفاوت درجات ایمان حسب تفاوت ایمان بخدا و رسول و کتاب خدا ہے۔

قال عزوجل "آمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذی انزل علیٰ رسولہ" یعنی ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل کی گئی ہے اور کتاب پر ایمان لانا اس کے معارف و مقاصد پر ایمان لانا ہے اور مقاصد کتاب پر ایمان موقوف ہے علم حقیقت کتاب پر جب تک حقیقت کتاب کا علم نہ ہوگا۔ ایمان بمعارف و مقاصد کتاب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت کتاب کا علم موہبت الٰہی پر موقوف ہے۔ کیونکہ یہ حاوی جمیع علوم و تبیان کل شئے ہے۔ اور یہ مرحلہ علم کسب و تحصیل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہذا تفاوت مراحل و مدارج ایمان حسب تفاوت علم حقیقت کتاب ہے اور جب تک کسی کو تمام حقیقت کتاب کا علم حاصل نہ ہو مومن مطلق نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک تمام احکام و معارف پر عامل نہ ہو صالح المومنین کا خطاب نہیں پا سکتا۔ "قل کفیٰ باللہ شھیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب" سے ثابت ہے کہ تمام کتاب کا علم سوائے علی ابن ابی طالب کے اور کسی کو حاصل نہیں اور وہ صالح المومنین و صالح مطلق اور خیر البریہ ہے۔ "ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولٰئک ھم خیر البریۃ" اور عمل صالح کی انتہا توحید ہے تا تمام صالحات جو فی الواقع اور عند اللہ صالحات ہیں یہ شبہ نہ ہو کہ صالح المومنین سے وہ شخص مراد ہے جو پیغمبر پہ ایمان لانے کے لئے بعد میں آئا ہو مشرک ہو ہو کیونکہ اگر صالح من المومنین ہوتا تو یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ یہاں صالح المومنین ہے۔ لہذا اس صورت میں بھی سوائے ایک شخص کے اور کوئی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص نوع مومنین میں صالح ہو وہ صالح مطلق ہے اور صالح نہیں ہے۔ مگر نبی ان "کلا جعلنا صٰلحین" "وکن من الصٰلحین" سے ظاہر ہے اور صالح مطلق وہی ہیں جو فرماتے ہیں "ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیٔ" ہم کسی امر میں شرک نہیں کرتے اور بعد پیغمبر ایسا شخص نفس پیغمبر ہی ہو سکتا ہے۔ فافہم۔

پس یہ صالح المومنین کون ہے؟ یہ وہی نفس رسول و زوج بتول ہے جو فرماتے ہیں "لم اشرک باللہ طرفۃ عین ابداً" ایک چشم زدن کے واسطے میں نے خدا کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کیا۔ پس بعد حضرت ختمی مرتبت جن کی تعلیمات فوق تعلیمات جمیع انبیاء و مرسلین ہیں اور مقام محمود تک پہنچے

ہوتی ہے۔ شفاعت ہی بہشت ذریت مقامِ محمود۔ حضرت علی ابن ابیطالب امیر المومنین مالکِ شفاعت و مالکِ حوض بھی ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن شفاعت میں شرط یہی ہے کہ بندہ اتحت تعلیم نبی و امام ہو ورنہ شفاعت محال ہے

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے تعلیمات پیغمبر کو ایسا خراب کر دیا تھا۔ کہ قریب تھا کہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مفقود و معدوم ہو جائے۔ پس جس شخص نے اس حال میں اسلام کے نام کو باقی رکھا اور زندہ دین کیا۔ بیشک اپنے اجداد کے وہی اولی بالشفاعت ہے اور وہ حسین بن علی ابن ابیطالب ہیں جو حضرت کے سبط شفیع امت محمدی مشہور و معروف ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ زمانہ یزید علیہ ما علیہ میں دین کو حسین نے قائم و باقی رکھا۔ کیونکہ اس وقت جو اپنے کو خلیفہ رسول اور پیشوائے دین اور امام وقت کہتا تھا۔ برسر منبر و علی رؤس الاشہاد کہتا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شہدوا ۔۔ جزع الخزرج من وقع الاسل الخ

کاش اس ملعون کے وہ اسلاف و اشیاخ جنہوں نے جنگ بدر میں نیزوں کی آمد و رفت سے بنی خزرج کی آہ و زاری سنی تھی اس وقت موجود ہوتے۔ تو خوشی کے نعرے بلند کرتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں تو نے کیا اچھا کام کیا ہے۔ وہ نبی خدا سے نہیں اگر وہ اولاد رسول سے اس کا انتقام نہ لیتے۔ جو رسول نے اس کے اسلاف کافرین کے ساتھ جنگ بدر و احد میں کیا تھا۔ کہتا تھا ؎

لعبت بنو ہاشم بالملک فلا ۔۔ خبر جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم نے ملک گیری اور بادشاہت کا ایک کھیل بنایا ہوا تھا۔ نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ وحی نازل ہوئی تھی۔ جب خلیفہ رسول و امام وقت کا یہ اعتقاد باطل ہو کہ بالصراحت منکر نبوت و رسالت ہو۔ اس کے وقت میں کیونکر دین اسلام کا نام باقی رہ سکتا تھا۔ اس کے مقابل حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت اتمام دین کیا۔ وہ اسلام کا نام مٹانا چاہتا تھا۔ امام نے اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالا اور ہمیشہ کے لئے بحر ضلالت میں ڈوبنے سے بچا لیا۔ انہی دو گروہوں اور دو جماعتوں کو خدا اس آیہ مبارکہ میں ذکر کرتا ہے۔

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۔ یہ دو خصم و دو مقابل جماعتیں ہیں۔ جو درباب اہلبیت جھگڑا کرتی ہیں۔ ایک کہتی ہے خدا سچا ہے اور اس نے سچ کہا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں خدا جھوٹا ہے

اسکا پیغمبر جھوٹا مدعی نبوت۔ پس ان میں سے کافرین کیلئے آتش جہنم کا لباس قطع کیا جا چکا۔ اور اُن کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

شان نزول آیہ جنگ بدر ہے کہ ایک طرف ابوسفیان یزید پلید کا دادا اور ابوجہل وغیرہ تھے۔ دوسری طرف محمد مصطفےٰ علی مرتضےٰ اور ان کے یار و انصار یہ چاہتے تھے۔ دین خدا کو قائم کریں اور اس کی خدائی کو ثابت۔ وہ فرقہ مخالف و مقابل چاہتا تھا۔ کہ دین خدا کو برباد کریں اور اس کی خدائی سے انکار۔ مگر حقیقی اور کامل مصداق اس آیہ کا روز عاشورہ ظاہر ہوا اس دن کفر مطلق اور ایمان مطلق کا مقابلہ تھا۔

دعوتِ پیغمبرؐ و دعوتِ حسینؑ

بدو اسلام میں اول محض دعوتِ اسلام تھی۔ قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْنَ ۔ جو شخص محض زبان سے کلمہ توحید کا اقرار کر لیتا تھا۔ اس کا جان و مال محفوظ ہو جاتا تھا اور مثل دیگر مسلمانوں کے شمار ہوتا تھا۔ اگرچہ دل میں قطعاً عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اور اصحاب پیغمبر میں مومن و منافق مشترک تھے چنانچہ ۱۹۲ آیتیں منافقین کے باب میں وارد ہیں جس میں سے ۴۹ سورہ برأت میں موجود ہیں۔ اور جنگ احد کے موقع پر اصحاب رسول کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْکُمْ مَنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ۔ بعض لوگ تم میں سے دنیا دار اور طالب دنیا ہیں اور بعض دیندار و طالب آخرت مگر روز عاشورہ ایمان و اسلام۔ کفر و نفاق جدا جدا ہو گئے تھے۔ اور نفاق بالکل بر طرف ہو گیا تھا۔ اس طرف کفر مطلق تھا۔ اور اس طرف ایمانِ خالص اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں کوئی منافق نہ تھا جس میں دنیا کا شائبہ پایا جاتا ہو۔

اصحابِ حسینی و اصحابِ نبوی

پیغمبر جب لوگوں کو جہاد پر بھیجتے تھے تو تدابیر سے لوگوں کو جہاد پر مائل کرتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ بدر کی تیاری کی ہے تو کہا تھا۔ کہ قریش کا قافلہ بہت سامال لئے ہوئے آرہا ہے اور ضرور آرہا تھا۔ پس تم دونوں میں سے ایک پر ضرور غالب آؤ گے۔ یا لشکر ابوسفیان پر یا قافلۂ قریش پر۔ مگر قافلہ تو نکل گیا اور ابوسفیان لشکر لے کر مقابلہ کو آگیا۔ گویا بعض اصحاب رسول قافلۂ قریش کی لالچ سے گئے تھے۔ مگر اصحاب حسینؑ ایسے نہ تھے۔ اُن کے اس عمل خالص میں دنیا کا بالکل شائبہ نہ تھا جس وقت امام مظلوم مکہ سے نکلے ہیں فرمایا جو شخص مال دنیا چاہتا ہے اور دنیا کے ارادے سے چلتا ہے وہ میرے ساتھ نہ آئے۔ یعنی آج خالص ایمان کی دعوت ہے نہ مطلق اسلام کی اور مومنین خالص

چنے جاتے تھے۔ چنانچہ جس وقت حضرت مکہ سے تشریف لے چلے ہیں۔ آٹھ ہزار آدمی ساتھ تھے۔ ہر ایک منزل پر جب حضرت پہنچے تھے تو قصہ حضرت یحییٰؑ کو ذکر فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہم دنیائے کوفہ کے واسطے نہیں جاتے ہیں۔ یعنی کوفہ کی بادشاہت حاصل کرنے نہیں جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ جب کربلا پہنچے ہیں تو صرف گیارہ سو رہ گئے۔ وہ بھی روز و شب کم ہوتے جاتے تھے۔ تا اینکہ شب عاشورہ چند نفر رہ گئے قریب نصف شب تیس آدمی اور آکر ملے ہیں۔ تب یہ بہتر اصحاب روز عاشورہ نظر آتے تھے۔ جیسا کہ تاریخ مسعودی سے ثابت ہے۔ مگر یہ چنے ہوئے خالص مومن تھے۔

شب عاشورہ امام مظلومؑ نے بنی ہاشم سے بھی فرمایا۔ کہ تم بھی چلے جاؤ۔ ان کو تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ چنانچہ دس بارہ بچے ۵ و ۱۰ سالہ و یازدہ سالہ تھے۔ جن کو فتیان بنی ہاشم کہتے تھے۔ حضرت نے ان سب کو جمع کیا اور فرمایا تم بھی چلے جاؤ۔ یہ عورتیں موجود ہیں۔ ہر ایک اپنی اپنی ماں بہن کا ہاتھ پکڑ لے اور رات رات میں نکل جائے۔ ان سب میں سے قاسم بن حسنؑ سب سے آگے بڑھے اور کہنے لگے "نَبِیتَنَا کَیْفَ نُخَلِّیکَ" اے ہمارے آقا کس طرح ہم آج آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ حضرت نے بطور کنایہ فرمایا۔ "اَمَا تَخَافُ الْمَوْتَ" کیا تم موت سے نہیں ڈرتے ہو؟ عرض کیا۔ "اَلْقَتْلُ بَیْنَ یَدَیْکَ لِیْ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ" اے عم بزرگوار مجھے آپکے قدموں میں شہید ہونا شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ یہ کلام معرفت و محبت التیام امام مظلوم کیلئے زہر تلخ تھا۔ دل میں بیٹھ گیا۔ اور حضرتؑ بیتاب ہو گئے۔ اور اس کا جواب روز عاشورا دیا۔ جس وقت شہزادہ قاسم علیہ السلام آمادۂ میدان ہو کر خدمت امام مظلومؑ میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے جناب قاسم کی گردن میں ہاتھ ڈال دئے اور رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔ امام مظلوم علیہ السلام کی مصیبت سخت کرنے کیلئے حضرت قاسم علیہ السلام کیلئے ایک ایسے حادثے کا اتفاق ہوا ہے۔ جو کسی اور شہید کے لئے نہیں ہوا (بابی انت و امی) حضرت قاسم بہت صبیح و ملیح تھے۔ جس وقت روانہ رزم گاہ ہوئے ہیں اس تن نازک پر صرف ایک قبائے عربی پہنے ہوئے اور ایک جوتی کا تسمہ بھی کٹا ہوا تھا جب لشکر عمر سعد لعین کے سامنے پہنچے ہیں لَمْ یَقْطَنْ بِهٖ اَحَدٌ بوجہ صغر سنی کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ یہ بچہ جنگ کریگا۔ چونکہ آپ مرکز امامت سے قریب تر تھے۔ جوں ہی ایک خبیث نے آپ پر حملہ کیا۔ فوراً آپکے اسے فی النار کیا۔ تا اینکہ کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔ خود لشکر پر حملہ کیا اور چار صفوں کو درہم برہم کردیا۔

ربیع بن تمیم نامہ نگار مختار سے نقل کرتا ہے کہ چار جگہ میرا دل کڑھا۔ اور حزن ملال ہوا۔ منجملہ اُن کے ایک واقعہ قتلِ شاہزادہ قاسم بن حسنؑ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ خیمہ حسینی سے ایک نوجوان مثل ماہ شب چہاردہ باہر نکلا۔ اول کسی کو گمان نہ تھا کہ یہ بچہ لڑے گا۔ اور بہادروں کو قتل کرے گا۔ آخر میدان میں آیا۔ لشکر پر حملہ کیا۔ اور بہت بہادروں کو قتل کیا۔ میرے پاس سے گذرا میری زد پر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اسکو قتل کر دیتا۔ مگر ایسا حسین و صبیح المنظر تھا کہ مجھے رحم آگیا۔ اور میں نے اپنے دل میں کہا اے ربیع اگر تو اس بچے کو قتل کرے تو میرے ہاتھ کٹ جائیں وہ صفوں کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ اور چار صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ایک جوان ازدی میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ اگر اس بچے نے ہماری صف کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تو میں اس کی ماں کو اس کے سوگ میں بٹھاؤنگا حضرت قاسمؑ اس کی صف تک پہنچے وہ ملعون پیچھے سے آیا اور وہ کام کیا کہ شہزادے نے آواز بلند پکارا۔ یا عماہ ادرکنی۔

تمام مورخین متفق ہیں۔ کہ حضرت امام حسینؑ یہ آواز دردناک سنکر اس طرح دوڑے جس طرح باز شکار پر بیتابی سے گرتا ہے۔ جس وقت قریب شاہزادہ قاسم پہنچے دیکھا کہ وہ مظلوم پہلوئے راست پر پڑا ہوا ہے۔ اور وہ ملعون پاس کھڑا ہے۔ حضرت نے اس لعین ازدی پر حملہ کیا اور اس ملعون کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس نے اپنے لشکر کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ۔ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور امام پر حملہ آور ہوا۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ اور حضرت امام حسینؑ نے حملہ کیا اور تمام صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ لیکن جس وقت حفاظتِ جنازہ کیلئے واپس پہنچے تو دیکھا کہ بیکس دم توڑ رہا ہے۔ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ اور سواران ابن زیاد لعین نے لاش کو پامال کر دیا تھا۔ جس وقت آپ نے جنازہ کو اٹھایا۔ تو شاہزادے کا سر آپ کے سر کے مقابل تھا۔ اور پیر زمین پر لٹکے تھے۔ حضرت شاہزادہ قاسمؑ دس بارہ سال کے تھے۔ اس قدر دراز کہاں سے ہو گئے؟ زخموں سے جسم مبارک چور چور تھا۔ اور اعضاء کٹے ہوئے لٹک رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

موعظہ ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۔

حقیقت شہید

تمام تقریراتِ سابقہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک امام منجانب اللہ موجود ہے۔ اور ایک وصف اُس کا شہیدیت ہے کہ وہ تمام اشیاء پر حاضر ہے۔ اور تمام اعمال کو دیکھتا ہے۔ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ اور معنی شہید حاضر علی الشیء ہیں۔ اول شہید بالذات اللہ ہے۔ اور بعد ازاں پیغمبر شہید ہے۔ ثانیاً و بالتبع اور پھر امام اور شہیدیت بجسمیت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور الجسم عند کل شیء ممکن نہیں ورنہ حضور اشیاء عند الشہید ممکن ہے۔ بلکہ امام میں ایک قوت باطنیہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے وہ شہید ہے اور وہ قوت مثل قوت باصرہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ قوت ہے کہ خود قوت باصرہ اس میں سے ہے۔ اور قوت باصرہ اسکی شعاعوں میں سے ایک شعاع ہے۔ اور اس کی تعریف ممکن نہیں۔ مگر وصف سے اسکی معرفت ہو سکتی ہے۔

جس شے کے ادراک سے انسان عاجز ہو۔ اس کو چاہیئے کہ خود اپنے نفس میں نظر کرکے اور اس کی مثل اس میں تلاش کرے۔ کیونکہ خدا نے ہر ایک شے کا نمونہ نفس انسانی میں پیدا کر دیا ہے۔ فقال عز و جل وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔ غور کرنا چاہیئے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور خواب میں کہیں چلا جاتا ہے۔ اور سیر کرتا ہے تو اس حالت میں بھی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔

پس کون قوت اور کونسی شے اس وقت دیکھتی ہے؟ چشم تو ۔ وہ تو اندر خواب ہے پھر موجود ہے اور بند ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کے ساتھ ہے۔ پس وہ در اصل حقیقت انسانیہ ہے کہ اس میں قوت سامعہ بھی ہے۔ باصرہ بھی ہے۔ حس بھی ہے۔ لمس بھی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور تمام اعضا اسی کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جب قوت باقی نہ رہی تو یہ تمام اعضا بیکار ہو جاتے ہیں۔ صفات خدائی دو قسم پر ہیں۔ ایک صفت ذاتیہ جن کے مقابل کوئی ضد نہیں ہے۔ دوم صفات فعلیہ جن کے مقابل ضد ہے۔ لیکن قسم اول صفات الٰہی عین ذات ہیں۔ پس خدا بذاتہ خود دیکھتا ہے۔ سنتا ہے، جانتا ہے۔ محتاج آلات نہیں ہے۔ اسیطرح انسان تمام افعال اپنے جیسے بولنے سننے اور دیکھنے کے حقیقت انسانیہ کرتا ہے۔ جب یہ قوت آنکھ سے نکل جا

ہوتی ہے تو دیکھتا ہے۔ جب کان سے ظاہر ہوتی ہے تو سنتا ہے۔ پس حقیقت تمام قوی کی حقیقت انسانیہ ہے۔ اور سب اسی میں موجود ہیں اور آلات اس کے محتاج ہیں نہ کہ وہ آلات کا محتاج ہے۔ صرف عالم جسمانی میں ان آلات سے اس قوت کا ظہور ہوتا ہے۔

پس جس طرح قوت انسانیہ جب جسم انسانی سے طالع ہوتی ہے۔ اشیاء کو دیکھنے لگتا ہے اسی طرح جب قوت الہیہ چشم نبی اور امام سے ظاہر ہوتی ہے تمام اشیاء کو دیکھتا ہے۔ یعنی تمام عوالم مکانیہ کو۔ اور کان سے ظاہر ہوتی ہے تو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ اسیطرح دوسری قوتیں۔ پس قوت نبی ذاتی و بالذات پیغمبر نہیں ہے۔ بلکہ قوت الہی ہے جو عطا ہوئی ہے۔ اور وہ قوت احاطی ہے۔ جو تمام اشیاء پر احاطہ رکھتی ہے۔

دفع شبہ و توضیح مطلب

اس مطلب کی اور توضیح کیجاتی ہے تاکہ یہ شبہ واقع نہ ہو جائے کہ پیغمبر عین ذات خدا ہے۔ معلوم رہے کہ اسمائے حسنیٰ الہی بہت ہیں مثل القابض۔ الباسط۔ العلیم۔ السمیع البصیر۔ الحفیظ وغیرہ وغیرہ۔ پس اسم القابض سے خدا نے ایک مخلوق کو ایجاد کیا ہے۔ کہ اس کا شغل اور کام قبض کرنا اور لینا ہے جو کچھ قبض کرتا ہے وہ قبض کرتا ہے مظہر اسکا عزرائیل ملک الموت ہے چنانچہ ایک جگہ خدا قبض کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا۔ اللہ قبض کرتا ہے جانوں کو مرنیکے وقت اور جو نہیں مرے ہیں ان کو سونیکے وقت دوسری جگہ فرشتے کیطرف نسبت دیتا ہے۔ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ قبض کرتا ہے تمکو وہ فرشتہ جو تم پر موکل کیا گیا ہے۔ بظاہر دونوں آیتیں ایک دوسرے کی منافی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قابض حقیقی خدا ہے اور اس نے مقام قابضیت سے ایک موجود ایجاد کیا ہے جس کا شغل قبض کرنا ہے اور فعل قبض الہی اس سے صادر ہوتا ہے۔ اور وہ مظہر اسم القابض ہے یعنی حضرت عزرائیل ؛

اور مظہر اسم الباسط میکائیل ہے فعل تقسیم ارزاق وغیرہ اس سے صادر ہوتا ہے اور مظہر اسم العلیم اسرافیل ہے اور مظہر الحفیظ جبرئیل کہ امین وحی و حافظ اسرار ہے۔ لیکن خدا کا ایک نام ایسا ہے کہ تمام اسماء کو جامع و حاوی ہے اور جملہ اسمائے حسنیٰ اسکے ماتحت ہیں۔ اور وہ اسم اللہ ہے یعنی جامع جمیع صفات کمالیہ۔ اسکے لئے ایک مخلوق کو خلق کیا ہے اور وہ وجود محمدی ہے پس جسطرح اسم اللہ جمیع اسماء کو جامع و حاوی ہے اور تمام اسماء اس کے تحت میں ہیں اسیطرح مظہر اسم اللہ تمام مظاہر کو حاوی ہے اور جملہ مظاہر اسکے تحت میں ہیں۔ القابض اسکے تحت ہے الباسط اسکے تحت ہے العلیم اسکے تحت ہے الحفیظ اسکے تحت میں ہے۔ عزرائیل و میکائیل و اسرافیل و جبرئیل تمام مظاہر قدرت اسکے تحت و کو دست ہیں۔ وہ مظہر کامل الہی ہے پس اسکے افعال افعال الہیہ ہیں اسکا دیکھنا خدا کا دیکھنا

ہے۔ اسکا منشا خدا کا منشا۔ اسکا لینا اور قبض کرنا خدا کا قبض کرنا ہے چنانچہ آیات سابقہ میں اسکی تفصیل کی گئی۔ یہ تمام توضیح و تشریح معنی تمہید کیلئے تھی۔ یہ وجود جو مظہر جمیع صفات کمالیہ الٰہیہ ہے شہید علی الخلق ہے اور کوئی شئے اس سے پوشیدہ نہیں۔ بقوت الٰہی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور تمام موجودات اس ایک مظہر اللہ کے متعلق ہیں وہ صرف ایک قوت باطنیہ ہے جو اس کے وجود میں ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

مظہر اسم القاہر

مظہر اسم القاہر بھی تحت مظہر جمیع صفات کمالیہ ہے پس اسکا ظہور کس سے ہوتا ہے۔ درانحالیکہ وجود بھی جو مظہر جامع ہے رحمۃ للعالمین ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ۔ خدا انہیں عذاب نہیں کریگا جب تک تو ان میں ہے۔ کیونکہ رحمت محضہ ہے پس رحمت و قہاریت کیونکر جمع ہو گی۔ حالانکہ وہ مومنین و کافرین سب کیلئے رحمت ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ؛

جواب اس کا یہ ہے کہ خداوند عالم باوجودیکہ خیر محض اور رحمت مطلقہ ہے۔ مگر قہار بھی ہے لیکن ظہور قہاریت بعد رحمت رحمانیہ ہے۔ وَسَبَقَتْ رَحْمَتُهٗ غَضَبَهٗ۔ جب مقام رحمت کامل ہو جائے اور پھر کفرانِ نعمت ظاہر ہو تو قہاریت ظہور میں آتی ہے۔ پس بعد اظہار رحمت رحمۃ للعالمین واتمام رحمانیت قہاریت ظاہر ہو گی اور وہ وجودِ مہدی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے پس قہاریت اس کے وجود سے ظاہر ہو گی۔ کہ وہ اسکی اولاد سے اور جزو محمدی ہے۔ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے۔ لَوْلَا السَّیْفُ بِیَدِہٖ لَاَفْتَی الْفُقَهَاءُ بِقَتْلِہٖ اگر تلوار اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ تو فقہا اس کے قتل کا فتوے دیکر قتل کرا دیں۔ مگر وہ تلوار کے ساتھ خروج کریگا۔

خدا نے بانواع واقسام رحمت و رحمانیت اتمام حجت کر دیا۔ اب وقتِ قہاریت ہے۔ تاکہ منکران نعمت و کافران نعمت کو قتل کر کے زمین کو عدل و داد سے پر کر دے۔ یَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا بَعْدَ مَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا۔ پس ظہورِ قہاریت بھی وجود ذی جود محمد مصطفےٰ ہی سے ہو گا۔ کیونکہ مہدی آخر الزمان انہی کی اولاد سے ہیں۔ اور اولاد جزو انسان ہوتی ہے اور اس کا فعل فعلِ پدر۔

ایک دن آئیگا کہ خدا اپنے اس وعدے کو مہدی کے ہاتھ پر پورا کرے۔ جو اپنے پیغمبر سے کیا ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّہٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اور یہ وعدہ پیغمبر کے سامنے ظہور پذیر ہو گا۔ اور پیغمبر بچشم خود دیکھیں گے۔ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ۔ پیغمبر کو حکم ہے کہ دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے وہ وعدہ دکھا۔ وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ۔ پھر فرمایا ہے جو وعدہ ہم نے ان کے لئے کیا ہے ہم تجھے انکے

دینے پر قادر ہیں۔ اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ تحقیق کہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے۔ وہ ضرور تجھ کو لوٹانے والا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ پیغمبر اُس وقت موجود ہونگے اور خود تمام ادیان پر غلبۂ اسلام کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

" یہاں سے مسئلہ رجعت بھی بالصراحت ثابت ہے۔ کہ پیغمبر پھر زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

بحیثیت تنزیل دین کامل ہوچکا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا مگر من حیث الغلبہ کامل نہیں ہوا۔ شرک و کفر و نفاق ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ کفر غالب ہے۔ حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں دین من حیث الغلبہ کامل ہوگا۔ اور ایسا غلبہ ہوگا۔ کہ دین باطل بالطبع بھی نہ رہیگا۔ ورنہ منافقیت دنیا سے بالکل معدوم ہو جائے گی۔ جیسا کہ لِیُظْهِرَهٗ سے ظاہر ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ پس اس دن فطری ظاہر و غالب ہوگا۔ اور وہ زمانہ زمانِ ظہور مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ کا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام عوالم پر مبعوث ہوئے ہیں اور سب پر نذیر ہیں تمام عوالم ماسوا اللہ تحت نذارت پیغمبر ہیں۔ پس ظہور مہدی بھی تمام کرات پر ہوگا۔ یعنی علاوہ زمین کے زہرہ و مریخ و مشتری و زحل سب ایک ہو جائیں گے۔ اور اُن کے رہنے والے ایک دوسرے سے معاشرت کرینگے اور تمام عوالم پر دین اسلام غالب ہوگا اللّٰھُمَّ عجل فرجہ و سھل مخرجہ

سوال:۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جب دین فطرت انسان ہے اور انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اور خدا فرماتا ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ خلق الٰہی میں تبدیلی نہیں ہے۔ پھر یہ بے دین کہاں سے پیدا ہو گئے۔ اور کیونکر خلقت میں تبدیلی واقع ہو گئی کہ دین فطری کو چھوڑ دیا اور فطرت کے کیا معنی ہیں؟

جواب " الفطرۃ ایجاد الشیء وابداعہ علی ھیئۃ مخصوصۃ بفعل من الافعال " یعنی فطرت کسی چیز کا ایک ہیئت خاص پر پیدا کرنا ہے جو کسی فعل سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس آیۂ مجیدہ " فطرۃ اللّٰہ التی " الخ میں اس قوت معرفت دین و ایمان کی طرف اشارہ ہے جو وجود انسان میں مرکوز ہے۔ اور توضیح اس کی آیۂ ذیل میں ہے " خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ "۔ اللہ نے تجھے خلق کیا پھر تیرا تسویہ کیا۔ اور پھر تعدیل کی۔ اور پھر جس

صورت میں جوڑا ترکیب دیا۔ خلق کے معنے صورت بنانا ہیں۔ اور تسویہ کے معنے ہر عضو اور ہر شے کو اس کی مناسب جگہ رکھنا کہ وہاں سے بدل نہیں سکتے۔ جہاں آنکھ ہے وہیں آنکھ رہیگی جہاں کان ہیں وہیں کان رہینگے۔ جہاں ہاتھ ہیں وہیں ہاتھ رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ تعدیل کے معنے تعدیل قوائے وادخلاط ہے۔ کہ عناصر متضادہ وادخلاط متبائنہ میں ایک کیفیت امتزاجی اعتدالی پیدا کر دی ہے کہ اگر ان میں سے ایک غالب آجائے دوسری خلطوں پر۔ تو رفتہ رفتہ موت واقع ہو جائیگی۔ لہذا خلق الہی میں تبدیل ناممکن ہے۔

دراصل یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک تبدیل۔ دوم تغیر۔ تبدیل کا تعلق ذات وذاتیات سے ہے۔ اور تغیر کا تعلق اوصاف سے ہے۔ پس تبدیل ناممکن ہے اور تغیر ممکن ہے۔ مثلاً پانی اصل فطرت میں بالطبع سرد ہے۔ پھر آگ پر رکھکر اس کو گرم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوش کھاتا ہے۔ اور جسم کو جلا دیتا ہے۔ مگر اصل فطرت میں اس کی اب بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اب بھی بالطبع سرد ہی ہے۔ اس کے اوصاف میں تغیر واقع ہوا ہے۔ بسبب ایک قوت خارجی یعنی آتش کے سبب سے جس وقت یہ قوت خارجی برطرف ہو جائیگی پھر اسی اصلی حالت وفطرت اولی پر عود کر آئیگا پس اسیطرح دین فطرت انسانی میں داخل ہے اور اس کی خلقت کے ساتھ ملا ہوا ہے کیونکہ دین کے معنی یجزی بہ الشیٔ ہے۔ ہر وہ چیز جس پر جزا مرتب ہو۔ اس لئے کہ لغت میں معنی دین جزا ہے اور اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم وہر ایک انسان جزا کا قائل ہے۔ مثلاً چوری بری ہے۔ جو اسکا مرتکب ہوگا۔ وہ مجرم سمجھا جائیگا۔ اور مستحق سزا ہوگا۔ سچائی اچھی ہے۔ عدل حسن ہے ظلم قبیح ہے جو کچھ معتقدات عقلیہ ہیں۔ سب میں متفق ہیں۔ اور اس لئے اگرچہ وہ کسی مذہب کے بھی پابند نہوں۔ مگر ایک قانون معاشرت رکھتے ہیں کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو مستوجب سزا ہو۔ اور یہی معنی دین ہیں (الدین کل ما یجزی بہ) لیکن تغیر جو واقع ہوا ہے وہ اس امر میں ہے کہ وہ اگرچہ قانون معاشرت رکھتے ہیں۔ مگر قانون الہی نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے۔ ورنہ اصل دین کے سب قائل و پابند ہیں۔ یعنی قانون معاشرت رکھتے ہیں جسپر سزا و جزا مرتب ہوتی ہے۔ اور یہ تغیر مقام تعلیم و تربیت میں واقع ہوا ہے۔ نہ خلقت اولیہ میں مربین ومعلمین کی تعلیم و تربیت سے وہ اصل قانون الہی سے منکر یا اس کے تارک بھی ہو گئے ہیں۔

وضع الہی دو ہیں وضع اولی اور وہ خلقت اولی و تکوین ہے اور وضع ثانوی مقام تعلیم و ترتیب و تکلیف ہے پس وضع اولی جو خلقت و ترکیب عناصر ہے۔ اسمیں تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی ہے۔ بالنظر قائل دین بلکہ وضع ثانوی مقام تربیت و تعلیم تکلیف میں تغیر واقع ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث

شریف - کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ وَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ ہر ایک بچہ فطرتِ الٰہی و فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے - اس کے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں پس خلقت اولی و وضع اولی میں سب مساوی ہیں - اور تمام دین پر مخلوق ہوتے ہیں - اور دین ان کی فطرت میں داخل ہے - وضع ثانوی میں جو مقام تربیت ہے تغیر واقع ہوتا ہے کہ والدین جو مربی اول ہیں اپنی تربیت و تعلیم و عقائد باطلہ سے بچہ کو خراب کر دیتے ہیں پس مقام خلقت قابل تبدیل نہیں اور خلقت خیر ہے کیونکہ خدا خیر محض ہے - وَالْخَیْرُ لَا یَصْدُرُ مِنْہُ اِلَّا الْخَیْرُ - اس نے کسی شر کو خلق نہیں کیا - شر مخلوق و مجعول بالعرض ہے - فتدبر وتفہم -

شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ہے

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ شفاعت دو قسم پر ہے - ایک شفاعت بالاذن ہے - اور ایک شفاعت بالملکیت کہ شفاعتِ مطلقہ کا یہ ہے یہ شفاعتِ مطلقہ محض تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی ورنہ اگر ایسا ہو - تو تمام انبیاء علیہم السلام جو معلم قوم ہوئے ہیں - مالک شفاعت مطلقہ ہوتے - مگر ایسا نہیں ہے - مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ - بجز اذن خدا اس کے پاس کوئی شفاعت نہیں کر سکتا - مالک شفاعت صرف وہی ہے - جنھوں نے عہد شفاعت لے لیا ہے - اور وہ جبتک اپنی شفاعت سے فارغ نہ ہو لینگے دوسروں کو اذنِ شفاعت نہ دیا جائیگا - اور وہ محمد و آلِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں - پس شفاعت مطلقہ کیلئے صرف تعلیم کافی نہیں - بلکہ تربیت بھی شامل ہے - یعنی شفیع مطلق وہ ہے جو معلم بھی ہے اور مربی نوع بشر بھی ہے - تربیت انسانی میں شریک ہے کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ - اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِہٖ (یونس) بتحقیق کہ تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے - پھر وہ اپنی تدبیر سے عرش علم تقدیری پر غالب آیا - وہی تدبیر امور کرنے والا ہے - کوئی شخص اس تدبیر میں اسکا شریک نہیں ہے - مگر اسکی اجازت کے بعد - پس جو لوگ بعد اذن خدا پہلے سے تدبیر و تربیت میں شریک ہیں - وہی خدا سے عہد لے چکے - وہ تربیت میں شریک ہیں - پس وہ معلم بھی ہیں اور مربی بھی - اس واسطے شرکت ملکیت کہتے ہیں اور مالک شفاعت ہیں - لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا - یہ مالکانِ شفاعت و عہد شفاعت و مربی و مدبر نفوس وہی بزرگوار ہیں جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھے - اور ان کی خلقت ان کے سامنے واقع ہوئی ہے - قَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَھُمْ

لکم عدو۔ بئس للظالمین بدلا ما اشهدتهم خلق السموات والارض ولا خلق انفسهم وما کنت متخذ المضلین عضدا۔ یعنی کیا تم شیطان اور اُس کی ذریت کو میرے سوا اولیا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالمین نے یہ بہت برا عوض اختیار کیا ہے۔ حالانکہ میں نے نہ ان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا اور نہ اُن کے نفسوں کی خلقت کے وقت۔ اور گمراہ کنندگان کو اپنا بازو نہیں بنانے والا ہوں۔ پس آیت سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جن کو خدا نے وقت خلقت زمین و آسمان حاضر کر لیا تھا۔ انسان کا وجود زمین و آسمان سے مقدم ہے۔ زمین و آسمان اور خود ان کی خلقت نفسانی اُن کے سامنے واقع ہوئی ہے اور ایسے ہی اشخاص مستحق ولایت ہیں یعنی ولی وہ ہو سکتے ہیں جن کے سامنے تمام چیزوں کی خلقت ہوئی ہو۔ ورنہ وہ ہرگز اُن میں تصرف نہیں کر سکتے۔ آیۂ مجیدہ۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وهم راکعون صاف دال ہے کہ بعد خدا کے ولی رسولِ خدا اور علیؑ مرتضیٰ اور اس کی صفت سے متصف اشخاص ہیں۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جو قبل خلقتِ زمین و آسمان موجود تھے اور یہی شریک تربیت و تدبیر عالم اور "والمدبرات امرا" میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے حق شفیع مالک شفاعت کل ہیں مگر شفاعت نصیب اُس کا جو تحت تربیت و تعلیم محمدی ہو کر ان کی شفاعت حاصل کر سکے۔ ورنہ تربیت سے تو کوئی خارج ہو نہیں سکتا۔ اگر تعلیم سے خارج ہوا تو اُس کو اُن کی شفاعت نہ پہنچیگی (اذا تقطعت الحدود و زال الشفع) جب حدود جدا جدا ہو گئیں۔ اور یہ اشکال اُن کی حدود سے نکل گیا۔ پھر حق شفیع نہیں

عوالم سہ گانہ مخلوقات تین قسم کی ہیں۔ خلق نورانی۔ خلق نفسانی۔ خلق جسمانی۔ اول عالم عقول و ارواح ہے۔ دوم عالم نفوس۔ سوم عالم اجسام اور انسان تینوں مرحلے رکھتا ہے۔ خلق الازواج کلها مما تنبت الارض ومن انفسهم ومما لا یعلمون۔ تمام جوڑوں کو خدا نے زمین اور اُن کے نفوس اور ایک جز مستعد کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتے کیونکہ وہ فوق عالم نفوس و عالم اجسام ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کیلئے ایک واسطہ کی ضرورت ہے۔ پس وہ واسطہ جو عالم اجسام سے عالم نفوس میں پہنچاتا ہے ملک الموت ہے۔ اور جو عالم نفوس سے عالم ارواح میں لے جاتا ہے ملک اور وجود ہے۔ هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئا مذکورا۔ ضرور انسان پر ایک ایسا وقت عالم دہر کا بھی آیا ہے کہ وہ شے تھا مگر شے غیر مذکور شے معروف و مذکور نہ تھا۔

یہ عالم دھری ہو رہی ہے۔ یا وہ عالم نفوس کہا گیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ۔ اور جب صور پھونکا گیا تو تمام موجودات ارضی و سماوی بیہوش ہو گئیں۔ عالم ارواح سے متعلق
ہے کہ [illegible] عالم ارواح سے تعلق نہیں ہے وہاں صرف متعلق ہے۔ عالم ذات سے مشتق ہے کیونکہ
[illegible] کا عالم ارواح سے تعلق نہیں ہے وہاں صرف متعلق ہے۔ عالم ذات حقیقت وجودیہ محمدیہ ہے
جو قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھی کہ اس وقت وہ مرکز انوار ہے اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا سوائے
اس کے جس نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ "جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے
اپنے خدا کو بھی پہچان لیا ہے۔ عالم تدبیر و تمام تربیت عالم نفوس ہے اور سلسلۂ نزولی میں اول جو دنیا
میں آتا ہے زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا "خدا نے
تمہیں زمین سے اگایا ہے اور زمین عالم اجسام سے ہے یعنی عالم ارواح سے گذر کر عالم نفوس میں داخل
ہوتا ہے اور عالم نفوس سے عالم اجسام میں اور یہاں اس کا ظہور زمین سے ہوتا ہے وقت رجوع رجعت
قہقری ہوتی ہے یعنی وقت موت بواسطہ ملک الموت اس عالم اجسام عالم دنیا کو چھوڑ کر عالم نفوس
میں داخل ہوتا ہے اور پھر عالم نفوس و عالم برزخ سے بذریعہ ولی مدبر عالم ارواح میں داخل ہو جاتا
ہے اور یہ مقام عود ہے اور اسی کا نام عالم معاد ہے۔

پس مربی و مدبر وہ ہے جو ان تمام عوالم پر احاطہ رکھتا ہے اور شہید خلق وہی ہے جو
ان تمام عوالم پر شہید ہے اور وہ عترت اطہار ہیں اور وہ نہیں ہیں مگر ذریت ابراہیم محمد و آل محمد کہ اول
مَنْ اَسْلَمَ وَ اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ہیں۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ
قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور
یہی لوگ ذریت ابراہیم ہیں۔

سلسلۂ ذریت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہو کر ان کی ذریت میں حضرت خاتم
النبیین پر منتہی ہوا اور بعد آنحضرت ذریت ابراہیم کا سلسلہ ثانی کثرت سے جناب
امیر المومنین سے شروع ہوئی ہے۔ اور تمام نشانات نبوی حضرت علی سے ظاہر ہیں۔ قال سبحانہ
وتعالیٰ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ "اے پیغمبر ہم نے تمکو کوثر عطا کیا۔ اگر کوثر کے معنے دیے جائیں
یعنی کثرت اولاد تو ظاہر ہے کہ اولاد جناب رسول خدا کا سلسلہ جناب امیر المومنین ہی سے ہے۔ اور اگر
معنی اس کے لیے جائیں حوض کوثر [illegible] حوض کوثر [illegible] مسلم ہے کہ مالک کوثر پیغمبر ہیں اور
ساقی کوثر جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام [illegible] ہاتھ سے جاری ہوگی

الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (یہ کتاب ہمیشہ سینہ بسینہ آتی ہے اور موجود رہتی
رہی ہے اور بعد پیغمبر وارث پیغمبر ہی کتاب موجود ہے اور وہ ہی امام ہیں جن کا وجود ہر زمانہ میں
ضروری ہے وہ قبل خلقت زمین و آسمان موجود تھے اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ موجود ہیں اور بعد
فنائے خلق بھی موجود رہیں گے۔ کیونکہ انہی کے ساتھ حشر ہو گا۔ اسی واسطے حجۃ اللہ کی تعریف میں یہ
حدیث وارد ہوئی ہے " اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ مَعَ الْخَلْقِ بَعْدَ الْخَلْقِ " حجت
اللہ وہ ہے جو مخلوق سے پہلے بھی۔ ہاں ہر ساتھ بھی ہے اور بعد میں بھی موجود ہے۔ جس نے اس
امام کو پہچان لیا۔ اور ان کے قول پر عامل ہوا اس کے لیے حق شفاعت ثابت ہو گیا۔ اور جو
ان سے خارج ہو گیا ہے شفاعت سے خارج ہے " فَاِنَّهٗ اِذَا انقسمت لحن ود فلا تشفع "
ساقی کوثر علیؑ ہے اور سبیل اس کے ہاتھ پر جاری ہو گی۔ سلسلہ اولاد رسولؐ اسی سے ہے اور تمام
فیض نبوی اس کے ہاتھ پر جاری ہوتے ہیں اور باب علم نبوی وہ ہی ہے اور فیض علم اسی سے جاری
ہے۔ قال " اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا " وَقَالَ تَعَالیٰ " وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا "
گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ ان ابواب سے کون سے ابواب مراد ہیں؟ کیا یہی
لوگوں کے گھروں کے دروازے مقصود ہیں اور ان کی بابت خدا حکم دیتا ہے۔ کہ دروازوں سے
داخل ہوا کرو اگر ایسا ہے تو یہ حکم محض فضول۔ کیونکہ کوئی احمق بھی ایسا تو نہیں کرتا ہے کہ
اپنے گھروں میں دیوار پھاند کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ سب دروازوں ہی سے داخل ہوتے ہیں
اور دروازے اسی واسطے بنائے جاتے ہیں پس ان ابواب سے ابواب علوم نبوی مراد ہیں یعنی
علیؑ و اولاد علیؑ۔ کہ جس کو شہر علم نبی میں آنا اور فیوضات نبوی سے مستفیض ہونا ہو۔ تو وہ ان
ابواب علوم کے پاس آئے۔ اور ان سے علم حاصل کرے۔ کیونکہ فیض نبیؐ ان ہی کے ہاتھ سے
جاری ہوتا ہے۔ ساقیٔ کوثر یہ ہیں۔ شافع محشر یہ ہیں۔ اور علم نبی کے در یہ ہیں ؎

نبی است شہر علوم و علی بود در او
کسی کہ خاک در او نیست خاک بر سر او

علیؑ ساقی کوثر ہے قیامت میں اور دنیا میں مربی عالم کو وہ آب حیات کو تقسیم کرتا ہے۔ مگر
افسوس صد افسوس اس ساقی کوثر کے بچے پر ان ایام میں کیا گزری ہے۔ اور وہ کس حال میں
ہے۔ کمال تاسف ہے کہ غنی اور صاحب مال کو اس کے مال سے جدا اور محتاج کرتے ہیں۔ کن لوگوں
نے ایسا کیا؟ کافروں اور مشرکوں نے ایسا نہیں کیا۔ یہود و نصاریٰ نے نہیں۔ بلکہ انہی لوگوں نے

ساقیٔ کوثر کے فرزند پر پانی بند کیا۔ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اس کا باپ ساقیٔ کوثر ہے۔ اسی وجہ سے امام مظلوم کربلا میں بار بار یہ فرماتے اور ان ملاعین کو یاد دلاتے تھے کہ آیا مجھے جو تم پیاسا قتل کرتے ہو مجھے پہچانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ میں فرزند رسولؐ اور جگر گوشہ بتولؑ ہوں میرا باپ روز محشر ساقیٔ کوثر ہے۔ جو مومنین کو آب کوثر سے سیراب کرے گا۔ بابی انت و امی۔

آج ۹ محرم الحرام ہے چاہیئے کہ چند قطرے اشک بہا کر ساقیٔ کوثر سے آبحیات جاودانی حاصل کریں اور مستحق آب کوثر ہوں۔ واقعہ تشنگی روز عاشورا ایک امر عجیب اور ایک سخت غم اور قابل غور و فکر ہے۔ چھٹی تاریخ و ساتویں شب سے خاص محافظ لشکر ابن زیاد لعین کی طرف سے حفاظت نہر اور ممانعت آب کیلئے مقرر ہوئے اور چشمہ آب حیات فرزند ساقیٔ کوثر پر پانی کو بند کر دیا۔ اسی شب کو تیس شخص گئے اور پانی لائے۔ ساتویں کو خیمہ گاہ میں پانی تھا۔ شب ہشتم بریر ہمدانی بائیس آدمی لیکر گئے اور حضرت عباسؑ ہمراہ تھے۔ لڑ بھڑ کر پانی لائے اور تیس مشک پانی بھر لائے۔ لیکن آج کے دن یعنی نویں تاریخ کا دن تھا۔ اور شدت تشنگی کل تک تو لڑائی کا قطعی فیصلہ نہ ہوا تھا آج لڑائی کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ جنگ ہو گی۔ اور اسی روز تقریباً ۱۲ ہزار شامیوں کی اور مزید کمک عمر سعد لعین کو پہنچ گئی۔ اور بعض روایات کی رو سے شمر ذی الجوشن ملعون بھی اسی دن آ پہنچا اور ایک حکم خاص ابن زیاد کا عمر سعد کے نام لایا کہ یا بیعت لے یا امارت سے دست بردار ہو جا یا امام حسینؑ کو قتل کر۔ مصیبت شروع ہو گئی۔ پانی بھی ختم ہو گیا۔ آخر شب نہم اصحاب نے وضو کیا۔ اور لاش کے مشکیزہ میں اتنا پانی تھا کہ آپ نے غسل فرمایا۔ حضرت کو بھی شب عبادت کیلئے مہلت ملی۔ شیث بن ربعی ملعون نے کہا کہ اگر یہود و نصاریٰ اجازت طلب کرتے تو ہم دے دیتے۔ حضرت سکینہ پر شب عاشورا سخت تشنگی غالب ہوئی۔ قریب ایک تہائی رات گزری ہو گی کہ آپ خیمہ گاہ سے باہر نکل پڑیں اور خیمہ جناب عباس علیہ السلام میں تشریف لے گئیں پانی نہ پایا پھر خیمہ اصحاب میں گئیں وہاں بھی پانی نہ پایا مایوس ہو کر باہر نکل آئیں اور خیمہ کے دروازے پر باہر حیران کھڑی رہ گئیں۔ ایک شخص اصحاب امام میں سے جو قبیلہ بنی ہمدان سے تھا باہر نکلا اور دریافت کیا کون ہے؟ کہا میں سکینہ بنت الحسینؑ ہوں۔ عرض کیا رات کے وقت تم یہاں کیسے آئیں اور تمہارا کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کی تلاش میں آئی تھی۔ اس خیمہ سے دو خیموں کے فاصلے پر ایک خیمہ تھا۔ اس میں تمام انصار جمع تھے اس گفتگو کو بریر بن خضیر ہمدانی نے سن لیا۔ باہر نکل آئے۔ دریافت کیا۔ تم کون ہو؟ فرمایا سکینہ بنت الحسینؑ عرض کیا تم کیوں

کو نے لیکر دوڑے اور مشک پر گرنے لگے۔ معلوم نہیں ان بچوں کی تشنگی میں مشیت ایزدی کیا تھی کہ کسی بچہ کا ہاتھ مشک کے تسمہ پر لگا۔ اور تسمہ ٹوٹ کر مشک کھل گئی اور تمام پانی زمین پر بہ گیا۔ اور وہ اطفال خوردسال یا یوسانہ ایک دوسرے کا منہ تکتے پیاسے رہ گئے جس وقت حضرت ابی الفضل عباس نے یہ واقعہ دیکھا کہ بچے شدت تشنگی سے اپنے آپ کو اس تر زمین پر گرائے دیتے ہیں۔ جہاں پانی گرا تھا۔ بیتاب ہو گئے صبر نہ کر سکے۔ ساقی کوثر کے فرزند تھے۔ فوراً گھوڑا طلب کیا اور چالیس اصحاب کو ہمراہ لے کر بعازم نہر فرات ہوئے۔ اور گھاٹ پر پہنچکر تیس مشکیں پانی سے بھر لیں۔ عمر ابن حجاج ملعون نے پھر تیر اندازوں کو تیر برسانے کا حکم دیا۔ اور انہوں نے حضرت عباسؑ اور ان کے ہمراہیوں پر تیر برسانے شروع کر دئے۔ مگر حضرت عباسؑ پانی لے آئے اور شب عاشورا خیمہ گاہ میں پانی رہا۔ لکھا ہے کہ صبح کو اصحاب نے آخری غسل کیا۔

لیکن روز عاشورا آفتاب درجہ ششم میزان میں تھا۔ گرمی کی شدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ کہ قریب صبح کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوگا۔ کہ اطفال حسینی کی شدت تشنگی سے ایسی حالت ہو رہی تھی کہ اگر انسان بریر اور عمر سعد کے اور نیز حر ابن یزید ریاحی کے مکالمہ کو سنے تو دل پاش پاش ہو جائے۔

پہلے حملہ میں جب حضرت کے پچاس اصحاب درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے تو بریر عمر سعد کے پاس گئے۔ عمر نے خیال کیا۔ شاید بریر حسینؑ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آئے ہیں جب بریر خیمہ عمر سعد لعین میں داخل ہوئے تو آپ نے اس شقی ازلی کو سلام نہ کیا اور بیٹھ گئے اس نے کہا کہ اے بریر کیا تم مجھے مسلمان نہیں جانتے کہ سلام نہ کیا جو طریق اسلام ہے۔ بریر اس ملعون کا یہ کلام سنکر رونے لگے۔ اس شقی نے کہا کہ اے بریر تم روتے کیوں ہو؟ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا ہے۔ بریر نے جواب دیا کہ اے عمر میں اس لئے روتا ہوں کہ تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور دعوے مسلمانی کرتا ہے اور صاحب اسلام اور رسول خیر الانام کی اولاد شدت تشنگی سے بیتاب ہے اور ان کے نالہ و فریاد اور صدا اے العطش سے مابین زمین و آسمان پر ہے۔ لیکن بریر کی نصیحت آمیز تقریر نے اس لعین پر کچھ اثر نہ کیا اور حضرت بریر واپس چلے آئے۔ پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور اس عرصہ میں حرؑ لشکر ابن سعد سے نکل کر حضرتؑ کی طرف اور اذن جنگ لے کر میدان میں ستمگر لشکر کے مقابل ہو کر کہنے لگے۔ یا قوم

ثَكِلَتْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ: اے قوم تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں۔ تم نے یہ کیا غضب کیا ہے۔ اول خطوط لکھ کر اس برگزیدہ خدا کو بلایا۔ اور جب وہ آیا تو تم نے لشکر جمع کرنے شروع کر دیئے اور اس پر فوج کشی کی اور پانی تک اس پہ بند کر دیا۔ حالانکہ تمام جانوران صحرا پانی پیتے ہیں اور سگ و خوک اس میں لوٹتے ہیں۔ اور اولاد رسول تشنگی سے تڑپتا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میرے ہمراہ آؤ اور دیکھو کہ اطفال حسینؑ کا شدت تشنگی سے کیا حال ہے کہ اٹھتے ہیں اور زمین پہ گر پڑتے ہیں۔ یہ حالت شدتِ تشنگی تو قریب صبح تھی۔ مگر وقت ظہر ان بچوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ اور بوقتِ عصر ان پر کیا گذری ہوگی۔ اور کس طرح العطش العطش کی صدائیں بلند ہوں گی۔ نہیں نہیں عصر کے وقت سب سیراب ہو گئے تھے اور ایسے سیراب تھے کہ کوئی پیاس کو یاد بھی نہ کرتا تھا۔ اور نہ العطش العطش کہتا تھا۔ ہر طرف سے یہی صدا بلند تھی یا رسول اللہ آیئے اور دیکھئے کہ آپ کا فرزند اور آپ کی گود کا پالا ریگ گرم پر خاک و خون میں غلطاں بے سر پڑا ہوا ہے۔ اس وقت کوئی العطش نہ کہتا تھا۔ سب اپنا صدمہ بھول گئے تھے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ؂

باسمہ سبحانہ

نوٹ

اس حصہ میں ہم چاہتے تھے۔ کہ چند مواعظ ضرور درج کریں۔ لیکن چونکہ ایک تو طول کا خیال ہے دوسرے دیر کا اور مومنین خواہشمند ہیں کہ "مواعظ حسنہ" جلد شائع ہو اور نہایت بیتابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔ اس لئے بالفعل اس حصہ میں دو چیزوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ایک تفسیر آیہ قدر۔ دوسرے مجالس نور جو بے بہا جواہر اور بہت سے مواعظ نہیں بلکہ حقائق و معارف کی جان ہیں۔ یہ چار ابواب علم ہیں جن سے سینکڑوں ابواب علم منکشف ہوتے ہیں۔ یہ "البرہان" کے اوراق میں منتشر تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ اب مواعظ حسنہ کی لڑی میں منسلک ہو کر محفوظ ہو جائیں۔ اور مومنین ان سے مستفیض ہوں۔

ماہ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۱ھ میں جبکہ سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ کوئٹہ میں موسم گرما بسر کر رہے تھے جناب صاحبزادہ میر حسن دام علاہ نے جو ان اطراف کے فاضل ترین علماء اہل سنت والجماعۃ سے تھے۔ آیۂ مجیدہ "انا کل شیئی خلقناہ بقدر" کی تفسیر سرکار موصوف سے تحریرًا دریافت فرمائی اور جواب عربی ہی میں طلب کیا۔

علامہ قدس سرہ العزیز نے فورًا جواب تحریر فرما کر پیغامبر کے ہاتھ ارسال فرما دیا جس کو صاحبزادے صاحب نے بہت پسند فرمایا اور بے حد متاثر ہوئے بلکہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے۔ وہ جواب بجنسہ بعبارتہ مع ترجمہ ... وجود ہم کی خاطر اول رسالہ برہان

ہیں اور اب ان مواعظ کے ضمن میں پیش کیا جاتا ہے باسواد حضرات خصوصاً اہل ذوق اس سے بے حد محظوظ ہونگے اور بلا شبہ اس کو ارباب علم پائیں گے۔ قضا و قدر کے اہم ترین مسائل پر نمایاں روشنی پڑے گی اور بہترین نتائج اخذ ہوں گے۔

اس تواب کے آخر میں صاحبزادہ صاحب نے بھی ایک آیت کی تفسیر کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر آپ خاموش رہی۔

بعض حضرات ضرور یہ اعتراض کریں گے کہ عربی میں اس مضمون کو شائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کا اردو میں ترجمہ طبع کیا جاتا۔ جس سے عام مومنین مستفید ہوتے۔ یہ اُنکا اعتراض درست ہے لیکن :۔

اوّل ۔ تو یہ عبارت ترجمہ سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس کی مفصل شرح کی ضرورت ہے جس کے لئے ایک علیحدہ رسالہ بلکہ کتاب چاہیئے۔

دوم ۔ یہ مطالب عوام کے لئے اُردو کا لباس پہن کر بھی مفید نہیں ہو سکتے۔ لباس تبدیل ہونے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ جو اس کے سمجھنے کے اہل ہیں۔ وہ عربی ہی میں سمجھ سکتے ہیں۔

اسی تحریر میں چند مقامات پر سرکار علامہ کی طرف سے ـــــ کے نشان لگے ہوئے ہیں۔ جن سے مراد یہ ہے کہ یہاں استدلال میں شبہ رکھا گیا ہے۔ تاکہ اہل علم اس کو دریافت کرنے کی سعی فرمائیں اور حل کریں۔

مجالس نوری وہ تین مجلسیں ہیں جو آیۂ "نور اللہ نور السموات والارض" پر پٹیالہ میں جناب محترم فضائل مآب خلیفہ مولوی السید محمد ہاشم صاحب دام ظلہ کے دولتکدہ پر سرکار موصوف نے بتقریب میلاد حضرت سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵ - ۱۸ - ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ کو بیان فرمائی تھیں۔ اور جنکو جناب فضیلت انتساب قاری مولوی مفتی شیخ نبی بخش صاحب پٹیالوی فی الحال مشہدی زید فضلہ نے ترتیب دیا تھا۔ یہ مجالس عجیبہ و غریبہ مطالب عالیہ پر مشتمل ہیں۔ اور بے نظیر نکات قرآنی ان میں بیان کیے گئے ہیں۔ صد ہا ان ذوق بیسیوں مرتبہ ان کو پڑھ چکے ہیں۔ اور سیر نہیں ہوتے۔ ناظرین بھی بہت لطف اٹھائیں گے۔ یہ مجالس بر محل نوٹ کیے بغیر بعد اختتام مکان پر ترتیب دی گئی ہیں۔ اس لیے وہ تمام باتیں جو بیان کی گئیں حیطۂ ضبط و تحریر میں نہیں آسکی ہیں۔ پھر بھی

سننے کے وقت انسان محو حیرت ہوجاتا ہے۔ بلکہ بعض وقت حالت وجد طاری ہوجاتی ہے اور اس لئے بعد میں سینکڑوں باتیں فراموش ہوجاتی ہیں۔ ترتیب بھی بدل جاتی ہے تحریر و اسلوب میں بھی فرق آجاتا ہے۔ پھر اردو میں وہ زور عبارت بھی باقی نہیں رہتا جو اصل فارسی میں ہوتا ہے۔ اور یہ زبان ابھی مطالب عظیمہ کے ادا کرنے سے ایک حد تک قاصر بھی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ترتیب و ترکیب کا خاص اثر ہوتا ہے کیونکہ شئیت شئے صورت پر ہے نہ مادے پر۔ تاہم مولوی صاحب نے اصل ترتیب کو باقی رکھنے کی بہت کوشش کی ہے صرف بعض جگہ بضرورت بعض مطالب میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ لیکن بقول کسے ؎

دانہ خرمن ہے یہیں قطرہ ہے دریا ہم کو

ناظرین اسی ترتیب میں اصل حقیقت کا پتہ لگا سکتے ہیں اور گھر بیٹھے ان مجالس کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے خطبہ کے بعض الفاظ کو بعینہ اصل میں محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ مومنین ان جواہرات کو دیکھ کر مسرور ہوں۔

ہمارے بعض احباب کی دلی خواہش تھی جو بار بار تاکید کرتے تھے کہ میں اپنے طور سے ان مجالس کو ترتیب دوں۔ میں نے کچھ وعدہ بھی کر لیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ کم فرصتی اور علالت طبع نے اس کا موقع نہ دیا۔ حقیقتاً معذور رہا اور اس لئے امید ہے کہ وہ حضرات عذر معاف کریں گے۔ یہ مجالس پہلے رسالہ برہان میں شائع ہوئی تھیں۔ دوبارہ بعد نظر ثانی اس مجموعہ میں اور اب تیسری مرتبہ اس طبع ثانی میں شائع ہو رہی ہیں اور ان کا لطف اسی طرح تازہ و دلچسپ ہے اگر چہ ترتیب نہ ہو لیکن ان مجالس کے اندراج سے پہلے وہ تحریر سرکار اعلی اللہ مقامہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جو جناب ممدوح نے ایک عالم اہلسنت کے جواب میں گزشتہ سال تحریر فرمائی تھی۔ اہل علم کی ضیافت طبع کے لئے اس کو بجنسہ اصل عربی میں نقل کیا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

والسلام خیر ختام

السید محمد سبطین عفی عنہ

(السرسوی۔ المراد آبادی)

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم الله خير الاسماء الحسنى وله الحمد في الآخرة والاولى وسلام
على عباده الذين اصطفى وانبيائه سيدهم محمد المصطفى وآله وعترته
الذين هم صدور ايوان الاصطفاء وبعد سئلت ايّها الاعزّ الامجد الجليل
والفاضل النبيل اعني الصاحبزاده مير حسن دام علاه من آية من
كلام الله الملك الجليل الواردة في التنزيل اعوذ بالله السميع العليم
من الشيطان الرجيم "انّا كل شيء خلقناه بقدرٍ" فكتبت ما
وفقت من وجوه التفسير والتاويل بما اخذته وتلقيته من مهابط
الوحي ومعادن التنزيل ومعالم التاويل وحسبنا الله ونعم الوكيل

إنّا اصله انّنا لكن النون حذفت لكثرة النونات والمحذوفة النون
الثانية من انّ لانها التي تحذف في مواضع من القرآن منها قوله تعالى
"وان كل لما جميع لدينا محضرون" وقد جاء على الاصل كما في قوله تعالى
"انني معكما" والضمير المتصل اسمه وفي موضع النصب كل يجوز فيه الرفع
وان كانت الجماعة ظاهر القرأة على النصب وذلك انه من مواضع الابتداء
فهو كقولهم زيد ضربته والجملة وقعت في الاصل خبرا عن المبتداء فكأنه
يعني كل شيء خلقناه بقدرٍ ثم دخلت ان فنصب الاسم وبقي الخبر على
تركيبه ويجوز النصب لان تقديره انا خلقنا كل شيء والفعل مضمر بعده
وانما دل عليه فعل بعده حسن اضماره وعلى هذا يكون الفعل خبر ان و
فيه ان يوصف في خبر المبتداء ان يكون اسما لا فعلا لا جزاء منفردا وخبر ان واخواتها
كاخبار المبتدأ فالاول هو الاقوى والمعنى على كلا الوجهين متقاربة و

واعراب الباقی لایحتاج الی التوضیح
والقدر بالسکون والتحرک المصدر من قولهم قدر یقدر قدرًا وَقدَرًا وهما لغتان وفی کتاب اللہ فسالت اودیة بقدرها وقدرها وعلی الموسع قدرہ وقدَرَہٗ وَمَا قدروا اللہ حق قدرہ وقدرہٗ
ومعنی القدر وقت المقدر للشی والمکان المقدر له ومنه قوله تعالیٰ "انا انزلنا فی لیلة القدر" والی قدر معلوم" فسالت اودیة بقدرها واذا انسب الی اللہ تعالیٰ فهو مقابل للقضاء وما سبق علیه القضاء وهو قوله تعالیٰ "فقضٰهن سبع سموات الی قوله تعالیٰ ذالک تقدیر العزیز العلیم۔
ومحصلا القدر قدران قدر علمی عزمی وقدر عینی فعلی فالاول عبارة عن وجود الاشیاء مقدرة مصورة بتشخصیاتها وجزئیاتها فی لوح المحو والاثبات۔ والثانی فهو عبارة عن وجودها فی موادها الخارجیة منفصله واحد بعد احد مرهونة باوقاتها وازمنتها وتوقفه عن موادها واستعدادها انها مسلسلة من غیر انقطاع کما قال تعالیٰ "وان تعدوا نعمة اللہ لاتحصوها" وقال تعالیٰ "وما ننزله الا بقدر معلوم" واشار الی القدر العلمی بقوله تعالیٰ "وکل شیٔ عنده بمقدار" "انا کل شیٔ خلقناه بقدر" واشار الی ان هذا الفعل القدر العلمی بقوله تعالیٰ بعده "وما امرنا الا واحدة کلمح بالبصر" و الحاصل ان هذه المسئلة راجعة الی مسئلة علم اللہ تعالیٰ بالاشیاء قبل ایجادها ووجودها فی عالم القضاء والقدر وملخصه ان القضاء عبارة عن وجود جمیع الموجودات بحقائقها الکلیة وصورها العقلیة فی العالم العقلی مرتبطة بالحق الاول موجودة فی صقع الهیة لاینبغی عدها من جملة العالم ویدل علیه کلمة "عند" فی قوله تعالیٰ "وان من شیٔ الا عندنا خزائنه" فالعالم کلها جوده ورحمة کما قال اللہ تعالیٰ "ورحمتی وسعت کل شیٔ" وخزائن جوده ورحمته یجب ان تکون قبل الجود والرحمة فلئن کانت تلک الخزائن من جملة جوده ای من مخلوقاته فلابد لها ایضًا خزائن

سابقة عليها فظهر ان خزائن الله ليست من جملة المصنوعات بل هي سرادقات
نوريته ولمعات جماليته وجلاليته وهو ايضا عرفي وحتمي والاول قوله
تعالى "وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه" والثاني قوله تعالى "كان على ربك
حتما مقضيا" وبين القضاء والقدر عموم وخصوص من وجه فصورة
الاجتماع الاية المتقدمة فقضاهن سبع سموات الى قوله تعالى ذلك
تقدير العزيز العليم. وللحكى صورة الافتراق قوله تعالى وما ننزله الا بقدر
معلوم وفيه اشارة الى المرتبة الاخيرة من التنزل فالمتنزل هو القدر
الفعلي الخارجي لكونه اخر المتنزلات والقدر المعلوم هو القدر العلمي هو سبب
القدر الخارجي كما دلت عليه الباء السببية فاذن اخيرة المراتب هي القدر
المتمحض الذي هو ليس لقضاء بعده كون التفصيل لحصول ذلك التغيير
في الوجود بعده وهو وجود الممكنات الزمانية الماديه في ازمنتها على التدريج
والتعاقب والتقضي والتجدد حسب الاستعدادات التدريجية المتعاقبة
الحصول في امتداد الزمان من تلقاء الاسباب المترتبة المتادية اليها والاخرى
صورتي الافتراق المرتبة القصوى الوجودية من القضاء الالهي بحسب تقرره
في حاق الاعيان يعني وجود الاشياء جميعا [illegible]
هي القضاء المحض الوجودي الذي ليس يتقدر بالنسبة الى قضاء وجودي
قبله واليه اشار بقوله تعالى "وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه" وكان نهجا
القضاء الالهي في القلم الاعلى اقدم اى اقدم الى التقدير ولا يمكن [illegible]
المرتبة الاخيرة من السلسلة النزولية الزمانية فقضاه من العبادة لان
عبادة الله ليست بتعينه هذه المقادير من تنزل لا قدامه ولا ليسعنا
الكلام بازيد مما قلنا فيه من رجعه الى [illegible] وبالجملة قد تحقق في محله
ان قدر هو قدر بمعنى ويدل عليه اللغة وقرأت القراء في قوله تعالى نحن
قدرنا بينكم الموت وقوله تعالى "قدرنا فنعم القادرون" مخففا ومشددا
وقال ابو العلى الجبائي في الكريمة الاولى تقدرنا وقدرنا بمعنى ويدل عليه
قوله ومفرهة عنس قدرت لساقها

والمعنى قدرت ضربي لساقها بعد اللتيا واللتي فالقدر والتقدير هو كميته الاشياء على وجه مخصوص وصور مخصوصة۔ فمعنى قوله تعالى انا كل شيء خلقناه بقدر اى خلقنا كل شيء خلقناه او نحن كل شيء خلقنا سواء كان في القدر العلمي او القدر الفعلي خلقناه مقدراً بمقدار يوجبه الحكمة لم نخلقه جزافاً ولا لعباً وتقدير الله اشياء على وجهين۔

الاول۔ بجعلها على مقدار ما تدعوا اليه الحكمة وايجادها حسب ما اقتضاها اما كاملا بالفعل كالعوالم العلوية واليه اشار بقوله تعالى في الكريمة المتقدمة "فقضهن سبع سموت واوحى في كل سماء امرها وزينا السماء الدنيا بمصابيح وحفظاً ذالك تقدير العزيز العليم" وايضاً قال تعالى "والقمر قدرناه منازل" وايضاً قال تعالى "والشمس تجري لمستقر لها ذالك تقدير العزيز العليم" او باصول مخصوصة وكمالها بالقوة ولا يتاتى منها غير ما قدره فيها كالمولدات التناسلية كما في قوله تعالى "خلق الارض في يومين وقدر فيها اقواتها" وايضاً قوله تعالى "من نطفة خلقه فقدره"۔

والثاني باعطاء القدرة بعد خلقها ليصح صدور الفعل اختياراً لا قسرا واليه اشار بقوله تعالى "الم نخلقكم من ماء مهين فجعلناه في قرار مكين الى قدر معلوم فقدرنا فنعم القادرون" وعليه يدل ايضاً قوله تعالى كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظوراً۔ وهذه الاية تنادي بان افعال العباد صادرة عنهم اختياراً لا قسراً كما زعمه مجوس هذه الامة يعني القدرية فانهم يقولون ان الشرور دات من الكفر والمعاصي صدرت بالقدر الخلقي الحتمي من الله تعالى والعباد مقهورون على فعلها قاتلهم الله انى يوفكون۔ كانهم لم يسمعوا الله عز وجل يقول ما ترى في خلق الرحمن من تفاوت اى اختلاف وتناقض من طريق الحكمة بل ترى افعاله كلها سواء في الحكمة وان كانت متفاوتة في الصور والهيأت يعني في خلق الاشياء على العموم والاية تدل

دلالة صريحة على ان الكفر والمعاصى والشرور ات لاتكون من خلق الله لكثرة التفاوت فى ذلك على خلاف الحكمة كما لا يخفى على اولى الالباب الذين يقولون "ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب" هذه عصة من الكثيرة وقطرة من الغدير مما حضر عندى من التعبير والتفسير نسقتها فى قلة المجال وتشتت البال وما انا اسئل جنابك عن قوله تعالى "وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمومنون وستردون الى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون" والتمس منك الجواب عما فيه وله وبه و عليه بفصل الخطاب. والحمد لله اولا واخرا واليه المرجع والمآب

حرره الاحقر الجانى عبد العلى الهروى
الطهرانى فى يوم الثانى والعشرين من
ذى الحجة الحرام سنة ۱۳۲۱ه

الیٰ قیام الساعۃ بکل لغات۔ تعالیٰ عزوجل (اعوذ باللہ السمیع البصیر من الشیطان الرجیم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

تعریف وتوصیف دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ ہے جو ہم بیان کر سکتے ہیں اور ایک وہ ہے جو ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے ہم نہیں بیان کر سکتے۔ فقال عزوجلّ قل لو کان البحر مدادًا لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمٰت ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا۔

تقسیم حرکت وثبوت قوت برقیہ در اجسام وثبوت

بہرحال یہ امر مشاہدات اور تجربیات سے ہے کہ جتنے مخلوقات سب میں ایک طرح کی حرکت پائی جاتی ہے جمادات، نباتات، حیوانات، انسان آفتاب، ماہتاب وغیرہ سب میں ایک طبعی اور فطری حرکت موجود ہے۔

حرکت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبعی و فطری۔ دوسری قسری اور جبری اور حرکت طبعی ہر شے کی مائل بہ ترقی ہے مائل بہ تنزل نہیں ہے پیغمبر ہے کہ ترقی کر کے زمین سے کئی کئی ہزار فٹ بلند ہو جاتا ہے! اشجار ہیں کہ سو سو گز اونچے چلے جاتے ہیں دیگر نباتات ہیں کہ اپنی حیثیت کے موافق زمین سے اونچی ہو جاتی ہیں اور یہ امر بھی مسلم اور مشاہدہ ہے کہ اجسام میں حرکت بسبب ایک حرارت کے ہوتی ہے اور جب جسم میں سے حرارت نکل جاتی ہے تو اس جسم کی حرکت بھی بند ہو جاتی ہے آج کل کے سائنسدان اس کو الیکٹریسٹی اور برق کہتے ہیں۔

ہر صاحب زبان ور علم کے نزدیک ہر زبان اور علم کی خاص خاص اصطلاحیں مقرر ہوتی ہیں کہ جب وہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہی شے سمجھی جاتی ہے مثلاً اہل ہند کے نزدیک پانی ایک لفظ ہے اور اہل عرب ماء اور اہل فارس آب اور انگریزی میں واٹر اور ترکی میں سُو کہتے ہیں پس ان مختلف زبانوں میں اس کے مختلف نام ہونے سے اس کی حقیقت میں فرق نہیں آتا اس کی حقیقت واقعیہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتی ہے صرف اس کے مجموعہ مکتوبی اور ملفوظی میں اختلاف ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی الیکٹریسٹی کو عربی زبان میں برق کہتے ہیں اور قرآن مجید و فرقان حمید میں اس کی حقیقت واقعیہ کو نور کہا گیا ہے اور اصطلاح شرع میں اس کو ملکوت فرمایا ہے۔

فقال عز وجل اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔ وَقَالَ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۔

پس اجسام واجرام کو حرکت ونشو ونما دینے والی کیا شے ہے؟ یہی نور اور ملکوت ہے جس کو برق کہتے ہیں۔ اور یہ امر مسلّمات اور مشاہدات سے ہے کہ ہر شے کی حرکت طبعی اس کے اپنے مرکز اور مجمع کی طرف ہوتی ہے اور یہ حرکت طبعی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کے ہمراہ حرکت قسری بھی شریک ہو جائے اسی پتھر کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر ایک انسان سینکڑوں گز اور اوپر پھینک سکتا ہے حالانکہ وہاں پر پتھر نے اپنی طبعی حالت کو ترک کر دیا ہے اور یہ بات بھی مسلمات اور بدیہیات سے ہے کہ جس شے میں قوت برقیہ اپنے ماتحت اجسام واجرام سے زیادہ ہوگی وہ شے اپنے ماتحتوں کا مرکز اور مجمع ہوگی اور چونکہ انسان مجمع ہے جمادات، نباتات اور حیوانات کا۔ اسلیئے انسان میں ان تمام انواع مخلوقات سے قوت برقیہ زیادہ ہے اور چونکہ قوت برقیہ ہی پر مدار ہے تجاذب اور تدافع کا یعنی جسقدر جس شے میں قوت برقیہ زیادہ ہوگی اسیقدر اور انداز سے اس میں قوت جذب اور قوت دفع بھی دوسروں سے زیادہ ہوگی پس اس قوت جذب اور قوت دفع کی جہت سے وہ شے اپنے جمیع انواع تحتانیہ کی مسخر اور حاکم مجمع اور مرکز ہوگی پس چونکہ انسان بہ نسبت جمادات نباتات اور حیوانات کے قوت برقیہ زیادہ ہے اسلئے انسان ان تمام جمادات نباتات اور حیوانات کا مجمع اور مرکز ہے اور چونکہ جمادات، نباتات، حیوانات اور خود انسان کی حرکت بھی عالم علوی کی جانب ہے جہاں کہ ان تمام انواع موجودات کا مجمع اور مرکز ہے اور جمادات، نباتات اور حیوانات کی ترقی طول فی عالم علوی تک نہیں پہنچ سکتی کیونکہ یہ سب براہ راست بدوسیلہ نور الانوار مبدء الدھور والاعصار تک ترقی کر کے نہیں پہنچ سکتے اسلئے ان کی ترقی عرضی ہوگی نہ طولانی اور وہ بھی اسقدر ہوگی کہ یہ سب اپنے مرکز اور مجمع تک جو انسان ہے پہنچ سکیں یہی وجہ ہے کہ پتھر عرضی ترقی کرتے کرتے یاقوت اور زمرد والماس ہو جاتا ہے کہ چنانچہ آپ کو اس درجہ تک پہنچا کر انسان تک پہنچا دے جو اس کا مجمع اور مرکز ہے پس جو ہر شے حرکت ترقی کرتے ہوتا ہوا جاتا ہے تو اب انسان خود بخود اس کو اپنے پاس کھینچ [illegible] ہے یا زیور بنا کر

پہنچ سکتی ہیں اور اللہ تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ بنی نوع انسان کا منبع خزانہ اور مرکز انبیاء اور رسول اور ان کے اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اسی طرح نبی اور نبی رسول اور رسولیت میں بھی فرق ہے جس نبی اور رسول بھیجے ہیں۔ کہ ان کی نورانیت بہ نسبت دوسرے انبیاء و مرسلین کے زیادہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

"تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجات"

پس آپ نبی کی نورانیت تمام انبیاء مرسلین سے زیادہ اور بڑھی ہوئی ہوگی۔ وہی تمام سب کی حرکت اور ترقی کی غایت و منتہا ہوگی یعنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ نورانیت اور قوت برقیہ صرف عالم

ثبوت قوت برقیہ در اجرام سماوی

سفلی زمینی ہی میں تمام موجودات میں منحصر نہیں ہے۔ عالم علوی کے اجرام و ستارہ کل میں بھی موجود ہے بلکہ عالم علوی کی موجودات میں یہ قوت برقیہ و ملکوتیہ عالم سفلی کے اجسام سے بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ آفتاب میں اس قدر نورانیت اور قوت برقیہ ہے کہ تمام عالم سفلی کو اس سے نور اور برق حاصل ہوتی ہے چنانچہ اسی نور و برقیت کی وجہ سے اس میں قوت جاذبہ و دافعہ بھی سب سے زیادہ ہے اسی واسطے حسب تحقیق حکماء اتنی بڑی زمین کو آفتاب اپنی قوت برقیہ نورانیہ کے ذریعہ سے حرکت دے رہا ہے۔

جس طرح عالم سفلی کی موجودات باعث اس قوت برقیہ کے جو ان میں موجود ہے سب [illegible] کی طرف حرکت کر رہی ہیں اسی طرح سے موجودات عالم علوی بھی [illegible] منبع کی طرف حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہیں۔

[illegible]

وہ قوت برقیہ جو تمام قوائے برقیہ نورانیہ کا خزانہ منبع اور مرکز ہے کیا شے ہے جس کی طرف کل عالم سفلی اور علوی کی موجودات حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہیں؟ پس وہی مبدأ نور ہے جو ارشاد فرماتا ہے "اللہ نور السموت والارض" اللہ ہے روشن کرنے والا اور قوت برقیہ دینے والا آسمانوں اور زمینوں کو پس تمام موجودات زمینی و سماوی ترقی کرکے اللہ کی طرف جانا چاہتی ہیں۔

کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ مجموعہ ممکنات حرکت کرتے کرتے ذات واجب الوجود سے جا ملیگا؟ نہیں اور ہرگز نہیں یہ محال ہے کہ ممکن کی رسائی ذات واجب الوجود تک ہو سکے کیونکہ وہ منتہائے تجرد میں ہے اور یہ منتہائے ترکیب میں وہ قدیم ہے اور یہ حادث پس دونوں آپس میں متضاد

پس ان کا اجتماع نہیں درمحال۔ اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر تو یہ ممکنات کرتے ہوئے کہاں تک پہنچیں گے
پس اس امر کے سمجھنے کیلئے آپ سلسلۂ نزولی مخلوقات کو بغور ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ
مجموعۂ ممکنات ترقی کرتے کرتے سلسلۂ صعودی میں کہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ مجموعۂ ممکنات وہیں تک
پہنچ سکتا ہے جہاں اس کا مرکز اور مجمع ہے۔ اس سے ایک بال برابر حرکت کرکے وہ نہیں جا سکتا۔ مجمع
ممکنات سدرۃ المنتہیٰ ہے اسی واسطے جبرئیل امین جیسا جلیل القدر ملک مقرب فرماتا ہے۔

اگر یکسر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

عنقریب سدرۃ المنتہیٰ کا بیان آئے گا۔ ممکنات کا سلسلۂ نزولی یہ ہے کہ سب سے پہلے
خلاق عوالم نے ایک نور خلق فرمایا ہے جو تمام انوار کا مصدر، مجمع، مخزن اور مرکز ہوا۔ اسی نور
سے تمام اشیاء ممکنہ کو نورانیت اور قوت برقیہ عطا ہوئی جس کی اس طرح ہے کہ پھر اس نور سے
ایک طین خلق فرمائی۔ اور اس طین سے متعدد اقسام کی طینتیں خلق فرمائیں۔ اور ان طینتوں سے نوع نوع
اقسام کے اجسام واجرام خلق فرمائے اور جب ان اجسام واجرام اور ہیاکل وصور کے قوالب
بن کر تیار ہو گئے تو پھر ان میں اسی نور اول کی شعاعوں کو جاری وساری فرمایا۔ جس طرح سے ایک
شہر میں پہلے خزانۂ برقیہ بنایا جاتا ہے بعد ازاں ہر کوچہ و بازار میں انواع واقسام کے قلوب اور
فانوس لگائے جاتے ہیں پس جب سب بن کر تیار ہو جاتے ہیں تو ایک مرتبہ اس خزانہ برقیہ سے
بقدر ضرورت برق چھوڑتے ہیں پس تمام فانوس اور سارے قلوب جو بنائے گئے ہیں ایکدم سے
روشن ہو جاتے ہیں:

پس اسی طرح سے بالتشبیہ تمام عوالم مخلوق علوی وسفلی کے قوالب جسمیہ اور ہیاکل نوعیہ
میں حضرت خلاق عوالم نے اس خزانۂ برقیہ اور نورانیہ سے شعاعیں داخل فرمائیں پس تمام
عوالم علوی وسفلی حرکت میں آئے اور روشن ہو گئے۔ قال عزوجل۔ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا
مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ
زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ

یعنی مثال اللہ کے نور کی (جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک کی
اصل حقیقت ہے) مثل اس مشکوۃ کے ہے جس میں مصباح ہے اور وہ مصباح ایسے شیشے کے اندر
ہے جو کوکب دری کی طرح روشن ہے اور منور ہے جو شجرۂ مبارکہ زیتونیہ سے روشن کیا جاتا ہے وہ

شجرۂ مبارکہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے بلکہ لامکانی ہوتی ہے جس کا روغن بغیر جلائے کے روشنی دیتا ہے پس محبوب کا جسم بھی نورانی ہے اور روح بھی نور ہے پس وہ محبوب نور علیٰ نور ہے اللھم صل علی محمد وآل محمد۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "اول ما خلق اللہ نوری ففتق نوری فخلق منہ السموات والارضین وانا واللہ اجل من السموات والارضین"

عن انس بن مالک قال بینا رسول اللہ صلی صلوٰۃ الفجر ثم استوی فی محرابہ کالبدر فی تمامہ فقلنا یا رسول اللہ ان رأیت ان تفسر لنا ھذہ الآیۃ قولہ تعالیٰ اُولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین فقال النبی اما النبیون فانا واما الصدیقون فعلی ابن ابی طالب اما الشھداء فعمی حمزۃ واما الصالحون فابنتی فاطمۃ وولداھا الحسن والحسین فنھض العباس من زاویۃ المسجد الی بین یدیہ وقال یا رسول اللہ الست انا وانت وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین من ینبوع واحد قال وما وراء ذلک یا عم قال لانک لم تذکرنی حین ذکرتھم ولم تشرفنی حین شرفتھم فقال رسول اللہ یا عماہ اما قولک انا وانت وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین من ینبوع واحد فصدقت ولکن خلقنا اللہ نحن حیث لا سماء مبنیۃ ولا ارض مدحیۃ ولا عرش ولا جنۃ ولا نار کنا نسبحہ حین لا تسبیح ونقدسہ حین

انس بن مالک صحابی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے ایک دن نماز صبح ادا فرمائی پھر محراب مسجد میں بدر کامل کی مانند جلوہ افروز ہوئے ہم نے عرض کیا کہ یا رسول خدا اگر آپ چاہیں تو ہمیں اس آیت کی تفسیر سنائیں۔ اولٰئک مع الذین (الخ) آپ نے اس کی تفسیر میں فرمایا لیکن انبیا تو مثلاً میں اور صدیقین تو جیسے علی ابن ابی طالب اور شہدا، میرے چچا حمزہ اور صالحین تو فاطمہ اور حسنین ؑ یہ سن کر عباس رض کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم سب ایک چشمہ سے نہیں ہیں؟ فرمایا تو اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو عرض کیا آپ نے جب ان کا ذکر فرمایا تو میرا ذکر نہیں کیا اور جب ان کا شرف بیان کیا تو میرا شرف بیان نہیں فرمایا آپ نے فرمایا اے چچا آپ کا یہ کہنا کہ ہم سب ایک ہی چشمہ سے ہیں تو یہ ٹھیک ہے لیکن ہمیں تو خدا نے اس وقت خلق فرمایا جبکہ نہ آسمان بنا تھا نہ زمین بچھی تھی نہ عرش تھا اور نہ جنت و نار ہم اس کی تسبیح کرتے تھے جبکہ کوئی تسبیح کرنے والا نہ تھا ہم اس کی تقدیس کرتے تھے جب کہ کوئی تقدیس کرنے والا نہ تھا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صنعت کو ظاہر فرمانا چاہا تو میرے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے عرش کو خلق

لا تقدیس فلما اراد اللہ بدو الصنعة
ففتق نوری فخلق منه العرش فنور العرش
من نوری۔ و نوری من نور اللہ و انا افضل
من العرش۔ ثم فتق نور علی و نور علی ابن
ابی طالب من نور اللہ فعلی افضل من
الملائکة و فتق نور ابنتی فاطمة فخلق
منه السموات والارض فنور السموات
والارض من نور ابنتی فاطمة و نور فاطمة
من نور اللہ و فاطمة افضل من السموات
والارض۔ ثم فتق نور الحسن فخلق منه
الشمس والقمر۔ فنور الشمس و القمر من
نور الحسن و نور الحسن من نور اللہ والحسن
افضل من الشمس والقمر ثم فتق نور الحسین
فخلق منه الجنة والحور العین فنور الجنة
والحور العین من نور الحسین و نور الحسین
من نور اللہ والحسین افضل من الجنة
والحور العین۔ ثم ان اللہ خلق الظلمات و
بالقدرة فارسلها فی سحائب البصر فقالت
الملائکة سبوح قدوس ربنا مذ عرفنا
هذه الاشباح ما رأینا سوءً فبحق
الا ما کشفت ما نزل بنا فهنالك
خلق اللہ تعالی قنادیل الرحمة و علقها
علی سرادق العرش فقالت
الهنا من هذه فضیلة و هذه الانوار

فرمایا پس نور عرش میرے نور سے ہے اور میرا
نور خدا کے نور سے اور میں عرش سے افضل ہوں
پھر نور علی کو شق کیا تو اس سے ملائکہ کو
خلق فرمایا پس نور ملائکہ نور علی سے ہے
اور نور علی نور خدا پس علی تمام ملائکہ سے افضل
ہے پھر میری بیٹی فاطمہ کے نور کو شق کیا تو اس
سے زمین و آسمان خلق فرمائے پس نور زمین و
آسمان نور فاطمہ سے ہے اور نور فاطمہ نور اللہ
تو فاطمہ زمین و آسمان سے افضل ہے پھر
نور حسن کو شق کیا اور اس سے شمس و قمر خلق فرمائے
پس نور آفتاب و ماہتاب نور حسن سے ہے۔
اور نور حسن نور اللہ اور حسن آفتاب و ماہتاب سے
افضل ہے پھر نور حسین کو شق فرمایا اور جنت و
حور عین کو خلق فرمایا پس نور جنت و حور عین نور
حسین سے ہے اور نور حسین نور خدا ہے۔ اور
حسین جنت و حور عین سے افضل ہے۔ پھر
خدائے پاک نے اپنی قدرت سے ظلمت کو خلق
فرمایا ظلمت اجزاء ابر سیاہ در سکوب دلوں کی صورت
میں اور سب کو دکھلایا تو فرشتوں نے کہا تو پاک و
پاکیزہ ہے ہمارے پروردگار جب سے ہم نے
ان انوار اور اشباح نور کو پہچانا ہے کبھی برائی
نہیں دیکھی اب تجھ کو انہی کی حرمت کا واسطہ
کہ تو اس تاریکی کی بلا کو ہم سے کھول اور دفع
کر اس وقت خداوند عالم نے اس نور سے قندیلیں
رحمت خلق فرمائے اور ان کو عرش سے معلق فرمایا

نقال ہذا نور امتی فاطمۃ الزہرآء فلذالک سمیت ہتی الزہرآء لان السمٰوات والارضین بنورہا زہرت وہی ابنۃ نبیی وزوجۃ وصیہ وحجتی علی خلقی اشہدکم یاملائکتی انی قد جعلت ثواب تسبیحکم وتقدیسکم لہذہ المرءۃ وشیعتہا الی یوم القیامۃ فعند ذٰلک نہض العباس الی علی ابن ابی طالب وقبل ما بین عینیہ

تو فرشتوں نے کہا اے ہمارے معبود یہ فضیلت کس کیلئے ہے اور یہ نور کن وجود کی ہیں فرمایا یہ میری کنیز خاص فاطمہ زہرا کا نور ہے اور اس کو اسی لئے زہرا کہا گیا ہے کہ اسکے نور سے زمین و آسمان روشن ہوگئے ہیں۔ وہ میرے نبی کی بیٹی ہے۔ وہ اسکے وصی اور میری حجت علیؑ کی زوجہ ہے! اے فرشتو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح و تقدیس کا ثواب قیامت تک کیلئے اس معظمہ عورت اور اس کے شیعوں کے لئے لکھ دیا ہے۔ اس وقت حضرت عباسؑ اُٹھے اور علیؑ کے پاس آئے اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا (سابع بحار) (مؤلف)

اور چونکہ تمام کونات علوی وسفلی کو نور اور قوت برقیہ اسی نور اقدم باعث ایجاد عالم صلعم کے نور سے حاصل ہے۔ اس لئے سب کے سب اسی اپنے مجمع و خزانہ اور مرکز کی طرف جو منتہائے نقی میں ہے۔ جانا چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کو قوت قاہرۂ خداوندی نے اجرام و ہیاکل اجسام میں اس طرح سے گرہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تو وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں جب وقت مختوم ان کا آجاتا ہے۔ تو بقدرت پروردگار اُنکے قوالب و ہیاکل خراب و فاسد ہو جاتے ہیں پس وہ نور اور قوت برقیہ اپنے فاسد فانوس سے نکل کر اسی اپنے مجمع اور مرکز سے جا ملتی ہے۔ جس طرح سے جب کوئی تار الیکٹریسٹی کا خراب ہو جاتا ہے تو اس کی قوت برقیہ اس سے واپس ہوکر اپنے خزانہ سے جا ملتی ہے۔

پس جس قدر عالم سفلی اور علوی میں اجسام و اجرام و ہیاکل و صور موجود ہیں۔ سب کے سب اسی اپنے مبدا اور مرکز کی طرف درجہ بدرجہ حرکت کر رہے ہیں۔ جمادات نباتات کی طرف نباتات حیوانات کی طرف اور یہ تمام انسان کی طرف۔ انسان انبیاء مرسلین کی طرف۔ انبیاء و مرسلین اس نور الانوار النبی المختار کی طرف جو کل عوالم کا مرکز ہے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی طرح زمین اپنے آفتاب کی طرف اور آفتاب و ماہتاب اور تمام سیارے اور ثوابت بری و مالا یرے مع اپنے نظام شمسی اور نظام قمری کے اسی مرکز نور مخزن نور مجمع ابرق کی طرف جو ان سب کا مصدر ہے۔ حرکت کر رہے ہیں۔

آپ خیال کرتے ہونگے کہ آفتاب صرف ایک ہی ہے اور بس۔ ایسا ہر گز نہیں ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ اما وراء شمسکم ھذہ تسعۃ وثلثون شمسا (عن السجام) یعنی تمہارے اِس آفتاب کے پیچھے انتالیس آفتاب اور بھی ہیں پس جو ہم کو نظر آتے ہیں اور جو نہیں نظر آتے وہ سب کے سب اسی اپنے مبدٔ کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ اور ان سب کو اُسی نور الانوار مبدٔ الدھور والاعصار کی شعاع نورانی حرکت دے رہی ہے۔ یا ایھا الانسان انک کادح الیٰ ربک کدحا فملاقیہ "! اے انسان تو اپنے مبدٔ کی طرف بڑی سعی اور جد و جہد کے ساتھ جا رہا ہے اور پھر اس سے ملاقاتی ہونے والا ہے۔ آفتاب باوجود اس کے کہ زمین سے (۲۲۸) گنا بڑا ہے۔ اور اس قدر اس کی نورانیت اور قوت برقیہ تیز ہے۔ کہ شاید یہ تیزی اور حدت اور کسی کرہ میں نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس قدر بزرگی اور نورانیت کے ایک چھوٹے سے انڈے کی تاریکی کو دور نہیں کر سکتا! آپ ایک چھوٹا سا انڈا لے کر دھوپ میں رکھدیں۔ تو آپ دیکھیں گے۔ کہ اس کا بھی زمین پر سایہ پڑ رہا ہے وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ آفتاب خود مجمع قوت برقیہ اور مرکز نور نہیں ہے۔ اگر آفتاب خود مرکز نور اور مجمع قوت برقیہ ہوتا تو یقیناً جس شے پر اپنی روشنی ڈالتا۔ وہ نورِ مجسّم ہو جاتی۔

کل اشیاء ممکنہ کے اجسام اور انوار ہیں اور ہر ممکن کا نور اس کے جسم پر زائد ہے۔ یعنی اس جسم کے علاوہ ہوتا ہے۔ پس ہر ممکن سے اس کا نور جدا ہے۔ عین جسم نہیں ہے۔ اسی واسطے ہر شے ممکن کا جسم اس کے نور سے علیحدہ دیکھا جاتا ہے۔ اسی آفتاب کو دیکھئے کہ اس کا جسم ایک کروی شکل کا ہے اور اس کا نور تمام اطراف میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

لیکن جو مجمع قوت برقیہ اور مرکز انوار ہے۔ اس کی یہ حالت اور کیفیت نہیں ہے اس کا نور عین جسم اور جسم عین نور ہے۔ وہ "روحٌ جسدٌ" اور جسدٌ روحٌ یعنی نور علےٰ نور ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسی واسطے اس کے جسم نورانی کا سایہ ہی نہیں تھا۔

سایہ ازاں زو نداشت سرو خرامان او . آمدہ ذات نبی سایۂ پروردگار

سخت دھوپ میں وجود محبوب کا سایہ معدوم ہو جاتا تھا

چنانچہ مورخین و مفسرین نے اس بات کو لکھا ہے کہ وجود ذی جودِ محبوب رب العالمین کا سایہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے تھے تو ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر رحمت سایہ فگن ہوتا تھا!

اسی بنا پر بعض اہل یورپ نے اعتراض کیا ہے۔ کہ جب وہ جناب دھوپ میں باہر نکلتے تھے تو ان کے پاس سر برابر کا ٹکڑا سایہ کئے رہتا تھا پس سایہ کیونکر ہوتا۔ سایہ تو اس وقت نمایاں ہوتا۔ جب ابر دھوپ کے وقت ان کے سر سے ٹل جاتا۔ اور آفتاب کی دھوپ ان پر پڑتی پس سایہ بھی نمایاں ہو جاتا۔

اصل یہ ہے کہ ہر وقت آپ کے سر مبارک پر ابر سایہ نہیں کئے رہتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابوجہل اور دیگر مشرکین ہر وقت کا یہ معجزہ دیکھ کر ضرور ایمان لاتے کہ جو شخص ایسا مقرب بارگاہ ہے کہ ہر وقت ابر رحمت اس کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے وہ ضرور پیغمبر ہے۔

بلکہ اصلیت اور حقیقت اس سایہ کی یہ ہے کہ جس شئے میں قوت برقیہ اور حرارت ہوتی ہے وہ اس شئے کی برودت اور حرارت کو سرد و منجمد کر دیتی ہے جس میں کم درجہ کی حرارت ہوتی ہے۔ آپ نے کبھی سردیوں میں ضرور اس امر کا مشاہدہ کیا ہو گا۔ کہ جب آپ کے منہ سے گرم ہوا نکلتی ہے تو پاس کی سرد ہوا منجمد ہو کر ابر کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے۔ کہ اس وقت آپ کے جسم میں بہ نسبت ہوا کے زیادہ قوت برقیہ موجود ہوتی ہے۔

پس وہ نور قدیم جو مبدء الانوار ہے اور اس میں کل مخلوقات اور موجودات سفلی و علوی سے قوت برقیہ نورانیہ زیادہ ہے جب کبھی دھوپ میں باہر تشریف لے جاتے اور آفتاب اپنی حدت اور تمازت دکھلاتا تھا تو اس وقت آپ بھی اپنی نورانیت کے آثار ظاہر فرماتے تھے پس آپ کے نور کی کثرت و حدت سے نور آفتاب سرد و ماند ہو جاتا تھا اور آپ کا نور ضوء آفتاب پر غالب آجاتا تھا۔ اور شعاعہائے نورانی بالائے سر بطور منتق نور دھوپ میں مثل ابر سفید دکھائی دیتی تھیں۔

اللھم صلے علی محمد و آل محمد پس یہ جو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے والشمس والقمر وسخر لکم اللیل والنھار (اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر اور رات اور دن کو بھی تمہارا ماتحت بنایا) تو اس لکم (تمہارے لئے) سے کل بنی نوع انسان حقیقتاً مقصود نہیں ہیں کیونکہ تسخیر کے لئے دو امر کا ہونا لازمی ہے اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو تسخیر حاصل نہیں ہو سکتی اول۔ اعطا۔ دوم حکم یعنے شئے مسخر ماتحت کو مسخر افسر اپنے پاس سے کچھ عطا

تسخیر الشمس و قمر — وجہ تسخیر اور کس کے مسخر ہیں

کرے۔ اور پھر اس پر حکومت بھی رکھتے ہوں تاکہ ان دونوں باتوں کی وجہ سے جس وقت اس کو کوئی حکم دے فوراً بجا لائے ہمارے نوکر اسی وقت تک ہمارے مسخر رہتے ہیں جب تک ہم ان کو کچھ دیتے رہتے ہیں۔ اور ہمارا حکم ان پر ہوتا ہے ورنہ دوسری صورت میں وہ ہرگز ہرگز مسخر و فرمانبردار نہیں رہتے پس کیا ہے کوئی جو آفتاب و ماہتاب اور زمین و آسمان کو اپنے آپ سے کچھ عطا کرتا ہے اور ان پر اسکی حکومت ہے؟ بدیہی ہے کہ مسخر کو مسخر صرف اشارہ کر دیتا ہے پس وہ بلا توقف اسکی اطاعت کرتا ہے اپنے نوکروں کو پکار کر کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی محض اشارے پر کام کرتے ہیں پس اگر آفتاب اور ماہتاب ہمارے مسخر ہیں جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے تو سردیوں میں ہم کیوں آفتاب کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ وہ کب نکلے اور ہم دھوپ سینکیں؟ اور گرمیوں میں کیوں اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جب ذرا اس کی حرارت اور تیزی کم ہو تو باہر نکلیں؟ سبحان اللہ خوب تسخیر ہے۔

ردت الشمس لہ ثم دنت من افق

ولئن صیرھا راکدۃ لم تغب

(اس کے لئے سورج لوٹایا گیا پھر افق سے نزدیک ہوا اور اگر وہ اس کو ٹھہرا دیتا۔ تو غروب نہ ہوتا) یعنی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ آفتاب و ماہتاب ان انوار الٰہیہ کے تابع اور مسخر ہیں جو ان کو اپنے پاس سے نور اور قوت برقیہ عطا کرتے ہیں۔ اور ان پر اپنی قوت برقیہ سے حکومت رکھتے ہیں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور جب چاہتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں

تقسیم انسان بلحاظ قوئے ظاہری و باطنی

انسان کی حقیقت میں بھی فرق ہے ایک انسان طبیعی ہے ایک انسان نفسی ہے اور ایک انسان عقلی ہے انسان طبیعی ہماری ظاہری صورتیں ہیں انسان نفسی صورت نفسانی ہے اور انسان عقلی صورت روحانی عقلانی بعبارت اُخرےٰ انسان طبیعی یہی صورت جسمانی ہے کہ اس کے ہر کام کیلئے علیحدہ علیحدہ اعضاء و جوارح ہوتے ہیں مثلاً دیکھنے کے لئے آنکھ سونگھنے کیلئے ناک سننے کے لئے کان چلنے پھرنے کے لئے پاؤں پس انسان طبیعی اپنے ایک عضو سے دوسرے اعضاء کا کام نہیں لے سکتا۔ مثلاً دیکھنے کا کام کان سے نہیں لے سکتا سونگھنے کا کام آنکھ سے نہیں لے سکتا۔ دیکھنے کا کام ناک سے نہیں لے سکتا وغیرہ پس انسان طبیعی کے ہاتھ پاؤں آنکھ، کان، ناک ہر اعضا جدا جدا ایک دوسرے سے متمیز و ممتاز ہیں۔ برخلاف اس کے انسان نفسی کے اعضاء و جوارح ہوتے ہیں لیکن ان میں تمایز و صنعی نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی خواب میں ضرور دیکھا ہوگا کہ آپ ایکدم سے ہزاروں میل کے

فاصلے پر پہنچ گئے ہیں اور تمام دنیا کے عجائبات دیکھ آئے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں، سنتے ہیں۔ دیکھتے ہیں، حالانکہ اپنی خوابگاہ میں پڑے ہوئے ہیں اور آپ کی آنکھ بند ہے اور آپ ہر ایک عضو کی طرف اشارہ حسی نہیں کر سکتے پس وہ کون ہے جو بغیر جسمانی پاؤں کے ہزاروں میل سیر کر آتا ہے اور بغیر جسمانی آنکھ کے تمام دنیا کے عجائبات اور غرائبات کا تماشہ دیکھتا ہے یہ وہی انسان نفسی ہے۔ اس سے بڑھ کر انسان عقلی ہے کہ اس کے اعضاء اور جوارح میں امتیاز ہی نہیں ہوتا وہ نور مجرد ہوتا ہے پس اسکو ہر شے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اُس کے لئے قرب و بعد مساوی ہوتے ہیں وہ سب پر محیط ہوتا ہے پس وہ اسی ایک نور سے دیکھتا ہے سُنتا ہے سونگھتا ہے کھاتا ہے پیتا ہے چھتا ہے، پھرتا ہے وہی نور اس کا سر ہوتا ہے، پاؤں ہوتا ہے ہاتھ ہوتا ہے آنکھ ہوتی ہے کان ہوتا ہے، ناک ہوتا ہے غرضیکہ اس کے تمام اعضاء و جوارح اسی نور کے ہوتے ہیں وہ نور علیٰ نور ہوتا ہے بعض افراد نوع انسانی انسان طبعی کا مرتبہ رکھتے ہیں بعض نفسی کا اور بعض انسان عقلی کا اور وہی کامل انسان ہیں چنانچہ مروی ہے کہ جب حالت نماز میں اصحاب حضرت سے پہلے رکوع میں چلے جاتے تو آپ اُنکو بطور ہدایت کے ارشاد فرماتے تھے "لاتسبقونی بالرکوع فانی اریٰکم من خلفی کما اریٰکم من قدامی" (مجھ سے رکوع میں سبقت نہ کرو کیونکہ میں پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے سے) پس آپ کا وجود انسان عقلی ہے اور کامل انسان اور انسان کامل مجمع اور مرکز ہے۔ تمام انوار عالم علوی و سفلی کا اسی واسطے اس کے ہر ہر بال اور ناخن میں کل عوالم کی قوت برقیہ نورانیہ موجود ہے پس وہ ہر وقت مکونات و موجودات عوالم علوی و سفلی کو دیکھتا رہتا ہے اور ان کی آوازوں کو سنتا ہے اسکو دیکھنے اور سُننے سے کوئی شے مانع اور حاجز نہیں ہوتی اسکو کل عوالم کے ساتھ مساوات کی نسبت ہے اس کے لئے قرب و بُعد عوالم معدوم ہیں تحت الثریٰ اور سمٰوات العلےٰ اور مقام دنیٰ فتدلیٰ سب کے ساتھ اسکو یکساں تعلق ہے کوئی شے اُس سے دور نہیں ہے وہ سب پر محیط ہے اسی واسطے محیط المحیط نے اسی کو کل عوالم نورانیہ و ظلمانیہ علویہ سفلیہ کا نذیر و بشیر بنایا ہے۔ تعالیٰ عزوجل "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا"۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ اس نورانیت اور برقیت کا اثر صرف اپنے ہی جسم میں محصور اور محدود نہیں تھا۔ بلکہ جو چیزیں اس مجمع برقیہ اور منبع نوریہ سے مس ہو جاتی تھیں ان میں بھی وہی نورانیت آجاتی تھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ جو شے آگ میں پڑ جاتی ہے۔ وہ بھی آگ ہی کی خاصیت پیدا کر لیتی ہے لوہے کو دیکھو کہ آگ میں پڑ کر

خود بھی آگ ہو جاتا ہے پس اسی طرح سے جو چیزیں آپ کے جسم مبارک سے مس ہو جاتی تھیں اُن میں بھی وہی نورانیت آجاتی تھی ۔ اسی سایہ پر دوبارہ غور کیجئے ۔ کہ جب حضرت ختمی مرتبت دھوپ میں تشریف لے جاتے تھے تو آپ کے لباس کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ بھی نور محض ہو جاتا تھا اونٹ کا چمڑا آپ کے پائے مبارک سے مس ہو کر کہاں پہنچا ہے اللہ اکبر

حقیقت سدرۃ المنتہیٰ

منتہائے ترقی اجسام و اجرام و حقائق و اعمال مخلوقات سفلی و علوی سدرۃ المنتہیٰ تک ہے جبرئیل امین سید الملائکہ سدرۃ المنتہیٰ سے ایک بال برابر اوپر نہ جا سکے ۔ لیکن وہ اونٹ کا چمڑا (نعلین شریف) مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچ گیا ! کیونکہ وہ بھی قرب و اتصال نور سے خاصیت نور پیدا کر چکا تھا بلکہ کہئے کہ نور محض ہو گیا تھا اور نور مطلق سے متصل تھا ۔ اللھم صلے علی محمد و آل محمد ۔ حقیقت سدرۃ المنتہیٰ بیر کا درخت نہیں ہے ۔ خداوند عالم نے ایک حقیقت روحانیہ کو افہام و تفہیم کے لئے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے جس طرح دوسرے مقام میں ارشاد فرماتا ہے " مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السما " سدرۃ المنتہیٰ اس مقام کا نام ہے جہاں اس خزانہ برقیۂ نوریہ ملکوت کل شئی کو مثل ایک بڑے درخت کی شاخوں کے اطراف کائنات و عوالم امکانیہ میں پھیلایا ہے یعنی اس نور سرمدی حقیقت احمدی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اشیاء عوالم کے حقائق و ملکوت کو جدا کیا ہے ۔ پس وہ حد امکان ہے اُس کے اوپر مقام واجب الوجود ہے پس جبرئیل جو ایک ممکن شے ہے کس طرح اپنی حد سے نکل کر حد واجب الوجود میں داخل ہو سکتا تھا ۔ یہ ممکن نہیں اس کیلئے محال تھا لیکن چونکہ اُس اونٹ کے چمڑے نے اس نور سرمدی سے اتصال پیدا کر لیا تھا ۔ جو حجاب اوپر وہ ہے درمیان امکان اور وجوب کے ۔ اس لئے وہ بھی حد واجب میں پہنچ گیا " دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ " یعنی وہ مطلق نور خزانہ برقیۂ عوالم امکانیہ مبدأ الانوار السید المختار اس قدر واجب الوجود کے قریب پہنچا کہ کمان امکان و کمان وجوب کے آپس میں ملنے سے ایک دائرہ کی شکل نمایاں ہوئی اور دونوں امر امکان اور وجوب کے وتروں کے مابین جو ایک موہومی فاصلہ تھا وہ بھی معدوم ہو گیا اور واجب بالغیر کے درجہ پر فائز ہوا ہے

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

" ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتہیٰ! بالتحقیق کہ محبوب نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ حالت نزولی میں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔ اس حالت نزولی میں محبوب کردگار نے جبرئیل امین کو سدرۃ المنتہیٰ پر کس طرح سے دیکھا؟ جبکہ نورانیت اور ملکوتیت کے نور جلال کبریائی بھی اس پر تاباں و درخشاں تھا پس اس نور الانوار مبدئ الدہور والاعصار النبی المختار نے اس حالت نورانیت اور برقیت میں اپنے جسم ظاہری جسمانی سے کل موجودات ممکنہ کے اجناس و انواع و افراد و اشخاص کے حقائق کو اس طرح دیکھا " مازاغ البصر وما طغیٰ " کہ ان کی چشم جسمانی کو خیرگی تک لاحق نہیں ہوئی اور نہ کوئی ذرہ ممکنات کا فراموش ہوا۔ کل افراد ممکنات کو علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمایا پس " مازاغ البصر وما طغیٰ " سے خداوند عالم نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جن کو خیال تھا یا ہے کہ معراج روحانی ہوئی یا جسمانی کیونکہ روحانی آنکھ کو بصیرت کہتے ہیں۔ نہ بصر۔ لفظ بصر جسمانی آنکھ کے لئے مخصوص ہے۔ فتدبروا لا تکن من الجاھدین

تعریف نور نبوۃ کلیہ اور اس کی توحید

بہرحال حقیقت نبوۃ کلیہ وہ نور ہے کہ جس کے سامنے کل انوار بے حقیقت ہیں۔ کیونکہ سب کی حقیقت تو وہ خود ہے۔ اس کے سامنے دوسرا کیا حقیقت پیدا کر سکتا ہے اور نور کی تعریف ہے " الظاھر لذاتہ والمظھر لغیرہٖ "۔ یعنی نور وہ ہے جو بذات خود تو روشن اور منور ہو اور دوسروں کو اپنے نور سے روشن اور منور کر دے۔ محققاً اور ثابت ہے کہ وہ محبوب رب العالمین بذات خود روشن اور منور نور علیٰ نور ہیں اور ان کے نور سے خدا نے کل مخلوقات علوی و سفلی کو منور اور روشن کر رکھا ہے۔

مظہر لغیرہ میں علاوہ ممکنات ذات واجب الوجود بھی ہے پس اس کو بھی آپ نے اپنے نور کلام سے مخلوقات پر ظاہر فرمایا ہے آپ سورۂ حشر کی آیات کو تلاوت فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو کہ کس فصاحت اور صراحت کے ساتھ آپ نے ذات واجب الوجود کی توحید ذاتی توحید صفاتی توحید افعالی اور توحید عبادتی کو بیان فرمایا ہے " ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وھو العزیز الحکیم ۔" دیگر انبیا علیہم السلام نے بھی توحید واجب الوجود کو بیان فرمایا ہے لیکن جو توحید آپ نے بیان فرمائی ہے وہ کچھ اور ہی ہے موجودہ توارت میں مذکور ہے کہ خداوند عالم کا جسم آسمانی رنگت کا ہے اور پاؤں نیلم کے سے ہیں اور اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور یعقوب سے نبوت کے معاملہ میں رات بھر کشتی لڑتا رہا یہ تو کہتے تھے کہ مجھے نبوت دیدے اور وہ نہیں مانتا تھا۔ اور طوفان نوحؑ بھیجکر سخت پشیمان ہوا۔

جناب موسیٰ کی توحید کو ملاحظہ فرمایئے کہ جب وہ بنی اسرائیل کو ہمراہ لیکر دریائے نیل عبور کرنے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ عقب سے فرعون بھی اپنا لشکر لئے ہوئے چلا آتا ہے پس موسیٰؑ سے کہنے لگے انا لمدرکون اے موسیٰ ہم گرفتار ہو جائیں گے پس جناب موسیٰ نے ان کی تسلّی اور تشفّی کی اور فرمایا ان معی ربی سیھدین بالتحقیق کہ میرے ہمراہ میرا رب ہے وہ میری راہنمائی کریگا جناب موسیٰؑ نے اپنے وجود کو اپنے رب سے مقدم رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ صرف میرے ساتھ ہے یعنی معیت قیومیہ ربیہ میرے ساتھ ہے تم کچھ اندیشہ مت کرو۔

اسی طرح کا واقعہ نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غار ثور میں پیش آیا پس آپ نے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا آپ نے اپنے وجود کو معبود کے وجود سے موخر فرمایا ہے اور اس کی معیت قیومیہ کو عام تبلایا ہے یعنی ہمارا وجود ذات واجب الوجود سے قائم ہے ہم بذات خود کچھ بھی نہیں پس وہ ہماری حفاظت کریگا اللہ ایک ایسا اسم ہے جو تمام صفات کا جامع ہے اسی واسطے اس کا تعلق خاص ذات واجب الوجود سے ہے اور رب عام ہے ہر مربّی کو رب کہہ سکتے ہیں اور اسی لئے اس کا تعلق نبوت سے بھی ہے کیونکہ نبی مربّی نوع انسان ہے اور خاتم مربّی جمیع انواع ہے بہرحال انبیاء و مرسلین علیہم السلام نور تھے یعنی ظاہر لذاتہ ومظہر لغیرہ لیکن انکی نورانیت محدود تھی جناب یونسؑ کی نسبت ارشاد ہوا ہے وارسلناہ الی مائۃ الف اویزیدون اور جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔ یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التورٰۃ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد مگر محمدؐ کی نورانیت کسی خاص فرقہ یا قوم کیلئے محدود نہیں ہے آپ کل عوالم علوی وسفلی بری و مائی بری سب کے روشن اور منور کرنے والے ہیں۔ آپنے ہر فرقہ مخلوقات کو اپنے نور علم وکتاب سے روشن اور منور فرمایا ہے۔ قال عز وجل۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً صاحب برکت وہ ذات جس نے اپنے عبد پر فرقان یعنی کتاب مفصل فارق حق و باطل نازل فرمائی ہے تاکہ وہ کل

عوالم کا بشیر و نذیر ہو صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پس حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نذیر کل ہیں اور انذار کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔ اول ان سب کا علم احاطی۔ دوم ان سب پر حکومت اور تصرف کلی۔ اگر منذر کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں ہیں تو وہ انذار نہیں کر سکے گا پس نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں کہ ان کو کل مخلوقات علوی و سفلی اور ہر فرقہ عوالم کا علم احاطی ہے اور سب پر حکومت کلی حاصل ہے۔ اور آپ کی کتاب وہ کتاب ہے کہ اس میں کل موجودات روحانی۔ نفسانی۔ نورانی ظلمانی علوی سفلی سب کا حال اور ان کی کمیات اور کیفیات حقائق اور دقائق سب موجود ہیں "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"۔

توراۃ مقدس کے متعلق فرمایا ہے۔ فیھا ھدی و نور یعنی توراۃ خود نور نہیں ہے بلکہ اس میں نور اور ہدایت ہے کیونکہ وہ بصورت لفظی مکتوبی نازل ہوئی ہے اور اصل نور وجود حقیقی ہوتا ہے جو علم ہے نہ کہ صورت مکتوبی و ملفوظی۔

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا۔ کیونکہ قرآن بصورت حقیقیہ نازل ہوا ہے نہ لفظیہ۔ لقد نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین۔ قاعدہ ہے کہ ہر شے اپنے اور مرکز کو اپنے قریب دیکھ کر نہایت بشاش بشاش۔ فرحاں و شاداں۔ روشن اور منور ہو جاتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب وہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم امکانیہ ایک خاص صورت محسوسہ میں اس عالم دنیا میں بہ زمین مکہ پر سترھویں یا بارھویں ربیع الاول روز جمعہ وقت صبح جلوہ افروز ہوا ہے تو تمام اشیاء عوالم اس کے نور سے روشن اور منور ہو گئی تھیں حتیٰ کہ شہر مکہ سے شام کے مکانات نظر آنے لگے تھے۔ اس نور مطلق نے تمام تاریکیوں کو اپنی نورانی شعاعوں سے برطرف کر دیا تھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ مجمع الانوار خزانہ برقیہ عوالم نے عالم سفلی و ظلمانی میں ظہور فرمایا ہے۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

رہی یہ بات کہ پھر کیوں ان کے نور جمال اور نور علم سے تمام عالم سفلی کی موجودات روشن اور منور نہیں ہو گئیں۔ چاہئے تو یوں تھا کہ ہر فرد مخلوقات عالم سفلی کا ظاہر و باطن ان کے نور جمال و کمال سے روشن اور تاباں اور درخشاں ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا پس وجہ اسکی یہ تھی کہ ابھی خداوند عالم کو یہ بات منظور نہ تھی اس نے خود روک دیا تھا کہ ابھی اپنے نور جمال سے عالم دنیا کو مزین مت بناؤ۔ کیونکہ ابھی کل افراد کائنات میں استعداد و قابلیت امر پیدا نہ ہوئی تھی۔ فَهُم بِرُكْنَا حَسبنا أُن نُوا الْمُعْتَدِمِن الْمُرسَلِينَ اس کے لئے اور وقت ہے۔ ابھی غلبہ اور اظہار نور کا وقت اور

توقع نہیں آیا ہے۔ ہم ایک دن ضرور تمہارے نور سے تمام عالم سفلی کو منور کرکے رہیں گے۔ اور مربی زمین کے نور سے زمین کو چمکا کر دکھلائیں گے۔ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا میں ابھی دیر ہے۔

نبوت کی عرضی ترقی باقی ہے

نبوت خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طولانی ترقی ختم ہو چکی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ لیکن اسکی عرضی ترقی باقی ہے۔ مقامات امامت و خلافت ہیں یہ امر ہر وقت ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے۔ کہ احکام انداز تمام و کمال آچکے ہیں۔ اس لیئے اب کسی اور حکم کے آنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ پس جو کوئی وصی و خلیفہ نذیر و بشیر عالمین ہے۔ اس کے پاس کوئی جدید وحی نہیں آئے گی۔ صرف انہیں احکام و اوامر و نواہی کو جو نذیر العوالم الامکانیہ و بشیر الخلائق الفانیہ پر نازل ہو چکے ہیں۔ مخلوقات علوی و سفلی کو پہنچائے گا۔ اور سمجھائے گا۔ اس لیئے اوّل تو وصی و خلیفہ رسول رب العالمین کو "کُلُّ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ" کا علم احاطی ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ناواقف اور جاہل ہرگز یہ کام نہیں کرسکیگا۔ دوم کل فرقہ عوالم پر اس کو تصرف کلی اور تفوق و تفضل حاصل ہونا بھی ضروری و لابدی ہے۔ تاکہ تفضل مفضول لازم نہ آئے جو قبیح عقلی ہے اور ہر فرقہ عوالم علویہ و سفلیہ کو ان کے احکام تکلیفی سے آگاہ فرمائے پس نور نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتمام کو خداوند عالم نے ان کے آخری وصی پر موقوف رکھا ہے۔ جس قدر دلائل و براہین صداقت اسلام کے لیئے ضروری تھے وہ سب نبی نے بیان کر دیئے ہیں۔ لیکن اسلام کی تصدیق کرنے والے پھر بھی تھوڑے ہی لوگ ہیں پس اب اتمام اور تعمیہ اسلام کے لیئے برہان اور دلیل سے کام نہیں لیا جائیگا۔ برہان اور دلیل کا وقت گذر چکا ہے۔ اب صرف یہ باقی رہا ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ مخالفین اسلام بے انتہا کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہیں۔ کہ اپنی تحریر و تقریر اور تدبیر سے نور محمدی کو بجھا دیں لیکن خداوند عالم فرماتا ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ یعنی ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اللہ اپنے حبیب کے نور کو کامل کرکے رہے گا۔ کہ اس کی شعاع نورانی سے کل عالم سفلی عالم نورانی ہو جائیگا حتیٰ کہ آفتاب و ماہتاب کے نور کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ واشرقت الارض بنور ربہا۔ اس دن ساری زمین اپنے مربی کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد و لعنۃ اللہ علی اعدائہم ... ( ) ...

السموات والارض طوعاً وکرھاً اور ہر فردِ مخلوق اس دن نورِ اسلام سے روشن اور منور ہو جائیگا خواہ طوعاً ہو یا کرہاً اور اس دن سوائے دینِ اسلام کے اور تمام ادیان معدوم ہو جائیں گے کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ کل ادیان کی روشنی زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ دن اسلام کے اظہار کا دن ہوگا۔ نہ غلبہ کا۔ غلبہ اور اظہار میں فرق ہے۔ غلبہ کی صورت میں مغلوب کا وجود باقی رہتا ہے اور اظہار کی صورت میں معدوم ہو جاتا ہے۔ جس طرح سے آفتاب کے ظہور کے وقت تاریکی شب معدوم ہو جاتی ہے۔ پس یہ صورت اسی جناب کے زمانہ ظہور میں ہوگی۔ جو نورِ رسول رب العالمین اور خاتم الاوصیاء والصدیقین ہیں۔ اس لئے مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جن کے وجودِ پاک سے ظہورِ دینِ اسلام ہوگا۔ جزوِ رسولؐ ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ورنہ آیت مذکور کی تکذیب لازم آئے گی۔ پس اس نورِ نبیؐ کے ہاتھوں سے اس نور اور خزانہ برقیہ کا اظہار ہوگا جس کو خداوند عالم نے ابھی روک رکھا ہے اور آیت ذیل صادق آئیگی "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ"۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب یہ ہوگا۔ تو اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں بخشے گا۔ "قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِیْمَانُھُمْ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ" اور وہ نورِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عالم سفلی کو اپنے نور سے روشن اور منور کرتا ہوا آسمان میں تشریف لے جائیگا۔ اور ان عوالم علویہ کو اپنے نور سے اور زیادہ روشن اور منور فرما کر عالم حیوٰۃ مطلق بنائے گا۔ پس فرش زمین سے لیکر عرش بریں تک تمام ایک عالم ملکوت ہو جائے گا۔ کیونکہ آیہ مجیدہ میں "مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ" ارشاد ہوا ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

قَالَ عزمن قائلہ "قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ"

نور اصلِ وجود ہے اور ظلمت اصلِ عدم

نور اصلِ وجود ہے ظلمت اصلِ عدم ہے پس جس قدر موجودات "یُرٰی وَمَا لَا یُرٰی" ہیں سب میں نور

نور موجود ہے اور جب یہ نور جسم سے خارج ہو جاتا ہے تو ہیکل جسمانی اور شکل مادی فنا اور ہلاک ہو جاتی ہے۔ پس مدارِ حیات اور ذریعۂ ترقی درجات۔

استعداد اور ترقی عالم مواد سے متعلق ہے

یہی نور ہے۔ خداوند عالم نے دو طرح کے عالم خلق فرمائے ہیں ایک عالم خلقی ہے جس کی ترقی تدریجی ہے۔ دوسرا عالم امری ہے جس کی ترقی فوری اور آنی ہے عالم خلقی مواد سے متعلق ہے اور عالم امری نور ہے۔ چنانچہ عالم خلقی کی نسبت ارشاد ہوا ہے هُوَ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ یعنے اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بالتدریج چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور خلقت نوع البشر بھی اسی عالم سے متعلق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ" اور چونکہ عالم امری کی ترقی فوری اور آنی ہے پس اس کیلئے ارشاد ہوا ہے "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ"

آجکل کے فلسفی بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترقیات طولانی عالم مواد سے متعلق ہیں عالم عقول میں ترقی طولی کی استعداد نہیں۔ پہلے یورپ کے فلاسفر تو اس بات کے قائل ہی نہیں تھے کہ عالم مواد کے علاوہ اور بھی کوئی عالم ہے۔ لیکن اب بعض قائل ہوگئے ہیں کہ عالم مجردات بھی ایک عالم ہے حکماء اس بات کے قائل ہیں کہ موجودات مادیہ میں انسان ترقی کا منتہیٰ ہے اول صورت جسمیہ لشیریہ ہے پھر جماد کا درجہ ہے پھر نبات کا پھر حیوان کا اور اس کے بعد انسان کا درجہ ہے پس انسان انتہائے ترقی مواد ہے۔ لیکن چونکہ ہم اہل دین ہیں فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور جنوں کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں یہ بات معلوم کرنی نہایت ضروری ہے کہ کون سی مخلوق سب سے زیادہ ترقی کرسکتی ہے۔ آیا انسان یا جن یا ملک پس آیات قرآنیہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام انواع مخلوقات میں انسان ہی سب سے زیادہ ترقی کرسکتا ہے کیونکہ ملائکہ عالم امری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی ترقی بالفعل ہے۔ بالقوۃ نہیں ہے جس قدر ان کو ترقی طولی ملنی تھی وہ سب بنیت خلقت ہی مل چکی ہے کیونکہ ان کی خلقت آنی اور فوری ہے تدریجی نہیں ہے چنانچہ خود انکا قول اس امر پر دال ہے کہ ان سب کے خاص خاص ترقی اور رفعت کے مدارج اور مقام ہیں۔

مَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" اور مثبت یہ بھی ہے کہ صرف روح بغیر ملنے کے کچھ ترقی نہیں کر سکتی کیونکہ روح نور ہے اور نور گھٹتا بڑھتا نہیں۔ ہر حالت میں یکساں رہتا ہے۔ البتہ یہی نور جب کسی قالب میں مادی ہوتا ہے۔ تو اس وقت ترقی کرتا ہے۔ مثلاً جو نور درخت کے بیج میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی کر کے ایک بڑا تناور درخت ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تخم درخت ایک سخت اور درشت شے ہے۔ اس لئے اس کی ترقی محدود ہے۔ نطفۂ انسان نرم اور لطیف ہے اس لئے اس کی ترقی غیر محدود ہے۔ اور جو نور پتھر میں ہوتا ہے وہ ترقی کر کے لعل و یاقوت و زمرد و الماس ہو جاتا ہے۔ ملائکہ چونکہ مادے سے مجرد ہیں اس لئے ان کی ترقی محدود ہے اور نوع بشر ملنے میں محصور ہے۔ اس لئے اس کی ترقی غیر محدود ہے۔

باعث فضلیت جمعیت قویٰ وحواس اور اجتماع اشیاء متضادہ اور کمالات ہیں

فرشتوں کو خداوند عالم نے صرف روحانی قوت عطا کی ہے اور انسان روحانی اور جسمانی سب کا مجموعہ ہے جو کچھ فرداً دیگر تمام مخلوقات کو خداوند عالم نے عطا کیا ہے ان تمام کمالات اور تفضلات کا مجموعہ انسان کو بنایا ہے اور انسان تین چیزوں کا مجموعہ ہے یعنی جسم و نفس و روح۔ فقال عزّوجلّ "سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ" اور چونکہ باعث ترقی اور فضلیت اجتماع قویٰ و نفوس و حواس ہیں اس لئے انسان یعنی بنی نوع بشر کو خداوند عالم نے فرشتوں پر فضیلت عطا کی ہے کیونکہ جس قدر قویٰ و نفوس و حواس خلاق عالم نے انسان میں خلق فرمائے ہیں۔ اور کسی مخلوق میں نہیں خلق فرمائے فرشتوں کو صرف نفس ملکوتی عطا کیا ہے اور نوع بشر کو نفس بہیمی، نفس سبعی، نفس ملکوتی عطا کئے ہیں۔ اسی واسطے خدائے جل شانہ نے ملائکہ کو بنی نوع انسان کا خادم بنایا ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان میں تمام مخلوقات سے زیادہ قویٰ و نفوس و حواس جمع ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو خداوند عالم حکیم علی الاطلاق ہرگز ہرگز بنی نوع انسان کا خادم فرشتوں کو نہ بناتا کیونکہ حکیم کبھی مفضول کو فاضل پر فوقیت نہیں دیتا وہ کبھی عالم کو جاہل کا تابع نہیں بنائے گا۔ کبھی ناقص کو کامل پر شرف نہیں بخشے گا۔ وہ بنی نوع انسان ہی تو تھا۔ جو اس مقام پر پہنچا جہاں جبرئیل جیسے جلیل الشان ملک نے اپنے عجز و قصور کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے عرض کیا "لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ"۔ اگر ایک انگل آگے جاؤں تو جل جاؤں ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم | فروغ تجلے بسوزد پرم

انسان کی خلقت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے "ولقد خلقنا الانسان من ماء مھین" ماء سے مراد وہ پانی ہے جو تمام مخلوقات سے پہلے تھا جس کا تذکرہ آیہ ذیل میں فرمایا ہے "ھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء" اور "مھین" شوائب مادہ کی طرف اشارہ ہے۔

پس نوع انسان ترقی کر کے کہاں تک پہنچنا چاہتی ہے؟ یہ اُسی ماء اول یعنی خزانہ و منبع نور و مجمع قوت برقیہ عوالم نور الانوار سید الدھور والاعصار النبی المختار تک پہنچنا چاہتی ہے۔ جو واجب اور ممکن کے درمیان صرف ایک حجاب ہے۔ ملائکہ کی ترقی طولانی سدرۃ المنتہیٰ تک ختم ہو چکی ہے۔ لیکن بنی نوع انسان کی ترقی طول میں حد واجب تک چلی جاتی ہے۔ اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی ایک عبادت کل مخلوقات کی عبادت کا ثواب رکھتی ہے۔ کیونکہ جس طرح سے خداوند عالم نے انسان کو تمام مخلوقات علوی و سفلی کے قوی و مادیات کا مجموعہ بنایا ہے اسی طرح سے اس کی عبادت کو بھی کل مخلوقات کی عبادتوں کا مجموعہ بنایا ہے چنانچہ مقام استحقاق خلافت میں فرشتوں نے جو استدلال پیش کیا ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کی عبادت کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا اے پروردگار ہم کو خلیفہ بنا۔ نحن نسبح بحمدک و نقدس لک۔ پس ظاہر ہے کہ ان فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح و تقدیس ہے چنانچہ امیر مومنین کاشف اسرار العالمین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰت والسلام بھی فرماتے ہیں "ثم فتق ما بین السموات العلی فملاھن اطوارا من ملئکۃ منھم سجود لا یرکعون و رکوع لا ینتصبون و صافون لا یتزایلون و مسبحون لا یسأمون لا یغشاھم نوم العیون ولا سھو العقول ولا فترۃ الابدان ولا غفلۃ النسیان و منھم امناء علی وحیہ والسنۃ الی رسلہ و مختلف بقضائہ وامرہ و منھم الحفظۃ لعبادہ والسدنۃ لابواب جنانہ" بعض فرشتوں کی عبادت صرف تسبیح ہے اور بعض کی صرف تقدیس۔ اور بعض کی صرف قیام اور بعض کی صرف رکوع اور بعض کی صرف سجود لیکن بنی نوع انسان کی عبادت ان تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ کچھ اور بھی زیادہ ہے۔ انسان کی عبادت میں تہلیل ہے۔ تکبیر ہے۔ تحریم ہے۔ قیام ہے۔ رکوع ہے۔ قعود ہے۔ سجود ہے۔ الحمد ہے قرآن ہے۔ تسبیح ہے۔ تقدیس ہے وغیرہ وغیرہ اور صیام ہے۔ زکوٰۃ ہے۔ خمس ہے جہاد ہے حج

بیت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ انسان میں کیا کچھ ہے فرشتوں نہیں کیا۔ اس لئے اُس نے اپنا خلیفہ بنی نوع انسان ہی کو بنایا تاکہ وہ کل عوالم مادیات و مجردات میں تصرف کر سکے۔ کیونکہ اسی انسان ہی میں کل عوالم علوی و سفلی کے قویٰ و حواس۔ احساسات ادراکات فاضلات و کملات مجتمع ہیں اور باعث افضلیت جمعیت قوے ہے +

پہلی مجلس میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسان تین قسم کے ہیں۔ انسان طبیعی۔ انسان نفسی اور انسان عقلی۔ اور انسان نفسی وہ انسان ہے جس کے اعضاو جوارح میں ایک دوسرے

توضیح انسان نفسی و انسان عقلی و موت

سے امتیاز تو ضرور ہے لیکن تمائز وضعی نہیں ہے اور اس کے ہر ہر عضو کی طرف اشارہ حسیہ نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آنکھ ہے یہ ناک ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس انسان طبعی کی طرح اس کے قوائے و حواس محدود و محصور نہیں ہیں وہ ایک لمحہ اور ثانیہ میں ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر اُسی آن میں لوٹ بھی آتا ہے۔ وہی انسان ہے جو حالت خواب میں اس جسم طبیعی عنصری سے باہر نکل کر یہ کرشمے دکھاتا ہے پس یہی انسان نفسانی ہوگا۔ جس کے روز حساب و کتاب ہاتھ پاؤں بولینگے اور زبان خاموش ہوگی۔

قال عزوجل۔ یوم نختم علیٰ افواہہم وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون ؛

وقال عزوجل۔ ویوم یحشر اعداء اللہ الی النار فہم یوزعون حتیٰ اذا ما جاءوہا شہد علیہم سمعہم وابصارہم وجلودہم بما کانوا یعملون۔ وقالوا لجلودہم لم شہدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ وہو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون +

پس انسان نفسانی کی ترقی اس طبیعی مادی انسان سے کہیں زیادہ ہے کہ اس کے پاؤں میں گویائی کی طاقت اور قوت موجود ہے۔ اور وہ ہوا پر اڑ سکتا ہے۔ پانی پر چل سکتا ہے چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ جاتا ہے لیکن اس جسمانی حالت میں اس کی ترقی محدود و محصور ہے کہ بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا۔ بغیر آنکھ کے دیکھ نہیں سکتا اور بغیر کان کے سن نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ کثیف اور غلیظ مادہ جس میں وہ رہتا ہے۔ اسکو ان باتوں سے مانع اور حاجز ہے۔ اور جب اس غلیظ مادے کی چار دیواری سے باہر نکلیگا۔ تو پھر اُسے کوئی شے مانع نہیں

ہوئی جس طرح کہ جب انسان اپنے گھر میں دروازہ بند کئے ہوئے بیٹھا ہوتا ہے تو میدان کی کسی شئے کو نہیں دیکھ سکتا اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو تمام میدانی اشیاء مثل پہاڑ اور اشجار اور مزروعات وغیرہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ یا جب اس کے سامنے سے دیواریں گرا دی جاتی ہیں۔ تو پھر یک بیک سارے باغات اور مزروعات اور جبال و بحار اس کو نظر آنے لگتے ہیں۔

حقیقت موت اور ترقی انسانی

پس موت انسان کیلئے نہایت خوشی اور سرور اور ترقی و آزادی کا مقام اور وقت ہے کہ اس جسم مادی سے نکلتے ہی اس کو وہ ترقی اور آزادی حاصل ہو جاتی ہے جس کو ابھی وہ خواب میں دیکھ رہا ہے!! اگر لوگوں کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو ان کو مرنے سے ہرگز ہرگز خوف و ہراس نہ ہو۔ موت سے انسان معدوم نہیں ہوتا۔ مرنے سے صرف اس کا مادی جسم اور گھر جس میں محبوس و مقید تھا۔ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس تیرہ و تار قید خانہ سے نجات پا کر آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت کا تعلق صرف جسم عنصری پر مادی سے ہے نہ وجود عقلانی اور نفسانی سے کیونکہ جب انسان نفسانی اور عقلانی کے لئے جسم مادی اور عنصری تیار ہو جاتا ہے، تب وہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ فقال عزوجل ثم انشاناہ خلقاً آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ یہی وجہ ہے کہ مقام بیان خلق موت و حیات میں خداوند علیم نے موت کو حیات پر مقدم رکھا ہے۔ فقال عزوجل: خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔" یعنی انسان کے لئے پہلے موت جو جسم مادی اور بے نور ہے خلق ہوتا ہے بعد ازاں حیوٰۃ جو نور اور باقی رہنے والی شے ہے اس میں داخل ہوتی ہے۔

بہرحال انسان کی پہلی ترقی موت ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس عالم مادی کثیفہ سے نکل کر عالم نفسانی و برزخی میں داخل ہوتا ہے "ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون" پس اس کے ہاتھ پاؤں پھیلنے لگتے ہیں۔ اور وہ برق محض ہو جاتا ہے کہ چشم زدن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچتا ہے۔

پس اس عالم برزخی اور نفسی کے بعد عالم عقلانی اور عالم حیات محضہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس عالم عقلانی میں اس کے اعضاء و جوارح میں کوئی امتیاز نہیں رہتا عقل مجرد اور حیات محض ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس کو وہ قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ جو عالم نفسی اور برزخی سے معلوم نہیں کس قدر زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی عالم عقلی کے متعلق ارشاد ہوا ہے "ما تعلم نفس

ما اخفی لھم من قرۃ اعین" اور فرمایا ہے "فبصرک الیوم حدید" یعنی آج اس عالم عقلانی میں کر تیری نظر اور بصارت نہایت تیز اور صاف شفاف اور لطیف ہو گئی ہے کہ اب اس کے سامنے کوئی پردہ حائل نہیں ہو سکتا، کوئی شے اس کو مانع اور حاجز نہیں ہو سکتی۔ پس ترقی انسان عقلی غیر محدود و محصور ہے اس کو کوئی نہیں بیان کر سکتا کہ وہ کس درجہ اور کہاں تک ہے۔

بعض انسان اس عالم مواد میں بھی ایسے ہیں کہ ان کو عالم عقلانی میں پہنچنے کے لئے عالم مادی اور عالم نفسی کے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے! براہ راست عالم عقلی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ ذات قادسہ و مقدسہ انبیاء و اوصیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ چنانچہ انہیں کو خداوند عالم نے اپنا خاص خلیفہ زمین و آسمان اور تمام عوالم پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں کو کل فرشتوں اور دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ چنانچہ جب جناب آدم علیہ السلام کو خداوند عالم نے اپنی خلافت زمینی عطا کی تو تمام فرشتوں کو حکم ہوا کہ سب کے سب آدم خلیفۃ اللہ فی الارض کو سجدۂ تعظیمی بجالائیں "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون" سجدہ سوائے ذات معبود کے اور کسی کو سزاوار نہیں ہے۔ لیکن بشر وہ مخلوق ہے کہ اس کو بھی سجدۂ تعظیمی دلوایا گیا ہے۔ کیونکہ خلیفۂ خدا ہے۔ اور کس سے تمام ملائکہ و عقول مجردہ سے جن میں جبرئیل و میکائیل و عزرائیل و اسرافیل و رضوان و مالک و اسمٰعیل علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

بہر حال خلیفۂ خداوند عالم عالم ملائک سے نہیں لیا گیا۔ بلکہ عالم مواد و عناصر سے لیا گیا اور اس کو تمام ملائکہ سے سجدۂ تعظیمی دلوایا گیا۔ پس یہی نوع بشر خلیفۃ اللہ فی الارض مقرر ہوا اور اپنے مستخلف عنہ (جس کا خلیفہ ہے) کے اوصاف کا مظہر بنا اور ظاہر و باہر ہے کہ مستخلف عنہ کے امور کیا کچھ ہیں "الا لہ الخلق والامر" یعنے عالم خلقی اور عالم امری سب کا متصرف اور مدبر خداوند عالم ہے پس خلفاء اللہ سے بھی حسب ضرورت و وقت جملہ اوصاف الٰہی ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ جناب عیسیٰ فرماتے ہیں "انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ" چونکہ جناب آدم و نوح و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام صرف عالم مواد پر خلیفۃ اللہ تھے۔ اس لئے ان کا تصرف صرف مادے پر تھا نہ عالم ارواح پر۔ جو عالم امری سے ہے۔ اسی واسطے جناب عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ میں پرندے کی شکل بنا سکتا ہوں۔ نہ پرندہ اس کے بعد اس روح سے جو اللہ نے مجھ میں پھونکی ہے۔ پھونکتا ہوں۔ پس وہ اللہ کے اذن سے زندہ پرندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مجھکو صرف عالم مواد پر تصرف حاصل ہے۔ نہ عالم ارواح پر۔

پس بحیثیت نبی نوع بشر ہونیکے ہر شخص اس صفت میں خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اس میں شرک کی تفریق نہیں ہے۔ سب یکساں ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے صور ورترکیب نوادمیں اپنے تقدرت کو بڑھایا ہے انہوں نے عجیب غریب چیزیں ایجاد کر ڈالی ہیں جو بہت سے لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔ ہوائی جہاز برق وائرلیس ٹیلیگراف۔ گراموفون وغیرہ لیکن سب یکساں خلیفہ نہیں ہیں۔ غیر نبی صرف شکل اور صورت بنا سکتا ہے اور نبی باذن خداوند عالم اس کو زندہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ جناب عیسیٰ کے قول سے ثابت ہے۔

نبی اور بنی نوع انسان کی خلقت میں فرق ہے

انبیاء اوصیاء علیہم السلام کی خلقت عالم امری سے ہے یعنی آنی ہے۔ چنانچہ جناب آدم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" عام بنی نوع بشر کی خلقت تدریجی ہے۔ اس لئے کہ مواد عنصریہ سے متعلق ہے۔ اس میں زوج اور زوجہ کی مصاحبت درکار ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی خلقت آنی دفوری ہے۔ نہ وہاں اس ملنے کی ضرورت ہے۔ نہ مصاحبت مقاربت کی۔ چنانچہ جب جبرائیل امین نے جناب مریم صلوٰۃ اللہ علیہا سے عرض کیا کہ میں تم کو ایک ذکی فرزند کی بشارت دینے آیا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ "لم یمسسنی بشر ولم اک بغیا" یعنی تولد فرزند کیلئے تو بشر کا مس کرنا ضروری ہے اور مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا ہے۔ اور نہ میں خراب ہوں پس کس طرح فرزند ہوگا؟ جبرئیل نے عرض کیا۔ ہاں ہے تو ایسا ہی۔ لیکن خلاق عالم قادر ہے کہ بغیر مس بشر کے نور "خلق کرے" الا لہ الخلق والامر انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون"۔ چنانچہ روح پھونکتے ہی جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام متولد ہوگئے۔

اسی طرح جناب اسحاق کا قصہ ہے کہ جب فرشتوں نے جناب سارا کو بشارت دی تو انہوں نے کہا کہ اب میں جنونگی اور حالانکہ میرا شوہر شیخ ہوگیا ہے۔ تب فرشتوں نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے امر سے تعجب کرتی ہیں اور حالانکہ تمہارے خاندان پر خداوند عالم کی خاص رحمت ہے۔ پس جناب اسحاق متولد ہوئے۔

بہرحال انبیاء اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلقت عالم امری آنی سے ہے نہ عالم خلقی تدریجی سے۔

معنی بشر

جناب آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے "انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" بشر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بشرہ اور جسم مرئی اور شاہد ہو یعنے جب میں ایک ایسا شخص پیدا کرونگا اس کا جسم عالم مادیات سے ہوگا۔ اور سب کو نظر آئے گا۔ تو تم اس کو سجدہ کرنا پس یہ بشر کیا چیز تھی۔ یہ مقام ادنیٰ منزل تھی۔ اس بعض روح امری کیلئے جسکو سجدہ دلوایا گیا تھا۔ اس لئے کہ اگر قالب آدم کو سجدہ کرانا ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا: فاذا سویتہ فقعوا لہ ساجدین۔ پس چونکہ اس قالب مادیکو سجدہ کرانا منظور نہیں تھا۔ بلکہ اس بعض روح امری کو جو اس میں داخل کیگئی تھی۔ اس لئے ارشاد ہوا "واذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"۔

پس خلافت فی الارض ان کو اسی بعض روح کی بدولت حاصل ہوئی تھی اور یہی ذراسی روح روح نبوت تھی۔ اسی لئے وہ جناب خلیفہ ارض یعنی عالم مادی و عنصری پر مقرر ہوئے نہ عالم امری اور روحی پر۔ کیونکہ بعض اور ذراسی روح سے کل عالم امری و روحانی پر تصرف نہیں حاصل ہو سکتا۔

جزو سے کل پر تصرف اور حکومت نہیں ہو سکتی

اسی طرح سے جناب عیسٰی میں بھی ذری روح تھی۔ چنانچہ ان کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ "کلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ" یعنی عیسٰی بن مریم علیہما السلام خداوند عالم کی بعض روح تھے نہ کل۔ اسی واسطے پرندوں میں روح داخل کرنے کے لیئے ان کو اللہ کی ضرورت تھی۔ بغیر اذن اللہ کے زندہ پرندہ نہیں بنا سکتے تھے۔ کیونکہ عالم امری اور روحانی پر ان کو پورا تسلط اور تصرف حاصل نہیں تھا۔

اور جناب موسٰیؑ کو کل نو معجزے دیئے گئے۔ کیونکہ ان کو بھی تھوڑی سی روح نبوت عطا ہوئی ان کا عصا ساحروں کے مقابلہ میں اژدھا بن جاتا تھا۔ نظر بندی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی صورت اور سیرت دونوں بدلجاتی تھیں۔ فقال عزوجل سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ۔

اور مقام ختم میں ارشاد ہوا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ پس چونکہ نبی اکرام باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم امری کی ساری روح ہیں ابھی ان کو تمام

عالم امری اور مادی و عنصری پر پورا تصرف حاصل ہے۔ اور چونکہ یہی روح روح نبوتی ہے۔ اس لئے جن میں ذری سی تھی وہ بعض عوالم کے نبی اور نذیر تھے۔ چنانچہ جناب عیسیٰ فرماتے ہیں۔ "یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد"

اور جس ذات اقدس میں ساری روح ہے۔ وہ کل عوالم کے نبی اور نذیر ہیں۔ "تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور اسی روح کلی کیوجہ سے کل عوالم نفس اور صورت روح اور ملکوت پر نذیر اور مظہر ہیں۔ اور آپ کا دست رحمت تمام عوالم پر بٹا ہوا اور اسی واسطے خدا ان کے ہر ایک کام کو اپنا کام کہتا ہے۔ کیونکہ یہ عمالۂ خدا ہیں اور مظہر کل ہیں۔ اور اسی واسطے مقام تعظیم میں ان کے دست حق پرست قلم قدرت کی قسم یاد فرماتا ہے۔ "نٓ والقلم وما یسطرون۔ والسماء بنیناھا بایید وانا لموسعون۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔"

خداوند عالم نے انکی خلقت عالم امری سے فرمائی ہے لیکن عالم مواد میں انکو بھی مثل ہمارے رفتہ رفتہ نشوونما دیا۔ تاکہ جب وہ تبلیغ احکام الٰہیہ شروع کریں تو لوگ بسبب جنسیت ظاہری کے ان سے نفرت اور گریز نہ کریں۔ بلکہ مانوس ہیں اور ان کی باتوں کو غور سے سنیں۔ کیونکہ اگر انا فاناً ہی یکایک ان کی خلقت نوری ہی کی تکمیل ہو جاتی اور صورت عالم خلقی نہ دیجاتی جیسا کہ فرشتوں کی ہوئی ہے۔ تو بنی نوع بشر ان سے فیض نہ پا سکتے۔ کوئی ان کے نزدیک نہ جاتا۔ دور ہی سے کافور ہو جاتے۔

خداوند عالم کبھی اس شخص کی اطاعت مخلوقات پر واجب نہیں کرتا۔ جو عالم امری میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مادہ ایک ظلماتی اور فاسد ہو جانے والی شے ہے۔ پس جو اجسام ایسی شے سے بنے ہیں۔ ان میں ظلمت اور فساد کا احتمال اور امکان ضرور ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق ایسوں کی اطاعت کیونکر مخلوقات پر واجب کرتا۔ یہی تو تفضیل مفضول بر فاضل ہے۔ جو قبیح عقلی ہے پس حکیم علی الاطلاق نے انہیں نفوس قادسہ مقدسہ کی اطاعت کو مخلوقات پر واجب و لازم گردانا ہے۔ جن کی خلقت عالم امری سے ہے۔ نہ محض عالم خلق مادی سے۔ "فقال عزوجل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" یعنی اے مخلوقات علوی وسفلی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور ان کی جو صاحبان امر و اولیاء امور الٰہی ہیں۔ وقال عزوجل۔ "والنازعات غرقاً والنشطت نشطاً فالسبحت سبحاً فالسبقت سبقاً فالمدبرات امراً۔ والذاریات ذرواً فالحاملات

وقرانا الجریت بسرانا المقسمت امرا۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مجلس ۳ سوم

متعلق آیت نور

قال عز من قائلہ۔ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

قابلیت و استعداد ترقی نرم اور لطیف تخم اور نطفے میں زیادہ ہوتی ہے

بدیہیات سے ہے کہ جس قدر تخم اور مادہ سخت اور درشت صعب و صلب ہوتا ہے، اسیقدر اس میں عدم قابلیت اور فعلیت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر تخم اور مادہ نرم و لطیف ہوتا ہے، اسی قدر اس میں قابلیت اور تحول زیادہ ہوتا ہے۔ آپ اخروٹ کے تخم کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر سخت اور درشت ہوتا ہے۔ اسی واسطے اس کا درخت سوائے اس صورت مشخصہ کے جس کو آپ نے دیکھا ہوگا۔ اور کوئی صورت قبول نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس کے کمالات ہیں بالفعل ہوتے ہیں۔ اور خواہ کیسی ہی تربیت کیجئے اخروٹ ہی رہیگا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح سے حیوانات کے مواد فطریہ ہیں کہ جس قدر ان میں کثافت اور غلاظت ہوتی ہے اسی قدر ان میں کم استعداد اور قابلیت ہوتی ہے ان کے کمالات بھی بالفعل ہوتے ہیں کوئی شئے بالقوۃ نہیں ہوتی۔ آپ نطفہ خر اور بقر کو دیکھیں کہ وہ بہ نسبت نطفہ انسان کے کس قدر غلیظ و کثیف ہوتے ہیں اسی واسطے بچہ خر اور گوسالہ بقر تعلیم اور تربیت سے انسان کی سی ترقی نہیں کر سکتے۔ بچہ خر کی خواہ آپ کیسی ہی تربیت کریں وہ ہمیشہ خر ہی رہیگا۔ جو کچھ اس کے کمالات فطریہ ہیں سب بالفعل ہیں۔ اسی طرح سے بیضہ مرغ ہے۔ کہ اس میں سے بچہ نکلتے ہی سب کچھ جاننے اور سننے لگتا ہے۔ اس کو کسی کی تعلیم و تربیت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اسی وقت سے اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے کمالات کی ترقی کے لئے کسب اور تحصیل کی ضرورت

نہیں ہوتی ؎

برخلاف ان سب کے نطفۂ انسان نہایت نرم اور لطیف ہوتا ہے۔ اسی واسطے بچہ انسان کے سارے کمالات جسمانی بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی کمال بالفعل نہیں ہوتا بعد تکمیل، خلقت نوعی بھی ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی تربیت نہ کی جائے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ نہ بول سکتا ہے۔ نہ سن سکتا ہے نہ کسی کو پہچان سکتا ہے۔ کمالات خاصۂ انسانی میں سے کوئی شے اس میں بالفعل موجود نہیں ہوتی۔ اس کے سارے کمالات اس وقت بالقوۃ ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر طرح کی ترقی کی استعداد اور قابلیت اس میں اس وقت موجود ہوتی ہے جس طرح کی اس کی تعلیم و تربیت کرو۔ وہ ویسا ہی ہو جائے گا۔ اگر اس کو عالم بنانا چاہو تو وہ عالم ہو سکتا ہے۔ صناع بنانا چاہو تو صناع ہو سکتا ہے۔ جس رنگ میں رنگو گے وہی رنگ لائے گا۔ جس قالب میں ڈھالو گے وہی صورت اختیار کرے گا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ من حیث الفطرۃ اس میں بھی ایک خاص شے کی طرف میلان ضرور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوہار شدت گرما میں اپنی بھٹی کو دھونکتا ہے۔ اگر اس کی فطرت میں اس امر کا میلان نہ ہوتا۔ تو ممکن نہ تھا۔ کہ وہ اس کام کو اختیار کرتا بھنگی کو وہ بدبو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جس کو کوئی انسان سونگھ نہیں سکتا۔ پس اگر اس کی فطرت میں میلان نہ ہوتا۔ تو وہ کبھی اس کام کو نہ کرتا۔ اور یہ جبل ثانوی کا اقتضا ہے جس پر نظام عالم مبنی ہے۔

مثل انسان کے مادے کی اس موم کی سی ہے جس سے جمادات کی شکلیں بنا سکتے ہیں۔ نباتات کے گل بوٹے کھلا سکتے ہیں۔ حیوانات اور انسان کی صورتیں تیار کر سکتے ہیں۔ جس قالب اور سانچے میں موم ڈھالو گے وہی صورت اختیار کرے گا۔ انسان تعلیم و تربیت سے نہایت متدین متقی اور پرہیزگار بن سکتا ہے اور صحبت جہالت و ضلالت سے فاسق و فاجر اور بدکار ہو سکتا ہے۔ پس انسان من حیث الفطرۃ ترقیات کا مجموعہ ہے انسان طبیعی ترقی کر کے انسان نفسی بن سکتا ہے۔ اور انسان نفسی ترقی کر کے انسان عقلی کے مقام پر پہنچ سکتا ہے۔

مزید توضیح انسانِ طبیعی۔ انسانِ نفسی، انسان عقلی

ہم نے یہ بات پہلے بیان کر دی ہے کہ انسان تین طرح کا

انسان ہے۔ انسان طبیعی، انسان نفسی اور انسان عقلی۔ انسان طبیعی وہ ہے جس کے اعضاء وجوارح مادی ہیں اور ایک دوسرے کا کام نہیں دے سکتے اور آپس میں متمائز ہیں اور انسان نفسی وہ ہے جو ورادء مادہ ہے اور اس کے اعضاء وجوارح بھی آپس میں متمائز ہیں لیکن انکی تمائز وضعی نہیں اور انسان عقلی وہ انسان ہے کہ اس کے اعضاء وجوارح میں امتیاز ہی نہیں۔ ہے۔ وہ جسم اور صورت کے شوائبات سے منزہ اور مقدس ہے۔ اس کی ذات ہی سب کچھ ہے اسی سے سنتا ہے۔ اسی سے دیکھتا ہے۔ اسی سے بولتا ہے۔ اسی سے کھاتا ہے، اسی سے پیتا ہے، اسی سے چلتا ہے۔ اسی سے پھرتا ہے۔ اور یہ تینوں انسان ہر فرد نوع بشر میں موجود ہیں۔ اور یہی اصلی انسان ہے۔

بیان مدرکات حسیہ ومدرکات عقلیہ

خداوند عالم نے بنی نوع بشر کی ترقی کے لئے اس کے اعضاء وجوارح کو ذریعہ بنایا" فقال عز وجل۔ اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔

وقال عز وجل۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا" بدیہی ہے کہ انسان کے کان اس کے علوم کی تحصیل کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر انسان کے کان نہ ہوتے تو شاید اس کی تعلیم وتربیت محال ہو جاتی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ آنکھ صرف صورتوں اور رنگوں کو لیکر حس مشترکہ کو دیتی ہے اور کان الفاظ کو لیکر حس مشترکہ کو دیتے ہیں پس حس مشترکہ قوت خیالیہ کو دیتی ہے اور قوت خیالیہ قوت متوہمہ کو اور قوت متوہمہ قوۃ حافظہ کو اور قوۃ حافظہ قوۃ مدرکہ کو دیتی ہے۔ اور قوت مدرکہ فواد کو۔ جو مرتبہ انسان عقلی ہے۔ پس وہ فواد حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ حق کو رکھ لیتا ہے اور باطل کو واپس کر دیتا ہے۔

بنی نوع بشر میں ایک قلب ہے۔ ایک فواد ہے اور ایک لب۔ گو مفسرین کی تفاسیر میں سب کے ایک ہی معنی کئے گئے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تینوں جدا جدا قوائے انسانی کے نام ہیں۔ جو اس کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے عطا کئے گئے ہیں۔ قلب اس پارہ گوشت کا نام ہے جو صنوبری شکل کا بائیں جانب میں ہوتا ہے۔ جس کے اندر سیاہ خون ہوتا ہے۔ اور یہ انسان کے جسم طبیعی میں کل اعضاء وجوارح کا مرکز اور مربی ہے۔ اور سب سے اعلیٰ اور افضل عضو ہے۔ جس کو

دل بھی کہتے ہیں۔ اور فواد دل کا مقام نفس ہے۔ جو قلب طبیعی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور لُبّ مقام روح عقلانی ہے۔ جو نفس سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے اعضاء وجوارح غیر متاثرہ ہیں۔ اور اس فواد کا یہ کام ہے کہ وہ حق وباطل میں تمیز کرتا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ سمع اور بصر۔ صور اور الفاظ کو اُس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پس وہ حق وباطل میں فرق کرتا ہے۔ حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو رد۔ پس یہ سمع۔ بصر اور فواد انسان کو خداوند عالم نے تحصیل حقائق اور معارف کیلئے عطا کیے ہیں۔ اگر انسان ان سے حق وباطل میں فرق اور تمیز نہیں کریگا تو اس سے اس امر کا مواخذہ کیا جائیگا۔ "ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسئولا۔" حیوانات کو خداوند عالم نے فواد اور لُب عطا نہیں کئے۔ ان میں صرف قلب ہے۔ "نقلبهم حیث نشاء۔" پس باوجود ان قوائے عالیہ کے جب انسان حق وباطل میں فرق نہیں کرتا تو گویا اس نعمت عظمیٰ کا کفران کر رہا ہے۔ اس واسطے مستحق جہنم ہے۔ "فقال عزوجل۔ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔" اُن کے قلب ہے مگر اس سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اُن کی آنکھ ہے مگر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے کان ہے مگر سننے کی کوشش نہیں کرتے۔ پس وہ مثل چارپایوں کے ہیں۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر! اور اس قسم کے لوگ غافل ہیں۔

کیا انسان آنکھ سے نہیں دیکھتا، ضرور ہر شے کو دیکھتا ہے اور اسیطرح کان سے بھی ہر آواز کو سنتا ہے پس اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے انسان نفسانی سے کام نہیں لیتا جس کا کام حق و باطل میں فرق اور تمیز کرنا اور موعظہ حسنہ کا سُننا ہے اُس نے اس کو معطل کر رکھا ہے اس سے کوئی کام نہیں لیتا پس اس کی نفسانیت اور روحانیت جاتی رہی ہے۔ وہ صرف انسان طبیعی باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے حیوانات سے بدتر ہے۔ جماد کے درجے میں تنزل کر گیا ہے۔ اسی قسم کے قلب کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ "ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ۔" اور جو لوگ اس فواد سے اور لُب سے کام لیتے ہیں۔ خداوند عالم ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان کو بشارت دیتا ہے۔ "فقال عزوجل "انما یتذکر اولوا الالباب۔" وقال "فبشر عبادی الذی یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین هدٰهم الله واولئک هم اولوا الالباب۔"

بہر حال انسان ترقی کے تین درجے رکھتا ہے۔ ایک انسان طبیعی، وہی ہے جو منتہائے ترقی عالم مواد ہے۔ دوسرا انسان نفسی ہے۔ جو منتہائے ترقی عالم برزخی ہے اور تیسرا انسان عقلی ہے۔ جو منتہائے ترقی عالم عقول ہے۔

انسان نفسی اور انسان عقلی جہنم میں نہیں جائینگے

انسان نفسی کا کام بواسطہ عقل استماع موعظۂ حسنہ اور تفریق حق و باطل اور اختیار حق اور تردید باطل اور کسب و تحصیل حقائق و معارف اور اتباع عقل اور اعمال صالحہ کا بجالانا ہے۔ اسی لئے وہ ہرگز ہرگز جہنم میں نہیں جائے گا۔ چنانچہ اہل جہنم کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں صرف انسان طبیعی ہی ڈالا جائیگا۔ نہ نفسی و عقلی۔ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ یعنی اگر ہم بھی انسان نفسی اور عقلی کی تربیت کرتے۔ اس طرح سے کہ حق کو سُن کر اس کی تصدیق کرتے اور عقل کے مطابق اس کو بجالاتے تو آج اہل جہنم میں سے نہ ہوتے۔ پس ثابت ظاہر ہے کہ جہنم میں وہی انسان طبیعی ڈالا جائے گا۔ انسان نفسی اور عقلی کو جہنم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ جنات النعیم میں اپنے جسم طبیعی کو اپنے ہمراہ لے جائیگا۔ اور وہاں انواع و اقسام کی نعمات الٰہیہ سے متنعم ہوگا۔ پس یہ انسان طبیعی ذریعہ اور واسطہ ہے ترقی انسان نفسانی اور عقلانی کا۔ اور بدیہی ہے کہ وہ عالم دنیا اور عالم موادیں سے ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے۔ "الدنیا مزرعۃ الاخرۃ"۔ پس ترقی انسان نفسانی اور انسان عقلی موقوف ہے ترقی انسان طبیعی جسمانی پر۔ اور انسان نفسانی عالم موادیں ایک طرح کا قیدی اور محبوس ہے۔ آزاد نہیں ہے۔ اور جب وہ اس انسان طبیعی سے خارج ہو جاتا ہے تو اس کے سارے کمالات بالفعل ہو جاتے ہیں اور یہ ترقی اس کو بغیر موت نہیں ہوسکتی مگر موت سے جب موت آتی ہے تو وہ عالم حجاب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس کے کمالات ذاتی عالم فعلیت میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ کہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ مجھے کسی کام کے کرنے میں تردد نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کسی مومن کی روح قبض کرنی ہوتی ہے میں تو اس کو ترقی دینا چاہتا ہوں۔ اور وہ اس بات کو مکروہ سمجھتا ہے۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین۔

مفہوم موت کی توضیح

افسوس ہے کہ موت کے معانی سے بہت کم لوگ واقف ہیں پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ موت معدوم ہو جانے کا نام نہیں ہے۔

اس لئے اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ قول عزوجل۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربك راضیۃ مرضیۃ ۔

افسوس ہے کہ شان نبوت کلیہ کو خود مسلمانوں نے اس درجہ گھٹایا ہے کہ شاید اس سے زیادہ تنزل ممکن اور متصور نہیں ہوسکتا۔ آپ آیۂ مندرجہ ذیل کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مفسرین نے خاتم المرسلین وجہ اللہ فی العالمین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک طبعی انسان سے زیادہ تصور نہیں کیا ہے " انك میت وانہم میتون " اے پیغمبر تو میت ہے اور وہ بھی میت ہیں۔ مفسرین اس کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جس طرح اور لوگ مرجاتے ہیں اسی طرح تو بھی مرجائے گا۔ یعنی جس طرح سے اور بنی نوع بشر کے اجزائے طبعیہ بدنیہ میں اضمحلال اور تفرق پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح سے تیرے اجزائے بدنیہ میں بھی تفرق اور اضمحلال اور فنا واقع ہوگی۔ حالانکہ وہ جناب مخلوقات الٰہیہ علوی وسفلی میں وجہ اللہ، ید اللہ عین اللہ، نور اللہ اور روح اللہ ہیں۔

خاتم المرسلین اور ان کے اوصیاء معصومین نفس اللہ وجہ اللہ فی العالمین ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام

بدیہی ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے سے کوئی شے حاصل کرتا ہے اور اس کی براہ راست اتباع کرتا ہے تو وہ شخص دوسروں کے واسطے جو اس شخص اول تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کا وجہ ہو سکتا ہے کیونکہ وجہ کے معنے " مایتوجہ الیہ " کے ہیں۔ چونکہ ارشاد باری ہے کہ تم ہر شے کی مثال اپنے نفسوں میں دیکھ سکتے ہو " وفی انفسکم افلا تبصرون " اس لئے تم وجہ اللہ کے معنے اور مثال کو بھی اس نفس سے معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہ اعضاء وجوارح طبعیہ ونفسانیہ اس انسان عقدوفی کے ایسے مطیع اور فرمانبردار ہیں کہ اس کے حکم سے ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں کرتے۔ اس کا حکم فوراً بجالاتے ہیں۔ اس کی خواہش اور ارادے کے تابع ہیں۔ اس کو حکم دینے میں ان سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جب وہ پاؤں کو چلنے کا حکم دیتا ہے۔ تو یہ نہیں کہتا تو چل۔ یا کان کو سننے کا حکم دیتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ تو سن۔ یا آنکھ کو حکم دیتا ہے۔ تو یہ نہیں کہتا کہ تو دیکھ۔ تب آنکھ دیکھتی کان سنتا ہے اور پاؤں چلتا ہے۔ صرف اس کا ارادہ ہوتا ہے اور یہ تمام اعضاء اور جوارح اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اسی طرح سے وہ نفوس قادسیہ مقدسہ جو وجہ اللہ۔ ید اللہ، عین اللہ، اذن اللہ اور نفس اللہ فی العالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے

ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے کوئی کام نہیں کرتے۔ کلام کرتے ہیں۔ تو اللہ کے ارادے سے۔ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحی۔ چلتے پھرتے ہیں۔ تو لوجہ اللہ چلتے پھرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ تو لوجہ اللہ کھاتے ہیں۔ نکاح کرتے ہیں تو لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ غرضکہ کسی کام سے وہ غیر وجہ اللہ ارادہ نہیں رکھتے۔ سارے کام لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ ہر حالت میں ارادے اور مشیت الٰہیہ کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آیۂ مجیدہ اس مطلب کو واضح کرتی ہے "وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ" پس ان کے اجسام و انوار گویا مشیت اور ارادۂ الٰہی کے لئے انسان نفسانی اور طبعی ہیں۔

پس جب تک منشاء الٰہی مخلوقات میں جاری اور ساری ہے ان کی لقا ضروری اور لازمی ہے۔

اور بدیہی ہے کہ جب تک نفس اور عقل مجرد جسم طبعی میں جاری اور ساری ہوتے ہیں جسم طبعی انسانی خراب و تباہ نہیں ہوتا۔ ہر وقت ترو تازہ ثابت و قائم رہتا ہے۔ اس لئے جب تک مخلوقات علوی اور سفلی میں منشاء مشیت اور قضاء و قدر الٰہی جاری و ساری ہیں۔ اس وقت تک وجہ اللہ نفس اللہ زمین و آسمان میں ترو تازہ صحیح و سالم۔ ثابت و قائم زندہ و باقی رہے گا۔ اس کو عالم زمانی، دہری یا عالم برزخی نفسی فنا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ان عوالم سے بزرگ و برتر بلکہ ان سب کا مجمع و مرکز ہے "فقال عزوجل۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" یعنے ہر شے جو زمین میں زندہ موجود ہے سب فنا ہوتی رہیگی۔ مگر جو وجہ رب ہے وہ نہیں فنا ہوگا۔ دائمی طرح باقی رہے گا۔ کیونکہ اس پر یہ عوالم تاثیر نہیں کر سکتے۔ وہ ان سے اعلےٰ و افضل بزرگ و برتر ہے۔ چنانچہ وہ جناب خود بھی اپنی زبان صداقت بیان سے ارشاد فرماتے ہیں "انا وجہ اللہ الباقی ابعد فناء کل شیٔ"

اور وہ وجہ رب کیا ہے "ذوالجلال والاکرام" ہے یعنی اپنی قوت جلالی سے اشیاء کو فنا کر دیگا اور جنبۂ اکرام سے زمین کو باقی رکھیگا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور یہ وجہ رب زمین میں ہے آسمان میں نہیں ہے۔ کیونکہ علیھا کی ضمیر زمین کی طرف پھرتی ہے۔ پس زمین کی موجودات فنا ہوتی رہیں گی۔ لیکن اس میں وہ جو وجہ رب ہے۔ فنا نہیں ہوگا۔ وہ ہر وقت زندہ اور موجود رہے گا۔ اور جب خداوند عالم کو منظور ہوگا۔ کہ اب زمین و مافیہا کو فنا کر دیا جائے اور مخلوقات کو عالم عقلانی میں پہنچایا جائے۔ تو وجہ اللہ کو اللہ زمین سے اٹھائیگا۔ زمین بھی فنا ہو جائے گی۔ یوم تبدل الارض

علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اور یہ معانی اس آیۂ مجیدہ کے اسی آیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کسی تفسیر اور حدیث سے نہیں نکالے گئے ہیں۔ کیونکہ انک میت وانہم میتون جملہ اسمیہ ہے۔ جملہ فعلیہ نہیں ہے۔ اور جملہ اسمیہ دوام۔ استمرار پر دلالت کرتا ہے لہٰذا محبوب تو ہمیشہ میت ہے کسی خاص زمانے اور وقت میں نہیں۔ اگر جملہ فعلیہ ہوتا تب تو البتہ مفسرین کے معانی درست ہوتے۔ کیونکہ پھر تو وہ موت خاص کسی ایک وقت اور زمانہ میں واقع ہوتی لیکن چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس لئے میت سے مراد محیط منتہائے ترقی۔ نفی ہے نہ اور کچھ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بہرحال جب تک زمین میں وجہ رب وجہ اللہ باقی ہے۔ زمین اسی طرح سے قائم اور دائم رہے گی۔ اور جب وجہ رب اس زمین سے تشریف لے جائے گا۔ تو اس وقت یہ زمین بھی متفرق اور فنا ہو جائیگی یوم تبدل الارض غیر الارض۔ افسوس ہے کہ بہت سے مطالب تنگی وقت کی وجہ سے بیان نہیں ہو سکتے۔ "وجہ اللہ اور ہے اور" وجہ الرب" اور "وجہ اللہ" مقام نبوت ہے اور "وجہ الرب" مقام امامت۔

خیر ایک مسئلہ جس سے نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ وہ اس مقام کے مناسب ہے۔ اور اب اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلۂ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی

وہ مسئلہ تثاقل عمومی اور تدافع عمومی ہے یعنی آج کل یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ ہر جسم اور ہر جرم میں ایک قوت جذب ہے۔ اور ایک قوت دفع۔ پس ہر جسم اپنی قوت جذب سے دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا اور جذب کرتا ہے۔ اور وہ قوت دفع سے اس کو اپنے نزدیک سے دور پھینکتا ہے۔ پس اس تثاقل و تدافع عمومی پر نظام عالم قائم ہے کہ زمین آفتاب میں منجذب نہیں ہو جاتی اور ستارے زمین سے نہیں ٹکراتے۔ ہر ایک بجائے اپنے مقام پر قائم اور ثابت ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں جب محققین فرنگ نے غور و خوض اور مشاہدہ کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ پختہ بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ کیونکہ جب بعض سیارے حرکت کرتے کرتے کسی ایک بڑے جسم مثلاً آفتاب کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر ان کو چاہیے کہ اصل مذکور کی بنا پر آفتاب میں منجذب ہو جائیں۔ جس طرح سے مقناطیس کے بہت قریب جا کر لوہا اس میں منجذب ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا وہ پھر آفتاب سے دور چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں۔ کہ معلوم نہیں وہ کیا شے ہے جس نے

زمین اور آسمان کو اپنی اپنی جگہ قائم اور ثابت کر رکھا ہے پس وہ متحیر و مبہوت ہیں، کچھ نہیں بیان کرتے کہ وہ کیا شے ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن لینے قائن ہیں تو اس امر کو تلاش نہیں کرتے۔ وہ تو انسان طبیعی فیثا غورث۔ افلاطون۔ نیوٹن۔ گوئٹی وغیرہ کی تصنیفات و تالیفات میں اس مسئلہ کو ڈھونڈتے ہیں!!

آسمان ستون غیر مرئی پر بلند اور قائم ہے

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "رفع السماء بغیر عمد ترونها" خداوند عالم نے آسمان کو ایک ایسے ستون سے بلند فرمایا ہے جس کو تم نہیں دیکھ سکتے یعنی آسمان کو ستون سے بلند اور قائم کیا گیا ہے۔ لیکن وہ ایسا ستون نہیں ہے جسکو ہم دیکھ لیں وہ ہمیں نظر نہیں آسکتا ہے۔

سبحان اللہ جو شئے ہماری سمجھ سے باہر ہے اس کو خداوند عالم خود ہی مثال و تشبیہہ دیکر بیان کرتا ہے۔ تاکہ ہم بھی اس کو سمجھ لیں۔ فقال عزوجل "مثل کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السماء" پس وہ ستون کلمۂ طیبۂ الٰہیہ ہے جو مثل ایک درخت عظیم کے ہیں کہ اس کی جڑ تو زمین میں قائم اور ثابت ہے اور شاخ آسمان میں پہنچی ہوئی ہے پس اصل سے مراد وہی وجہ رب ہے۔ جو زمین میں غیر فانی ہے۔ کیونکہ ثابت وہی شئے ہو سکتی ہے جس پر فنا ثابت نہ ہو سکے اور فرع سے مراد اس کا اکرام ہے کہ اس نے اپنے جنبۂ اکرام سے انتظام عالم کو قائم کر رکھا ہے۔ اور جب وہ وجہ رب کی زمین سے تشریف لیجائیگا۔ تو آسمان لفافہ کی طرح لپیٹا ہوا چلا جائے گا "یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات مطویات بیمینه"!

پس وہ شئے جس نے ان کرات ارضی و سماوی کو قائم اور باقی رکھا ہے۔ وہ وہی وجہ اللہ دین جو ارکین زمین و اساطین آسمان کہلاتے ہیں ؎

قدم سے ہودے دین کے زمیں پانی پہ قائم ہے
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

اللھم صل علی محمد و آل محمد بعد د معلوماتك فی الازل والابد۔

انسان طبیعی، انسان نفسی، انسان عقلی سب نوع انسان میں موجود ہیں

بہر حال جس طرح سے ہر وجود انسانی تین درجے رکھتا ہے۔ اسی طرح سے نوع انسان میں بھی تین قسم کے انسان

موجود ہیں یعنی جس طرح سے ایک فرد انسانی میں تین طرح کے انسان موجود ہیں - اسی طرح سے
مجموعہ افراد انسانی میں بھی علیحدہ علیحدہ تین قسم کے انسان موجود ہیں - ہمارے اس بیان کو
توہمات خیالیہ سے نہ سمجھا جائے - اس بیان کی قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد آیات موجود
ہیں - تدبر اور تفکر شرط ہے - منجملہ ان کے یہ آیت ہے قال عزوجل : وکنتم ازواجا ثلثة
فاصحب المیمنة ما اصحب المیمنة واصحب المشئمة ما اصحب المشئمة والسبقون
السابقون اولئک المقربون - پس اصحاب المیمنہ یا اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جو سابقون
سے استماع اور حفظ کرتے ہیں - اور حق و باطل میں فرق کر کے ان کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں -
اور ان کا نفس ان کی طبیعت پر غالب ہے - جب ان کا انسان طبیعی حرام و حلال ان کے سامنے پیش
کرتا ہے تو حلال کو قبول کرتے ہیں اور حرام کو رد کر دیتے ہیں - اور اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرتے
ہیں اور سابقون کو اپنے رشد کا وجہ قرار دیتے ہیں اور خود ان کی اطاعت کر کے مخلوق میں ان کا
وجہ بنتے ہیں - جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" پس جو شخص
حلال و حرام اور حق و باطل میں تمیز رکھتا ہے اور حدود اللہ سے تخلف نہیں کرتا - وہ یقیناً انسان نفسانی
کے درجہ میں پہنچ گیا ہے اور انسان نفسانی ہے -

اور جو شخص نہ تو سابقون سے معرفت کرتا ہے - اور نہ حلال و حرام میں فرق کر سکتا ہے اور نہ کوئی
حدود اللہ کی پرواہ نہیں کرتا - وہ یقیناً انسان طبیعی ہے جس کو خداوند عالم نے اصحاب
المشئمہ اور اصحاب الشمال کہا ہے - اور جو تمام مخلوقات الٰہیہ سے ہر بات میں سابق ہیں - وہ دین
میں سابق ہیں - وہ خلق میں سابق ہیں - علم میں سابق ہیں - خلق میں سابق ہیں - صورت میں سابق ہیں - سیرت
میں سابق ہیں - ہر امر میں سابق ہیں - وہ یقیناً انسان عقلی ہیں - اس لئے کہ ان کا تعلق براہ راست
ذات واجب الوجود سے ہے - ان کے مابین کوئی اور فاصلہ نہیں ہے - کیونکہ وہ مقربین بارگاہ واجب
الوجود ہیں - اور مقرب وہ ہے کہ درمیان دو شئے کے فاصلہ قرب کو ختم کر دیتا ہے
پس سے بلا واسطہ ان کا تعلق ذات واجب الوجود سے ہے - پس وہ ہر شئے کو واجب الوجود سے
براہ راست لیتے ہیں اور اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو انہوں نے وجہ بنایا ہوا ہے - پس وہ
اس کی مشیت ہیں - اس کے ارادے ہیں - اس کی لوح ہیں - اس کے قلم ہیں - اس کے ہاتھ ہیں
اس کے بازو ہیں - اس کی آنکھ ہیں - پس وہی لوح محفوظ ہیں - وہی کتاب اللہ ہیں - وہی کلمۃ اللہ
ہیں - وہی اسماء حسنیٰ ہیں - وہی فرقان ہیں - وہی قرآن ہیں - وہی کل عوالم کے بشیر و نذیر ہیں -

وہی صراطِ مستقیم ہیں - وہی میزانِ عدل ہیں - وہی حاشر ہیں - وہی محاسب ہیں - وہی شفیع ہیں وہی خدا ہیں - وہی قسیمِ جنت و نار ہیں - انہی کو ارشادِ باری ہے "القیا فی جہنم کل کفار عنید" یعنی دو شخص یعنے محمد و علی ہر کفار و عنید کو جہنم میں ڈال دو - اللھم صل علی محمد و آل محمد

پس مجموعہ افرادِ انسانی میں انسان طبیعی مشرکین و منافقین ہیں اور انسان نفسانی موحدین و مومنین ہیں اور انسان عقلانی انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین ہیں - علیہم الصلوٰۃ والسلام ؛

اس لئے انسان طبیعی اور نفسی پر واجب و لازم ہے کہ ان کے اقوال و افعال کی اتباع اور اطاعت کرے نہ یہ کہ ان کو اپنے قوانین مہملہ اور ضوابط فاسدہ پر چلنے کے لئے مجبور کرے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو قتل کرے اور زہر دیدے !!! ایسوں کے لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے - "یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"

ظرف مظروف کے قابل اور لائق ہونا چاہیئے

قاعدہ ہے کہ جیسا مظروف ہوتا ہے - ویسا ہی اس کے لئے ظرف تیار کیا جاتا ہے - گل گلاب کیلئے ڈکرے ہوتے ہیں عرق گلاب کیلئے قرابہ ہوتا ہے - اور عطر گلاب کے لئے نہایت صاف و شفاف نگدار شیشی تیار کی جاتی ہے - عطر گلاب مٹی کے کوزے میں نہیں رکھا جاتا -

پس وہ صادر اول جو کل نور اور برقیات اور ملکوت ارضین و سموات کا مصدر ہے - چاہئے کہ اس کے لئے ظرف بھی ویسا ہی نوری اور برقی اور ملکوتی ہو کیونکہ اور کسی غیر جنس کے ظرف اس کی تاب نہیں لا سکیں گے - پس خلاق عالم جو صاحب عرش ہے - اس نے روح اعظم نبوی کو اپنے عرشِ رحمت سے صادر فرمایا ہے - پس وہ روح اعظم روح عرشی ہے پس جو روح عرشی ہے تو اس کیلئے جسم بھی عرشی ہی ہونا چاہئے - چنانچہ ارشاد فرمایا ہے "رفیع الدرجات ذو العرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق" پس خلاق عالم نے اس روح اعظم نبوی کے لئے جسم بھی ویسا ہی نورانی عطا فرمایا ہے جیسا اس کا عرش علمی روشن اور منور ہے - چنانچہ ارشاد ہوا ہے "ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا وکان ربک قدیرا" اللہ وہ ذات پاک ہے کہ جس نے روح اعظم نبوی کو ماء مطلق کے جسم میں صورت بشری یعنی دیدنی عطا کی ہے اور اللہ اس امر پر قادر ہے کہ وہ نور کو نور کے جسم میں ظاہر کرے پس یہ کون سا پانی ہے ؟ یہ وہی پانی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے "ھو الذی

خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء یعنے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں خلق فرمایا ہے اور اس وقت اس کا عرش رحمت یا عرش علمی پانی پر تھا یعنی اس زمین و آسمان کی خلقت سے پہلے روح اعظم نبوتی جسم نورانیہ مائیہ میں موجود تھی۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور جب خداوند عالم کو منظور ہوا۔ کہ مخلوقات کو خلق فرمائے۔ تو اس نے پہلے ان مخلوقات علوی و سفلی کے قوالب و اجسام و اجرام و ہیاکل تیار کئے۔ بعدازاں ان میں وہی ماء نورانی جو حبیب نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی۔ جاری و ساری فرمائی۔ پس وہ عرصہ عدم سے میدان وجود و شہود میں جلوہ گر ہوئے۔ فقال عزوجل: وجعلنا من الماء کل شیء حی۔ ہم نے ہر زندہ شے کو خواہ وہ عالم علوی کی ہے یا عالم سفلی کی سب کو پانی سے زندہ بنایا ہے۔ یاد رہے کہ

"مقام اجزاء و تقسیم نور محبوب در اجرام و اجسام مقام طینت محبوب ہے۔ نہ روح اعظم نبوتی۔ ورنہ کل اجزاء و اجسام اور تمام ہیاکل و صور خاتم النبیین ہوتے کیونکہ مدار ختم وہی روح اعظم نبوتی ہے نہ طینت"

پس جہاں کہیں "نفخت فیہ من روحی" آیا ہے۔ اس روح سے وہی بعض طینت محبوب رب العٰلمین مراد و مقصود ہے نہ روح اعظم نبوتی۔ کیونکہ اس کی تجلیات کو اور کوئی جسم اور جرم برداشت نہیں کر سکتا۔ کیں جنبۂ اجلیت بالغیر ہے۔ جکمی اس کی تاب کب لا سکیگا۔ کوہ طور اس روح اعظم نبوتی کے ذرا سے جلوے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور جناب موسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر بیہوش ہو کر گر پڑے فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا۔ پس جس قدر انبیاء و مرسلین میں کمالات موجود ہیں وہ سب آپ کی طرف سے ان کو پہنچے ہیں اور سب آپ ہی کا فیض ہے۔ ؎

از طفیل نور تو آدم شدہ شاہ زمیں
در جبین پاک او مسجود عالیشان توئی

توضیح لفظ البشر و ابوالبشر

جناب آدم علیہ السلام کو ابوالبشر کہتے ہیں بشر اس شے کو کہتے ہیں جس کا وجود اور جثہ ظاہر ہو پس بادی البشرہ کے معنے محسوس اور مشاہد جسم کثیف کھال والا شخص ہے اور وہ انسان جو مشاہد اور محسوس بحواس ظاہری ہے وہ انسان طبیعی، دی بشر ہیں گویا جناب آدمؑ انسان ظاہری کے اب (باپ) ہیں اس لئے کہ خلاق عالم نے انسان ظاہری طبیعی کا سلسلہ جناب آدمؑ سے شروع کیا ہے

فقال عزوجل انی خالق بشرا من طین فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا
له ساجدین۔ یعنی میں ایک انسان یعنی مادی البشر بنانا چاہتا ہوں جو سب کو نظر آئے گا۔
اور جب میں اس جسم کے ظاہر مادی کو بنا لوں۔ اور پھر اس میں اپنی ذاتی روح پھونک دوں تب تم
سب کے سب اس کو سجدہ کرو!

بدیہی ہے کہ قالب بشری جناب آدم کو سجدہ نہیں دلوایا گیا تھا۔ بلکہ اس نعیقی روح کو
جو اس میں پھونکی گئی تھی۔ اور وہ روح کیا شے تھی۔ نور محمدی کی ایک شعاع تھی۔ اور یہ قالب بشری
جناب آدم محض بہ نسبت نورانیہ محمدیہ کے ایک ظرف تھا روح اعظم نبوی کیلئے۔ ورنہ جناب
آدم بھی تمام انبیاء جو ہوتے ہیں جناب آدم ابو البشر ہی ہو کر رہ گئے۔ اور خاتم المرسلین سید الاولین
والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح امر الارواح ہے اور ذات واجب الوجود صدر اول
خالق الارواح ہے۔

جسم مادی یعنی انسان ظاہری جس کو بشر کہتے ہیں۔ تراب سے بنا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے
ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقه من تراب یعنے مثال جناب عیسیٰ کی خداوند عالم
کے نزدیک مثل آدم کے ہے کہ ان کو تراب سے خلق فرمایا تھا۔ پس جناب آدم ابو البشر ہیں۔
ابوتراب نہیں ہیں۔ یعنی اصل اصول مادہ بشری نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی ایک صورت کے ارباب
ہیں۔ ابوتراب وہ ہے۔ جو اس نورانی سے مخلوق ہوا ہے۔ جس سے روح اعظم نبوی
مخلوق ہوئی ہے۔ قال عزوجل هو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا وکان
ربک قدیرا۔ یعنی ابوتراب وہ شخص ہے جس کا جسم ظاہری اس طین سے مخلوق ہوا ہے جس سے
روح اعظم کا جسم ظاہری مخلوق ہوا ہے پس وہ نسب میں اسکا صهر ہوا اور وہ اسکا داماد ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

توضیح لفظ امی

نبی اکرم باعث ایجاد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی کہتے ہیں جس کے معنے
ان پڑھ یعنی جاہل کے کرتے ہیں۔ قال عزوجل۔ الذین یتبعون الرسول
النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل
یامرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات و
یحرم علیهم الخبائث۔ فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور
الذی انزل معه اولئک هم المفلحون۔

[illegible]

قادسہ ومقدسہ عالم بہ تعلیم الہی ہیں۔ انہوں نے مخلوق سے علم نہیں حاصل کیا ہے۔ اس لئے امی ہیں
چنانچہ قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہے "بل ھو ایات بینات فی صدور الذین اوتوا
یعنی قرآن کیا شے ہے؟ قرآن آیات بینات ہیں سینوں میں ان لوگوں کے جن کو خداوند عالم
نے علم عطا کیا ہے نہ اُن لوگوں کے پاس جنہوں نے کسب اور تحصیل سے علم حاصل کیا ہے اور
یہ لوگ جو اوتوا العلم" ہیں۔ یعنی صاحبان علم لدنی۔ زمانہ رسول میں بھی موجود تھے۔ اور لوگ بھی
انکو جانتے تھے۔ کہ وہ صاحبان علم لدنی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے" ومنھم من یستمع الیک
حتی اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال آنفا۔ اولئک الذین
طبع اللہ علی قلوبھم واتبعوا اھوائھم" یعنی اے رسول بعض لوگ ایسے ہیں کہ تیری
باتوں کو خوب کان لگا کر سنتے ہیں۔ لیکن جب تیرے پاس سے باہر جاتے ہیں۔ تو ان لوگوں سے جو
"اوتوا العلم" ہیں کہتے ہیں کہ رسول نے اب کیا کہا تھا۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ بہر
حال خلاق عالم نے ان نفوس قادسہ ومقدسہ کی ارواح نورانیہ کے لئے جو ام الارواح ہیں۔
اجساد بھی ویسے ہی نورانیہ خلق فرمائے ہیں۔ لیکن ان ارواح اور اجساد کی نورانیت ایسی نہیں ہے
کہ ہم اس کو حواس ظاہری سے محسوس کر سکیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ہمارے سمجھانے اور
حواس ظاہریہ سے محسوس کرنے کے لئے تشبیہات مفردہ ومرکبہ اور محسوسہ وغیر محسوسہ سے
آیہ مجیدہ میں بیان فرمایا ہے" اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا
مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ
مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیء ولو لم تمسسہ
نار نور علی نور" یعنی وہ ارواح نورانیہ ایسے اجساد نورانیہ میں رکھی گئی ہیں۔ جن کو نور علی نور
کہہ سکتے ہیں۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد۔

پھر آگے چلکر انکی توضیح فرمادی ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کیا ہیں؟ "فی بیوت اذن اللہ ان ترفع
ویذکر فیھا اسمہ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" تجارت اور بیع
کیا ہیں ان کے واسطے اب وقت نہیں ہے۔

ہر نبی نے اپنے بعد میں آنیوالے کی بشارت دی ہے۔ جناب آدمؑ نے جناب نوحؑ کی۔
جناب نوحؑ نے جناب براہیمؑ کی۔ جناب براہیمؑ نے جناب موسیٰؑ کی۔ جناب موسیٰؑ نے جناب عیسیٰؑ کی۔ اور
جناب عیسیٰؑ نے خاتم المرسلین سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت

دی ہے۔ و بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوریۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد پس کل انبیاء و مرسلین نے گویا آپ کی بشارت دی ہے اور آپ کے بعد نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے۔ اور اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید و فرقان حمید میں آپ کو بھی مبشر کہا گیا ہے۔ یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا پس آپ بھی ضرور کسی کے مبشر ہیں پس آپ اس امام آخر کے مبشر ہیں جس سے خداوند عالم نے وعدہ کیا ہے۔ کہ ان کو تمام روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔ اور ان کے ہاتھ پر کل زمینی اور آسمانی تخلوقات اسلام لائے گی اور ان کے ہاتھوں سے اسلام تمام ادیان پر غلبہ و ظہور حاصل کرے گا۔ فیومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ اللہ اکبر اس روز وہ دن ہوگا۔ کہ خداوند عالم نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تم اس دن تک موجود ہونے کی ہم سے درخواست کرو ہم تمہاری درخواست منظور کریں گے فقال عزوجل۔ قل رب اما ترینی مایوعدون انا علی ان نریک ما نعدھم لقادرون پھر جب وہ آخری امام ظہور فرمائے گا تو اس کے نور سے تمام زمین و آسمان روشن اور منور ہو جائیں گے۔ اس وقت آفتاب و ماہتاب کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی کیونکہ حسب وعدہ وہ نور الانوار اور روح الارواح جو مبداء و مرکز ہے۔ ملکوت سماوات و ارضین کا اس کے ہمراہ تماشا دیکھنے کے لئے موجود اور حاضر ہوگا۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ واشرقت الارض بنور ربھا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین

والسلام علی من اتبع الھدٰی

مجلس اوّل

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوم ندعوا کل اناس بامامھم

انسان محسوسات کے ذریعہ معقولات کو سمجھتا ہے اور جو امر مختلف فیہ ہے اس پر غور کیا جاتا ہے تو حقیقت واقعیہ آہستہ آہستہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن جس شے میں مخالفت نہیں ہوتی وہ مسلم حقیقت ہوتی ہے۔ تاہم حق کا اظہار مشکل ہو جاتا ہے کہ ذہن کی توجہ اس کی تحقیق کی طرف نہیں ہوتی کیونکہ اس میں سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ مثلاً اسلام پر ہم سب کا اتفاق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کی حقیقت ہی مفقود ہو گئی ہے محض اب اسی ہی پر قناعت ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ فھو مسلم اور اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ باوجود اس کے قائل ہونے کے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکفیر کرتا ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ اصل اسلام کیا ہے کہ باوجود اس کے کہنے کے ایک دوسرے کو کافر کہا جاتا ہے۔ اور باقی ارکان توحید و نبوت و قیامت ہیں۔ اور اسی طرح فروعات اسلام روزہ۔ نماز۔ حج وغیرہ ہیں۔ اور ان سب کو بھی لوگ مانتے اور بجالاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایک فرقہ دوسرے کو کافر ہی کہتا ہے۔ معلوم نہیں کہ آخر اسلام کیا ہے جس کے ماننے اور بجالانے سے ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں؟ پس اصل بات یہ ہے کہ ٹھیک اور درست تعریف اسلام کی اہل علم نے نہیں کی ہے۔ جس سے سب مسلمان دائرۂ اسلام میں داخل ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں سے روح اسلام مفقود ہو رہی ہے۔ کیونکہ سنی شیعہ کو کافر و رافضی کہتے ہیں۔ اور شیعہ سنی کو کافر اور مشرک کہتے ہیں اور حالانکہ "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" کے سب قائل ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ حقیقت اسلام اب تک لوگوں کو معلوم نہیں ہوئی ہے۔ ورنہ آپس میں ایک دوسرے کو کافر نہ کہتے بلکہ کل مومن اخوۃ کے مطابق سب ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھتے۔

ابتدائے اسلام کی حقیقت لوگوں کو ٹھیک معلوم تھی یہی وجہ تھی کہ ذمی کافر تک

ہی حکم کے ماتحت ہو تے تھے۔ اور یہود ونصاریٰ سب اسلام کے اس حکم میں آجاتے تھے۔ اور ایک دوسرے سے برادرانہ سلوک کرتے تھے۔ محض ایک جزیہ دیکر اور اب دو مسلمان ایک حکم میں مساوی نہیں سمجھے جاتے پس ظاہر ہے کہ آجکل کا اسلام اس پہلے اسلام سے بالکل مخالف ہے جو دو مسلمان ایک حکم کے تحت میں نہیں آتے۔ پس اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں صاحب اسلام بانی اسلام موجود تھے اور ایک تعریف اور ایک حدا سلام کی مقرر تھی جو خدا ورسول کے منشاء کے موافق تھی جس کے ماتحت سب امن وامان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اب مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے رنج وتعب میں پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت کوئی مسلمان اپنی ذاتی غرض کی خاطر اسلام میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتا تھا کہ بانی اسلام کا رعب تھا! اور اب جو لوگ اسلام کے ہادی بنے ہوئے ہیں اُنہوں نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اسلام کے دائرہ کو ایسا تنگ اور خراب کر دیا ہے۔ کہ سوائے اپنی ذات کے اور کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے!

اگر یہ لوگ اب بھی اصلاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اس طرح سے کہ انہیں پہلے مسلمانوں کے حدود کو قائم رکھیں اور ہر روز نئے نئے فرقے نہ بنائیں۔ بلکہ اُسی پہلی روش پر اسلام کو لے جائیں۔ لیکن پھر ذاتی اغراض کہاں حاصل ہو سکتی ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہادی اسلام ہی کو درست نہیں پہچانا ہے۔ کیونکہ اگر بانی اسلام کو یہ لوگ پہچانتے تو محض اُنہیں کی اصلاح پر کاربند ہوتے اور اپنی رائے کو اسلام میں ہرگز داخل نہ کرتے اور ہر روز قرآن مجید فرقان حمید کے نئے نئے معانی نہ پیدا کرتے اور نئی نئی تفاسیر نہ بناتے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب طالب حق کیلئے محال ہو گیا ہے۔ کہ وہ حق کو پہچانے۔ مثلاً مسئلہ خلافت میں اس قدر طول دیا گیا ہے۔ کہ ہزاروں کتابیں لکھ ڈالی ہیں جن میں محض اپنی بات کو منوانا منظور ہے نہ اظہار حق اور اب اُن کتابوں سے تمام کتب خانے بھرے ہیں اور عوام نے محض انہیں کو اپنا اعتقاد بنا لیا ہے۔ مثلاً آج کل حضرت علی علیہ السلام کی ایسی تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ سے بھی ان کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصل پر فرع کبھی نہیں بڑھ سکتی۔ کیونکہ تفضیل مفضول کی فاضل پر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ دیکھو غالیوں کی کتابیں! اور اسیطرح اہل سنت خلفاء کی ایسی تعریف کرتے ہیں کہ رسول سے بڑھا دیتے ہیں۔ پس بتلاؤ کہ اصل اسلام کہاں سے پیدا کیا جائے۔ کیونکہ اہل اسلام کی تو یہ حالت ہے اور تنزل کے

یہ حال ہے کہ ہر مفسر نے اپنی تفسیر میں کچھ نہ کچھ دوسرے کی تفسیر پر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس مفسر نے محض دوسرے کی نقل کی ہے اور اس کی شان علمی میں فرق آئے۔ پس اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی آیت کا مطلب درست نہیں بنتا۔ ہر شخص کی تفسیر ایک دوسرے کے مخالف ہے۔ پس اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے صاحب قرآن کو نہیں پہچانا۔ ورنہ ہرگز ان کے قول پر اپنے قول کو ترجیح نہ دیتے۔ محض انہیں کی تفسیر پہ اکتفا کرتے۔ کیونکہ وہی حقیقی مبین و مفسر کلام اللہ ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہمارے ہی جیسے ایک آدمی تھے۔ جس طرح وہ معنی کرتے تھے ہم بھی کر سکتے ہیں! لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس قرآن مجید کو ان معانی کے ادا کرنے کے واسطے بھیجا ہے جو اس پروردگار کا منشا ہے۔ جس کو وہ اپنے پیغمبرؐ کے ذریعہ سے مخلوقات میں پہنچانا چاہتا تھا۔ پس یہ لوگوں کی غلطی ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ انما انا بشر مثلکم کیونکہ یہ لوگ یوحیٰ الی کو بھول گئے ہیں۔

پس اب اگر کوئی شخص واقعی قرآن کے معانی سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ رسولؐ کے کلام کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ خداوند عالم نے الفاظ لغت عرب کو اپنے رسولؐ پر نہیں نازل کیا ہے۔ بلکہ ان کے حقائق اور معانی کو اپنے رسولؐ کے قلب پر نازل فرمایا ہے۔ فقال عزوجل۔ نزل به الروح الامین علی قلبك لتكون من المنذرین۔ پس حقائق اور معانی قرآن کو قلب رسول سے قوۃ عاقلہ نے لیا اور اس سے قوۃ حافظہ نے لیا اور اس سے قوۃ مشترکہ نے لیا اور پھر بزبان رسولؐ نے ہم کو بتلایا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اب جس قدر ہماری تفسیریں موجود ہیں وہ سب ہماری ایجاد ہیں خداوند عالم کے منشاء سے انکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حقائق اور معانی قرآنی محض قلب رسولؐ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ نہ ہماری تفسیروں سے۔ اور معرفت رسولؐ میں اب تو یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ خود مسلمان کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ (معاذ اللہ) نبوت سے پہلے چالیس سال تک ایمان ہی نہیں رکھتے تھے! اور اس آیت کے لفظی معنی اپنے دعوے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ وکذالك اوحینا الیك روحا من امرنا ما كنت تدری ما الكتٰب ولا الایمان ولكن جعلنٰه نورا نهدی به من نشاء من عبادنا وانك لتهدی الی صراط مستقیم۔ صراط الله الذی له ما فی السمٰوٰت وما فی الارض اور حالانکہ جناب عیسیٰؑ پیدائش ہی کے دن نبی اور صاحب کتاب تھے۔ قال انی عبد الله اٰتانی الكتٰب وجعلنی نبیا۔ اور یقیناً خاتم النبیین جناب عیسیٰؑ سے افضل ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے

کہ حضرت عیسیٰ سے پست درجہ رکھتے ہوں پس اصل مطلب آیہ مجیدہ کا یہ ہے کہ اے
ہمارے رسول جب ہم نے تجھکو عالم وجود میں عنایت فرمایا تو اس وقت تو کچھ نہیں جانتا تھا اور
جب ہم نے تیرے وجود میں اپنی روح داخل کی تو تو نے اسی وقت سب کچھ جان لیا پس یہ آیہ
مجیدہ ابتدائے وجود محمدی کا بیان کرتی ہے جبکہ خداوند عالم نے اس کو سب سے پہلے پیدا کیا تھا۔ نہ
کہ اس کے عالم طفلی کا بیان ہے جیسا کہ لوگوں نے خیال کیا ہے اگر ایسا ہوتا جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں
تو حضرت پیغمبر ہرگز نہ فرماتے کہ کنت نبیا وادم بین الماء والطین۔ اصل یہ ہے کہ اس
طرح کا پیغمبر تو وہ شخص ہوگا جس کو لوگوں نے خود آپ بنایا ہوگا۔ ورنہ خداوند عالم کا بنایا ہوا پیغمبر
ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ جو چالیس سال تک ایمان سے اور ملکۂ قرآت و کتابت سے
ناواقف ہو۔

دیکھو جناب موسیٰ کی نسبت فرمایا ہے۔ واصطنعتک لنفسی پس کیونکر ہوسکتا ہے۔
کہ جو خدا کا حبیب ہو وہ چالیس سال تک ایمان سے بے بہرہ ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اس طرح کا
پیغمبر انسان کا ساختہ پرداختہ پیغمبر ہوگا۔ نہ خداوند عالم کا۔ وہ خداوند عالم جو علیم مطلق حکیم
مستحق قدیم مطلق ہے۔ جس کو وہ پیغمبر بنائے گا۔ وہ کم سے کم ویسے ہی اوصاف رکھتا ہوگا۔
جس کو خداوند عالم پسند فرمائے جو علیم و حکیم ہے پس کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا محبوب اس شخص
کو بنائے جو چالیس سال تک کیفیت ایمان سے ناواقف تھا پس بیشک ان لوگوں نے
شان نبوت کو نہیں پہچانا ہے۔ ورنہ پیغمبر خدا وہ ہے جس کا ہر ایک بال بال اور ذرہ ذرہ تک
عالم ہوتا ہے دیکھتا ہے سنتا ہے۔ پس ایسے خیال انہیں لوگوں کے دلوں میں خطور کرتے
ہیں۔ جو مقام نبوت سے محض بے بہرہ ہیں۔ کیونکہ جس پروردگار کے سامنے اوصاف
بالذات ہیں۔ علیم بالذات۔ سمیع بالذات۔ بصیر بالذات۔ قدیر بالذات وغیرہ۔ پس
جو ذات اس ذات کی ہے کہ جس کو وہ خود اپنے نفس کیلئے بنائے وہ کس درجہ کی کامل ہوگی۔ حالانکہ جناب
موسیٰ علیہ السلام بمقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ ذرہ ہیں آفتاب کے مقابلہ میں۔ دیکھو جناب
موسیٰ کوہ طور پر ایک ذرہ بھر نور محمدی کی تاب نہ لاسکے پس یہ نور محمدی کس درجہ کا کامل ہوگا۔ یہ علم غیب ہی کی بات
ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ محاط محیط کا احاطہ نہیں کرسکتا پس ہماری روح جو کہ مجرد ہے اور ناطقہ ہے
رسول سے مخلوق ہوئی ہے۔ وہ لوح قلم ہے اور روح نبوت پیغمبر محیط ہے۔ اس لئے ہم ہرگز
حقیقت رسول کو نہیں پہچان سکتے مگر جب ہمیں خود وہ جناب پہچنوائیں ورنہ ہم حقیقت کے ایک بال کی

حقیقت کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ منقول ہے کہ ایک شخص خلیفہ مامون کے پاس سات عدد بال لایا
اور ظاہر کیا کہ یہ بال پیغمبر خدا کے ہیں۔ مامون نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور بعد میں جناب امام رضا
علیہ السلام سے کہا کہ میں نے محض مسلمانوں کی خاطر ان بالوں کی تعظیم کی ہے۔ ورنہ اس کا کیا ثبوت ہے
کہ یہ بال پیغمبر خدا کے بال ہیں پس جناب امام رضا نے ان بالوں کو لیکر سونگھا اور فرمایا کہ چار بال الگ
کر دو اور تین رکھ لو۔ واقعی یہ تینوں بال میرے جد امجد رسول اللہ کے بال ہیں اور اس کا ثبوت میں تجھکو
دیتا ہوں کہ تجھے آگ منگوا لیں۔ جب آگ آئی امام نے ان چاروں بالوں کو آگ کے سامنے کیا تو وہ جل گئے
اور جب ان تینوں بالوں کو آگ کے سامنے کیا تو آگ بجھ گئی۔ پس مامون نے سوال کیا کہ آپ نے کس طرح
پہچانا۔ تو امام نے فرمایا کہ میں اسی طینت سے مخلوق ہوا ہوں جس سے یہ بال بنے ہیں۔ پس امام نے ان
بالوں پر سلام کیا۔ پس ان بالوں سے جواب آیا وعلیک السلام یا ولدی۔ پس ان بال پیغمبر کی عالم اور متکلم ہے

اسلام کے دشمنوں پر ایک عیسائی نے اعتراض کیا ہے یعنی حضرت پیغمبر کا سایہ نہ تھا۔ اور
ہمیشہ حضرت کے سر مبارک پر ابر سایہ انداز رہتا تھا۔ پس اس نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب ابر
کسی پر سایہ کیے ہو۔ تو اس کا سایہ کہاں سے ہوگا۔ پس ایک بات صحیح ہو سکتی ہے نہ دونوں۔ پس
اصل یہ ہے کہ یہ دونوں مسئلے بجائے خود درست اور صحیح ہیں لیکن ان کو لوگوں نے اس طرح سے درج
کیا ہے کہ جس سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے پس حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر کے سر مبارک پر ہر وقت ابر سایہ
انداز نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب سخت دھوپ ہوتی تھی تو اس وقت ابر سایہ انداز ہوتا تھا۔ ورنہ تمام عرب
یہی دیکھ کر مسلمان ہو جاتے۔

اور یہ مسلمہ ہے کہ جب آفتاب کے حد اعتدال میں کوئی شے مستقیم واقع ہوتی ہے تو اس کا سایہ
مفقود ہو جاتا ہے۔ پس چونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبدأ عالم کی صراط مستقیم پر ہمیشہ مستقیم
تھے اس واسطے آپ کا سایہ مفقود تھا۔

اور یہ مشاہدہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ سایہ نہیں پیدا کر سکتا ہے چونکہ وجود مقدسہ آفتاب کا
مبداء ہے اور آفتاب ہی نے سب سے زیادہ نور محمدی کو حاصل کیا ہے۔ تو اس واسطے آپ سایہ نہیں
پیدا کر سکتا تھا۔ دیکھو جب دنیا کا یہ چشمہ آفتاب کی ضوء کو منعکس کر دیتا ہے۔ پس وجود محمدی
جو نور ازلی ہے کیونکر اس کو منعکس کرے گا۔ دوسری غرض جیسا کہ قرآن میں ہے نور و کتاب
مبین۔ پس یہی سبب تھی کہ آفتاب کی ضوء نور محمدی کے سامنے مضمحل ہو جاتی تھی کہ حضرت کے
لباس کا بھی سایہ نہ پیدا کر سکتی تھی۔ پس یہ معجزہ تھا پیغمبر کا کہ حضرت کے کپڑوں کا بھی سایہ نہیں پیدا ہوتا

جب جناب فاطمہ بنت رسول وصی رسول کے گھر آئیں تو ان کے حجرے سے مختلف نور پیدا ہوتے تھے صبح کیوقت سفید نور ظاہر ہوتا تھا ظہر کے بعد سبز نور ظاہر ہوتا تھا عصر کے بعد سرخ نور نمودار ہوتا تھا جس سے مدینہ کے تمام در و دیوار سرخ ہو جاتے تھے۔ اصحاب نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ یا رسول یہ نور کہاں سے ہے تو حضرت نے فرمایا جاؤ میری بیٹی فاطمہ کے گھر کو دیکھو پس ان تینوں نوروں کا منبع جناب سیدہ کا حجرہ طاہر تھا۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہا و ابیہا و بعلہا و بنیہا۔ ایک مرتبہ جناب امام حسنؑ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور بعد نماز عشاء کے حضرت امام حسن کی پیشانی مبارک سے نور چمکا جس کی روشنی میں حضرت اپنے گھر پہنچے۔ پس لوگوں نے پوچھا کہ یہ نور کہاں سے ہے تو حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ نور السموات والارض اور پھر فرمایا کہ اس کا پتہ یہ ہے۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ یہی نور جناب سلیمانؑ کی کتاب میں بھی مذکور ہے جس کے سامنے نور آفتاب اندھا ہو جائیگا۔ اور یہی نور روز عاشورہ ظاہر ہوا تھا جب سیاہ آندھی چلی اور آفتاب کا نور بالکل جاتا رہا اور ایسا اندھیرا ہو گیا تھا۔ کہ ستارے نظر آنے لگے تھے۔ پس اس وقت ایک ایسا نور چمکا کہ اس کے سامنے نور آفتاب کی کوئی حقیقت نہیں تھی پس لوگوں نے اس کا مبداء تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نور پیشانی مجروح جناب امام حسینؑ سے ساطع ہے۔ افسوس آج کل اسلام پر مختلف فرقوں کے نہایت سخت حملے ہوتے ہیں جن کو دیکھکر ایک مسلمان بیتاب ہو جاتا ہے لیکن اہل اسلام اُن کا جواب نہیں دیتے محض اپنی ذاتی اغراض کی خاطر رنگ برنگ کے بے معانی رسالے اور کتابیں شائع کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیمؕ

ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا یہا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

کل میں نے اجمالاً مقدمہ کے طور پر ذکر کیا تھا کہ جس چیز میں اختلاف ہوتا ہے اس کی حقیقت

کسی قدر واضح ہو جاتی ہے اور جس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا اس کی حقیقت بالکل پوشیدہ رہ جاتی ہے یہی باعث ہے کہ بہت سے مسائل جو صدر اسلام سے متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ اُن کی حقیقت بالکل پوشیدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ چونکہ مسئلہ خلافت رسولؐ میں اختلاف ہے اور ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس لئے ہر متنفس سمجھ سکتا ہے کہ اصل بات کیا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ نبوت پیغمبرؐ پر ہر مذہب کا اتفاق ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت خوب واضح نہیں ہوئی اور شان نبوت لوگوں پر کماحقہ پوشیدہ رہ گئی ہے۔ کیونکہ باب نبوت میں بہت مشکل سے چند کتابیں نصاریٰ وغیرہ کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ خلافت کی طرح نبوت میں کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں۔

پس یہی باعث ہوا ہے کہ ہندوستان میں اب نبوت نبیؐ میں شبہ ہو گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ نبی بھی ہمارے جیسا ایک آدمی ہوتا ہے اور ترقی کرتے کرتے نبی بن جاتا ہے!!! لیکن اصل یہ ہے کہ لوگوں نے توحید کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے۔ اسی وجہ سے ان پر نبوت کی حقیقت پوشیدہ ہو گئی ہے اور نبوت کی حقیقت پوشیدہ ہونے سے اصل خلافت کی بھی حقیقت پوشیدہ ہو رہی ہے۔ کیونکہ امامت نبوت کی فرع ہے اور نبوت توحید کی۔ پس اگر یہ لوگ نبوت کی حقیقت کو پہچانے ہوتے تو اسلام میں ہرگز اختلاف واقع نہ ہوتا۔ کیونکہ جس طرح نبیؐ کے زمانے میں سب ذمی اہل یہود و نصاریٰ ایک حکم کے تحت میں شامل ہو جاتے تھے اس طرح کہ کوئی اہل اسلام اُن کو ضرر نہیں پہنچاتا تھا۔ اور نہ وہ اہل اسلام کے ضرر کے درپے ہوتے تھے۔ سب باہم میل جول کے ساتھ امن و امان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی کوئی کسی کے دین میں مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب رومیوں نے قصد کیا کہ دین اسلام کی بنیاد کو برباد کریں۔ اور دمشق میں فوج جمع کر لی اور لڑائی کا پیغام دیا تو اس وقت ذمی یہود و نصاریٰ کی حفاظت کا انتظام مسلمانوں کو مشکل معلوم ہوا۔ پس امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے یہ صلاح دی کہ جس قدر ان لوگوں سے ان کی حفاظت کے واسطے جزیہ لیا گیا ہے سب ان کو واپس کر دیا جائے۔ کیونکہ اب ہم ان کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ پس بہ حکم شکر۔ یہود و نصاریٰ نے جو مسلمانوں کے ذمی تھے کہا کہ ہم جزیہ واپس نہیں لیں گے اور اب ہم تمہاری طرف سے ہو کر تمہارے مخالفوں سے لڑیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور رومیوں اور یونانیوں کو شکست کھانا پڑا۔ پس ظاہر ہے کہ صدر اسلام میں یہود و نصاریٰ اسلام کی طرف سے لڑتے تھے۔ اور مسلمانوں کے ہمراہ تھے۔ پس ضروریات دین کے انکار سے تو کافر سمجھا جاتا تھا اور ماسوا کے انکار سے کافر نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اور ضروریات دین اسلام توحید و نبوت و معاد ہیں۔ پس عہد رسول میں ان ضروریات میں مسلمانوں
میں اختلاف نہیں تھا اور سب ان کے قائل تھے۔ اس واسطے ایک دوسرے کو کفر کا فتویٰ
نہیں دیتے تھے۔ ہاں بعد رسول کے البتہ اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔ اور غیر ضروری باتوں کے
انکار پر کفر کا فتویٰ عاید کیا گیا ہے۔ ورنہ اسلام کے حدود تو ایسے محکم اور وسیع ہیں۔ اور اس
کی رواداری ایسی عام ہے کہ منافقین کو بھی اسلام نے اپنی حد سے باہر نہیں کیا تھا۔ حالانکہ
خدا نے ان کی نسبت بتلا دیا تھا کہ مدینہ میں تمہارے گرد بہت سے منافق ہیں۔ پس یہ اختلاف
پیغمبر صلعم کے نہ پہچاننے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم پیغمبر کی نسبت
فرماتا ہے ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین
لا یعلمون۔ یعنی پیغمبر اجتہاد نہیں کرتا بلکہ اس شریعت کو جو خداوند عالم نے مقرر کر
دی ہے خلق میں اشاعت کرتا ہے ورنہ وہ محض ایک شارع ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں
اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پس اب سوال ہے کہ وہ شریعت اب کہاں ہے جس میں اختلاف نہیں
ہے؟ آیا نبی نے اس شریعت کو ہم تک پہنچایا ہے یا نہیں جو ان میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے
پس اگر نہیں پہنچایا تو گویا وہ اپنی نبوت کے ابلاغ میں مقصر رہے۔ اب رہی خلافت تو
تو معتزلہ خلافت کو مانتے ہیں۔ اور حنفی بھی مانتے ہیں۔ لیکن معتزلہ حنفی
کو کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور حنفی معتزلہ کو۔ اور اب کفر اس قدر ارزاں ہو گیا ہے کہ ہر ایک عالم اپنے
مقابل کو کفر کا فتویٰ دیتا ہے اور حالانکہ اسلام ہرگز کسی کو کفر کا فتویٰ نہیں دیتا خواہ باطن
میں منافق ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اس وقت البتہ کفر کا فتویٰ دیتا ہے۔ جبکہ توحید و نبوت و
معاد کا کوئی شخص علی الاعلان انکار کرے۔ کسی کو شریک بنائے۔ یا خدا کے ساتھ اور معبود بنائے
یا نبی کے ساتھ اور نبی بنا کر کھڑا کرے تو بے شک یہ حدود نبوت محمدی سے خارج ہو
جائے گا۔ اور البتہ وہ کافر ہے لیکن اصل یہ ہے کہ ہر شخص مسلمان ہے۔ مگر وہ شخص
جو ضروریات دین کا انکار کرے۔ پہلے زمانہ میں مسلمان گرجاؤں میں نماز پڑھتے تھے۔ ان کو
نصاریٰ و یہود ہرگز منع نہیں کرتے تھے۔ اور اب اگر شیعہ سنی کی مسجد میں نماز پڑھنے جائے
تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ کافر ہے اس کو نکال دو۔ حتیٰ کہ وہ برتن جس سے اس نے وضو کیا ہے اس کو توڑ
دیتے ہیں اور بعض وقت تو فرش مسجد جہاں اس نے نماز پڑھی ہے۔ اس کو بھی اکھاڑ ڈالتے ہیں اور
یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی مساجد میں بھی اپنی عبادت کرتے رہے ہیں۔ بلکہ عہد رسالت میں

بھی ایسا ہوا ہے۔ اور حالانکہ خداوند عالم نے معابد نصاریٰ و یہود اور مساجد اسلام کو ایک ہی ذیل میں بیان فرمایا ہے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ پس گویا خداوند عالم کو یہ منظور ہے کہ یہ سب سلامت رہیں۔ اور رسول نے معابد نصاریٰ میں اور معابد یہود میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اب مسلمان مسلمان کی مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا! بعض باتیں میں نے اہل ہند میں ایسی بُری دیکھی ہیں۔ کہ جو کہیں کسی مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں آپ سلطنت اسلام میں جائیں تو دیکھیں گے۔ کہ مرکز خلافت یعنی اسلام بول کی جامع مسجد میں ایک شیعہ بے تکلف نماز پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایران میں ایک سنی مسجد شاہ میں نماز بے تکلف پڑھ سکتا ہے۔ اور ہندوستان میں باوجود اس کے کہ یہ لوگ محض رعیت ہیں۔ پھر اس پر یہ حالت ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے! میرے خیال میں ہندوستان کے عقلاء اس اختلاف کے مبداء کو جانتے ہوں گے یعنی ان سب اختلافوں کا مبداء اکثر مولوی صاحبان ہیں۔ کیونکہ یہاں علم تھوڑا ہے۔ مولوی صاحبان محض اردو ترجمے پڑھ پڑھا کر فتیے دینے لگ جاتے ہیں۔ اور محض اردو پڑھ کر مفتی بن جاتے ہیں اور دس پانچ کی تکفیر کرکے اپنا مطلب پورا کرتے ہیں۔ اور عمامہ و عبا و قبا پہن کر مسند نشین شریعت ہو جاتے ہیں۔

اور ایک اور بڑا بھاری خطرہ اہل ہند کیلئے درپیش ہے اور وہ انجمنوں کی بدولت ہوگا کہ یہ انجمنیں اسلام کی خاطر روپیہ تو وصول کرتی ہیں لیکن اسلام کا ایک کام نہیں کرتیں اور سب سے بڑی انجمن علی گڑھ کالج کی ہے۔ اور وہاں کے تعلیم یافتہ مسلمان بالکل دین سے بےخبر ہوتے ہیں۔ خدا ان کو دین کی توفیق دے۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ علماء نے بھی ایک انجمن قائم کی ہے یعنی شیعہ کانفرنس۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ اتفاق کی کوئی صورت نکالیں۔

اب میں حیرت میں ہوں کہ ہندوستان میں کس طرح اپنی شرعی تکلیف کو ادا کروں کیونکہ اگر دس آدمی حق کے سننے والے ہیں تو سو اس کے مخالف ہیں! چنانچہ اب وہی زمانہ نظر آرہا ہے۔ جیسا کہ حضرت امیر نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ کسی پر اعتبار کرنا نہیں آپ کو دھوکا دینا ہوگا۔ اذا فسد الزمان ثم احسن رجل الظن برجل فقد غرر نفسہ (مراسوی)۔

اب میں اصلی مطلب پر آتا ہوں کہ اگر ہم سب بانیان اسلام کی معرفت کامل اور واقعی رکھتے ہوتے تو یہ خرابیاں ہرگز واقع نہ ہوتیں۔ افسوس اب وہی زمانہ ہے۔ جس کی پیغمبر نے خبر دی ہے بدء الاسلام غریبا و سیعود غریبا۔ اب سوائے حضرت حجت کے اور کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ افسوس ہے کہ یہی اسلام ایک دین ہے کہ جس کو نصارٰی تک نے خوب سمجھا ہے اور اس کے اصول پر عمل کر کے فائدہ اٹھایا ہے اور ہم اونٹ کی طرح آنکھ بند کئے بار اسلام لادے لادے پھرتے ہیں اور اسلام سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور نہ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

دین و دنیا کی فلاح کے لئے ایک چیز نہایت ضروری ہے یعنے رزق حلال اور اہل ہند نے دین و دنیا کی فلاح محض نوکری کو سمجھ لیا ہے۔ جس کے واسطے دس سال تک لڑکا انٹرنس پاس کرتا ہے۔ لیکن کلمہ توحید تک صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ پس گویا باپ نے اپنے فرزند کا دین و دنیا کی خاطر برباد کر دیا ہے۔ باپ کو چاہیئے کہ اول دین اسلام بعد ازاں تجارت و فلاحت میں لگائے نہ کہ نوکری۔ کیونکہ جب رزق حرام سے جسم پرورش پا جاتا ہے۔ تو حقیقت اسلام اس میں ہرگز نہیں داخل ہوتی قال اللہ تعالیٰ۔ وما انت بمسمع من فی القبور یعنے یہ لوگ گویا مردے ہیں۔ اور کچھ نہیں سن سکتے۔

وما انت بھادی العمی۔ گویا یہ لوگ اندھے ہیں اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اب مخلوقات کی حالت اس درجہ بے دینی پر پہنچی ہے کہ اگر کوئی تھیٹر آ جائے تو تمام لوگ جا کر اس کو دیکھیں گے اور اگر کوئی ان سے راہ خدا میں کچھ مانگے تو ہرگز نہیں دینگے۔ پس یہ خلق بے دینی ہے۔

ورنہ ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ ان روپیوں کو راہ خدا میں قرض حسنہ کے طور پر دیتے اور ثواب دارین حاصل کرتے۔ خداوند عالم نے قرض حسنہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ فقال یاخذ الصدقات یہی وجہ تھی کہ امام زین العابدین جب سائل کو کچھ دیتے تھے تو اس کا ہاتھ چوم لیتے تھے۔ گویا صدقہ لینے والے کا ہاتھ خداوند عالم کا ہاتھ ہے۔ اسلام کا نشان قرآن مجید میں تین چیزیں ہیں اول۔ ایمان بالغیب۔ دوسرے اقامۃ الصلوٰۃ تیسرے وممارزقنھم ینفقون۔ لیکن اب مسلمانوں میں سے یہ تینوں چیزیں جاتی رہی ہیں۔ توحید تو برائے نام باقی ہے۔ اور لوگوں کو نماز پڑھنا تو ایک طرف خود بھی نماز نہیں پڑھتے۔ اور اگر کہیں خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ کرتے ہیں جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا

کل بھی اجمالی طور سے نبی کے متعلق میں نے عرض کردیا تھا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہمارے پاس سوائے قرآن کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن ہم نے اس کو اپنا اعتقاد تو بنایا نہیں ہے۔ محض وہمی اور خیالی اور اختراعی چیزوں پر اعتقاد کر لیتے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا دین فاسد ہو جائیگا۔ جو وسیع النظر ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں ہی نے اسلام پر نکتہ چینی کرائی ہے۔ ورنہ اسلام علماً اور عملاً اس درجہ کا دین ہے کہ جس نے بڑے بڑے داناؤں کو متحیر کر دیا ہے۔ وہ عرب کے جاہل جن کے پاس نہ تو کوئی کتاب تھی اور نہ اُن پر کوئی پیغمبر مبعوث ہوا تھا۔ اس لئے وہ سب سے زیادہ بداخلاق تھے اور محض طوائف الملوکی تھی۔ پس جب اسلام آیا تو چونکہ یہ اسلام علماً اور عملاً دونوں طرح سے کامل تھا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اس میں ایسی لذت حاصل ہوئی تھی کہ وہ ہر بلا و مصیبت کو اسلام کی وجہ سے برداشت کرتے تھے لیکن اسلام کو نہیں چھوڑتے تھے۔ پس یہ کیا بات تھی؟ یہ بانیٔ اسلام کا اثر تھا جس نے ان میں یہ تاثیر پیدا کر دی تھی۔ اور ان کی صداقت روحانی تھی۔

دوسری عبارت میں یوں سمجھئے کہ جب کوئی شخص کسی قوم میں کوئی دعویٰ کرتا ہے تو عقلمند روزگار اس کو دیکھتے ہیں کہ آیا اُس پر اُس کا عمل بھی ہے یا نہیں پس اگر اس کا قول عمل کے مطابق ہوتا ہے تو اس کے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو کچھ احکام قرآن مجید میں ہیں پہلے رسول نے خود ان پر عمل کیا ہے تب اُن کو دوسروں پر پیش کیا ہے۔ پہلے آپ نے توحید کو رائج کیا تب لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔ پس جب لوگوں نے حضرتؐ کے قول کو ان کے عمل کے مطابق پایا۔ تب تسلیم کیا۔ چنانچہ آپ کے عمل کا ثبوت ہے کہ مشرکین نے آپ کو اپنا امین قرار دیا۔

اور یہی وجہ تھی کہ کسی کافر اور مشرک نے حضرت پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ پہلے بت پرست تھے اور اب آپ ہمکو اس سے روکتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے حضرتؐ پر یہ الزام قائم کیا ہے اور امام فخرالدین رازی آیۂ مجیدہ ووجدک ضالاً فھدیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے تو بت پرست تھا پس اللہ نے تجھ کو ہدایت کی۔ت

اور اسی طرح سے جناب ابراہیم کے والد ماجد کو کافر و مشرک کہتے ہیں اور حالانکہ قرآن سے ان کا اسلام ثابت ہے اور جو شخص مشرک تھا وہ ان کا چچا تھا۔ چنانچہ اس کی نسبت آیا ہے۔ ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا۔ یعنے وہ مربی جناب ابراہیم کا جس کے واسطے اُنہوں نے ایک خاص موقع پر استغفار کیا تھا۔ اور بعد اس کے پھر کبھی نہیں کیا کیونکہ مشرک کے واسطے استغفار ناجائز ہے۔ پس یہ مربی جناب ابراہیم کا والد نہیں تھا۔ محض مربی تھا۔ اور جو شخص جناب ابراہیمؑ کا والد تھا۔ وہ مومن تھا۔ اس کے واسطے جناب ابراہیم ہمیشہ استغفار کرتے تھے۔ قال عزوجل اللھم اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب۔

پس اب جو اعتراض ہمپر غیر مذاہب کی طرف سے ہوتا ہے وہ سب ہماری ہی ذاتی تحریروں کا نتیجہ ہے مصر میں ایک نصرانی نے بھی یہی اعتراض نقل کیا ہے کہ محمد چالیس سال تک بت پرست تھے یہ باتیں میں اس واسطے بیان کرتا ہوں تاکہ مسلمان غور و فکر کریں کہ یہ سب ہماری اپنی کارروائی ہے۔ چنانچہ سورۂ والنجم کی تفسیر میں نصرانی صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔ کہ ہاں محمد صاحب بعد نبوت کے بھی بتوں کی پرستش کے امیدوار تھے۔ اور پھر لکھا ہے کہ جو شخص ایسا ہو وہ نبی کیونکر ہو سکتا ہے چہ جائیکہ ختم المرسلین۔ یہ اس نصرانی نے نوٹ کیا ہے۔

اب ایک حدیث دیکھئے۔ اختلاف امتی رحمۃ۔ میری امت کا اختلاف رحمت ہے پس اس کا جزئی اثر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک رحمت تو یہ ہے کہ علی کو چالیس سال تک ممبر پر لعنت کی گئی۔ پس یہ ایک رحمت ہے؟ اور روافض اب تک ثلاثہ کو بُرا کہتے ہیں پس یہ بھی ایک رحمت خدا ہو گی کیونکہ شیطان کی رحمت تو ہوتی نہیں۔ پس اس رحمت الٰہی کا یہ اثر ہوا کہ رسول کی وفات میں اختلاف پڑ گیا۔ گرو نانک صاحب کی وفات کا دن تو معلوم ہے اور اسی طرح ہر فرقے کے پیشوا کی وفات

ت شعر بیت کا دراصل یوں ہے۔ کنت مجہول الاوصاف مستوراً فی القوم فھدا ھد اللہ الیک وجعلک معروفاً باوصافک الکاملۃ یقال اللہ تعالیٰ۔ وقالوا اذا ضللنا فی الارض ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا۔ (السرسوی)

کا دن معین و مقرر ہے۔ لیکن رسول کی وفات میں سودا پارہ پارہ ہو گیا۔ کیونکہ رحمت ہے آٹھ کروڑ مسلمان آپس میں کٹ کر مر گئے یہ بھی ایک رحمت ہے۔

ایک فرانسیسی عالم بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کے نبی نے خوب رحمت بیان فرمائی ہے جب مذہب کا ہادی یہ کہہ کر چلا جائے کہ تمہارے ہر ایک خلاف میں رحمت ہے۔ تو فقط یہی حدیث اس کے کاذب اور باطل ہونے کے لئے کافی ہے! اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کو کوئی عقلمند نہیں قبول کرے گا۔ اور بعض اصحاب جو آج کل اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اختلاف امتی فی الصنائع والبدائع رحمۃ۔ تو ان کو چاہیے کہ پہلے زمانہ پر نظر ڈالیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ واضعان حدیث نے کبھی اس معنی میں اس کو استعمال نہیں کیا۔ اور نہ ان کا اس سے یہ مطلب تھا۔

اسی طرح کی اور حدیث لیجئے۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث وکلما ترکناہ فھو صدقۃ۔

حالانکہ قرآن شاہد ہے۔ وورث سلیمان داؤد۔ اور دیکھو۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ اور دیکھو۔

وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا۔

پس اس صدقہ کا جو کچھ اثر خاندان رسالت پر پڑا اس کو سب جانتے ہیں اور اسی طرح سے اس اختلاف کا جو اثر کل مسلمانوں پر پڑا وہ اظہر من الشمس ہے۔ یعنی معمولی اثر اس کا یہ ہوا کہ امت محمدیہ بہتر فرقوں میں منقسم ہو گئی اور اس کو رحمت خیال کرتی رہی۔

پس اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ آیا قرآن میں بھی اختلاف رحمت ہے یا نہیں۔ فقال عز و جل۔ وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ پس جائے غور ہے کہ اب ہم قرآن کو مانیں یا حدیث کو۔ کیونکہ قرآن تو اختلاف کے مٹانے کو رحمت فرماتا ہے۔ اور دوسری آیت میں آیا ہے۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات اولئک لھم عذاب عظیم۔ پس ہمکو ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے اور فرماتا ہے۔ ان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید۔ یعنی جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ ہدایت سے کوسوں دور ہیں۔ اور یہ بات صاحب عقل سلیم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ کتاب میں جو کچھ اختلاف پڑا ہے سب مفسرین کی بدولت ہے۔ مثلاً قال قتادہ

قال الزجاج قال عبد اللہ بن سلام۔ قال فلاں و قال فلاں سے تفاسیر پر ہیں۔ ہرآیت کی تفسیر کے تحت میں انہیں مسلمان یہودیوں کے نام ہوتے ہیں۔ کیا قرآن انہیں لوگوں کے گھر میں نازل ہوا ہے؟ رسول اللہ کا قول نہیں ذکر کرتے۔ جس کے اوپر یہ قرآن نازل ہوا ہے یعنے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تفاسیر اکثر خالی ہیں۔ افسوس صد افسوس۔

اپنے پیغمبر کی شان کو مسلمانوں نے اس قدر گھٹایا ہے کہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ایک باغ کے پاس سے گذرے اور دیکھا کہ وہ لوگ بور خرما کو کو ٹکر خرما پر ڈال رہے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ تو تم شرک کرتے ہو۔ پس انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس طرح کرنے سے یہ اچھا پھل دیتے ہیں۔ پس حضرت نے ارشاد فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیا کم حالانکہ انبیاء ہی نے سب کچھ ہمکو سکھایا ہے۔ چہ جائیکہ ختم المرسلین اور عرب کا رہنے والا وہ یہ نہ جانے کہ کھجوریں کس طرح زیادہ پھل دیتی ہیں جس کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے: "علمك مالم تکن تعلم" اور حالانکہ جناب موسیٰ کو کل دو برہان عنایت فرمایا تھا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ پس تعجب ہے کہ وہ درخت کا حال بھی نہیں جانتا تھا۔ نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد۔

ان باتوں سے گذر کر کار خدائی پر بھی مسلمان دست انداز ہوئے ہیں۔ قال عزمن قائلہ انی جاعلك للناس اماما۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب جناب ابراہیمؑ کو بعد نبوت و خلت کے عطا ہوا ہے۔ لیکن مسلمانوں نے نصب امامت اپنے اختیار میں لے لیا ہے۔ جس کو چاہتے ہیں اپنا امام بنا لیتے ہیں۔ اور بناتے رہے اور اس سے مسلمانوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور اسی سلسلہ میں معاویہ بھی امام بنا دیا گیا۔ حالانکہ اس کو امامت ابراہیمی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اور جب معاویہ اور جناب امام حسن میں صلح ہوئی تو عہد نامہ میں یہ بات مندرج تھی کہ معاویہ نصب امام اپنی طرف سے نہ کرے ورنہ صلح باطل ہو جائے گی۔ لیکن معاویہ نے اس عہد کے بھی خلاف کیا اور اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نصب کیا۔ اور بدعہد کی خلافت کوئی عقلمند نہیں تسلیم کرے گا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کو بھی اجماع کر کے امام بنا ہی لیا۔ پس ذہبی نصرانی اپنی کتاب ہدایہ میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو کسی کی ضرورت نہیں جب بات

پر ان کا اجماع ہو جاتا ہے تو اُن کا خدا بھی اس پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اگر امامت کو دیکھا جائے تو امامت نبوت سے بڑا مرتبہ ہے۔ فقال عزوجل وتلک حجتنا اتینٰہا ابراھیم علی قومہ۔ یہ مقام رسالت ہے جو محض ان کی قوم تک محدود ہے۔

در مقام امامت یہی ارشاد ہوا ہے۔ انی جاعلک للناس اماما۔ پس کل بنی نوع انسان کے امام ہوئے اور اثر و اقتدار اس امامت کا یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ اذن فی الناس بالحج۔ پس سب کا اتفاق ہے کہ نطفوں تک نے اس آواز کو سنا اور وہی لوگ حج کو جاتے ہیں۔ جنہوں نے اس آواز کو سنا اور اس کا جواب دیا پس مقام امامت مقام ولایت مطلقہ ہے یعنے ریاست عامہ الٰہیہ ہے عامہ خلق پر حتیٰ کہ نطفہ تک پر اس کا حکم جاری و ساری ہے۔ لیکن امت محمدیہ نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور ہر شخص کو اپنا امام بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ وہی امامت ہے جس کو جناب ابراہیم نے اپنی ذریت میں ہمیشہ کیلئے چھوڑا ہے فقال عزوجل۔ وجعلہا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلہم یرجعون۔ پس یہ امامت تمام پہلی امتوں پر حاوی اور مشتمل رہی اور جب نبوت درجہ ختم پر پہنچی تو تمام ماسوی اللہ پر حاوی اور مشتمل ہوئی۔ پس ختم نبوت ولایت مطلقہ ہے۔ اور خداوند عالم نے نبی خاتم الرسل کو فرمایا ہے کہ تو اس شریعت کی پیروی کر اور ہم لوگوں کو ارشاد ہوا ہے کہ تم نبی کی پیروی کرو۔ پس اگر ہم نبی کو مجتہد کہیں تو ٹھیک نہیں اور اگر ہم نبی کی اطاعت چھوڑ کر اجتہاد کریں تو ہمارے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ اور چونکہ نبی رخصتی ہے اس لئے اس کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو واجب کر دیا اور جو اولی الامر ہے اس کی اطاعت مطلق ہے۔ مقید نہیں ہے۔ ہاں البتہ ایک قید ضرور ہے۔ یعنی منکم پس اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اولی الامر تمام شریعت ختم المرسلین سے واقف ہوگا۔ پس اگر عیسیٰ بھی آسمان سے آئیں تو تم اپنے ہی ولی الامر کی اطاعت کرنا۔ یعنے اس خلیفہ رسول کی پیروی کرنا جو مخلوقات پر رسول کی ولایت مطلقہ رکھتا ہو۔ چونکہ اولی الامر سے ایک نبی اللہ قشارن ہونے والا تھا۔ یعنی جناب عیسیٰ حضرت حجت سے ملنے والے تھے۔ اس لئے خداوند عالم نے فرمادیا کہ جب وہ آئے تو تم اپنے اولی الامر کی اطاعت اور پیروی کرنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ اب عیسیٰؑ کی پیروی کرنی ہوئی۔ (تفصیل آئندہ انشاء اللہ)

وقال عزمن قائلہ۔ وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس

ویکون الرسول علیکم شہیدا۔

کلمات مبارکہ خداوند عالم حتیٰ کہ آیات و سور کی تین حالتیں ہیں۔ صورت تمثیلی و صورت تنزیلی صورت تاویلی ۔ اور ہر مقام میں یہ تینوں صورتیں موجود ہیں حتیٰ کہ احکام میں بھی ہیں ۔ دیکھو حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر الخ پس ظاہر ہے کہ اس آیت کو اول و آخر سے کوئی ربط نہیں ہے۔ اول سے اس واسطے نہیں ہے کہ اس سے پہلے آچکا ہے ۔حرمت علیکم المیتة اور آخر سے اس واسطے نہیں ہے کہ ان چیزوں کے حرام ہو جانیسے کفار کیونکر مایوس ہو سکتے ہیں۔ جو فرمایا ہے الیوم یئس الذین کفروا من دینکم۔ پس ظاہر ہے کہ سورہ مائدہ آخری سورت ہے اور سورہ بقرہ میں بھی یہ حرمت کا حکم آچکا ہے یعنی حرمت علیکم المیتة۔ پس ظاہر ہے کہ تمام قرآن متشابہات سے ہے۔ قال عزمن قائلہ ۔ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم اور تمام قرآن مبین اور محکم ہے ۔ قال عزوجل ۔ ولقد انزلنا الیك اٰیت بینات وما یکفر بھا الا الفسقون وقال ۔ وھوالذی انزل الیکم الکتب مفصلا والذین اتینھم الکتاب یعلمون انه منزل من ربك بالحق فلاتکونن من الممترین ۔

اور بعض قرآن محکم ہے اور بعض متشابہ۔ قال عزمن قائلہ ۔ ھوالذی انزل علیك الکتاب منه اٰیت محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله ۔ وما یعلم تاویله الا الله ط والراسخون فی العلم یقولون امنابه کل من عند ربنا ۔

پس ان آیات پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقۃً تین طرح کے قرآن فہم ہیں یا کہئے کہ علم کلام اللہ و قرآن فہمی کے لحاظ سے عام لوگوں کی تین قسمیں ہیں :۔

ایک وہ ہیں جن کے واسطے سارا قرآن متشابہ ہے۔

اور ایک وہ ہیں جن کے واسطے سارا قرآن محکم ہے۔

اور ایک وہ ہیں جن کے واسطے بعض محکم اور بعض متشابہ ہے۔

پس ہم لوگوں کو مقام تعلیم و تعلم میں قرآن ان لوگوں سے لینا چاہئے جن کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے نہ اُن لوگوں سے جن کے نزدیک سارا قرآن تشابہ ہے ورنہ اختلاف پڑ جائیگا۔ اور وہ کون ہیں جن کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے؟ وہ وہی لوگ ہیں جن کے گھروں میں قرآن نازل ہوا ہے اور جن کی نسبت خدا فرماتا ہے ۔ انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین

الناس بما اراك الله - یعنی جس طرح خداوند عالم نے تجھکو بتلا دیا ہے۔ اسی طرح
سے لوگوں میں حکم جاری کرنا۔ اپنی رائے سے مت حکم کرلینا یہ ہیں وہ لوگ جن کو خدا نے بتلا دیا ہے سب
کچھ سمجھا دیا ہے اسی لئے ان کے نزدیک سارا قرآن محکم ہے۔ یعنی سوائے خدا اور اس کی وہ ذریت
جو اس کے علم کا حقیقی وارث ہے اور عالم بالقرآن پیدا ہوئی ہے اور داخل وہی راسخون
فی العلم ہیں جن کے علم میں اختلاف اور تغیر نہیں ہو سکتا۔

راسخون فی العلم کے متعلق آپ کا شبہ نہ پیدا ہو کہ کیا راسخون فی العلم داخل نہیں ہو سکتے
بیشک علمائے مفسرین راسخون فی العلم ہرگز نہیں۔ ورنہ ان کی تفسیروں میں اختلاف نہ ہوتا ان
سب کا علم وجدانی ہوتا۔ پھر راسخون فی العلم تو وہی لوگ ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے وہ سب
ہمارے خدا کی جانب سے ہے۔ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی راسخون فی العلم وہ لوگ ہیں جن کی تاویل
کاشف عن الحقیقت ہو۔ اور ان کی تاویلوں میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

دوسری عبارت میں سمجھو کہ اگر راسخون فی العلم سے علماء ہی مراد لئے جائیں تو یقیناً پیغمبر
بھی ان میں داخل ہوں گے۔ اور جب پیغمبر داخل ہوں گے کہ اول عالم اور اکمل عالم ہیں تو اب جن
علماء کا علم مثل پیغمبر کے ہو گا وہ راسخون فی العلم ہوں گے نہ دوسرے جن کا علم ظنی و [illegible]
زوال پذیر اور تغیر پذیر ہے ان پر راسخون فی العلم کے معنی کس طرح صادق ہو سکتے ہیں جن کا علم
مثل پیغمبر کے ہے ان کا بیان تو جا بجا قرآن میں آیا ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں بھی انہی نفوس قدسیہ کی طرف
اشارہ ہے قولہ عزوجل۔ وکذلک جعلناکم امة وسطا الخ۔ یعنی ہم نے تم کو امت وسط اس لئے
قرار دیا ہے کہ تم لوگ خلق پر شہداء ہو اور پیغمبر تم پر شہید ہو یعنی حاضر کیونکہ صیغہ صفت مشبہ مستعمل ہے اب
قابل غور یہ امر ہے کہ اس سے تمام امت مراد ہے یا بعض امت مراد ہے کل مفسرین نے اس سے تمام امت
مراد لی ہے اور خود گرفتہ ہوگئے ہیں کہ کیا تمام افراد امت دوسرے مذہبوں پر شاہد ہوں گے۔ اور
تمام امتوں پر گواہی دیں گے۔

پس گرفتہ اس طرح سے ہوئے ہیں کہ اس امت محمدی میں فاسق و فاجر اور منافق بھی داخل
ہیں تو کیا حسب سوال مذکور یہ شہادت دیں گے تو وہ سب عدول ہو جائیں گے۔ پس اب سوال یہ ہے
کہ منافقین جن کا قرآن میں ذکر بتوسط مع ذکر ہے۔ وہ بھی عادل ہو جائیں گے۔ یا نہیں۔ اور یہ
لفظ اول گرفتار ہوئے ہیں کہ شہید اعتنیہ کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے برخلاف رسول شہادت
دیں گے۔ اگر تمہاری بہتری کے واسطے دیتے تو لہا ہوتا کہ ویکون الرسول علیکم

شہیدا۔ پس شہادت برخلاف تمہارے رسول کے یہ ہوگی۔ رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مہجورا کیونکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے اور قیامت کے دن رسول کی شہادت یہی ہوگی۔ رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مہجورا۔

بعضوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ قیامت کے دن تمام انبیاء سے پوچھا جائیگا کہ تم نے تبلیغ کی تو وہاں کہیں گے۔ پس اس وقت امت محمدیہ کی شہادت طلب ہوگی۔ پس ان کی تصدیق ہو جائے گی۔

یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس امت کا مرتبہ انبیاء سے بھی بڑھا دیا ہے۔ کیونکہ آیت کا آخری حصہ ہے کہ رسول میں تجھکو انپر شہید بناؤں گا۔ پس گویا نبی کی شہادت سے بھی اس امت کی شہادت بڑھ جائیگی۔ یقیناً یہ شہادت تمام امت محمدی نہیں ہو سکتی۔ لہذا معلوم ہوا کہ امۃ وسط سے کوئی خاص جماعت مراد ہے نہ ساری امت۔

اب دیکھنا ہے کہ وسط کے کیا معنے ہوں گے۔ وسط کے معنے یہ ہیں کہ نہ ان میں افراط ہو نہ تفریط۔ پس وسط کے معنے عدل کے ہو سکتے ہیں لیکن تعدیل سے تسویہ زیادہ خوب ہے۔ اور وسطیت و اعتدال ان سب سے بہتر ہے۔ یہ بھی سوال ہے کہ آیا اس وسط و اعتدال سے جو اس امت وسط میں ہوگا۔ وسط ذاتی مراد ہے یا صفاتی۔ لیکن جب تک ذات وسط اور حد اعتدال میں نہیں واقع ہوئی۔ تو اس کے اوصاف بھی وسط میں نہیں واقع ہوں گے۔ مثلاً صورت جسمانی میں جس کی کوئی خلط زیادہ ہوئی۔ اس کے اوصاف مزاجی بھی وسط میں نہیں ہوتے اسی پر حقیقت باطن انسانی کو قیاس کیجئے۔

پس وسط صفاتی موقوف ہے وسط ذاتی پر اس لئے وسط ذاتی مراد ہوگا۔ اور صفاتی اس کو لازم۔ توسیط یہ ہے کہ مابہ القوام کی کمیت اور کیفیت دونوں کو مساوی رکھے۔ کسی کو بڑھنے گھٹنے نہ دے۔ افراط و تفریط سے روکے۔ قال عز وجل۔ یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک۔

پس جب توسیط ہوتی ہے۔ تو سب فعل اپنے اپنے موقع سے ظہور میں آتے ہیں۔ اور قابل مدح ہوتے ہیں۔ اور عدالت قائم ہوتی ہے۔ اس لئے ایسوں کو جن کے ہر فعل حکمت اور عدالت سے پر ہیں۔ امۃ وسط فرمایا ہے۔

دوسرے عبادت میں برہان لمی کے طور پر سمجھو کہ تمہارے مابہ القوام کو ہم نے توسیط

اور تعدیل عنایت فرمائی ہے۔ وسطی امت ہونے سے تم کو شہید قرار دیا ہے یعنے تم کو جو میں نے امت وسط بنایا ہے تو علۃ اسکی یہ ہے کہ تم کو تمام لوگوں پر شہید بناؤں۔ پس وسط واسطے شہادت کے ہے اور ہمارے پیغمبر اسی معنی میں شہید ہیں۔ یعنے آپ مخلوق اور خالق کے درمیان واسطہ ہیں کہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔

پس جو شخص ایسا ہوگا وہ جس کو دیتا ہے اس پر حاضر ہے۔ پس اسی طرح سے امت وسط خلق اور خالق کے درمیان وہ لوگ ہیں جو خالق سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔ بعد رسول کے پس یہ لوگ بھی پیغمبر کی طرح مخلوق پر حاضر ہیں۔ اور یہی معنی ہیں۔ اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون۔ اور شہادت کے متعلق آیا ہے۔ وما شھدنا الا بما علمنا یعنے شہادت دیکھی ہوئی چیز پر ہوتی ہے۔ پس یہ امت وسط وہ ہوگی جس میں کوئی صفت مذموم نہ ہو اور رسول کی طرح خلق پر حاضر ہو۔ پس سلسلہ صعودی یہ ہوگا۔ کہ اعمال خلائق پروردگار کی طرف اس طرح صعود کرتے ہیں۔ کہ پہلے تو یہ اعمال اس امت وسط کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ بعد ازاں رسول کے منظور نظر ہوتے ہیں۔ بعد ازاں خداوند عالم کے پیش ہوتے ہیں۔ پس یہی وجہ ہے کہ فرمایا ہے۔ فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون کیونکہ ہمارے اعمال کے واسطے خدا شہید ہے اور مومنون شہید ہیں یعنے امت وسط۔ محض خالق اور مخلوق کا فرق ہے۔ دیکھنا ایک ہی طرح کا ہے۔ اور یہ قیامت کے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔ ثم تردون الی عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعلمون۔ یعنی پھر اس کے بعد تم خدا کی طرف رد کئے جاؤگے۔ اور وہ تمکو تمہارے اعمال کی خبر دیگا۔ اس لئے یہ آیت اسی دنیا کے واسطے ہے۔

اور یہ خیال ہرگز نہ پیدا ہو کہ بقاعدۂ نحو میں س زمانہ استقبال کے لئے ہے۔ اس واسطے بعد میں خدا دیکھے گا۔ کیونکہ قرآن میں نحوی اصطلاح فضول ہے۔ بلکہ صفات و مضاف الیہ کی لیاقت دیکھنی چاہیے۔ کہ اس کی رویت کیسی ہے۔ خدا کی رویت بالذات ہے۔ اور ان کی باقدار اللہ و باذن اللہ اس کی قدرت اور اس کے نور کی بدولت یہ بھی دیکھتے ہیں جو ان میں ودیعت ہے بلکہ یہ نور اللہ سے خلق ہوئے ہیں۔

اور سلسلۂ نزولی یہ ہے کہ پیغمبر خداوند عالم سے لیتے ہیں اور پھر امت وسط کو دیتے ہیں اور امت وسط امت کو دیتے ہیں۔ فقال عزوجل۔ والمقصود ائمہ صلوات اللہ علیہم اجمعین

بہر حال جب نبوت ختم ہو گئی تو یہی کل عالم کا پیغمبر ہوا۔ لیکن نذیر العالمین نذیر ہوا پس
اب جناب آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ سب چونکہ عالم میں و قبل تھے اس لئے وہ سب حضرت
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت ہوں گے۔ کیونکہ وہ سب ایک محدود عالم کے واسطے آئے
تھے۔ اور رسول اللہ ان سب پر شہید ہیں۔ اب اگر ان پر حضرت کوئی پیغمبر شریعت لائے تو ہم پر اس کی پیروی
واجب نہیں بلکہ اگر ہوا کوئی نبی تو پیروی واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اب کل عالم کو نذیر آچکا ہے۔ اس لئے اب
جو نبی آئے گا۔ امت مرحومہ میں داخل ہوگا۔ نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ امتی ہوگا۔

اور چونکہ نبوت جزئی میں حقائق اشیاء نہیں تعلیم دیکھی گئیں اس لئے وہ انبیاء فرشتوں کے حقائق
کو نہیں سمجھتے تھے۔ اور خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ ان کا علم جزئی تھا۔

اور ختم کے درجہ میں اسماء اور مسمیات اور حقائق سب کی تعلیم دیکھی ہے۔ اس لئے یہ علم کلی ہے
پس اب جو علم جزئی والا ہوگا۔ وہ اس علم کلی والے کا تابع ہوگا نہ متبوع۔

پس اسی طرح اس کے اوصیاء تابع ہوں گے نہ متبوع۔ کیونکہ افضلیت و برتری کا معیار علم
ہے۔ اور یہ اوصیاء رسول علم رسول کے وارث تمام انبیاء سے زیادہ عالم ہیں پس ان سے اس لحاظ سے
وہ افضل ہوئے اور متبوع قرار پائے نہ کہ تابع۔ علم عالم کا تابع کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور اوصیاء رسول
کا علم مثل رسول کے کلی ہے نہ جزئی۔

اب یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نذیر سے کون لوگ مراد ہیں۔ اور اس کی وضاحت آیۂ مجیدہ سے
ہوتی ہے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر چونکہ خیر عرف عام ہے اس لئے وہ امت
ہر ایک خیر سے واقف ہونی چاہیے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ کچھ لوگ ہوں گے نہ ساری امت کہ ساری امت
کل خیرات کی عالم و عارف واقعی نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ ولاحول ولا قوۃ
الا باللہ العلی العظیم۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون

الرسول علیکم شہیدا

آیۂ مجیدہ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم
میں جو امور خدا اور رسول اور اولی الامر کی طرف راجع ہیں وہ یقینی طور سے واجب ہیں۔ اور جس کی اطاعت
ضروری ہے اس کا وجود بھی ضروری اور واجب ہے ورنہ تکلیف ما لا یطاق ہوگی۔ اور اجماع
جس کو امام فخر الدین رازی صاحب اولی الامر قرار دیتے ہیں وہ رسول اللہ کے چھ ماہ بعد منعقد ہوا
اور اس وقت تک امت محمدی بغیر اطاعت اولی الامر عاصی رہی۔ اور قرینہ اطاعت اولی الامر
سے دوسرا اس واسطے اہل تشیع اجماع کو باطل سمجھتے ہیں اور بیعت اور شے ہے اور اجماع اور شے
ہے!! جو حقیقۃً کبھی متحقق ہی نہیں ہوا۔ اور اجماع کا ثبوت قرآن سے نہیں تھا۔ یہ اجماع
موجب ایذاء خدا و رسول ہے۔ رہا یہ اور قرآن میں ایسے اجماع کو جو خدا اور رسول کو ایذا پہنچائے
منع فرمایا گیا ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ
و اعد لہم عذابا مہینا (احزاب)

و قول عز و جل و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ و یتبع
غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم و ساءت مصیرا (نساء ۷)

پس اجماع جو خدا و رسول کی ایذا کا باعث ہے۔ بالکل ناجائز ہے۔ اور اجماع کی اگر
حقیقت ہے تو یہ ہے جو حدیث شریفہ میں مذکور ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم لا تجتمع امتی علی الضلال۔ یعنی میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ اور یہی
دلالت کرتی ہے۔ کہ اصطلاحی اجماع کو حقانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ساری امت
کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ اس سے کہاں لازم آیا کہ ایک کا مجمع جو بات طے کر دے وہ حق ہے اور
کسی وقت میں ایسا نہیں ہوا اور نہ ممکن ہے کہ کسی بات پر کل افراد امت متفق ہو گئے ہوں اور
ان کے اتفاق رائے سے کوئی بات طے ہوئی ہو۔

ماحصل یہ کہ اگر اجماع سے تمام امت کا ایک امر پر مجتمع ہونا مراد ہے یعنی ساری امت محمدیہ کا
کا ایک بات پر اتفاق رائے تو ظاہر ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہے۔ اور اگر اجماع سے مدینہ منورہ
کے تمام لوگوں کا جمع و اتفاق رائے مراد ہے تو بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اجماع مبحوث عنہ میں
کل اہل مدینہ نہیں جمع ہوئے تھے۔ بلکہ چند اشخاص تھے! اور مدینہ کے بزرگ رئیس
نے کسی خلیفہ کی بیعت نہیں کی ہے۔

چنانچہ بخاری صاحب نے لکھا ہے کہ کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا المسلمین۔ یعنی حضرت ابو بکر کی بیعت ناگہانی طور سے ہوئی ہے خدا اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے! اور یہ خود حضرت عمر کا قول ہے، اور اجتماع عام ہے۔ اور اجماع خاص ہے اجتماع نفوس کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور اجماع اتفاق لانے کے لئے۔ پس اب یہ سوال ہے کہ وہ کونسا اجماع ہے جس کو اولی الامر کی بجائے بعد رسول کے معصوم اور واجب الاطاعت مانا جائے؟ بہر حال جناب فخر الدین رازی صاحب کا اجماع کو بعد از رسول معصوم اور واجب الاطاعت ماننا کسی طرح درست نہیں نظر آتا!

اور نیز یہ کہ آیا اجماع کاشف عن الحق بھی ہے یا نہیں یعنی آیا اجماع حقیقت واقعیہ کو بھی ظاہر کرسکتا ہے یا نہیں؟ پس اگر کاشف حقیقت واقعیہ نہیں ہے تو مردود ہے۔ اور اگر کاشف واقع ہے تو کیا اس کا نتیجہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ایک سب سے بڑے اجماع کا ہوا ہے جو معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کے لئے کیا تھا۔ اور جو سات سال کی کوشش سے قائم ہوا تھا۔ جس میں محض تین شخص نہیں شریک ہوئے تھے۔ جناب ابو عبد اللہ الحسینؑ۔ عبد اللہ ابن زبیر۔ اور عبد اللہ ابن عمر۔ ان کے سوائے سارا ملک عرب شریک تھا۔ پس اگر اجماع کاشف واقع ہے تو گویا ان تینوں شخصوں نے خدا و رسول کی مخالفت کی۔ اور یزید پلید برحق امام ہوا (معاذ اللہ)

اور اگر یہ کہو کہ یہ اجماع بادشاہی پر ہوا ہے تو پھر امامت کے واسطے اجماع کو کیوں دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اجماع کا مسئلہ ہی دراصل تباہی دین کا موجب ہوا ہے۔ جناب پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسنؑ اور حسینؑ کو سردار جوانان بہشت فرمائیں اور مدینہ اور مکہ کو حرم محترم۔ اور یزید حرم خدا کی توہین کرے اور امام کو قتل اور کسی مسلمان نے اس پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ یزید کی خلافت پر اجماع ہو چکا تھا! اور اس اجماع کو اس وقت کے مسلمان امام فخر الدین رازی کی تقلید میں معصوم اور واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔ دشت کربلا میں لشکر یزید میں ۲۲ صحابی موجود تھے جنہوں نے خود رسول اللہ سے سنا تھا کہ الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ لیکن چونکہ اجماع نے حکم دیدیا تھا۔ کہ حسین کا قتل واجب ہے اس واسطے انہوں نے اس حدیث کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ محض اجماع کی ہدایت پر کاربند ہوئے! پس اگر امام حسین علیہ السلام جان نہ دیدیتے تو یہ خلافت اجماعی مطلقاً ثابت ہو جاتی جو محض باطل ہے۔

دیکھئے امام حسین علیہ السلام اپنے زن و فرزند کو کیوں ہمراہ لے گئے تھے۔ حالانکہ جہاد

میں ان کا لیجانا رسول اللہ نے منع فرمایا ہے! وجہ اس کی یہ تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں جہاد کرنے نہیں آیا ہوں۔ محض اجماع کو توڑنے آیا ہوں کیونکہ یہ اجماع جو یزید کی خلافت پر ہوا ہے غلط ہے اور محض باطل ہے۔ یزید ہرگز خلافت رسول کے لائق نہیں ہے۔ اسکے عقائد برخلاف اسلام اور ملحدانہ ہیں اور خلافت کا تقرر خدا کی طرف سے ہے نہ اجماع کی طرف سے۔ یزید اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

لعبت بنوهاشم بالملك
فلا خبر جاء ولا وحی نزل

اور یہ اس کے اعتقاد کا آئینہ ہے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ وہ حضرت رسول کو رسول برحق نہیں جانتا تھا۔ بلکہ بنی ہاشم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اگر امام حسین اپنی مظلومیت سے اس کا بطلان ثابت نہ کر دیتے تو حقیقی دین اسلام دنیا سے اُٹھ جاتا اور بیدینی اور شہنشاہیت اس کی جگہ لے لیتی۔ پس چونکہ اجماع خلافت یزید کو منصوص اور واجب الاطاعت ثابت کرتا تھا۔ اس واسطے جناب امام حسین علیہ السلام نے شہادت منظور کر لی۔ تاکہ واضح اور ثابت ہو جائے کہ حکم پیغمبر برحق ہے نہ کہ اجماع۔

اگر امام حسین علیہ السلام قوت ولایت سے یزید کو ہلاک کر دیتے تب بھی اجماع قائم رہجاتا کیونکہ اس بات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں کہ خروج خارجی علی امام المسلمین یعنے معاذ اللہ یزید تمام مسلمانوں کا بڑا امام تھا۔ اور حسین نے اس پر خروج کیا تھا۔

اگر جناب امام حسین غلطی پر تھے اور اجماع کاشف عن الحق تھا۔ تو رسول کا یہ قول غلط ہو جائیگا کہ حسن اور حسین جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ پس نبی کی نبوت غلط اور باطل ہو جائیگی!!

اور دوسرا اجماع جو قتل عثمان پر ہوا تھا۔ اس میں بھی یہی لوگ موجود تھے! پس معلوم نہیں کہ اس کو کیوں صحیح نہیں جانتے!! اس کو یہ باطل اور حضرت عثمان سے لڑنے والوں کو خارجی کہتے ہیں پس اسی طرح اگر جناب امام حسین علیہ السلام یزید کو قتل کر ڈالتے تو جس طرح لوگ ان لوگو نکو خارجی کہتے ہیں۔ اسی طرح امام حسین کو کہتے! افسوس صد افسوس۔

گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو

غرض اسی واسطے امام حسین نے قتل ہو جانا منظور فرمایا۔ اور اجماع باطل کی بنیاد اکھاڑ ڈالی ورنہ اس کے بعد اگر مسلمان رہتے بھی تو سب جبریہ ہوتے۔ کیونکہ معاویہ اور یزید کا مذہب جبریہ تھا۔ اسی واسطے یزید کہتا تھا۔ کہ حسینؑ کو خدا نے قتل کیا ہے اور اسی طرح سارے مسلمانوں کا اعتقاد جبریہ تھا۔ چنانچہ جب یزید نے دربار عام میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو بلوایا اور سب کے سامنے کہا۔ کہ

میں نے سنا ہے کہ تیرے باپ حسین کو خدا نے قتل کر ڈالا ہے۔ تو ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ نہیں تیرے لشکر نے قتل کیا ہے۔ پس جناب امام زین العابدین نے فرمایا کہ نہیں تیرے لشکر نے تیرے حکم سے قتل کیا ہے۔ انسان اپنے فعل کا مختار ہے۔ خدا کی طرف انسان کا فعل نہیں منسوب ہو سکتا۔ پس اگر جناب امام حسینؑ شہادت نہ منظور کرتے تو یہ اعتقاد یزید قائم ہو جاتا۔ کہ ہر فعل کا فاعل خدا ہے اور انسان اپنے فعل میں مجبور ہے کیونکہ یزید کی خلافت و امامت پر اجماع ہو چکا تھا۔ اور وہ برحق امام سمجھا جاتا تھا۔ اور امام کا فعل برحق ہوتا ہے۔

اسی واسطے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ الحسین منی وانا من الحسین یعنی اگر حسین نہ شہادت منظور کرتا تو میرا دین اسلام مٹ جاتا۔ پس چونکہ اس نے اپنی جان دیکر میرا دین قائم رکھا ہے۔ اس واسطے گویا میرا نام حسینؑ کی وجہ سے قائم ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

رجوع باصل مدعا یعنی اطاعت اولی الامر

بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو سال تک ائمہ اثنا عشر خلق کے درمیان موجود تھے۔ اور خداوند عالم نے ہمکو حکم دیا ہے فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون پس ہم نے کیوں ان لوگوں سے سوال نہیں کیا؟ اور حالانکہ یہی اہل بیت پیغمبر اہل ذکر اور اولی الامر ہیں جن کی اطاعت اور اُن سے معاملات دینی اور دنیوی میں سوال کرنا ہم پر واجب کیا گیا ہے میرے اس قول کی تصدیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ آپ کتب اسلام کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ پانچسو سے زائد حدیثیں ابوہریرہ سے مروی ہیں۔ اور علیؑ سے ۵۰ اور جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے کل پانچ حدیثیں مروی ہیں وہ بھی اعتراض کے طور پر اور جناب امام حسینؑ سے کل دو حدیثیں مروی ہیں وقس علی ذالک۔ حالانکہ خود مسلم اپنے مقدمہ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ کو باقر اس لئے کہتے ہیں لانه بقر العلوم بقرة یعنے آپ نے علم کا دریا بہا دیا ہے۔ اور جناب جابر جعفیؓ اصحاب جناب امام محمد باقرؑ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے جابر جعفی سے اس واسطے حدیث نہیں نقل کی کہ وہ رجعت کے قائل تھے؟ اب مسلم سے یہ سوال ہے کہ اگر جابر جعفی رجعت کے قائل تھے تو امام محمد باقرؑ سے کیوں نہیں حدیثیں نقل کیں؟ پس اب آپ لوگوں کا مجھ سے یہ سوال کرنا کہ امام زمان کیوں غائب ہیں انکو چاہیے کہ اب حاضر ہو جائیں۔ ہم اُن سے سوال کرینگے۔ محض بیجا ہے۔ کیونکہ آپ لوگوں نے اُن گیارہ اماموں سے کیا سوال کیا جو آپ لوگوں میں تین سو سال تک رہے۔ جو امام زمانؑ کو حاضر کرا کے آپ ان سے

سوال کریں گے، امیر المومنین سید الوصیین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو آشکارا قتل کیا اور اسی طرح کسی کو قتل کیا اور کسی کو قید میں رکھا اور کسی کو زہر دیا پس اسی طرح اگر بارھویں امام بھی ظاہر ہوں تو یقیناً یا تو قتل کئے جائیں گے یا قید میں رہیں گے پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اہل الذکر سے مراد عام علماء ہیں۔

علماء اہل الذکر نہیں ہو سکتے۔ اہل الذکر اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ ذکر رسول ہے اور اہل الذکر اہل بیت رسول۔ ذکر اگر قرآن ہے تو عالم قرآن اور حقیقی عامل بالقرآن اہل بیت نبوت و رسالت ہیں۔ اور انہیں کے پاس بااتفاق محققین و محدثین قرآن کا علم ہے انہیں کی نسبت ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن یاتی فلیات من الباب اور قرآن مجید فرقان حمید معجزہ ہے اور یہی لوگ صاحبان معجزہ ہیں۔ اس لئے اہل الذکر یہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان بزرگواروں کو منجانب اللہ علم دیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ انہوں نے خود حاصل کیا ہے۔

قال عزوجل، و قال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللّٰہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون۔

پس اہل الذکر وہی لوگ ہیں جو اوتوا العلم ہیں نہ وہ لوگ جو حصلوا العلم ہیں۔ یعنے اہل ذکر صاحبان علم لدنی ہو سکتے ہیں۔ نہ وہ لوگ جو لوگوں سے علم حاصل کرتے ہیں اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ امت محمدی میں سوائے اہل بیت رسول کے اور کوئی صاحب علم لدنی نہیں ہے۔ اس واسطے اہل الذکر اہل بیت علیہم السلام ہی ہو سکتے ہیں۔ اور یقیناً وہی ہیں۔

ابو ہریرہ کے ایمان لانے کی نسبت دو قول ہیں۔ بعضوں کے نزدیک تین سال قبل از وفات پیغمبر ایمان لائے تھے۔ اور بعض کے نزدیک سترہ مہینے قبل۔ پس اب سوال یہ ہے کہ کیا ابوہریرہ جن کا ایمان اور علم کسبی ہے نہ لدنی اور وہ بھی کل زیادہ سے زیادہ تین سال کا یا سترہ مہینے کا اہل الذکر ہو سکتے ہیں۔ یا امیر المومنین علی بن ابی طالب جو حالت طفلی میں سب سے پہلے رسول اللہ پر ایمان لائے اور جن کے علم کی نسبت خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ انا مدینۃ العلم و علی بابھا اہل الذکر ہو سکتے ہیں۔ الفاف عقل پر ہے ہم کچھ نہیں کہتے۔ اکثر حدیثیں اپنے ابوہریرہ ہی سے لی ہیں۔ اور علی بن ابی طالب علیہ السلام باب مدینۃ العلم سے شاذ و نادر یا مانا کہ ان سے حدیثیں نہیں لی گئی۔ لیکن قصور کونسا تھا۔ جو ان کو قتل کیا گیا قید کیا گیا۔ پس غیبت امام کی

وجہ یہ ہے کہ اگر یہ جناب ظاہر ہوں تو ڈر ہے کہ ان سے لوگ اختلاط کریں اور پھر یہ تو اُن کو قتل کر ڈالیں گے یا قید میں رکھیں۔

کیونکہ جب اور امام موجود تھے تو بھی مسلمانوں نے ان سے حدیثیں نہیں نقل کیں ہیں۔ مروان جس کو رسول نے لعنت کی ہے۔ اس سے تو بخاری تک میں حدیث موجود ہے۔ لیکن ان گیارہ اماموں میں سے کسی کی کوئی حدیث نہیں لی ہے۔ اب ان میں ایک شخص کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ کیوں غائب ہے۔ آپ تاریخ کو دیکھیں کہ امام حسن جب ان مرکیوں غائب ہوئے کہ ان کے مکان کا احاطہ کر لیا تھا۔ اور ڈھونڈا ہوا ہے۔ پوچھا کہ اس گھر میں کوئی حاملہ تو نہیں ہے۔ تاکہ اس عورت کو قتل کیا جائے۔ امام بخاری نے تو بڑا زمانہ دیکھا ہے۔ امام محمد تقی اور امام علی نقی اور امام حسن عسکری۔ جب امام بخاری صاحب بغداد میں آئے تو امام علی نقی موجود تھے۔ پس علت کیا تھی کہ ان کی خدمت میں نہیں حاضر ہوئے؟ وجہ یہ تھی کہ سلطنت نہیں چھوڑتی تھی۔ کہ اُن کے پاس کوئی جاتا۔ اور اس سے بڑھ کر دیکھو امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے پانچ سال تک لوگوں کو منبر پر بیٹھکر وعظ و نصیحت فرمائی ہے لیکن مسلمانوں کی کسی حدیث کی کتاب میں علی کے وعظ و نصیحت کا پتہ نہیں ہے حسن بصری سے ساری روایتیں موجود ہیں لیکن علی باب مدینۃ العلم سے کوئی نہیں ہے پس جب معصومین کی یہ حالت ہوئی تو امام مہدی سے کیا کچھ بے اعتنائی ہوئی ہو گی۔

جب امام حسن عسکری کا انتقال ہوا تو فوراً آپکا مکان گھیر لیا گیا۔ تاکہ کوئی لڑکا ہو تو اس کو قتل کر ڈالا جائے۔ کیونکہ وہ صاحب سلطنت ہو گا۔

اور رسول خدا کی ہجرت کا بھی باعث تھا کہ مشرکین کے صلبوں میں نطفے مسلمین کے موجود تھے۔ پس خدا نے فرمایا کہ اے رسول تم ہجرت کر جاؤ۔ اگر مشرکین میں مومنین نہ ہوتے تو میں ان سب کو ہلاک کر دیتا۔

اور امتداد زمانہ طولت کی غائبیت کے لئے منافی نہیں ہے۔ جناب موسیٰ اس قدر غائب رہے کہ یہود لعنہ اللہ کو ان کی قبر کی کچھ خبر نہیں ہے کہ کہاں ہے اور جناب ہارون کی قبر کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے۔

جناب یوسف نے فرمایا کہ میرے بھائیوں نے میرے ساتھ برا سلوک کیا۔ اسی طرح جناب حجت اللہ فرماتے ہیں۔ کہ وہی قصہ میرے چچا جعفر کذاب نے کیا کہ خلیفہ کے پاس جا کر کہا کہ اس کو گرفتار کر لو ورنہ فساد برپا کرے گا۔

پس جس طرح جناب یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے نہیں پہچانا۔ اُسی طرح سے لوگوں
نے حضرت حجت کو بھی نہیں پہچانا حالانکہ حضرت حجت انہیں میں رہتے ہیں۔ جس طرح جناب
یوسفؑ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مصر میں گئے ہیں تو اُن کے بھائیوں نے ان کو نہیں پہچانا
حالانکہ جناب یوسف میں حسن و صورت جمال ظاہری موجود تھا۔ باوجود اس کے یوسف کے بھی
بھائیوں نے نہیں پہچانا تب اب اتنے زمانے کے بعد حجت اللہ کو کیونکر پہچان لیں گے؟

اگر اُسی وقت حضرت حجتؑ تلوار پکڑ کر لوگوں کو قتل کر ڈالتے تو وہ مسلمان جو صلب مشرکین
میں تھے سب ہلاک ہو جاتے۔ کیونکہ ان میں چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذریہ
کلمۃ اللہ ہیں۔ وہی قوت و قدرت جو اُن کے بڑوں میں ہوتی ہے بعینہ چھوٹوں میں موجود ہوتی ہے
اور اگر قتل نہ کرتے تو خود قتل کئے جاتے۔ کیا جناب موسیٰ کو یہ طاقت نہیں تھی کہ فرعون کو ایک
روز میں ہلاک کر دیتے بیشک تھی۔ لیکن مصلحت خدا نہیں تھی۔ خداوند عالم کی حکمت ہے کہ وہ جلدی
نہیں کرتا۔ ہماری اور تمہاری طرح عجول نہیں ہے۔ مصلحت سے بالتدریج کام عمل در فرماتا ہے۔
خدا نہیں چاہتا کہ فوراً کسی کو ہلاک کرے۔ کیونکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ اس کے مخفی امور قدرت جو ابھی
تک پوشیدہ ہیں وہ آہستہ آہستہ ظاہر ہوں۔ اور حجت تمام ہو۔ دیکھو نطفہ کو مضغہ بنا دیا
خداوند عالم ایک ہی مرتبہ انسان بنانے پر قادر نہیں ہے؟ اُن کو مہلت اس واسطے دیتا ہے۔ کہ جو
ہلاک ہو وہ بیّنہ سے ہلاک ہو۔ اور حجت خدا اس پر تمام ہو۔ پس مشیت ایزدی ہے کہ دنیا آہستہ
آہستہ درجہ کمال کو پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر روز ایک نئی شے دیکھتے ہیں۔ جو چیزیں ایسی ہیں
جو آج کل موجود ہے وہ پہلے نہیں تھا۔ اور جو بعد میں آئیگا وہ آج موجود نہیں ہے۔ اگر کسی کے ظلم
کی سزا میں خداوند عالم مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہتا تو کیا اس سے بھی بڑھکر دنیا میں کوئی ظلم ہوا ہے
کہ آل رسول کو بھوکا پیاسا ذبح کر دیا گیا۔ اور خود رسول کے دندان مبارک شہید کئے گئے۔
لیکن خداوند عالم نے ان ظالموں کے عوض میں کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ پس چونکہ انبیا و ائمہ معصومین کلمۃ
اللہ مظہر مقاصد حضرت حق ہیں۔ اس واسطے جب تک کل ودائع الٰہیہ ظاہر نہ ہو جائیں گے
تب تک حجت اللہ کا ظاہر نہ ہونا مصلحت پروردگار ہے اور جب وہ زمانہ آئے گا۔ کہ ودائع الٰہی
مسلمین اصلاب مشرکین سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ تب وہ حجت خدا ظاہر ہوں گے۔

بخت نصر نے ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا۔ لیکن خداوند عالم نے اُس کو مہلت
دی تاکہ عالم امکان میں جو باتیں پوشیدہ ہیں وہ سب ظاہر ہو جائیں۔ تب وہ اپنے رسولوں کی مدد

کریگا جس کا وعدہ فرمایا ہے انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیواۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد۔ یہی وجہ تھی کہ رسول نے بددعا نہیں کی۔ اور فرشتوں کو پہلے بھی خداوند عالم بھیج سکتا تھا۔ کیوں بعد قتل اصحاب و زخم دندان رسول کے بھیجا۔ پس جو مصلحت اُن کے لیے میں ہم نے کی تھی وہی پنہاں رہتے میں بھی ہے۔

اور خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام سے وعدہ فرمایا ہے۔ انا لننصر رسلنا الخ اور ھو الذی ارسل رسولہ الخ۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ وعدے اب تک نہیں پورے ہوئے۔ پس یہ وعدے کب پورے ہوں گے؟ یہ وعدہ الٰہی اسی وقت پورے ہوں گے جب کل عالم امکان کے کمالات ظاہر ہو جائیں گے۔ اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رہجائیگی۔ پس جس طرح انسان کی تکمیل بالتدریج ہوتی ہے اسی طرح اس عالم امکان کی تکمیل بھی بالتدریج ہوگی۔ پس یہ عالم امکان مکمل انسان ہو جائیگا۔ تب، حجت خدا ظاہر ہوں گے۔ پس اس وقت کوئی مشرک و کافر نہیں رہیگا۔

دیکھو شریعت کا حکم ہے کہ جب کوئی عورت محصنہ زنا کرے اور وہ حاملہ ہو جائے اور زنا کا ثبوت بہم پہنچ جائے تو اس وقت تک اس عورت کو مہلت دینی چاہیے۔ کہ وہ نطفہ مکمل ہو جائے۔ پس اس کے بعد اس زانیہ کو اس کے کردار بد کی سزا دی جاتی ہے۔ پس اسی طرح اس عالم امکان کو ان بدکرداریوں کی سزا اس وقت خداوند عالم دے گا۔ جب سب باتیں اس عالم امکان کے شکم سے نکل آئیں گی پس اُس وقت تک شمشیر انتقام الٰہی ہرگز برہنہ نہ ہوگی۔

اب یہ بات رہی کہ پھر وہ اولی الامر اب کہاں ہیں جو ہم اُن سے جاکر اپنے مسائل دریافت کریں۔ پس اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور نیز یہ ہے کہ جس طرح نبی ایک مقام پہ ہوتے تھے تو خدا نے ان کی نسبت لوگوں کو فرمایا کہ ہر قوم میں سے ایک ایک آدمی اُن کی خدمت میں جائے اور اُن سے علم دین سیکھکر اپنی قوم میں آکر لوگوں کو مسائل دینیہ سے واقف کرے۔ قولہ۔ لولا نفر من کل فرقۃ۔ الخ پس اسی طرح اولی الامر کے پاس بھی بعض افراد جا سکتے ہیں۔ اور نہ یہ کہ وہ جناب خود ہر شخص کے سامنے ہر روز ظاہر ہوا کریں۔

پس جو احکام رسول کے تھے وہی احکام گیارہ اماموں کے تھے۔ پس اسی طرح وہ غائب اولی الامر بھی وہی احکام جاری فرمائیں گے۔ نہ ہندیوں کی طرح ہر روز نئے نئے احکام جاری کریں گے۔ اور نیا دین بنائیں گے۔

پس اب ہمیں معلوم کرنا چاہیئے کہ ان گیارہ اماموں کے کیا کیا احکام ہیں پس ان کے احکام دریافت کرنے کے واسطے ہمارے پاس اہل اسلام کی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن اہل تسنن کی کتابوں میں انکی حدیثیں شاید کل معدودے چند ہیں۔ ہاں البتہ اہل تشیع کی کتابوں میں چھ ہزار حدیثیں مذکور ہیں۔ بلکہ سولہ ہزار تک۔ لہذا انہی کتب سے دین اہل بیت اور علم اہل بیت کو لینا چاہیئے۔ اور وہی علم رسول ہے اور وہی علم قرآن لیکن اب یہ اعتراض باقی ہے کہ پھر اہل تشیع کی حدیثیں بھی تو مختلف ہیں۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ خود انہیں اماموں نے فرمایا ہے کہ ہم بعض وقت حکام کے ظلم و جور سے بچانے کیلئے تمہیں ایسی باتیں تقیہ کے طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ وہ ایک دوسری کی مخالف ہوتی ہیں۔ پس اس صورت میں تم عادل راوی کی حدیث کو مانو اور اس کے بعد واثق کی حدیث لو۔ اس کے بعد مشہور کی حدیث لو۔ اس کے بعد جو تمہارے مخالفین چھوڑتے ہیں اس پر عمل کرو۔

اب یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر تو اختلاف امتی رحمۃ صحیح ہے اس واسطے ایک حسی مثال بیان کرتا ہوں۔ آج کل ملک ایران میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے شاہ نے خفیہ پولیس تمام ایران میں مقرر کی ہے اور وہ علماء کے پاس جا جا کر شاہ کے برخلاف مسئلے پوچھتے ہیں پس اگر کوئی عالم شاہ کے خلاف بیان کرتا ہے تو اس کو گرفتار کرا دیتے ہیں

بعینہ یہی حال تھا۔ امام جعفر صادق ؑ کے زمانہ کا کہ لوگ حضرت کے پاس جا کر سلطنت کے دین و مذہب کے برخلاف مسئلے پوچھتے تھے۔ اور چونکہ حضرت علم امامت سے جانتے تھے کہ یہ تجسس اور غرض سے پوچھنے آیا ہے۔ پس حضرت اس کی مرضی کے موافق جواب دیتے تھے۔ پس یہی وجہ ہے کہ ائمہ کی حدیثوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور یہی وجہ تھی کہ ائمہ علیہم السلام کو یا تو قتل کر دیتے تھے یا قید میں رکھتے تھے۔ اور اس اختلاف کے رفع کے اصول انہوں نے خود بتلا دیئے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کے بعد کوئی اختلاف ان کے کلام اور ان کی روایات میں باقی نہیں رہتا۔ جو عالم بصیر سے پوشیدہ نہیں۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قال عزمن قائلہ ۔ یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول
واولی الامر منکم

دنیا میں سب سے بہتر شے انس و محبت ہے چنانچہ محبت کو خداوند عالم نے اپنی ذات منسوب فرمایا ہے ۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ پس اگر سب میں محبت ہوتی تو دنیا سے اختلاف اٹھ جاتا ۔ کیونکہ انس و محبت سے اتفاق و اتحاد پیدا ہوتا ہے ۔ اور غرض شخصی اور دشمنی سے اختلاف پیدا ہوتا ہے ۔ خداوند عالم اپنے ہر بندے کو غرض شخصی اور دشمنی سے محفوظ رکھے ۔ کیونکہ یہ عمل شیطان رجیم ہے ۔ جس نے ہمارے جد امجد جناب آدم کو بہشت عنبر سرشت سے باہر نکالا ۔

میں کئی سال سے بلا غرض ذاتی اسلام کو ظاہر کر رہا ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے اصل اسلام کی اشاعت میں جان و دل سے کوشش کرتا ہوں ۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اب اصل اسلام مٹتا جاتا ہے ۔ اور وجہ میری کوشش کرنے کی یہ ہے کہ کل مسلمانوں کو حکم الٰہی ہے کہ ہر ایک قوم میں سے ایک ایک جماعت کو چاہیئے کہ دین اسلام میں تفقہ پیدا کرے یعنی حقیقت واقعیہ کو سمجھکر لوگوں کو سمجھائیں قال عزوجل ۔ لولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم (الایہ)

وقال عزوجل ۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون ۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینت واولئک لھم عذاب الیم ۔

پس اگر یہ بات میری گردن پر نہ ہوتی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز ایک لفظ بھی بیان نہ کرتا ۔ کیونکہ دوسرے مقام میں خداوند عالم فرماتا ہے ۔ یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعا ۔ یعنے اے لوگو تم خود اپنے نفسوں کو ہدایت

کرد۔ اگر کوئی گمراہ ہو جائے تو اس کا، اور تم سب کا مرجع خداوند عالم کی طرف ہے اور فرمایا ہے ۔
ولا تزر وازرۃ وزر اخری ۔ اور فرمایا ہے لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت وغیرہ۔

اور میں اپنی رائے سے کچھ نہیں بیان کرتا جو کچھ قول پیغمبر ہے وہی بیان کرتا ہوں ہاں ایک بات البتہ بیان کر دیتا ہوں کہ اول تو میں نے بعد فراغت تعلیم کے چھ سال تک مذہب شیعہ اور مذہب سنی دونوں کی کتابوں کو خوب غور سے دیکھا ہے کہ ان دو بڑے بڑے اسلام کے فرقوں میں کون درستی پر ہے ؟ گو میرے والدین شیعہ تھے لیکن میں نے وجدنا علیہ اباءنا کے مطابق مذہب آبائی تقلیدی طور پر اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔ اور بعد اس کے دو سال کامل ریاضت کی ۔ تب مجھ پر یہ روشن ہو گیا کہ حقیقت میں مفسرین نے بہت غلطی کی ہے۔ اور سخت ناانصافی کی ہے کہ اپنی رایوں کو قرآن مجید فرقان حمید میں داخل کر دیا ہے اور بیچارے مسلمانوں کو محض اپنی ہی رائے پر چلنے کی تاکید فرمائی ہے ۔ اگر کسی نے اُن کی رائے کی مخالفت کی تو اس کو رافضی اور مخالف دین قرار دیتے ہیں !

پس پہلے پہل میں نے علماء سے گفتگو کی جن باتوں میں میں نے ان کو گمراہی پر دیکھا اُن سے آگاہ کیا! کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ جب تم گمراہ کو دیکھو تو اُس کی ہدایت کرو ورنہ تم پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے! حدیث شریف میں بھی یہی وارد ہوا ہے کہ جب میری امت میں گمراہی پھیلے تو تم کو ہدایت کرنا چاہئے ۔ ورنہ تم ملعون ہو!

اصل مدعا ۔ بہر حال پروردگار عالم نے بنی نوع انسان کے لئے ان کی دینی اور دنیاوی امور ان کے زمانہ حال اور مستقبل کیلئے ایک دستور العمل قرار دیا ہے ۔ تاکہ لوگ اس دستور العمل پر کاربند ہو کر گمراہ نہ ہوں اور ہر طرح کے اختلافات سے محفوظ رہیں اور ان میں محبت وانس پیدا ہو اور وہ دستور العمل یہی ہے کہ خدا فرماتا ہے ۔ یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۔ (اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور اپنے اولی الامر کی) چونکہ اللہ کی اطاعت کے بعد رسول اور اولی الامر دونوں کی یکساں اطاعت کا حکم ہے ۔ اس واسطے جس طرح کی اطاعت رسول کی ہے اسی طرح کی اولی الامر کی بھی ہوگی یعنی اگر رسول کی اطاعت مطلقہ ہے تو اولی الامر کی اطاعت بھی مطلقہ ہوگی اور جو کچھ فرمان اولی الامر کا ہوگا وہ بعینہ فرمان رسول ہوگا! اس لئے اولی الامر کا تمام شریعت نبوی سے واقف ہونا اور تمام علوم نبی میں وارث اور رسول کی طرح معصوم ہونا ضروری ہے ۔ کیونکہ غیر معصوم کی اطاعت میں معصیت کا احتمال ہو ۔ پس

اولی الامر کا قول و فعل دونوں نبی کے قول و فعل کے مطابق ہونا ضروری ہے اور قول و فعل میں مطابقت بغیر علم و عمل کی مطابقت کے ناممکن ہے! اس لئے اولی الامر کے قول و فعل دونوں کا نبی کے قول اور فعل کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر ذرہ بھی اختلاف ہوگا تو وہ شخص اولی الامر نہیں ہو سکتا۔

اور اس آیۂ مجیدہ میں خداوند عالم نے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور امر کیا ہے، اور یہ امر کرنا اس وقت درست ہو سکتا ہے جب پہلے رسول اور اولی الامر موجود ہوں تب ان کی اطاعت کا حکم دینا صحیح ہوئی۔ اور اگر رسول اور اولی الامر تو ابھی موجود نہیں ہیں لیکن اُنکی اطاعت کا حکم دیدیا گیا ہے تو اس طرح کا حکم صحیح اور درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کا حکم تکلیف مالایطاق ہے جس کا بجا لانا انسان کی طاقت سے باہر ہے! اور خدا خود فرماتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اور چونکہ آیۂ مجیدہ میں پہلے پیغمبر کی اطاعت ہے ان کے بعد اولی الامر کی ہے۔ اس لئے بعد پیغمبر کے اولی الامر کا وجود ضروری ہے تاکہ خداوند عالم کا ارشاد صحیح ہو اور تعمیل بھی اور چونکہ امر پر ورد گار اطاعت کے لئے وجوبی ہے اس لئے اس امر سے پہلے وجود رسول ضروری ہے اور رسول کے بعد اوسی طرح وجود اولی الامر بھی ضروری ہے بلا تاخیر و درنگ کے ورنہ امر لغو ہو جائے گا۔ اور خداوند عالم پر الزام عائد ہوگا!

ہم اس مقام پر بغیر کسی جرح و تعدیل کے ایک بزرگ مفسر کا قول بیان کرتے ہیں یعنے امام فخرالدین رازی جس کی نسبت مشہور ہے ؎

گر باستدلال کار دیں بدے | فخر رازی راز دار دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود | پائے چوبیں سخت بی تمکیں بود

یہ جلیل الشان مفسر اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعد پیغمبر کے اولی الامر کا وجود ضروری ہے اور وہ پیغمبر ہی کی طرح معصوم بھی ہونا چاہئے لیکن چونکہ بعد پیغمبر کے ایسا کوئی شخص نہیں تھا اور نہ اب ہے اس لئے اجماع امت اولی الامر ہوگا نہ کوئی انسان!

پس اگر کوئی صاحب ذرا سا بھی اس بات پر غور و فکر کرینگے تو اُن کو فوراً اس قول کا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ اجماع میں اب تک اتفاق نہیں ہوا ہے اور نہ اجماع موجود ہے اور ہمکو اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہوا ہے نہ اس کے پیدا کرنے کا! اور وہ اجماع جس کو لوگ حجت قرار دیتے ہیں وہ پیدا کیا گیا وہ بھی محض چند شخصوں کا تھا۔ اور وہ بھی وفات رسول کے کچھ عرصہ کے بعد ہوا ہے پس وہ عرصہ جو وفات رسول کے اور اجماع کے بین تھا۔ ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں

اطاعت اولی الامر لغو ہی ہو گی!

پس حق یہ ہے کہ جس طرح سے خداوند عالم نے رسول کو خود مقرر فرمایا ہے. اسی طرح سے اولی الامر کا مقرر کرنا بھی خدا پر ہے. نہ ہم پر۔ ہم پر محض اسکی اطاعت واجب ہے نہ مقرر کرنا! اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا. کہ امور پروردگار میں اجماع مخلوق کو کوئی دخل نہیں ہے. خواہ فرشتوں ہی کا کیوں نہ ہو! چنانچہ جب فرشتوں نے اجماع کر کے کہا کہ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک. یعنے جب پروردگار عالم نے اپنا خلیفہ زمین میں خود مقرر کرنا چاہا اور اس امر کو فرشتوں پر ظاہر فرمایا تو انہوں نے اجماع کر کے عرض کیا کہ ہم اس خلیفہ سے بہتر ہیں ہمکو اپنا خلیفہ بنا تو حمد جلالت سے ارشاد ہوا کہ تمہارے اجماع کو میرے امور میں کوئی دخل نہیں ہے خلیفہ وہی بہتر ہے جس کو میں نے مقرر کیا ہے. انی اعلم ما لا تعلمون. جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے. پس جب پروردگار عالم نے خلافت فی الارض کے معاملہ میں فرشتوں کے اجماع کو رد کر دیا ہے. تو بھلا چند لوگوں کا اجماع کب منظور فرمائیگا.

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اولی الامر کون لوگ ہیں. جن کی اطاعت کا ہمکو حکم دیا گیا ہے. اولی الامر کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض مفسرین کے نزدیک علماء ہیں. اور بعض مفسرین کی رائے میں حکام وقت ہیں. خواہ کسی مذہب ملت کے ہوں! اور بعض مفسرین کے نزدیک وہ شخص ہے جس پر اکثر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے. مثلاً سلطان ٹرکی امیر کابل وغیرہ لیکن شہنشاہ ایران نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مذہب اثنا عشری رکھتا ہے گو بہت سے مسلمانوں کا شاہ اور اولی الامر ہے، لیکن چونکہ یہ مقام ظن پر رہنے کا نہیں ہے کیونکہ اطاعت اولی الامر کی واجب یقینی ہے اس واسطے اس کے متعلق ہمیں قرآن سے یقین حاصل کرنا چاہیئے کہ اولی الامر کون ہے ورنہ حکم پروردگار کو ظن پر چھوڑ کر اس کی اطاعت کو بالائے طاق رکھنا ہو گا. جو مسلمان کے واسطے سخت خرابی کا باعث ہے. کیونکہ اس اطاعت کا حکم منسوخ نہیں کیا گیا ہے. اور نہ موقوف کیا گیا ہے. بلکہ جب تک قرآن مجید اور شریعت اسلام موجود ہے. تب تک اولی الامر کی اطاعت بھی واجب و لازم ہے. پس جب تک ہم کو اس کا یقین نہیں حاصل ہو گا. کہ وہ کون ہیں اس وقت تک ہم اس حکم پروردگار کو کیونکر بجا لا سکتے ہیں. اس سے پہلے ہمیں امر کے معنے دریافت کرنے چاہیئں کہ اس امر کا اطلاق خدا کی کتاب میں کتنے معنوں پر ہوا ہے پس قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مختلف معنوں کیلئے آیا ہے. قال عز من قائلہ

يقولون هل لنا من الامر من شيء قل ان الامر كله لله يخفون في انفسهم ما لا يبدون لك يقولون لو كان لنا من الامر شيء ما قتلنا ههنا۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے نصیبہ کے ہیں۔ وقال عز من قائل۔ افوض امری الی الله ان الله بصير بالعباد فوقه الله سيئات ما مكروا۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے تمام امور انسانی کے ہیں جو اس کو اس دنیا میں درپیش آتے ہیں۔ وقال عزوجل۔ ولقد اتينا بني اسرائيل الكتب والحكم والنبوة ورزقنهم من الطيبت وفضلنهم على العالمين واتينهم بينت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم ان ربك يقضي بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون۔ ثم جعلنك على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذين لا يعلمون۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے کتاب اور حکم اور نبوت اور ساری شریعت کے ہیں۔ ایسی شریعت جو خداوند عالم نے مقرر فرمائی ہے۔ وقال عزوجل۔ وامرهم شورى بينهم۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں پر امر کے معنے شغل و مکاسب کے ہیں۔ قال عز من قائل۔ الا له الخلق والامر۔ وقال عزوجل انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون۔ پس ظاہر ہے کہ یہاں امر کے معنے خلق کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ خلق جو بلا مادہ کے ہو اور فوری ہو بخلاف خلق آنی۔ کیونکہ دراصل ایک عالم خلقی ہے اور ایک عالم امری ہے۔ عالم خلقی مادے سے متعلق ہے اور خلقت اس کی تدریجی ہے۔ قوله عز من قائل۔ خلق السموات والارض في ستة ايام۔ اني اخلق لكم من الطين كهيئة الطير۔

اور عالم امری کو مادے کی حاجت نہیں ہے اور خلقت اس کی فوری ہے۔ محض لفظ کن کہدینے سے مادہ اور صورت اور روح آن واحد میں نمودار ہو کر مخلوق کامل ہو جاتے ہیں انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون یعنے امر پروردگار یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ شے موجود ہے۔

اور یہ جتنے امور ہیں سب رسول اللہ پر نازل ہوتے ہیں اور وہ جناب ان سارے امور سے واقف اور ماہر تھے۔ اور جب تک حضرت اس عالم امکان میں تشریف فرما تھے۔ ہر شب قدر۔ اور شب جمعہ میں فرشتے بحکم پروردگار یہ سارے امور لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تنزل الملئكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر

انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین۔ فیہا یفرق کل امر حکیم امراً من عندنا انا کنا مرسلین۔

فخر رازی نے نزول ملائکہ میں اختلاف کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شب قدر کو نزول ملائکہ زمین مکہ پر ہوتا ہے اور اس زمین میں فرشتے اور روح القدس سیر و سیاحت کر کے آسمان پر چلے جاتے ہیں لیکن یہ بات صریح البطلان ہے کیونکہ امر پروردگار کے کر روح الامین پیغمبر خدا پر نازل ہوتے تھے۔ نہ زمین مکہ پر۔ ہاں اگر زمین مکہ سے قلب رسول مراد ہو تو درست ہے کیونکہ حقیقی اور معنوی مکہ جناب رسالت مآب ہی ہیں اور جبرئیل امین اس دل پر امر پروردگار لیکر نازل ہوتے رہے ہیں۔ لقد نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سارے امور کے مالک تھے۔ اس لئے معناً اول اولی الامر آپ ہیں۔ پس اسی طرح سے جو شخص بعد رسول کے سارے امور سے واقف اور سب پر حاوی اور سب کا مالک ہوگا وہی شخص بعد رسول کے اولی الامر ہو سکتا ہے نہ دوسرا اور چونکہ سوائے ائمہ اثنا عشر کے اور کسی کی طرف بعد رسول کے ایسے امور نہیں منسوب کئے گئے ہیں اور نہ اب کوئی شخص ان سارے امور کا صاحب نظر آتا ہے اور نہ دعوے کرتا ہے۔ اس لئے سوائے ائمہ اثنا عشر کے اور کوئی اولی الامر نہیں ہو سکتا کیونکہ تقریباً ان سب بزرگواروں سے ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں اور تاریخی دنیا میں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ جناب امام علی نقی علیہ السلام نے شیر قالین کو ارشاد فرمایا۔ کُن اسداً یعنے ہو جا اصلی شیر پس وہ اور صورت اور روح سب اسی وقت آن واحد میں موجود ہو کر شیر نیستان بن گیا۔ اور ساحر ہندی کو ایسا کھا گیا کہ ایک قطرہ خون کا زمین پر نہیں گرنے دیا اور جب حضرت نے متوکل کی درخواست پر اس سے فرمایا کہ اپنی اصلی صورت اختیار کر تو فوراً شیر قالین ہو گیا۔ پس ہم لوگ بھی اولی الامر مراد نہیں لیا کرتے کہ ہر دنیاوی حاکم بعد رسول کے ایسی خصوصیات پر صاحب کرامات اور اس وقت ہمارے اولی الامر جناب صاحب الامر علیہ السلام موجود ہیں اور انہی جناب کی خدمت میں شب قدر و شب مبارک میں سارا امور پروردگار لیکر نازل ہوتے ہیں نہ بیابان مکہ میں جیسا کہ مفسرین کرام نے اور آن کا خیال ہے کیونکہ یہ فعل لغو ہے۔ اور ذات پروردگار اس سے پاک۔

اب زیادہ وضاحت کے لئے ایک حدیث صحیح سلسلہ سے پیش کرتا ہوں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم [illegible]

کلھم من قریش۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ کہ قیامت تک یہ امر زائل نہ ہوگا! پس اب قرآن و حدیث سے ثابت ہوگیا کہ ایک اولی الامر ہر زمانہ میں قیامت تک موجود ہے؛ اور وہ مثل نبی کے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اُس اولی الامر کو رسول اللہ نے مقام غدیر خم میں اور اس سے پیشتر روز مباہلہ آیت مباہلہ میں ظاہر فرمادیا ہے۔ قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم۔ پس اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ روز مباہلہ رسول اللہ اپنے ہمراہ محض علی و فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو میدان میں لائے تھے۔ اور انفسنا سے علی بن ابی طالب مراد ہیں پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علی ابن طالب برادر رسول اللہ رسول کے مثل رسول ہیں لیکن چونکہ اتحاد و مماثلت جسمانی محال ہے۔ اس لئے اتحاد و مماثلت روحانی مراد ہے۔

اب اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ کہ جب علیؑ بن ابی طالب رسول اللہ سے کلیتہً اتحاد صفی رکھتے تھے اور رسول اللہ کے اوصاف میں سے ایک وصف نبوت رسالت بھی ہے۔ تو کیا بعد نبی کے علی بھی نبی تھے۔ پس اس شبہ کو خداوند عالم نے خود رد فرمایا ہے قال عز من قائل۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین یعنے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت و رسالت کا خاتمہ ہے۔ علی ابن ابی طالب محض رسول کا وصی اور اس کے امور کا صاحب ہے۔

اور خود امام رازی نے فرمایا ہے کہ جو شخص علی بن ابی طالب کو اپنا امام بنائے گا۔ وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ پس کافی ہے یہی بات؛

اب میں کہتا ہوں کہ بعد رسول کے اگر علی بن ابی طالب اولی الامر نہیں ہیں تو پھر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ سب مصنوعی اولی الامر ہیں! کیونکہ اولی الامر کے حقیقی اوصاف ان کے سوا کسی میں موجود نہ تھے۔

اور امامت کے بارے میں جناب براہیم علیہ السلام کو ارشاد ہوا ہے کہ لاینال عہدی الظالمین یعنے میرا عہد جو کہ امامت کبریٰ ہے یعنی خلافت رسول۔ ظالم کو ہرگز نہیں پہنچیگی اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ظالم کون ہے۔ پس قرآن مجید نے ظالموں اور ظلم کے اقسام بیان فرمائے ہے۔ قال عز من قائل۔ یا بنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم پس شرک ظلم جلی ہے۔ وقال عز وجل والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ پس معصیت ظلم خفی ہے۔ پس جب ان دونوں قسموں کے

ظالم توبہ واستغفار کر لیتے ہیں تو خداوند عالم اُن کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ ایک مرتبہ مجرم ہو چکے ہیں اس لئے خلافت کبریٰ سے ہمیشہ کیلئے محروم کئے گئے ہیں کیونکہ وہ احکم الحاکمین کی ملازمت ہے۔ دیکھو گورنمنٹ کے ملازموں میں سے جب کوئی مجرم ثابت ہو جاتا ہے تو اس کو سرکار کی ملازمت ہرگز نہیں دیجاتی۔ خواہ چھوٹی ملازمت ہو یا بڑی۔ کیونکہ وہ شخص اب گورنمنٹ کی نظروں میں محفوظ نہیں رہا۔ ممکن الخطاء ثابت ہوگیا ہے۔ اس کو گورنمنٹ کا کوئی عہدہ نہیں دیا جائیگا۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ ظالم کو خداوند عالم اپنا خلیفہ دوسرے لفظوں میں وائسرائے بنائیگا! پس ان دونوں قسموں کے مسلمانوں کو ہرگز امامت نہیں پہنچ سکتی۔ ہاں اگر لوگ اپنی مرضی سے کسی کو اپنا امام بنالیں تو بظاہر تو امام کہلائے گا۔ لیکن حشر اس کا انہیں اماموں کے ساتھ ہوگا جنکی نسبت فرمایا ہے قال عزمن قائل۔ وجعلناهم ائمة يدعون الى النار ويوم القيمة لا ينصرون۔ واتبعنهم في هذه الدنيا لعنة ويوم القيمة هم من المقبوحين اور ان کے ساتھ جن کی نسبت فرمایا ہے۔ قال عزمن قائل۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا باياتنا يوقنون۔ پس ظاہر ہے کہ نار والے امام مجعول ناس ہیں۔ اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے حکم پر لوگوں کو چلاتے ہیں۔ اور جنت والے امام مجعول پروردگار عالم ہیں اور اسی کے امر سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں۔ اس لئے وہی لوگ اولی الامر ہیں۔ والسلام على من اتبع الهدىٰ۔

مجلس ششم

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔
يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم

الحمد جس قدر ضروری تھا میں نے بیان کر دیا ہے کہ نبوت کیا شے ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کلمات اللہ ہیں۔ قال عزوجل۔ انما المسيح عيسى بن مريم رسول الله وكلمته القاها الى مريم وروح منه فامنوا بالله ورسله۔ یعنی جس طرح انسان اپنا

مافی الضمیر اپنے کلمہ سے دوسروں پر ظاہر کرتا ہے یا تشبیہ اسی طرح پروردگار عالم نے اپنا منشاء اپنے کلمات سے اپنی مخلوق پر ظاہر فرمایا ہے۔ اس لئے انبیا علیہم السلام اسباب ہیں۔ بروز اور ظہور مقاصد اللہ تعالےٰ کے اور جب وہ لوگ اظہار مقاصد اور مطالب پروردگار عالم کے رسائل ہیں۔ تو آیہ مجیدہ میں جو لفظ حسنہ وارد ہوا ہے۔ تو یہ زیادہ اتصال کی توضیح کے لئے ہے۔ یعنے جس طرح سے آفتاب کی روشنی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح خداوند عالم کا فیضان ہر وقت ان سے متصل رہتا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ اور خلیفہ مستخلف عنہ کا مراۃ یعنے آئینہ ہوتا ہے جس سے مستخلف عنہ کا عکس فیضان دوسروں پر پڑتا ہے۔

پس چونکہ جو کچھ خداوند عالم کا منشاء ہے۔ وہ سب انہیں کے وجود سے حاصل ہوتا ہے اور یہی لوگ اس کے اوصاف کے اظہار کے لئے آئینہ ہیں۔ اس واسطے انکی تائید کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کہ جو کچھ تم کو رسول کہے۔ اس کو لو اور اس پر عمل کرو۔ اور جس بات سے تم کو منع کرے۔ اس سے باز آؤ۔ وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا۔ اور آیہ مجیدہ میں فرماتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسولوں پر۔

ابتدائے نبوت کا مرتبہ یہ ہے۔ کہ جتنے لوگوں پر نبی کو مبعوث فرمایا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد اور قوم کے لحاظ سے اس نبی کو علم و حکمت عنایت فرمایا ہے۔ زیادہ اس واسطے نہیں دیا کہ اسکی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن نبوت حقیقی کی یہ شان ہے۔ کہ جتنے لوگوں پر وہ نبی مبعوث ہو یا جس قوم کی طرف وہ نبی بھیجا جائے۔ ان کے تمام امور دنیوی اور دینی سے واقف ہو اور اس قوم و جماعت کے سارے علوم و فنون سے واقف ہوتا کہ ان کو ممنوعات سے انذار کرے۔ اور مشروعات سے ترغیب و تنبیہ دے پس اگر کوئی شخص یہ دعوے کرے۔ کہ میں تمہارا نبی ہوں لیکن وہ شخص تمہارے تمام علوم و فنون سے واقف اور ماہر نہیں ہے۔ تو کاذب ہوگا۔ دلیل نبوت جزئی کی یہ ہے۔ واذ قال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اے بنی اسرائیل میں فقط تمہارے واسطے خدا کا رسول ہوں اور دوسروں کی طرف نہیں اور میں توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور تمہیں آنے والے رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا اسم مبارک احمد [illegible]

اسرائیل کے علوم وفنون سے واقف ہوں ورنہ اُن کے رسول نہ ہو سکتے۔ اور نہ آنے والے نبی کی بشارت دے سکتے جس کے بنی اسرائیل منتظر تھے۔ پس چونکہ جناب عیسیٰ کی نبوت جزئی تھی جو محض بنی اسرائیل ہی کیلئے محدود تھی۔ اس لئے انکو محض اس قوم اور اُن کے شمار کے لحاظ سے علوم وفنون ومعجزات عطا ہوئے تھے۔ نہ زیادہ اور نہ کم۔ اور اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق۔

اس بیان سے ایک اور معمہ بھی حل ہو گیا۔ وہ یہ کہ اب اس ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص مثیل عیسیٰ بن کر تمام عالم سے اپنی تصدیق کرائے۔ اور سب کو اپنی امت میں داخل کرنا چاہے۔ یا سب کے واسطے اپنے آپ کو پیشوا قرار دے تو وہ شخص غلطی پر ہوگا۔ کیونکہ جناب عیسیٰ محض بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ نہ تمام عالم کے۔ اس واسطے انکا مثیل بھی بفرض محال اگر ہوگا۔ تو محض بنی اسرائیل ہی کے واسطے رہبر ہو سکتا ہے۔ اور امام و پیشوا بن سکتا ہے۔ نہ امت محمدیہ کا جس میں تمام عوالم داخل ہیں۔ تبارک الذی نزل الفرقان علٰے عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا

اور نبوت کلی یعنے نبوت مطلقہ یا انتہائے نبوت یا ختم نبوت یا ولایت مطلقہ کا مرتبہ یہ ہے۔ کہ ہر عالم کے انواع و اقسام کے علوم وفنون اور دینی و دنیوی ملکوتی۔ لاہوتی۔ ناسوتی جبروتی حقائق عالم و دقائق امور سے کما حقہٗ واقف و ماہر ہو۔ کہ تمام مخلوقات کو احکام جو ان کے واسطے خداوند عالم نے مقرر فرمایا ہے۔ تعلیم دے اور ممنوعات سے منع فرمائے۔ پس نبی مطلق کے واسطے یہ بات ضروری ہے۔ کہ عالم ملکوت کے تمام حقائق و دقائق سے ماہر ہو۔ اس طرح تمام عالم ناسوت کے حقائق و دقائق سے واقف ہو۔ اسی طرح عالم مجردات اور مادیات سے بخوبی ماہر ہو یعنے عرش سے لے کر فرش تک جس قدر عوالم ہیں سب کے احکام سے واقف ہو اور سب کو تعلیم احکام الٰہی دے۔ اور ممنوعات سے باز رکھے کیونکہ اگر سب کو انذار نہیں کر سکتا تو ان تمام عالموں کے واسطے اُس کا رسول ہونا یا نبی ہونا بے فائدہ ہوگا۔ فقال عز وجل۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرا۔ بزرگ و برتر ہے وہ ذات پاک جس نے اپنے عبدؐ پر فرقان نازل فرمایا ہے تاکہ وہ عبدؐ تمام عالموں کو انذار کرے یعنے ان کو ڈرائے!

اس آیۂ مجیدہ سے بہت بڑے بڑے مطلب پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ فرقان مجید قرآن حمید تمام عالموں کے احکام پر حاوی ہے یعنے اس میں تمام مخلوقات عرش سے لیکر فرش تک کے احکام موجود ہیں اور یہی ایک کتاب تمام مخلوقات الٰہی کے لئے دستور العمل ہے اور جس نبی کریمؐ پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ نبی تمام مخلوقات کے دستور العمل سے کما حقہٗ واقف

ہے یعنے اس نبی کو یہ بات معلوم ہے کہ فرشتوں کے واسطے کیا دستور العمل ہے اور بنی جان کے واسطے کیا ہے اور بنی آدم کے واسطے کیا ہے۔ حیوانات کے واسطے کیا ہے اور نباتات کے واسطے کیا ہے اور جمادات کے واسطے کیا ہے! کیونکہ ان تمام عالموں کے دستور العمل سے واقف نہ ہوگا۔ تو ان کا نذیر نہیں ہو سکتا!

اس بیان سے دوسری بات یہ پیدا ہوئی کہ اس قرآن مجید میں سارے احکام ہمارے متعلق نہیں ہیں یعنی یہ کتاب خاص ہماری ہی خاطر نہیں نازل ہوئی ہے بلکہ اور تمام مخلوقات کیلئے بھی یہی کتاب نازل ہوئی ہے پس جو کچھ اس کتاب میں ہمارے متعلق ہے وہ ہمکو پہنچایا گیا ہے۔ اور جو دوسروں کے متعلق ہے وہ دوسروں کو تبلیغ کیا گیا ہے۔ پس ہمارے احکام سے دوسروں کو کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہم کو دوسروں کے احکام سے کوئی مطلب ہے پس اسی واسطے جو باتیں اس قرآن مجید میں ہمارے متعلق ہیں انہیں کے سمجھنے کی ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ دوسروں کے متعلق احکام کو سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ہے چنانچہ فرماتا ہے وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون۔ ترجمہ اور ہم نے نازل کیا ہے تیری طرف ذکر تاکہ تو لوگوں کو دستی بیان کرے جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ اور تاکہ وہ لوگ اس میں تفکر کریں پس ظاہر ہے کہ الناس کے واسطے جو کچھ نازل کیا گیا ہے۔ وہی رسول اللہ نے ہم سے بیان فرمایا ہے۔ اور اسی میں ہمیں تفکر کرنے کا ارشاد ہوا ہے نہ ان امور میں جو غیر ناس سے تعلق رکھتے ہیں۔ خیر اس سلسلہ کو چھوڑا جاتا ہے۔ انشاء اللہ اور مقام پر بیان کیا جائیگا۔ انبیا جیسا کہ ثابت کیا گیا عالم علم لدنی اور معصوم ہوتے ہیں۔

لیکن اہل کتاب اپنے انبیاء کو کبھی معصوم نہیں جانتے خواہ قبل نبوت خواہ بعد نبوت خواہ اثناء نبوت ان کے عقیدہ کے مطابق نبی جھوٹ بولے تو نبی ہے اگر معاذ اللہ زنا کرے تو بھی نبی ہے۔ اس کی نبوت کو ان اعمال سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ مضمون اس واسطے میں بیان کرتا ہوں تاکہ آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ مسلمانوں نے اپنے نبی پر بہتان لگایا ہے وہ مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کی کارروائی ہے کہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں بڑی بڑی کوششیں کیں کہ لوگوں کو اسلام سے منحرف کریں۔ چنانچہ بعضے تو قرآن کی تحریف کرتے تھے۔ اور بعضے بظاہر مسلمان بن کر نماز پڑھانے لگتے تھے اور بعضے درس دینے لگتے تھے۔ پس ان طریقوں سے انہوں نے سارے اپنے

عقائد باطلہ مسلمانوں کو سکھلا دیئے - قال عزوجل - ودّ کثیر من اهل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسدا من عند انفسهم من بعد ما تبین لهم الحق اکثر اہل کتاب اپنے حسد سے چاہتے ہیں کہ وہ تمکو ایمان سے پھرا کر کافر بنادیں بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہوگیا ہے - اور ایک آیت میں فرمایا ہے کہ جس وقت کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم لوگ جاکر رسول پر ایمان لاؤ - پس اگر دوپہر تک مسلمان بنے رہے فامنوا وجه النهار واکفروا اخره - اور بعد دوپہر کے پھر گئے - یہ کہکر کہ یہ مذہب ٹھیک نہیں ہے -

اور دوسری آیت میں فرماتا ہے وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله ثم یحرفونه من بعد ما عقلوه وهم یعلمون - واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا واذا خلا بعضهم الی بعض قالوا اتحدثونهم بما فتح الله علیکم لیحاجوکم به عند ربکم افلا تعقلون - یعنی ان اہل کتاب یہودیوں میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو کلام اللہ کو سنتے تھے - اور پھر سمجھنے کے بعد اس کے معانی کی تحریف کردیتے تھے - اور وہ اس کو خوب جانتے تھے - اور جب وہ اہل ایمان سے ملتے تھے تو ان سے کہدیتے تھے - کہ ہم ایمان لے آئے ہیں - اور جب آپس میں تخلیہ کرتے تھے تو کہتے تھے - کہ کیا جو کچھ اللہ نے تم پر واضح کیا ہے وہ مسلمانوں سے کہدیتے ہو کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے سامنے محاجہ کریں - کیا تم عقل نہیں رکھتے - اور اس کو سمجھتے نہیں ہو -

ومنهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی وان هم الا یظنون - فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیهم ثم یقولون هذا من عند الله لیشتروا به ثمنا قلیلا فویل لهم مما کتبت ایدیهم وویل لهم مما یکسبون - اور بعض ان میں سے امی ہیں - جو سوائے اپنی آرزوؤں کے کتاب کو کچھ نہیں جانتے اور محض گمان سے باتیں کہتے ہیں - پس افسوس ہے ان لوگوں کیلئے کہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے تاکہ کچھ پیسے کمالیں - پس افسوس ہے ان کی اس تحریر پر اور افسوس ہے ان کی اس کمائی پر -

اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے - من الذین هادوا یحرفون الکلم من بعد مواضعه یقولون ان اوتیتم هذا فخذوه وان لم تؤتوه فاحذروا - اور یہودیوں میں سے

جو کتابیں یا کلمات کے واقع معلوم ہونے کے بعد ان کی تحریف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ تم کو دیا جائے تو لے لو اور اگر یہ نہ دیا جائے تو اس سے پرہیز کرو۔

اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الیٰ شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزءون۔ اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطان ساتھیوں سے تخلیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے مذاق کرتے تھے۔

پس انہیں یہود و نصاریٰ کی کارروائی ہے جو اسلام پر یہ اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہر تفسیر کا خاتمہ کعب الاحبار عبداللہ بن سلام وغیرہ پر ہوتا ہے۔ بیچارے سیدھے سادے مسلمان اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ یہ لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب ٹھیک اور درست ہے اسی واسطے ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں مسلمانوں کی یہودیوں سے لی گئی ہیں اور ان کا ثبوت اس طرح مل سکتا ہے کہ یہودیوں کی کتابوں سے ملا کر دیکھو تو دونوں کے ایک مضمون ہونگے۔

چنانچہ مشکوٰۃ کی حدیث ہے اسی حفظ ما تقدم کے لئے حضرت نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ مجھ پر افتراء کرتے ہیں لقد کثرت الکذابون۔ اس واسطے جو حدیث قرآن کے موافق ہے وہ تو ٹھیک ہے اور جو قرآن کے مخالف ہے وہ میری حدیث نہیں ہے۔

پس اول مسلمانوں کے نزدیک مسلّم حجت خدا کی طرف سے ہے وہ محض قرآن مجید ہے اور یہ قرآن پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے اس کی لفظی تحریف نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ اس میں سے ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو فصاحت و بلاغت سے خارج ہو جاتا ہے۔ پس تحریف لفظی تو نہ کر سکے محض تحریف معنوی کی گئی ہے یعنی اس کے معانی غلط بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے بیچارے مسلمانوں نے اپنے نبی کے نام سے ان کی تفسیروں کو یاد کر لیا اور اپنی کتابوں میں درج کر لیا۔

قرآن کے الفاظ کا ایک حرف بھی محرف نہیں ہو سکتا۔ اگر کہیں کسی نے کچھ کیا ہے۔ تو وہ اہل لسان پر فوراً ظاہر ہو گیا ہے اور یہ منصفین پر واضح ہے۔ لیکن تفاسیر اور معانی کی تحریف کا کچھ کہنا ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کی دس دس تفسیریں اور ایک ایک لفظ کے دس دس معانی موجود ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کے دس دس معانی

موجود ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ایک ایک لفظ کے دس دس معانی اور مطالب رکھکر خداوند عالم ہرگز
اپنے بندوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ یہ محض منافقوں کی کارروائی ہے۔ تاکہ اس قدر اختلافات
دیکھکر مسلمان اپنے دین سے دست بردار ہو جائیں۔ دیکھو خداوند عالم کا منشا ہے کہ قرآن سے اتحاد
واتفاق پیدا ہو اور مفسرین کی تفسیر سے ہزاروں قسم کے اختلاف پیدا ہو گئے ہیں۔ منجملہ
ان باتوں کے یہ بھی ہے کہ مکی آیتوں کو مدنی بتادیا ہے۔ اور مدنی کو مکی۔ مثلاً آیہ مجیدہ مندرجہ
ذیل مکی ہے۔ لیکن مفسرین اس کو مدنی بتلاتے ہیں۔ ویقول الذین کفروا لست مرسلا
قل کفی باللہ شہیدا بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتب۔ یہ آیہ
مجیدہ سورہ رعد مکیہ میں مذکور ہے۔ لیکن مفسرین اس کو مدنی بتلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ
ظناً اور سہواً مکی سورۃ میں مندرج ہو گئی ہے۔ اور حالانکہ ظن سے یقین کا فائدہ نہیں حاصل
ہوتا۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ در تمام ہیں خداوند عالم نے ظن کرنے سے
منع فرمایا ہے۔ پس اب مفسرین سے سوال ہے کہ ان کو کس بات نے مجبور کیا ہے کہ انہوں نے
قرآن مجید میں ظن کو قائم رکھا ہے اور کس بات نے انہیں روکا ہے۔ جو انہوں نے اس امر
کا یقین نہیں حاصل کیا کہ یہ آیت مکی ہے؟ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہم بھی مفسرین کی رائے
کے موافق اس آیہ مجیدہ کو مدنی تسلیم کریں تو ہمارے واسطے کیا نقصان ہوگا۔ اور اس میں
کیا خرابی ہے اور مفسرین نے کیوں اس کو مدنی قرار دیا ہے۔ ان کو اس سے کیا فائدہ حاصل
ہوتا ہے۔ پس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر مفسرین نے اپنے مسلمانوں میں یا خاندان بنی ہاشم میں کسی
کو صاحب علم کتاب نہیں دیکھا۔ اس واسطے عبد اللہ بن سلام مدینہ کے یہودی کو صاحب علم
کتاب قرار دیا اور اسی مطلب کے واسطے اس آیت کو بھی اس کے نام پر مخصوص کیا اور
مدنی تسلیم کیا اور کہا کہ ظناً اور سہواً سورہ رعد مکیہ میں مندرج ہو گئی ہے۔ پس خرابی اس
میں یہ ہے کہ جو تعریف خداوند عالم نے صاحب علم کتاب کی قرآن میں بیان فرمائی ہے
وہ عبد اللہ بن سلام پر ہرگز صادق نہیں آتی۔ چنانچہ آصف بن برخیا وزیر جناب سلیمانؑ کی
نسبت فرمایا ہے کہ اس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا۔ جس سے اس نے تخت بلقیس
کو چشم زدن میں حاضر کر دیا۔ اور اس آیت میں صاحب علم کتاب وہ ہے جس کے پاس
ساری کتاب کا علم ہے۔ پس چاہیے کہ جو شخص اس آیت میں مراد ہے وہ آصف برخیا سے
بڑھکر ہو۔ اور آصف برخیا اس کو بڑا بزرگ تسلیم کرے۔ کیونکہ آصف برخیا کو بعض علم کتاب

دیا گیا ہے اور اُس کے پاس کل کتاب کا علم ہے۔ اس لئے عبداللہ بن سلام ہرگز مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ عبداللہ بن سلام جناب آصف برخیا کو اپنا پیشوا اور دین کا رہبر مانتا تھا۔ نہ کہ اُن سے بڑھکر اپنے آپ کو خیال کرتا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ دعوےٰ اس قسم سے ہے۔ کہ مدعی سست اور گواہ چُست۔ اور جب بنی ہاشم خاندان رسول میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کی نسبت خود پیغمبر خدا نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا تو پھر ہم ایسے شخص کو کیوں نہ صاحب علم کتاب تسلیم کریں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ یہود و نصاریٰ کو ہی صاحب علم کتاب تسلیم کریں اور مسلمانوں کو نہ مانیں۔

پس یہ تیسری قسم کی تحریف ہے جو ترتیب میں کی گئی ہے۔ یعنے تحریف ترتیبی۔ اور یہ تحریف اس وقت کی گئی ہے جب پہلے پہل قرآن مجید جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جس ترتیب سے قرآن مجید نازل ہوا ہے اس ترتیب سے نہیں جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی ہے وہ اقراء ہے اور سب سے آخری آیت نازل ہوئی ہے وہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ ہے۔

صاحب علم کتاب علی بن ابی طالب علیہ السلام باب مدینۃ العلم ہیں۔ جنہوں نے معجزہ بلا طلب دکھایا اور آں واحد میں چالیس مقام پر کھانا تناول فرمایا۔ اور قرآن مجید اس وقت جمع کیا گیا ہے۔ جب جنگ یمامہ سے لوگ واپس لوٹے ہیں۔ کیونکہ اس جنگ میں بہت سے ایسے لوگ مارے گئے تھے۔ جنہوں نے قرآن کی آیتوں کو یاد کیا ہوا تھا۔ پس حضرت عمر کے مشورے سے حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو قرآن کو جمع کر کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ لوگ جنکو قرآن یاد ہے انتقال کرتے جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جمع نہ ہو سکے۔ پس زید بن ثابت مسجد میں بیٹھ گئے اور لوگوں کے منہ سے دو دو چار چار آیت جمع کرنے لگے یہاں تک کہ سارا قرآن جمع کر لیا۔ اسی واسطے احکام قرآن میں سخت بے ربطی واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ نہ تو زید بن ثابت ساری آیات سے واقف تھے کہ وہ کہاں کہاں نازل ہوئی ہیں اور کس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں اور نہ لوگوں کو علی الترتیب یاد تھا۔ کوئی دو آیت بتلا گیا۔ کوئی چار آیت سُنا گیا۔ اور علیٰ ترتیب التنزیل جمع نہ ہونے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً آیہ اتقاء نفس موضوع کو منسوخ مان لیا ہے اور حالانکہ نسخ کا تعلق نفس موضوع سے نہیں ہوتا۔ محض احکام میں ہوتا ہے۔

قرآن مجید توراۃ کی طرح تختیوں پر لکھا ہوا نہیں نازل ہوا ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت

محض قلب رسول پر نازل ہوئی ہے۔ نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین پس قرآن مجید حقیقت میں نہ تو مکتوب ہے اور نہ ملفوظ۔ بل ھو ایات بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم وما یجحد بایاتنا الا الظالمون ۔ بلکہ اصل قرآن وہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے۔ جنکو علم لدنی عطا ہوا ہے۔ آیات بینات ہے اور محفوظ ہے کوئی اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔ یعنے اصل قرآن حقیقت قرآن ہے نہ مکتوب اور نہ ملفوظ پس پیغمبر خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم پروردگار اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا۔ اس طرح سے کہ جب آپ کو ارشاد ہوا کہ اس وقت فلاں آیت کو پڑھ دے تو اس وقت حضرت نے اس آیت کو پڑھا گو آپ نہایت درجہ کی شفقت اور نہایت درجہ کی رحمت کی وجہ سے جو آپ کو اپنی امت سے تھی چاہتے تھے۔ کہ جلدی جلدی سارا قرآن اپنی امت کو پڑھکر سنا دیں تاکہ سارے احکام الہٰی سے امت واقف ہو جائے اور عمل کرکے اجر و ثواب کی مستحق ہو پس یہ ارادہ دیکھکر ارشاد الہٰی ہوا۔ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ۔ پس جس قدر خداوند عالم ارشاد فرماتا تھا اسی کی آپ پیروی کرتے تھے یعنے اسی قدر لوگوں پر پڑھتے تھے۔

اور زید بن ثابت نے بغیر اعراب کے لکھا تھا قرآن مجید کے مکتوبی الفاظ پر پہلے اعراب نہیں ہوتا تھا۔ اعراب بعد میں لگایا گیا ہے اور جب اعراب کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر مقام کے لوگوں نے اپنی زبان کے موافق اعراب لگایا بصریوں نے اپنی زبان کے موافق۔ کوفیوں نے اپنی زبان کے موافق کسی نے سین کی جگہ صاد پڑھا اور کسی نے سین کو پڑھا۔ الغرض ہر شخص نے اپنے اپنے لہجہ کے مطابق پڑھنا شروع کیا اور انجام یہ ہوا کہ سات قرأتیں پیدا ہوگئیں۔ پس یہ تحریف حضرات قراء کی ہے جو سات قرأتیں وجود میں آئیں اور جب نحویین کا دور دورا ہوا تو انہوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق فاعل کو مفعول اور مفعول کو تمیز و حال قرار دیا اور اذا تنازع الفعلان کے اعمال میں اپنی اپنی مرضی سے عمل دینا قرار دیا یعنے جب دو فعل ایک معمول میں جھگڑا کریں اس طرح کہ ایک تو چاہتا ہے کہ وہ معمول فاعل بنے اور دوسرا چاہتا ہے کہ مفعول بنے تو اس امر میں نحویین صاحبان اختلاف کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ اس کو فاعل بنانا چاہیئے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں مفعول بنانا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ پس اسطرح کا تصرف قرآن مجید میں حضرات نحویین صاحبان کی تحریف ہے۔ مثلاً آیہ وضو میں ایک نے زیر دیکر یعنے مکسور پڑھکر مسح پا قرار دیا۔ اور دوسرے نے زبر دیکر یعنے مفتوح پڑھکر غسل پا قرار دیا۔ یعنے

پاؤں کو دھونا پیدا کیا اور عمل سوم میں اختلاف ڈالا پس دنیا میں اختلافات حضرات نحویین کی بدولت پیدا ہوا ہے اور یہی لوگ امت کے ذمہ دار ہوں گے پس حضرات نحویین کا تصرف بھی تحریف معنوی کا باعث ہوا ہے اور اہل اسلام کو اختلاف میں ڈالنے کا ذریعہ اسی واسطے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف و نحو پڑھنا شرک ہے اور اسی طرح منطق و فلسفہ پڑھنا شرک ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگوں کی تراش خراش ہے۔ محض حدیث شریف پڑھنا چاہئے جو قول رسول ہے اور عمل اسلام کے واسطے سوائے حدیث کے اور کچھ نہیں ماننا چاہئے۔ سب شرک ہے۔ کیونکہ نبی حقیقت واقعیہ سے واقف تھے جو کچھ ان کا قول و فعل ہے وہی ہمارے واسطے حجت ہے پس ظاہر ہے کہ وضو کے متعلق نبی کا ایک ہی فعل ہوگا یا دھونا یا مسح کرنا کیونکہ وہ احکام کی حقیقت سے واقف تھے۔ اس لئے ان دونوں میں سے ایک ہی فرقہ درستی پر ہوگا۔ یا دھونے والا یا مسح کرنے والا۔

عام مسلمانوں کے یہاں سب سے زیادہ معتبر حدیث کی دو کتابیں ہیں ایک مسلم اور دوسری بخاری اور ان دونوں کی یہ حالت ہے کہ مسلم مقدمہ کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ میری نظر سے تقریباً آٹھ لاکھ حدیثیں گذری ہیں میں نے صرف ان میں سے کل آٹھ ہزار درج کی ہیں اور باقی کو غیر معتبر سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اور بخاری کے مقدمہ کتاب میں صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ میری نظر سے تقریباً چھ چھ لاکھ حدیثیں گذری ہیں ان میں سے میں نے صرف چھ ہزار صحیح کی ہیں اور باقیوں کو دروغ سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

پس یہ امر قابل توجہ ہے کہ بعد رسول کے اس قدر دروغ اور کاذب حدیثیں لوگوں نے بنائی تھیں کہ اس قدر کثرت سے ان دونوں محدثوں نے چھوڑ دیں کیونکہ اگر وہ واقعی رسول کی حدیثیں ہوتیں تو ان کے ترک کرنے کے کیا معنی ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ سب جھوٹی حدیثیں تھیں جن کو ان دونوں صاحبوں نے چھوڑ دیا اور جمع نہیں کیا:

اور اب قرآن کی یہ حالت ہے کہ ہر شخص نے اس میں اپنا تصرف کر لیا ہے۔ پس اگر پیغمبر نے کسی کو اپنے بعد قرآن و حدیث کا محافظ نہیں بنایا تھا۔ تو یہ الزام پیغمبر کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے کیوں اپنے بعد قرآن و حدیث کو محافظ نہیں مقرر کیا۔ درحالانکہ خداوند عالم نے فرما دیا تھا کہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ یعنی اے پیغمبر جو کچھ میں نے تجھ پر نازل کیا ہے وہ سب پہنچا دے تاکہ محفوظ رہے۔ اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو گویا تو نے میری رسالت ہی نہیں پہنچائی وکل شیی فصلناہ تفصیلا۔ وجعلناہ تبیانا لکل شیی۔ پس وہ حقیقت قرآن اور تفصیل قرآن [illegible]

قرآن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بتلائی یا نہیں جو اس کے پاس بعد نبی کے محفوظ ہے کیونکہ اگر نہیں بتلائی ہے تو نبی پر الزام ہے اور اگر بتلائی ہے تو بعد نبی کے کوئی ایسا شخص ضرور ہونا چاہیئے جس کے پاس تمام احکام قرآن بغیر اختلاف کے موجود ہوں: ضرور بعد رسول کے ایک ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو کل ما انزل علی الرسول سے واقف ہو ورنہ اسلام بیکار ہے پس ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب پس وہ علم کتاب اسی شخص کے پاس ہے جو اذن واعیہ ہے اور اذن واعیہ کی نسبت سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ امیر المومنین سید الوصیین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کو بہت سے لوگوں نے جمع کیا ہے لیکن علیؑ نے اسی ترتیب سے جمع کیا تھا جس ترتیب سے نازل ہوا تھا۔ کاشکے وہ قرآن ہمارے پاس ہوتا!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ)

کل اہل مذاہب غیر مذہب والوں کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ جب ہیئت اجتماعیہ تمدنیہ و تدینیہ کا شیرازہ بالکل بکھر جائیگا۔ تو اس وقت ایک لیڈر آ کر ان کو درست کرے گا۔ اور یہ امر اب بالکل ظاہر اور بدیہی ہو گیا ہے کہ دونوں باتوں کا زوال اور اختلال اپنی حد کمال کو پہنچ گیا ہے چنانچہ ادارۂ سیاست اب بالکل عوام کے ہاتھوں میں آ گیا ہے اور نوخیز نوجوان ہی عموماً قومی لیڈر بنے ہوئے ہیں اسی طرح شیرازۂ دیانت بھی بالکل منتشر اور پریشان ہو چکا ہے حتّٰی کہ عوام کالانعام مدعی بانت یعنے بانی شریعت و مبلغ دیانت بکثرت بنے ہوئے ہیں۔

اور یہ مسلّم ہے کہ جب ایک چیز خواہ وہ زوال ہو یا عروج حد کمال کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے[1] چنانچہ جب زمانہ جناب عیسیٰ کے بعد دیانت کا شیرازہ بکھر کر بالکل پریشان

---

[1] اذا بلغ الشیٔ حدہ انعکس ضدہ۔ جب ایک شے اپنی انتہائی حد کو پہنچ جاتی ہے تو ضد مقابل کی صورت میں منقلب ہو جاتی ہے۔ مدیر عفی عنہ

ہو گیا اور امور دیانت و سیاست بالکل درہم و برہم ہو گئے۔ فقال عز وجل۔ ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔ پس بانی اسلام نے ظہور فرمایا۔ اور نئے سرے سے دین الٰہی کی بنیاد ڈالی اور عالم کو درست کیا۔ اور اسی طرح سے آجکل بھی عالم کا حال ہو رہا چنانچہ جیالوجی کے ماہر قائل ہیں کہ ذرات مادہ میں اب نئے سرے سے تغیر پیدا ہونے والا معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال اب ایک مصلح عام اور منظم تمدن کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور ہر مذہب اور ملت قائل ہے اور دیانت اسلامیہ میں یہ مسئلہ حقیقت مفصل مذکور ہے۔ البتہ اس کے نام میں اختلاف ہے اوصاف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ان کا اسم مبارک محمد مہدی صلوات اللہ علیہ ہے جو خلق اور خلق میں اپنے جد امجد رسول اللہ جو سب سے بڑے ریفارمر اور ناموس اکبر یا سید المرسلین ہیں ہوں گے اس پر کل مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ وہ اس جناب کی معرفت بھی حاصل کریں۔ کیونکہ ان کی معرفت بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں ان کی معرفت کی سخت تاکید ہے فقال عز وجل۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ ان کی معرفت حاصل کرنے کی تاکید ہے نہ علم یعنے اگر ان کی نسبت کوئی صرف اتنا علم حاصل کرلے کہ وہ جناب موجود ہیں۔ اور ان کا ہونا ضروری ہے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ معرفت نہیں ہے۔ وہ خلیفۃ اللہ ہیں ولی الامر ہیں۔ ان کی عدم معرفت بے دینی محض ہے۔ خواہ کسی کو توحید کی کتنی ہی معرفت کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ اپنے ولی الامر کی معرفت نہیں رکھتا ہے تو وہ کافر ہے۔ چنانچہ شیطان کی معرفت توحید کے متعلق سوائے انبیاء اوصیاء کے ہم سب سے زیادہ تھی۔ لیکن اس نے محض ولی الامر کی معرفت نہیں حاصل کی اس واسطے کافر ہو گیا۔ چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ ھو افضل علماء الموحدین۔

بہر حال جو اپنے امام زمان ولی الامر کی معرفت نہیں حاصل کریگا۔ وہ مشرک ہے کافر ہے منافق ہے کیونکہ شرک چار طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) اول شرک فی الذات۔

(۲) شرک فی الصفات۔

(۳) سوم شرک فی الطاعت۔
(۴) چہارم شرک فی العبادۃ۔
شرک فی الذات تو یہ ہے کہ خداوند عالم کی ذات میں کسی اور کو شریک کر دے۔
اور شرک فی الصفات یہ ہے کہ وہ صفات جو لائق خداوند عالم ہیں ان کو کسی اور کے لئے بھی جائز قرار دے۔
اور شرک فی الطاعۃ یہ ہے کہ اطاعت و امر خدا کے ساتھ کسی اور کی اطاعت کرنے لگے۔
اور شرک فی العبادہ یہ ہے کہ عبادت خدا چھوڑ کر کسی اور کی پرستش کرے۔ اور ان شرکوں سے شائد ہی کوئی بچا ہو حتیٰ کہ علماء بھی اس میں گرفتار تھے۔ ورمیں چنانچہ زمانۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کچھ علماء یہود و نصاریٰ مسلمان ہو گئے اور پھر انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول خداوند عالم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ تو اس کا کیا مطلب ہے کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم نے کسی اپنے عالم اور زاہد کو اپنا خدا نہیں بنایا تھا۔
پس حضرت ختمی مرتبت نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ تمہارے علما اور زہاد ایسے تھے کہ احلوا حراما وحرموا حلالا فاتبعتموھم من حیث لا تشعرون۔ اس لئے جو کچھ خدا و رسول کا امر تھا وہ معطل رہ گیا اور تم نے محض انہیں کی اطاعت کی پس گویا تم نے ان کو اپنا رب من دون اللہ بنایا!
پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے ولی الامر کی معرفت حاصل کر کے محض انہیں کے احکام کی اطاعت کریں۔ ورنہ مشرک ہوں گے۔
اور یہ امر کہ ہم ان کی اطاعت کیونکر کر سکتے ہیں کیونکہ وہ تو آجکل ہم سے غائب ہیں، پس اُن کی نسبت مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان لوگوں کے اقوال و اعمال کی پیروی کریں۔ جو امام غائب کے پیرو ہیں۔ اور ان کا غائب ہونا مشیت خداوند عالم سے ہے اس لئے کہتے ہیں وجودہ رحمۃ وغیبتہ رحمۃ اخریٰ۔
وجود کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے اور غیبت کا رحمت ہونا دوسری رحمت نہ ہے بلکہ عین عدل الٰہی ہے! کیونکہ جب شیطان غائب ہے اور ہم پر اس کو تصرف حاصل ہے

ایسا تصرف کہ یہ سوس فی صدور الناس تو اب عدل الٰہی ای بات کا مقتضی ہے کہ ایک جود
ہادی اس سے زبردست غائب موجود ہو جو اس کے وسوسہ سے ہم کو بچالے۔

شیطان کا ہم پر یہ تصرف ہے اوّل تو یہ کہ وہ اور اس کی ساری جماعت ہم کو دیکھتی
ہے اور ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ فقال عزوجل۔ ھو وجنودہ یراکم من حیث
لا ترونھم

دوم۔ کہ وہ ہمارے دلوں میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ پس چونکہ خداوند عالم کی رحمت
اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے قال عزوجل۔ سبقت رحمتہ غضبہ۔ اس لئے
ضروری ہوا کہ اس کے جنبہ جلال پر اس کا جنبہ جمال غالب اور سابق ہو۔ یعنے اس کی قہاریت
پر اس کی رحمانیت غالب رہے۔

اس لیئے اس نے اپنے مظہر جمال و کمال کو غائب کر دیا ہے تاکہ وہ جنب اللہ
خلیفۃ اللہ ہم کو شیطان لعین کے وسوسوں سے بچائے۔ اسی طرح غائبانہ بچائے۔ اور عدالت
کے پلے دونوں طرف برابر رہیں۔

اب رہی یہ بات کہ جب خلیفۃ اللہ کو شیطان لعین پر غلبہ حاصل ہے تو پھر انہوں نے
اس لعین کو کیوں مہلت دے رکھی ہے۔ جو وہ ہم کو دھوکا دے رہا ہے۔ کیوں نہیں وہ اپنے
تصرف سے اُس کو معدوم و فنا مغلوب کر دیتے؟ پس وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ خود خداوند
عالم نے اس کو ایک خاص مدت تک مہلت دے رکھی ہے۔ اس لیے ولی خدا نے بھی اس کو
اس وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔ کیونکہ ولی خدا اپنی اور ہماری خواہش سے کوئی کام نہیں
کرتے وہ محض اپنے مستخلف کی مشیت اور مرضی کے تابع ہیں۔ جو کچھ خداوند عالم کی مشیت
ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں فقال عزوجل۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ

اسی واسطے خداوند عالم ان کے افعال کو اپنا فعل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ جب جنگ حنین
میں رسول اللہ نے ایک مشت خاک سے کفار کو مارا تو اس کو خداوند عالم نے اپنا فعل قرار دیا۔ فقال
عزوجل۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اور مقام بیعت میں ارشاد فرمایا ہے۔ ان
الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ اسی طرح خدا
نے موت کے متعلق فرمایا ہے کہ فرشتے روح قبض کرتے ہیں۔ فقال عزوجل۔ تتوفیھم
الملائکۃ۔ حالانکہ حقیقی مارنے والا اور جلانے والا خود خداوند عالم ہے۔ فقال عزوجل

یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شیی قدیر۔ وغیرہ۔ بہرحال چونکہ خداوند عالم نے شیطان لعین کو وقت معلوم تک مہلت دے رکھی ہے اس لئے ولی امر متصرف الامور نے بھی اس کو مہلت دے رکھی ہے لیکن چونکہ جذبہ رحمت اس کا اس کے جذبہ غضب پر غلبہ اور سبقت رکھتا ہے اس لئے اس کے مظہر جمال و کمال کو اس کے جذبہ غضب پر ہر طرح سے سبقت اور ہر طرح کا تصرف حاصل ہے۔ اسی واسطے شیطان کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الشیاطین علی کل افاک اثیم۔

اور مظہر کمال کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔ پس چونکہ نزول شیاطین سے مخلوق الٰہیہ کے دلوں میں وسوسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جھوٹے اور گنہگاروں کے دلوں میں اس لئے ان وسوسوں کو انزال ملائکہ اور روح سے دور کر دیتا ہے۔ فقال عزوجل۔ ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ۔ وقال عزوجل۔ کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا۔ یعنے ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا جذبۂ رحمت ہمارے جذبۂ قہر و غضب پر سبقت اور غلبہ رکھتا ہے۔

یہاں روح سے مراد فرشتے نہیں ہیں کیونکہ فرشتے عالم ارواح سے نہیں ہیں۔ فرشتے عالم نفوس سے ہیں۔ کیونکہ اجرام ترکیبیہ رکھتے ہیں۔ روح سے مراد قوۃ متصرفہ خداوند عالم ہے جو کل ذرات عوالم کو حاوی اور سب پر مسلط ہے۔ پس جس وجود کو خداوند عالم اپنا متصرف انا بنانا چاہتا ہے۔ اس پر اس قوۃ کو نازل فرماتا ہے تاکہ اس قوۃ خداوندی سے وہ ولی متصرف کل عوالم امری و عوالم خلقی و عوالم ملکوت و عوالم نفوس و عوالم کون و فساد پر متصرف کامل ہو جائے اور تصرف چار طرح کا ہوتا ہے۔ تصرف تکوینی۔ تصرف تکلیفی۔ تصرف تدبیری۔ تصرف تبلیغی۔

پس اس روح کے نزول سے ولی مطلق خداوند عالم کو یہ سارے تصرفات اسکی مخلوقات پر حاصل ہو جاتے ہیں۔ فقال عزوجل۔ یلقی الروح من امرہ علےٰ من یشاء من عبادہ

لفظ ولی مختص ذات واجب الوجود سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس لفظ کو انما کے بعد بیان فرمایا ہے۔ فقال عزوجل۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین

والذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ اور لفظ انما اپنے ماقبل کی نفی مطلق کرتا ہے اور مابعد کیلئے اثبات مطلق اس واسطے جس طرح کی ولایت اور مالکیت ہم پر خداوند عالم کو حاصل ہے۔ اسی طرح ولایت مالکیت اور تصرف بعد رسول اس کے ولی کو ہم پر حاصل ہے۔

اور چونکہ لفظ ولی صفت خاص ذات واجب الوجود ہے اس لئے جب تک ذات واجب الوجود قائم ہے اور رہیگی۔ اس کا ولی بھی ہے اور رہے گا جس طرح ذات واجب الوجود ہر وقت اپنے بندوں کے دلوں میں حائل ہے اسی طرح سے اس کا ولی بھی اس کے بندوں کے دلوں میں حائل ہو کر وساوس شیطانی کو دور کرتا ہے اور چونکہ اول ولی مطلق اس کا محبوب ازلی ہے۔ لیکن وہ اب اس جہان سے تشریف لے گئے اور اس عالم میں ذات واجب الوجود موجود ہے اس لئے اس کا ولی بھی ضرور موجود ہوگا۔ جو رسول کے بعد آیۂ مجیدہ میں مذکور ہوا ہے اور قیامت تک رہیگا۔ جب تک لفظ ولی باقی ہے اس کا ولی بھی باقی ہے۔ اور چونکہ ولی خداوند عالم کو موجودات عالم پر تصرف کامل حاصل ہے اس لئے مقام تنزل میں ارشاد ہوا ہے۔ تنزل الملائکۃ والروح یعنی پہلے ملائکہ نازل ہوتے ہیں ان کے بعد روح جو کہ ولی مطلق ہے نزول اجلال فرماتا ہے!!! یعنی پہلے ولی مطلق جو کہ روح اعظم ہے اپنے محکوں اور خدمتگاروں کو مقام ادنیٰ میں بھیجتا ہے بعد ازاں اپنی شان جبروتی سے نزول اجلال فرماتا ہے۔

اور جب مقام تعلی اور درجہ علو آئے گا تو سب سے پہلے ولی مطلق روح اعظم اپنے مقام محمود میں قیام فرمائیگا۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وقول۔ یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا یعنی اس وقت روح اعظم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صفوف ملائکہ مقربین سے پہلے اپنے مقام محمود پر رونق افروز ہوگا۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خداوند عالم اپنے ولی مطلق سے اپنے امور کو سرانجام دلواتا ہے اس لئے مقام عظمت وجلالت میں بصیغۂ جمع ارشاد فرماتا ہے۔

نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔

ونزلنا من السماء ماء مبارکا فانبتنا بہ حب الحصید وغیرہ۔

ہمارا ولی مطلق کو شیطان اور کل موجودات پر تصرف کلی حاصل ہے اور رہے گا۔

پس جب مشیت الٰہی ہوگی کہ اس کے دین کو کل ادیان پر جو کہ باطل ہوں گے غلبہ حاصل ہو تو
ولی مطلق متصرف الامور بھی اپنے غلبہ الٰہیہ کو استعمال فرمائیں گے۔ اور وہ سیف حیدری
جس کو ذوالفقار کہتے ہیں نمایاں ہوگی فیومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ۔ اس دن
مومنین نصرت وتائید الٰہی کے کرشمے دیکھکر خوش اور مسرور ہوں گے۔

ممکن ہے کہ آجکل کے لوگوں کو آلات حرب جدید مثل ڈریڈ ناٹ وایروپلین وتوپ و
تفنگ انواع واقسام سے یہ خیال پیدا ہو کہ جب ان کے ہمراہ محض ایک تلوار ہوگی تو وہ بھلا
ان آلات حرب کے مقابلہ میں کیا ٹھہر سکیں گے۔

تو ان کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ چونکہ ولی حق کو کل ذرات عوالم پر تصرف کلی حاصل ہے اسلئے
جب وہ بصورت غلبہ ظاہر ہوں گے تو ان سب چیزوں سے انکے اثرات کو برطرف کر دینگے کیونکہ
ان سب کا مخزن وہی جناب ہیں۔ اور ہر قوت پر ان کی قدرت روحانیت غالب ہوگی۔ اور کوئی
چیز ان کے مقابلہ میں موثر ثابت نہ ہوگی۔ جس طرح برقی مشین سے برقی روشنی باہر جاتی ہے۔ یعنے
پاور ہوس میں برق کا خزانہ ہوتا ہے۔ پس اگر خزانہ سے برق کو نہ چھوڑا جائے تو باہر اس سے
کوئی کام نہیں ہو سکتا ہے نہ تو روشنی ہوگی۔ نہ کوئی مشین چل سکے گی۔ سارے تار بیکار ہو جائیں گے۔
باقی رہی یہ بات کہ پھر وہ جناب کب ظہور فرمائیں گے؟ پس جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و
آلہ وسلم نے آیہ مجیدہ لیظہرہ علی الدین کلہ کی تفسیر بیان فرمائی تو لوگوں نے اسی طرح
سے بے قرار ہو کر پوچھا کہ یہ کب ہوگا؟

فقال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ یعنے یہ امر خداوند
عالم کے ارادے سے نکل کر اس کی مشیت میں آچکا ہے اور اس کی مشیت سے نکل کر مقام قدر میں آچکا
ہے اور مقام قدر سے نکل کر مقام قضا میں آچکا ہے اور مقام قضا سے نکل کر مقام امضا میں آچکا
ہے اسی واسطے خداوند عالم نے اس امر کو بصیغہ ماضی یعنے اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ
بیان فرمایا۔ اللہم صل علی محمد وآل محمد۔ اور چونکہ بعد جناب موسیٰ وجناب
عیسیٰ علیہما السلام کے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں۔ اس واسطے امت
مرحومہ کو انہیں دونوں نبیوں کی امتوں کی مثال دیکر معاملات دینی و دنیوی سمجھائے گئے ہیں
فقال عزوجل۔ وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین
ولتعلن علوا کبیرا۔ فاذا جاء وعد اولٰهما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی

باس شدید۔ فجاسوا خلل الدیار وکان وعدا مفعولا پس پہلا فساد تو خاندان نبوت میں ہوا ہے کہ اُن کی آل واولاد کو تہ تیغ کیا گیا ہے۔ اور دوسرا فساد ان کے دین میں ہوا ہے کہ ہر شخص ہدایت کا مدعی ہو گیا ہے اور ان کے دین کے مٹانے کے درپے ہے لیکن واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

فقال عزوجل۔ لیسوٴا وجوھکم یعنی اے بنی اسرائیل جب دوسرا وعدہ فتح پروردگار آئیگا۔ تو تم مبہوت ہو جاؤگے اور وہ ہمارے عباد اسی طرح خانہ خدا میں فتح مبین کے ساتھ داخل ہونگے۔ کما دخلوا اول مرۃ۔ جس طرح پہلے داخل ہوئے تھے اور یہ وعدہ پروردگار پورا ہوا ہوا سمجھو کیونکہ مقام ارادہ ومشیت وتدر وقضا وامضاء سے گذر چکا ہے (اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ۔

غرض اسی امام کی بابت پروردگار عالمین ارشاد فرماتا ہے۔

یوم ندعوا کل اناس بامامھم یعنے ہم بروز قیامت ہر شخص کو اس کے زمانہ کے امام کے ہمراہ بلائیں گے یعنے بغیر امام کے قیامت قائم نہیں ہو سکتی۔ جب تک امام میدان محشر میں تشریف نہیں لائیں گے۔ قیامت برپا نہیں ہو سکے گی پس امام وہ ہیں جن کے بغیر قیامت بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ جس طرح سے کہ دنیا کا قیام بھی اس کے وجود بغیر نہیں رہ سکتا ہے ارشاد باری ہے کہ اگر ہم بعض وجودوں کی خاطر تمہارے اعمال قبیحہ سے درگذر نہ کرتے تو مساجد اور معابد سب خراب وتباہ ہو جاتے یعنے تمہیں سے کوئی متنفس نہ باقی رہتا جو ان میں عبادت کرنے کے لیے جاتا۔ وہ اب کون ہیں جو موجود ہیں جن کے وسیلہ سے خدا آفات کو دور کرتا ہے امام زمان ہے جو برکات کے نزول کا باعث ہے یعنی پہلے برکات سماوی اس پر نازل ہوتی ہیں۔ پھر وہاں سے بندگان خدا میں تقسیم ہوتی ہیں۔ لوگوں نے امام کے سمجھنے میں حقیقۃً غلطی کی ہے۔ امام وہ نہیں ہے جو مسجد میں نمازیں پڑھاتا ہے۔ امام زمان وہ ہے جو تدبیر عوالم کرتا ہے مربی عالم اور رب الارض ہے اس کا صرف یہی کام نہیں کہ مسائل فقہیہ بیان کرے یہ معمولی مسائل فقہیہ تو ایک چند صفحے کی کتاب میں لکھے ہوئے تمام جہان کو ہمیشہ کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام مسجد کے متعلق مشہور ہے کہ صلوا خلف کل بر وفاجر یعنے ہر متقی وفاسق وفاجر مسجد میں کھڑا ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے۔ پس امام زمان اس غرض کے واسطے نہیں ہے کہ ظاہر ہو کر ہم کو صرف فقہ کے مسائل تعلیم کرے۔ یا ہمیں نماز پڑھا دیا کرے۔ وہ ایک تو تدبیر کرنے

کے واسطے ظہور فرمائیں گے۔ امام زمانہ وہ امام ہیں جن کی شان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ یعنی جو کوئی اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں حاصل کرتا اور مرجاتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے اس کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ اس نے ہزار حج کیے ہوں اور ہمیشہ روزہ رکھے ہوں۔ زکوٰۃ دی ہو۔ پنجگانہ نمازیں نہایت خضوع اور خشوع سے ادا کی ہوں جس طرح ایک مشرک جاہلیت کے زمانہ میں مرتا تھا۔ اور اس کے نامہ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت نہیں حاصل کرتا اس کے اعمال حسنہ باطل ہوجاتے ہیں امام کا مرتبہ قرآن سے معلوم کرو۔ کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ جب جناب ابراہیم علیہ السلام کا پورا پورا امتحان ہوچکا۔ تب خداوند عالم نے فرمایا۔ انی جاعلک للناس اماما۔ پس امامت وہ مرتبہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم کا امتحان ہونے کے بعد ان کو عطا ہوتا ہے۔ پس جناب ابراہیمؑ امام تھے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امام تھے اور بعد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علیؑ ابن ابی طالب امام تھے اور ان کے بعد حسنؑ مجتبیٰ اور ان کے بعد حسین شہید کربلا امام تھے۔ پھر ان کی اولاد۔ اور اب آجکل ہمارے زمانے کے امام جناب محمد مہدی صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہیں۔ اس حدیث شریف میں دیکھنے کی تاکید نہیں فرمائی ہے محض معرفت کی تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ معرفت ایک ایسی چیز ہے جس کو رویت کی ضرورت نہیں ہے یعنی بغیر رویت کے معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ رویت تو حاصل ہوجاتی ہے لیکن معرفت نہیں حاصل ہوتی۔ چنانچہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ جب وہ بعد وفات رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں پہنچے تو حضرت عمر نے ان سے بطور افسوس فرمایا کہ افسوس ہے آپکو رسول کی زیارت نہیں ہوئی۔ پس حضرت اویس نے فرمایا کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں مجھے ان کی معرفت حاصل ہے پس اویس نے حضرت کا حلیہ مبارک پوچھا تو حضرت عمر نہ بیان کرسکے پس حضرت اویس نے اول سے لے کر آخر تک حضرت کا حلیہ شریف بیان کیا۔ آپ جناب یوسف کو دیکھیں کہ وہ کس قدر حسین وجمیل تھے۔ لیکن ان کو کل تین شخصوں نے پہچانا۔ یعنے ان کی معرفت حاصل کی۔ اول تو جناب یعقوب نے جنہوں نے ان کے فراق میں اپنی آنکھیں سفید کرلیں۔ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم۔ دوسرے زلیخا نے کہ اپنا مال اور جوانی کو قربان کردیا۔ تیسرے وہ عورتیں جنہوں نے جمال باکمال

کو دیکھکر اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ وقلن حاش للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم یعنے حاش للہ یہ تو آدمی نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے۔

ہر حال معرفت کو رویت پر ترجیح ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ طوبیٰ لمن یرانی وسبع مرات لمن لا یرانی یعنے ایک مرتبہ طوبیٰ اور خوشخبری ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے دیکھا ہے اور سات مرتبہ طوبیٰ اور خوشخبری ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا ہے۔

اور اسی واسطے خداوند عالم نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے انہیں مومنوں کی تعریف کی ہے جو بغیر دیکھے ایمان لائے ہیں ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب بہر حال امام زمان کا ظاہر طور پر دیکھنا چنداں ضروری نہیں ہے۔ جس قدر کہ ان کی معرفت ضروری ہے چنانچہ خلاق عالم کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے اس کی معرفت ضروری ہے پہلے زمانہ میں امام زمانہ کی معرفت ہر شخص کو حاصل تھی حتیٰ کہ دیہات کی عورتوں کو بھی امام زمانہ کی معرفت حاصل تھی۔ لیکن جب امامت کا جھگڑا بہت طول پکڑ گیا تو لوگ بے معرفت ہو گئے۔ چنانچہ کتاب دو دیری اپنی کتاب امامت میں لکھتے ہیں۔ جو ابھی مصر میں چھپی ہے کہ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عمر لباس بدل کر راتوں کو اپنی رعیت کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بعض بیدار مغز بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ پس ایک رات کو ایک بستی میں سے گذر رہے تھے کہ ان کے کانوں میں ایک جھونپڑی سے گفتگو کی آواز آئی۔ آپ اس کے قریب گئے تو معلوم ہوا کہ ماں اور اس کی بیٹی آپس میں اپنے افلاس کی باتیں کر رہی ہیں۔ پس بیٹی نے کہا کہ اے اماں آج ہم پر تیسرا فاقہ ہے اور معلوم نہیں کہ کب ہم اس سے نجات پائیں گے۔ اس واسطے بہتر ہوگا کہ ہم خلیفہ رسول کی خدمت میں چلیں اور اپنا حال بیان کریں تاکہ وہ ہمارے واسطے کوئی سبیل کریں۔ یہ سن کر ماں نے تعجب سے اپنی بیٹی کو خطاب کیا کہ اری تو بالغ ہو گئی ہے اور تجھے اب تک اپنے امام کی معرفت نہیں حاصل ہوئی۔ خلیفہ رسول وہ ہے جو مشارق و مغارب کے حالات سے واقف ہے۔ اگر اس کو یہ نہیں معلوم کہ مخلوقات الٰہی کی کیا حالت ہے تو وہ خلیفۃ الرسول خلیفۃ اللہ نہیں ہے۔ یہ خداوند عالم کی رحمت اور عدالت ہے کہ اس نے ہمارے امام کو غائب کر دیا ہے۔ جبکہ شیطان غائب ہم کو دھوکا دیتا ہے تاکہ امام غائب اس کے وسوسہ کو ہم سے دور کرتے رہیں۔ ہم ایک زبردست غائب دشمن رکھتے ہیں اور ایک اس

سے بھی زبردست غائب دوست لکھتے ہیں۔ جو صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔
رویت حضرت صاحب العصر والزمانؑ کی تین طرح کی ہے۔ اول سب سے اخص۔ دوم خاص، سوم عام پس اخص وہ رویت تھی جبکہ حضرت پیدا ہوئے تھے اور سوائے گھروالوں کے اور کوئی حضرت سے نہیں مل سکتا تھا!
اور رویت خاص آجکل ہے کہ خاص خاص لوگوں سے حضرت ملتے رہتے ہیں۔ اور رویت عام وہ ہوگی جبکہ حضرت ظہور عام فرمائیں گے۔
کچھ دنوں تک سوائے فرقہ شیعہ اور صوفیہ کرام کے لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ ابھی حضرت مہدی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں لیکن اب چونکہ زمانہ ظہور قریب آتا جاتا ہے اس واسطے اب تقریباً سب کا اتفاق ہوگیا ہے۔ کہ وہ جناب پیدا ہو چکے ہیں۔ اب ظہور فرمائیں گے۔ چنانچہ صحرائے افریقہ میں فرقہ سنوسیہ سے لیکر ہندوستان اور چین وغیرہ سارے جہاں کے مسلمانوں کا اب اعتقاد ہے کہ وہ جناب پیدا ہو چکے ہیں۔ اب ظہور فرمائیں گے۔
حضرت کے وجود کا انکار کل انبیاء اوصیاء کے وجود کے انکار کو مستلزم ہے حتیٰ کہ خداوند عالم کے وجود کے انکار کو بھی مستلزم ہے کیونکہ وہ جناب کل انبیاء اوصیاء کے خون ناحق کا بدلہ لیں گے اور سب کا حساب کتاب انہیں کے ہاتھ پر ہوگا۔ قال عزوجل۔ واشرقت الارض بنور ربها ووضع الكتاب وجاء بالنبيين والشهداء وقضى بينهم بالحق وهم لا يظلمون۔ ووفيت كل نفس ما عملت وهو اعلم بما يفعلون۔
یعنی زمانہ ظہور میں ساری زمین اپنے رب کے نور سے مشرق انوار ہو جائے گی۔ زبان عرب میں ہر مربی کو رب کہتے ہیں نہ صرف پروردگار کو چنانچہ جناب یوسفؑ اس قیدی سے جو آپ سے خواب کی تاویل پوچھنے آیا تھا فرماتے ہیں۔ واذکرنی عند ربک یعنی اے شخص اپنے رب (عزیز مصر) کے پاس میرا ذکر بھی کر دینا۔ پس یہاں عزیز مصر کو رب کہا گیا ہے۔ جو محض زمین مصر کا مالک اور مربی تھا۔
اور اس دن کتاب رکھی جائے گی۔ اور انبیاء اور شہداء علیہم السلام کو طلب کیا جائے گا۔ اور ان کے دشمنوں اور ظالموں سے ان کا بدلہ لیا جائیگا۔ اور بالکل درست اور صحیح اور حق فیصلہ ہوگا۔ اس طرح سے کہ کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ اور ہر نفس کو جیسا کہ اس نے عمل کیا ہے پورا عوض دیا جائے گا۔ اور وہ رب الارض لوگوں کے افعال اور اعمال سے خوب واقف ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربےٰ ومن یقترف

حسنۃ نزدلہ فیہا حسنا

خداوند عالم کو جو اس کے بندوں پر رحمت اور شفقت ہے وہ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے اوپر رحم کرنا واجب کر لیا ہے کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (انعام ۷) پس باعث اس لطف و رحمت کے خداوند عالم نے ان چیزوں کو جو تقرب الی اللہ تک پہنچاتی ہیں - اور نیز ان کے اسباب کو بندوں پر واجب کر دیا ہے اور اس لطف و رحمت کی نشانیاں مختلف ہیں جن میں سے ایک تو اوپر بیان ہو چکی ہے اور دوسری آیۂ مجیدہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربےٰ ہے۔

اور جب خداوند عالم پر لطف و رحمت واجب ہے تو اس کا طریقہ بتلانا بھی واجب ہے۔ تاکہ لوگ اس طریقہ پر چل کر مورد رحمت الٰہی ہوں ۔

اور جب خداوند عالم نے اس راہ کی تعلیم فرما دی ہے تو اب اس پر چلنا نہ چلنا بندوں کا ختیار ہے کیونکہ جب بندہ اس راہ پر چلے گا تو گویا خود اس کی رحمت کی طرف جا رہا ہے ۔ اور جب نہ چلے گا تو گویا خود اس کی رحمت سے بھاگ رہا ہے ! پس اس راہ پر نہ چلنا بندوں کا قصور ہے کہ وہ خود اس کی رحمت سے دور رہنا چاہتے ہیں ۔ !!!

پس چونکہ خداوند عالم پر لطف و رحمت واجب تھی - اس لئے اس نے انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا - اور اسی واسطے ہر نبی اپنی امت سے یہی کہتا رہا ہے کہ ہم اپنی رہنمائی پر تم سے کچھ اجرت نہیں چاہتے کیونکہ یہ خداوند عالم کی طرف سے عین لطف و رحمت ہے ۔ جناب نوح فرماتے ہیں - ویقوم لا اسئلکم علیہ مالا ۔ ان اجری الا علی اللہ ۔ اور جناب ہود فرماتے ہیں - یقوم لا اسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی اور جناب شعیب فرماتے ہیں - وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین

اور دوسرے مقام پہ سورہ شعراء میں جناب ہودؑ فرماتے ہیں وما اسئلکم علیہ من اجر ان
اجری الا علی رب العالمین۔ اور جناب لوطؑ فرماتے ہیں۔ وما اسئلکم علیہ من اجر ان
اجری الا علی رب العالمین۔ اور جناب شعیبؑ فرماتے ہیں۔ انی لکم رسول امین فاتقوا
واطیعون وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔

اور جب وہ لطف اور رحمت پروردگار عالم درجہ کمال پر پہنچی یعنے جب نبوت جزئی
ختم ہوئی اور نبوت کلی کا وقت آیا تو فرمایا۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ پس اس درجہ
میں فرماتا ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ پس ظاہر ہے کہ اس آیہ مجیدہ میں
بمقابلہ اجر رسالت کے ایک چیز طلب کی ہے۔ اور پہلے نبیوں کی رسالت کا اجر بندوں سے نہیں
چاہا گیا ہے۔ لیکن ختم المرسلین سید الاولین والآخرین کی رسالت کا اجر چاہا گیا ہے۔ پس اس آیہ
مجیدہ میں جو شے بندوں سے طلب کی گئی ہے۔ اس کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے کہ وہ کیا
شے ہے جو خداوند عالم نے ختم المرسلین کی رسالت کے اجر میں بندوں سے چاہی ہے۔

پس زمخشری کا قول ہے کہ الا المودۃ میں جو الا واقع ہے وہ حرف استثناء ہے
اور استثناء کی دو قسمیں ہیں۔ استثناء متصل اور استثناء منقطع اور استثناء متصل وہ ہے جس کو ماقبل سے
اتصال ہو اور منقطع وہ ہے جس کو ماقبل سے کچھ تعلق نہ ہو۔ پس اس آیت میں حرف الا استثناء
منقطع ہے جس کو اس کے ماقبل سے کچھ تعلق نہیں یعنے آیہ مجیدہ محض اسی جگہ تمام ہوگئی ہے
کہ اے رسول ان سے کہدے کہ میں تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا اور بس اور اس کے بعد سے دوسرا
مضمون شروع ہوا ہے یعنے اور تم لوگ اپنے قریبیوں کو دوست رکھو اور ان کی مودت
اختیار کرو۔ گویا یہ دوسری آیت ہے اس کو اس کے ماقبل سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس واسطے
مودۃ القربیٰ کا یہ مطلب ہے کہ تم خود اپنے لیئے قرباء کی دوستی پیدا کرلو اور ان کو دوست
رکھو۔ لیکن اس استثناء منقطع کو دوسری آیت مانع ہے یعنے قل ماسئلتکم
من اجر فھو لکم۔ یعنے جو کچھ میں تم سے اجر رسالت مانگتا ہوں اس کا فائدہ محض تمہارے
ہی لیئے ہے نہ مجھے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ آیہ مجیدہ زمخشری کے استثناء منقطع کی سخت
مخالف ہے۔ اب زمخشری صاحب تو موجود نہیں ہیں۔ شاید ان کی طرف سے کوئی صاحب یہ
جواب دینا چاہیں کہ جب نبیؐ نے ہمارے ہی فائدے کے واسطے ہم سے اجر طلب کیا ہے
تو یقیناً وہ ہمارے ہی قریبیوں کی مودۃ ہے نہ دوسرے کی۔ پس اس صورت میں استثناء

بعض متصل ہو گیا اور معنے یہ ظاہرا درست ہو جائیں گے۔ کہ تم اپنے اپنے قریبیوں سے محبت کرو میری رسالت کا یہی اجر ہے!

پس پہلا اعتراض تو اس شخص پر یہ ہو گا کہ آیا یہ مودّت تمہارے قریبیوں کی تقرب الی اللہ کے لئے شرط ہے یا شطر یعنے جزو، کیونکہ امر دعوت خداوند عالم دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا علت تقرب ہے یا سبب تقرب ہے۔ یعنے شطر ہے یا شرط ہے؟ پس اگر آپ ان دونوں میں سے کوئی شق اختیار کرتے ہیں تو وہ درست نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم نے ان دونوں کی قرآن مجید میں نفی کی ہے۔ حیث قال عزمن قائله۔ وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی اور فرمایا ہے لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم عندنا زلفی پس اب ظاہر ہو گیا کہ نہ تو ہمارے قریبیوں کی مودۃ علت تقرب ہے۔ اور نہ سبب تقرب ہے۔ بلکہ اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا۔ کہ خداوند عالم نے ہمارے بعض قریبیوں کی مودت سے ہم کو منع کر دیا ہے قال عزوجل۔ یا ایها الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدواً لکم فاحذروهم (تغابن ۲)

انما اموالکم واولادکم فتنة۔

اور دوسرا اعتراض یہ ہو گا۔ کہ نبوت کلی کی تبلیغ کا اجر کیا محض یہی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے قریبیوں کو دوست رکھے جو محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ ہر شخص قدرتی طور سے اپنے اپنے اقربا کو دوست رکھتا ہے۔ سبحان اللہ ختم المرسلین کی رسالت کا اجر بھی قرار دیا تو محض ایک فضول شے۔

پس اب اس تقریر سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ استثناء متصل ہے اور مودۃ القربیٰ سے مودۃ اقربائے رسول مراد ہے نہ اور کسی کی۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پیغمبر نبی کے اقربا کی مودۃ سے ہم کو کیا فائدہ ہو گا [illegible] کے کیا معنے ہوں گے کہ ما سئلتکم من اجر فهو لکم کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سے دیگر انبیا علیہم السلام نے اپنے اپنے واسطے خدا سے اجر مانگا ہے اسی طرح سے رسول اللہ نے بھی ہم سے اپنے ہی واسطے مانگا ہے نہ ہمارے واسطے الخ جواب یہ ہے کہ اقربائے رسول کی مودۃ عین تقرب الی اللہ کا باعث ہے۔ اس واسطے اس کا فائدہ محض ہمارے ہی [illegible] ہمارے ہی واسطے ہے۔ اور دیگر انبیا [illegible] رحمت للعالمین محمد [illegible]

اُمّت پر عین رحمت ہے کہ انہوں نے اپنی رسالت کا اجر ہمیشہ اپنی امّت کے واسطے مانگا ہے۔

مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مشرکین مکّہ نے جو ان کے اپنے رشتہ دار تھے بہت تنگ کر رکھا تھا تو حضرت نے اُن سے فرمایا کہ بھائیو! اے قریشیو! تم میرے رشتہ دار ہو تم اگر مودۃ القربےٰ کو تو نہیں چھوڑو۔ میں تم سے یہی محض دوستی چاہتا ہوں اور بس۔ لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربےٰ چنانچہ یہ اعتراض اثناء وعظ میں ایک صاحب نے کیا تھا۔

پس اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا تھا اول اس طرح ہے کہ اس سوال پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبوت جزئی کا اجر خدا سے طلب کیا گیا ہے تو نبوت کلی کا اجر کفار و مشرکین سے کیوں طلب کیا جائے گا۔ کیا خدا نہیں دے سکتا تھا۔ دوم اس طرح ہے کہ ہر پیغمبر کو خداوند عالم نے اس کی قوم میں سے مبعوث فرمایا ہے اور ان کی قوم سے اُن کو بظاہر ایسی ایسی اذیتیں پہنچی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو بظاہر ویسی تکلیفیں ان کی قوم سے نہیں پہنچی ہیں لیکن اُن پیغمبروں نے کبھی اپنی قوم سے یہ نہیں کہا کہ تم ہم کو اذیت مت دو ہماری قرابت کا خیال رکھو اور اگر ایسا کہتے تو یہ تو شانِ نبوت کے برخلاف ہے کہ اذیت دینے سے قوم کو منع کرے اور واسطہ دے۔ پس جب دیگر انبیاء نے واسطہ نہیں دیا ہے تو ختم المرسلین کیونکر اس کے روادار ہوں گے! غرض یہ کہ اجر منکرین و مخالفین سے کیا مل سکتا ہے! اجر کی امید ان لوگوں سے ہو سکتی ہے جو واثق ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ احسان کیا گیا ہے۔ پس یہ اجر ان لوگوں سے مانگا گیا ہے جن کے واسطے حضرت نے تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کی ہیں یعنی مومنین سے نہ مشرکین سے کیونکہ مومنین کو رسول خدا نے وادیٔ ظلمت سے میدان نور و ہدایت میں پہنچایا ہے۔ پس نہ یہ امر کہ مشرکین سے اجر مانگنا کہ کم سے کم تم میری قرابت کی رعایت کرو بس صریح البطلان ہے پس یہ رحمت واسعہ اور شفقت کاملہ کو بندوں کو ہدایت فرمائی اور انہیں کے فائدے کے واسطے اس ہدایت کرنے کا اجر چاہا۔ چنانچہ دوسری آیت اس کی واضح دلیل ہے۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔ یعنی اسے نبی ان سے کہدے کہ جو خدا تک پہنچنا چاہتا ہے اور اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ ذوی القربےٰ سے مودۃ رکھے! اور اس بات کے واسطے کہ مودۃ عترت سے مراد خاص اہلبیت علیہم السلام کی مودۃ ہے آیۂ مندرجہ ذیل بھی دلیل ہے۔ ان الذین

اٰمنوا وعملوا الصلحت سیجعل لھم الرحمن وُدّا۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور کل صالحات کو بجالائے ان کے واسطے خداوندعالم مودۃ کو قرار دیگا یعنے ان کی مودۃ لوگوں پر واجب کر دیگا اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ جس قدر قرآن مجید میں یاایھا الذین آمنوا ہے ان سب مقاموں میں سب مومنوں سے پہلے امیرالمومنین مراد ہیں کیونکہ سب سے پہلے رسول اللہ پر علی ابن ابی طالب ایمان لائے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کل صالحات کو سوائے ائمہ علیہم السلام کے اور کوئی نہیں بجالایا ہے۔ اس لئے مودۃ القربےٰ سے خاص اہل بیت علیہم السلام کی مودۃ مراد ہے نہ دوسرے کی اہیں یہی لوگ سبیل تقرب الی اللہ ہیں۔ اسی لئے دعاؤں میں وارد ہوا ہے وانتم السبیل الاعظم والصراط الاقوم۔ قال عزمن قائل ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولاتتبعوا السُّبُل فتفرق بکم عن سبیلہ پس ظاہر ہے کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ محض ایک ہے نہ مختلف اور وہ راستہ طریقۂ رسول ہے اور ان کے بعد مودۃ القربےٰ کا راستہ ہے۔ پس اگر کوئی شخص انکا رستہ چھوڑکر اور رستوں پر چلیگا تو وہ خدا کے رستے سے دور ہوجائے گا۔ وذالک ھو الضلال المبین۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جب اصحاب انصار نے حضرت کی خدمت میں اپنی ہدایت کی عوض میں بہت سامال اور اسباب پیش کیا تو آیۂ مجیدہ نازل ہوئی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الاالمودۃ فی القربےٰ اور اس کے بعد فرمایا کہ پروردگار عالم جزا دینے والا ہے۔ آیۂ مجیدہ میں خداوندعالم نے قربیٰ کو مودۃ کا ظرف قرار دیا ہے۔ پس اس کے یہ معنے ہوئے کہ مودۃ قربیٰ میں منحصر ہے یعنے سوائے اہل بیت کے اور کسی سے مودۃ نہیں ہونی چاہئے۔ اور دوسری جگہ مودۃ کی کون سی ہے؟ اس کو آیۂ مجیدہ مندرجہ ذیل میں بیان فرمایا ہے۔ ومن اٰیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذالک لاٰیٰت لقوم یتفکرون۔ یعنے دیکھو تمہاری بی بی کو تمہاری جنس سے خلق فرمایا ہے۔ اور تمہارے اور اس کے مابین مودۃ پیدا کی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے ناموس کی مودۃ اور محبت میں انسان مال اور جان سے گذرجاتا ہے۔ اور حالانکہ اس مودۃ کو خداوندعالم نے انسان پر واجب نہیں کیا ہے پس کم از کم مودۃ القربےٰ میں بھی انسان کو یہی بات مدنظر رکھنی چاہئے۔ کیونکہ اس کو خداوندعالم نے اس پر واجب کردیا ہے۔ تب مودۃ ثابت ہوگی ورنہ زبانی دعوےٰ ہوگا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے کل مسلمانوں سے انہیں الفاظ سے بیعت لی ہے کہ تم کو نبی کی دوستی اور مودۃ میں مال وجان سے ہرگز دریغ نہ کرنا ہوگا۔ پس انہوں نے بسر وچشم قبول کیا تھا۔ اور کر کے دکھلا دیا۔

پس یہ سوال مودۃ القربیٰ کا کل مسلمانوں کی طرف ہے۔ کیونکہ یہی مودہ سبیل الی اللہ ہے۔ اور ہر چیز جو معرفت الٰہی کے لئے درکار ہے۔ ان سب کا حصول اہل بیت کی مودۃ پر منحصر ہے۔ کیونکہ یہی لوگ بعد نبی کے حامل علوم نبی ہیں اور بعد نبی کے ان کے احکام کے پہنچانے والے ہیں چنانچہ آیہ مجیدہ مندرجہ ذیل ہیں۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی و قل اوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ سے یہی ائمہ مراد ہیں جو بعد رسول کے حامل علوم نبی اور اس کی تبلیغ کرنے والے ہیں اور جن لوگوں کو ان سے کامل مودۃ اور محبت ہے ان کو بھی اس قدر علوم حاصل ہیں اور اتنا فیض پہنچا ہے کہ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اگر میرے شتر کی عقال صحرا میں گم ہو جائے تو میں اہل بیت کے طفیل سے اسے بھی قرآن سے پیدا کر لونگا! کیونکہ میں نے باب مدینۃ العلم سے علم قرآن حاصل کیا ہے۔ دیکھو اہل بیت رسول کے گھروں کی لونڈیوں کو قرآن کا کیا علم حاصل تھا۔ کہ جناب فضہ کنیز جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ نے بعد وفات اپنی بی بی کے جب تک زندہ رہیں سوائے آیات قرآنیہ کے اور کسی جملے سے تکلم ہی نہیں کیا۔ اپنے ہر طرح کے مقصد اور مطلب کو محض آیات قرآن سے ظاہر فرماتی تھیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ امیر المومنین باب مدینہ سید المرسلین کی اپنے پیروں اور تابعداروں کے لئے بہت تاکید تھی کہ سوائے قرآن کے اور کسی چیز کو اپنا ہادی اور پیشوا نہ بنائیں اور اپنی اولاد اور اتباع کو حکم دیا ہوا تھا کہ سب کے سب قرآن کو حفظ کریں۔ چنانچہ اس جناب سے منقول ہے کہ فرماتے تھے اعلموا ان ھذا القرآن ھو الناصح الذی لا یغش والہادی الذی لا یضل والمحدث الذی لا یکذب وما جالس ھذا القرآن احد الا قام عنہ بزیادۃ او نقصان زیادۃ من ھدی ونقصان من عمی۔ واعلموا انہ شفیع مشفع وقائل مصدق من شفع لہ القرآن یوم القیمۃ شفع فیہ ۔ ۔ ۔

نوٹ بحث تحریف اور ان اوصاف قرآنی کی تحقیق کے واسطے ہمارا مصحف الحق ضرور مطالعہ کرنا چاہئے دسر سری

ابوالقاسم قشیری نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں ایک سال حج کرنے کے لئے گیا۔ پس راہ میں قافلہ سے رہ گیا اور ایک عورت کو دیکھا کہ تنہا صحرا میں بیٹھی ہوئی ہے میں اُس کے نزدیک گیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے یہ آیت پڑھی۔ قل سلام فسوف تعلمون۔ پس میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ تو جنی ہے یا انسی تو یہ آیت پڑھی۔ ولقد کرمنا بنی ادم وحملناهم فی البر والبحر۔ پس میں نے عرض کیا کہ یہاں کس طرح بیٹھی ہو تو یہ آیت پڑھی۔ ومن یضلل الله فلا هادی له۔ پس میں نے عرض کیا کہ کہاں جانے کا قصد ہے تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ولله علی الناس حج البیت۔ پس میں نے عرض کیا کہ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ سبحان الذی اسرى بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصى تو میں نے سمجھ لیا کہ بیت المقدس سے آرہی ہیں پس میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کچھ کھانا چاہیں تو میں حاضر کروں تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وما جعلناهم جسدا لا یاکلون الطعام اور حسب کچھ کھا لیا تو میں نے اپنا اونٹ آہستہ آہستہ چلایا اور کہا کہ آپ بھی ذرا سرعت سے چلیں ہم ابھی قافلہ میں پہنچ جائیں گے تو یہ آیت پڑھی۔ لا یکلف الله نفسا الا وسعها پس میں نے عرض کیا کہ پھر آپ میرے پیچھے اونٹ پر سوار ہو جائیں تو یہ آیت پڑھی۔ لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا۔ پس میں نے اپنے اونٹ کو بٹھلایا اور اس کی عقال باندھ دی اور اپنا زانو ٹیکا۔ اور عرض کیا کہ آپ میرے زانو پر پاؤں رکھکر اس اونٹ پر سوار ہو جائیں میں پیادہ چلوں گا پس یہ آیت تلاوت فرمائی۔ والذین هم لفروجهم حفظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین پس میں نے سمجھ لیا کہ یہ بی بی میرے زانو پر پاؤں رکھکر نہیں چڑھنا چاہتی پس میں متحیر ہو کر دور جا کھڑا ہوا پس اس بی بی نے اپنی زبان مبارک سے کچھ فرمایا۔ جس کو میں نے نہیں سمجھا پس میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جوان برق جہندہ کی طرح سے آیا اور اس کو سوار کر گیا! پس یہ آیت پڑھی۔ سبحان الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین۔ پس میں نے شتر کی مہار پکڑ لی اور جلدی جلدی چلنے لگا اور بآواز بلند حدی پڑھتے رہے تاکہ جلدی کہیں قافلہ میں پہنچیں پس اس بی بی نے یہ آیت پڑھی۔ واقصد فی مشیك واغضض من صوتك ان انكر الاصوات لصوت الحمیر پس میں نے سمجھا کہ آہستہ چلنے کو فرماتی ہیں۔ اور حدی کو آہستہ پڑھنے کو کہتی ہیں۔

پس میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور حدی کو زمرمہ کے طور پر شروع کیا۔ پس یہ آیت تلاوت فرمائی
فاقرؤا ما تیسر لکم من القرآن۔ یعنے جب قرآن خدا کا کلام موجود ہے تو اشعار
عرب کی کیا ضرورت ہے۔ پس سب ہم قافلے کے نزدیک پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ کیا
آپ کا کوئی اس قافلہ میں ہے؟ تو یہ آیت تلاوت فرمائی۔ المال والبنون زینۃ
الحیوٰۃ الدنیا۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ لڑکے ہیں۔ پس میں نے اُن کا نام پوچھا تو یہ
آیتیں پڑھیں۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض یا یحیی خذ الکتاب
بقوۃ ویا موسی انی انا اللہ وما محمد الا رسول میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب
ان کے لڑکوں کے نام ہیں پس میں نے جب یہ نام لے کر پکارا تو قافلہ میں سے چار جوان
آئے اور اُس بی بی کو اونٹ پر سے اُتارا۔ پس اس نے اپنے لڑکوں کی طرف اشارہ کر کے
یہ آیت پڑھی یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین
میں نے سمجھ لیا کہ فرماتی ہیں کہ اس شخص کو اُجرت دے دو۔ پس وہ جوان میرے واسطے کچھ
مال ومتاع اور خرما لائے۔ پس اس بی بی نے یہ آیت تلاوت فرمائی واللہ یضاعف
لمن یشاء۔ پس میں نے ان جوانوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بی بی ہے جو سوائے
آیات قرآن کے اور کچھ زبان پر لاتی ہی نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ھذہ امنا فضۃ
جاریۃ الزہرا ما تکلمت منذ عشرین سنۃ الا بالقرآن پس میں متحیر
ہو کر جناب فضہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے بی بی وہ کون بزرگوار تھا جس نے
اس صحرا میں آپ کو آکر سوار کیا تھا؟ پس جناب فضہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وانہ
فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم۔ پس میں نے سمجھا کہ وہ جناب علی ابن ابی
طالب علیہ السلام تھے۔ جنہوں نے اس صحرا میں آکر اپنی لونڈی کو ناقہ پر سوار
فرمایا تھا۔ اور نامحرم کی نظر سے بچایا تھا۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ یا علیؑ آپ نے
اپنی لونڈی کو تو اس صحرا میں آکر سوار فرمایا تھا۔ اور نامحرم کی نظر سے بچایا لیکن
دشت کربلا میں آپ کہاں تھے کہ اپنی بیٹیوں کو نہیں سوار کیا۔ جب اشقیا امت
اہلبیت رسولؐ کو اسیر کر کے شہر شام میں لے گئے۔ تو اس مقام پر ان کو کھڑا کیا جہاں
بردہ فروشی ہوتی تھی۔ پس ایک شخص نے ان اسیروں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا تو
جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اے شخص تو نے آیہ

مودۃ کو بھی پڑھنے تو اس نے کہا کہ ہاں وہ تو اہل بیت رسول کی شان میں ہے۔ تمہیں
اُس سے کیا مطلب ہے تو حضرت نے اُس سے فرمایا کہ وہ اقرباء رسول ہم
ہی ہیں۔ الا لعنۃ اللہ علی القوم الظلمین۔ وسیعلم الذین ظلموا آل
محمد ای منقلب ینقلبون۔

ہر فرقہ اسلام کا ناجی ہونے کا مدعی ہے اور ہر ایک متمسک بالقرآن ہے! تو اب
ہم یہ فیصلہ قرآن ہی پہ چھوڑتے ہیں۔ کہ وہ کس فرقہ کو ناجی بتلاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ
قرآن مجید فرقان حمید میں اول سے آخر تک جنت کا وعدہ متقیوں کے واسطے کیا گیا ہے
مثل الجنۃ التی وعد المتقون۔ انّ للمتقین عند ربھم جنت نعیم۔
ولنعم دار المتقین جنت عدن یدخلونھا تجری من تحتھا الانھار
لھم فیھا ما یشاءون کذلک یجزی اللہ المتقین۔ ان المتقین فی جنت
ونعیم فاکھین بما اتٰھم ربھم ووقٰھم ربھم عذاب الجحیم۔
وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید۔ انّ المتقین فی جنت وعیون اخذین
ما اتٰھم ربھم انھم کانوا قبل ذالک محسنین۔ کانوا قلیلا
من اللیل ما یھجعون۔ وبالاسحار ھم یستغفرون۔ وفی اموالھم
حق للسائل والمحروم۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وامنوا برسولہ
یؤتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم
واللہ غفور رحیم۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ متقی ہی ناجی ہیں تو اب اتقاء اور متقین کے معیار
کا معلوم کرنا ضروری ہوا کہ کن عملوں سے متقی کہلا سکتے ہیں۔ پس اوصاف متقین بھی خود
قرآن مجید میں موجود ہیں وہ بھی ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف آیات میں صراحت کے ساتھ
دو سو اٹھارہ مقام پہ مذکور ہیں اور اول مرتبہ اتقاء کے بظاہر دس درجے ہیں لیس
البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب۔ ولکن البر من امن
باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین۔ واتی المال علی حبہ
ذوی القربٰی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ

واتی الزکوٰۃ والموفون بعہدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس ط اولئک الذین صدقوا ط واولئک ھم المتقون۔

اول اللہ پر ایمان لانا۔ دوم قیامت پر ایمان لانا۔ سوم فرشتوں پر ایمان لانا چہارم کتب سماویہ پر ایمان لانا۔ پنجم انبیاء پر ایمان لانا۔ ششم مال دنیا باوجود اس کی حاجت کے۔ ذوی القربیٰ کو یتیمی کو مساکین کو۔ مسافرین کو۔ سائلین کو اور بنی نوع انسان کی غلصی میں۔ ہفتم اقامتہ صلوٰۃ۔ ہشتم ایتاء زکوٰۃ۔ نہم وعدہ وفائی۔ دہم صبر کرنا۔ باساء اور ضراء اور جہاد میں۔ پس جس میں یہہ دس اوصاف پائے جاتے ہیں۔ یعنے جو لوگ ان دسوں اوصاف سے متصف ہیں وہی لوگ صدیق اور متقی ہیں!

پس چونکہ اس آیہ مجیدہ میں اوصاف متبعین میں سے ایمان کے بعد انفاق مذکور ہے اس لئے کچھ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ۔ لیکن چونکہ الصلوٰۃ عماد الدین ہے۔ اگر یہ قبول ہوئی تو سب کچھ مقبول ہے ورنہ کچھ فائدہ نہ بخشے گا۔ اسلئے مذہب کہ اقامہ صلوٰۃ کے معنے معلوم ہو جانے چاہئیں۔ پس اقامہ صلوٰۃ کے معنے محض نماز پڑھ لینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے حدود واقعیہ کے ساتھ بجالانا مراد ہے اور ساتھ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو بھی اس پر قائم کرے۔ نہ یہ کہ خود پڑھکر فارغ ہو گیا۔ اور بس چاہے کوئی اور مسلمان پڑھے یا نہ پڑھے نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس پر قائم کرے۔ کیونکہ باب افعال متعدی فعل ہے نہ لازمی اسی واسطے جہاں صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ وہاں لازمی فعل مستعمل ہوا ہے۔ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ۔ الذین ھم علےٰ صلوٰتھم دائمون۔ پس ظاہر ہے کہ ان ایتوں میں اتیان بالصلوٰۃ مراد ہے۔ نہ اقامہ صلوٰۃ۔

پس انفاق کے بھی کئی درجے ہیں اول ابتغاء ہر کس کو راہ خدا میں دینا۔ والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنھم سراً وعلانیۃ ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اولئک لھم عقبی الدار

تیسرے فراخی اور تنگی میں راہ خدا میں خوشی سے خرچ کرنا جیسے ینفقون فی السراء والضراء یعنے فراخی اور تنگی میں یکساں طور پر اطمینان قلب کے ساتھ انفاق کرتے ہیں ان کی دونوں حالتوں میں بالکل فرق نہیں ہے۔ یعنے جس طرح وسعت

کے زمانہ میں بڑی قلیمیت کے ساتھ انفاق کرتے تھے۔ اسی طرح تنگی کے زمانہ میں بھی کرتے
ہیں (اس آیت کے سارے لفظوں کی تشریح فرمائی تھی)

جو کچھ اپنے رزق میں سے انفاق کریں۔ الٓمٓ۔ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ ھدًی
للمتقین الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ و مما رزقنٰھم
ینفقون۔ پس جو انفاق پہلے مذکور ہوا ہے۔ یہ انفاق اس سے بڑھکر ہے۔ وہاں
محض انفاق تھا اور یہاں فرمایا ہے کہ کچھ شے انفاق کرتے ہیں یعنے اپنے رزق میں سے
انفاق کرتے ہیں۔ ممّا رزقنٰھم ینفقون اور رزق کے معنے اس قوت لایموت کے ہیں
جس سے قوام بدن ہوتا ہے یعنے جس پر انسان کی حیٰوۃ کا مدار ہے۔ مثلاً کسی شخص کے پاس
ایک ہی روٹی ہے۔ تو وہ ساری انفاق کردے۔ اور ایک انفاق اعطاء ہے اور ایک
ایتاء ہے۔

پس اعطاء اس انفاق کو کہتے ہیں جس میں معطی کی طرف سے احسان جتلایا جاتا ہے
گویا معطی اپنا مال اپنے پاس سے اس کو دیتا ہے۔ اور ایتاء اس انفاق کو کہتے ہیں کہ جس میں
معطی نے گویا اس کا مال اس کو دے دیا ہے۔ یعنے بغیر منت و احسان کے اس طرح
راہِ خدا میں دے کہ گویا وہ مال اس شخص کا تھا جسے راہِ خدا میں دیا گیا ہے کیونکہ
ایتاء کے معنے محض دے دینے کے ہیں نہ عطا و بخشش کرنے کے۔ گویا اس کا مال اس
کو واپس کر دیا ہے۔

اور متقین کے اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ نہایت سختی اور
شدّت کے وقت اور جہاد میں صبر بھی کریں۔ الصابرین فی الباساء والضراء
وحین البأس۔ یعنے متقین باساء اور ضراء میں صبر کرتے ہیں۔ بأس کے یہ معنے
ہیں کہ اس کو اس بات کا خوف نہ ہو کہ راہ خدا میں اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔
پس اس حالت میں بھی صبر کرے۔ پس آیۂ مجیدہ ان سب درجوں اور وصفوں پر حاوی
ہے بلکہ اس آیۂ مجیدہ مذکورہ بالا میں انفاق مال کے ساتھ حب مال کی قید
بھی لگی ہوئی ہے یعنے وآتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ الخ یعنے
ایتاء مال میں متقی کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ اس مال کو دوست
بھی رکھتا ہو۔

اب متقی کے واسطے ہدایت کی بھی ضرورت ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے الٓمٓ۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدیً للمتقین۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن نے کیا ہدایت کی ہے جو ھدیً للمتقین ہوا۔ پس دوسرے مقام میں ارشاد ہوا ہے کہ یھدی للتی ھی اقوم یعنے قرآن مجید اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن صامت ہے۔ پس اگر کوئی محض قرآن حفظ کرے تو وہ متقی اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر اپنے گلے میں ڈالے رہے تو بھی متقی نہیں ہوسکتا۔ پس ان حالتوں میں ظاہر ہے کہ قرآن کچھ ہدایت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے سے محکم تر کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ جن کی پیروی پر نجات منحصر ہے پس ظاہر ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید نے خود ایک ناطق امام اور ہادی کی ضرورت بتلائی ہے۔ پس جب متقین کی صفتیں یہ ہیں جو بیان ہوئیں تو امام المتقین کیسا ہونا چاہئے۔ پس ظاہر ہے کہ امام المتقین نبی ہوسکتا ہے یا اس کا وصی اور وصی ختم المرسلین یعسوب الدین فرماتے ہیں۔ وجعلنا للمتقین اماماً۔ اے پروردگار ہم کو متقین کا امام بنا نہ غیر متقین کا۔ اب وہ امام المتقین کون ہیں۔ پس وہ امام المتقین وہ ہیں جن کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیرا۔ اب مسلمان خود فیصلہ کرلیں کہ سورہ ھل اتی کس کی شان میں نازل ہوئی ہے؟ پس تمام مفسرین ومورخین . . . . . کا اتفاق ہے کہ یہ آیہ علی بن ابی طالبؑ امام المتقین سید الوصیین کی شان مبارک میں نازل ہوئی ہے اور اس میں جناب فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ اور ان کے دونوں بیٹے حسن اور حسین بھی شریک ہیں اور نیز ان کی لونڈی جناب فضہ بھی شریک ہیں کیونکہ یہ لوگ تین روز تک برابر انفاق کرتے رہے اور نہ صرف تین روز تک بھوکے رہے بلکہ روزہ بھی تھا۔ اور نہ صرف امیر المومنین نے کہ جوان آدمی تھے اور اپنی طاقت پر بھروسا کرکے اپنی قوت لایموت مسکین ویتیم واسیر کو دے دی بلکہ سات اور چھ سال کے بچوں نے بھی اپنی خوشی سے اپنا قوت اپنا رزق دے دیا یعنے حسنین علیہما السلام نے خود عرض کیا کہ ہمارا حصہ بھی دے دیجئے اور جو مال انفاق کیا گیا تھا وہ اپنا مال نہ تھا۔ بلکہ قرض لیا ہوا تھا۔ پس اس تنگی کی حالت

ہیں جو مال اپنی قوت کی خاطر قرضہ لیا گیا تھا وہ بخوشی انفاق کیا گیا۔ پس یہ ہیں امام المتقین اور باساء اور ضراء اور حین الباس میں ان بزرگواروں نے وہ صبر فرمایا ہے کہ قیامت تک یادگار رہے گا۔ جس کا مداح خود خداوند عالم ہے۔ لا فتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار۔

ازسہ نانش ہل اتیٰ آمد پدید
ازسنانش لافتیٰ آمد پدید

عالیجناب تقدس مآب مولانا سید منظور حسین صاحب قبلہ نقوی
خطیب جامع مسجد حائری لاہور

جواہر ریزے

اِسلام واہلبیت علیہم السّلام کی معرفت حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ فرمانا نہایت ضروری ہے۔ یہ آپ کو صراطِ مُستقیم یعنی شاہراہِ علم وعمل پر گامزن ہونے کیلئے پوری پوری معاونت فرمادینگی:-

اِسلامی نماز

(از حجۃ الاسلام علاّمہ سیّد محمد سبطین صاحب سرسوی اعلی اللہ مقامہٗ)

اعمالِ صالحہ کی مقبولیت محض مقبولیتِ نماز پر منحصر ہے۔ مختلف اسلامی فرقے مختلف طریقوں سے نماز ادا کرتے ہیں۔ درآنحالیکہ پیغمبر صلعم نے ایک اور صرف ایک طریقہ ہی سے قولاً و فعلاً ادا کرکے دکھایا۔ محقق علاّم نے مکمّل تحقیقات پیش کرکے صحیح اِسلامی نماز کا نقشہ پیش کیا ہے۔ قیمت مجلّد ۲ روپے آٹھ آنے۔ بغیر جلد ۲ دو روپے علاوہ محصولڈاک +

نصابِ تعلیمِ دینیات

بہ سلسلہ تدریجی تعلیم اطفال کے اُصول کے مُطابق علاّمہ سیّد محمد سبطین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ نے باحسن اسلوب ترتیب دیا تھا۔ جس سے بچے تھوڑے ہی عرصہ میں مذہبی معلومات میں کافی اِستعداد بہم پہنچا لیتے ہیں اور لڑکے لڑکیوں دونوں کے لئے یکساں مفید اور عام فہم ہے۔ بعض مدارس دینیہ کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ اُصولی نقطۂ نظر سے اِس سے بہتر سلسلہ دینیات میں موجود نہیں ہے اور جو اس کے بعد وجود میں آئے ہیں، وہ معنیٔ نصاب سے خالی ہیں۔ قیمت ہر چہار حصص ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک +

فتنۂ تفسیر بالرائے

مع "ضمیمہ معارفُ الفرقان"

(از علاّمہ سیّد امداد حسین کاظمی و علاّمہ الحاج مرزا احمد علی صاحب مدظلہ) چودھویں صدی ہجری کو قرآنِ حکیم کی تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں نمایاں خصوصیت حاصل ہے اور آج کل یہ سلسلہ اس قدر زور پکڑ گیا ہے کہ بعض جماعتیں کھلم کھلا من مانی اپنے مطلب کے موافق تفسیر کرنے میں مشغول ہیں۔ یہ کتاب نئی روشنی کے دِلدادگان اور مغربی تہذیب وتمدّن سے مسحُور حضرات کے لئے تحفۂ بے بہا ہے۔ مصنفینِ علاّم نے عُلومِ انبیاء اور عُلوم خادمہ (یعنی صرف، نحو، منطق ومعانی وغیرہ) کے علاوہ قرآن اور سائنس کی روشنی میں مکمل بحث کرکے راسخون فی العلم یعنی محمدؐ وآلِ محمد علیہم السّلام کا علمی مقام نمایاں کیا ہے۔ کل صفحات ۷۶۴ قیمت مجلّد چار روپے بارہ آنے۔ غیر مجلّد تین روپے بارہ آنے +

عقایدِ اِسلام بہ تعلیماتِ اہلبیتؑ

(از ادیبِ اعظم سیّد ظفر حسنؔ امروہوی)

زندگی کے ہر ضروری شعبہ کے متعلق دُنیا کی آنکھیں تعلیماتِ اہلبیتؑ طاہرینؑ یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السّلام کی طرف لگی ہیں۔ لاریب اہلبیتؑ رسالت سے بڑھ کر اسلام سے اور کون واقف ہوسکتا ہے۔ جبکہ یہ خود بانیانِ اِسلام ہیں۔ اِس کتاب میں حضرت ادیبِ اعظم نے ہر ضروری مسئلہ کو اہلبیتؑ کے اقوال سے واضح کیا ہے۔ صفحات ۱۳۲۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے +

اِسلامی معاشرہ

تعلیماتِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں۔ یہ گرانقدر کتاب صدوق علیہ الرحمۃ کی مشہور تصنیف "مصادقۃ الاخوان" کا سلیس اُردو میں ترجمہ ہے (مع متن عربی) جو ادارۂ معارفِ اِسلام کے فاضل رکن محترم سیّد مرتضیٰ حسین صاحب صدرالافاضل کی سعی مشکور ہے۔ معاشرہ کی درستگی وقت کی اہم آواز ہے۔ دینِ معاشرتِ اہلبیتؑ طاہرینؑ سے بڑھ کر اور کس سے ہوسکتا ہے جبکہ خود تربیت یافتہ حضرت پیغمبرِ اسلام تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق تعلقاتِ باہمی کے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ قیمت مجلّد دو روپے۔ غیر مجلّد ایک روپیہ چار آنے +

مِلنے کا پتہ

ادارۂ معارفِ اِسلام رجسٹرڈ گمٹی بازار شاہ عالمی، لاہور (و) البُرہان بُکڈپو ۲۰ ریلوے روڈ، لاہور